باران رحمت

خواجہ شمس الدین عظیمی



نام کتاب : باران رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
سن اشاعت : 27 جنوری 2012
پبلشر : سیرت چیئر
شعبہ علوم اسلامیہ
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

فہرست



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ چند

اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے انبیاء کرامؑ کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم النبیین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوا۔ قرآن کریم نے انبیاء کا مشن یہ بتایا کہ یہ تمام رسول خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور گروہ یعنی امت کیلئے ایک ہادی یا رسول بنا کر بھیجا۔ لکل قوم ھاد کے الفاظ اس بات کی مکمل تصدیق فراہم کرتے ہیں۔ ان انبیاء کا کام اپنے دور کے بگڑے ہوئے فاسد عقائد کی اصلاح کرنا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا مشن توحید کی تعلیم تھا۔ جب توحیدی تعلیمات پر حرف آنے لگا اللہ نے اپنے بندے بھیج کر اُن کی اصلاح فرمائی۔

حضور ﷺ کی آمد سے قبل دنیا تاریکی کے گڑھوں میں یعنی قعرِ مذلت گر چکی تھی۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں "کنتم شفا حفرۃ فانقذکم ......الایۃ، تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر اس نے تم کو بچالیا۔

حضور ﷺ کی بعثت کو انسانوں کیلئے احسان عظیم کہا گیا ہے۔ فرمایا "لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا"۔ یہ اللہ کا احسان ہے مومنین پر کہ اُن پر رسول اللہ مبعوث ہوئے اور یہ دعائے خلیل اللہ اور مسیح علیہ السلام کی نوید تھی کہ آپ مکہ کی وادی میں جلوہ افروز ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے مابین آپ کی پیدائش اس بات کی نوید تھی کہ آپ امت وسط کے امین ہیں ایسی امت کی آبیاری کریں گے جو افرط و تفریط سے پاک ہوگی۔ ایسی امت جو قوم یہود کی افراط اور قوم مسیح کی تفریط کے مابین اعتدال قائم کرے گی جو دنیا پر حکمرانی کرے گی اور لوگوں کو بے شمار مسائل اور اغلال سے محفوظ رکھے گی۔

حضور ﷺ کی آمد سے قبل معاشرہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پورے کا پورا معاشرہ اخلاقی انحطاط کا شکار تھا۔ آپس میں لڑائی جھگڑا معمولی بات تھی۔ عورتیں خصوصی طور پر مشکلات کا شکار تھیں یہاں تک کے لڑکی کی پیدائش کو بھی عار سمجھا جاتا اور بعض قبائل تو لڑکیوں کو زندہ درگور بھی کر دیتے۔ ایسی سوسائٹی کی اصلاح بہت ضروری تھی چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا۔

حضور ﷺ کی تعلیمات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانیت کیلئے مبعوث ہوئے یعنی قیامت تک کے انسانوں کیلئے آپ کی تعلیمات روشنی کا مینار ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ عالمگیر نبی ہیں۔ یعنی قیامت تک آنے والے انسانوں کے پیغمبر ہیں اور آخری نبی ہیں۔ اس طرح آپ کاملیت اور اکملیت کے درجہ پر فائز ہیں۔ آپ نے دنیا کی تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ آپ کی شخصیت تاریخی شخصیت کہلاتی ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی کا لمحہ بہ لمحہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ ان لوگوں سے بھی کہے جن کو آپ ﷺ نے پیغام حق سنایا اور کہا کہ دیکھو میں نے آپ کے درمیان زندگی گزاری ہے اگر آپ کو معلوم ہے کہ میں نے زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر انگلی اٹھائی جاسکے تو یہ بات بھی مان لینی چاہیئے کہ جو پیغام میں سنا رہا ہوں وہ ازلی و ابدی خدا کا پیغام ہے اور یہ پیغام لوگوں کی بھلائی کا پیغام ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو محفوظ اور آپ کے پیغام کو بھی محفوظ و مامون قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پت بے شمار کتب تحریر کی گئیں۔ ان میں سے ہر کتاب اپنی جگہ اعلیٰ و ارفع مقام رکھتی ہے۔ یہ کتابیں بعض تو ادبی رنگ میں لکھی گئی ہیں بعض میں رطب و یابس اور خلاف عقل باتوں کو سمو دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں نے کیلئے ذریعہ نجات ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے ہے مغربی سیرت نگاروں میں ایسے بہت سے سیرت نگار سامنے آئے جنہوں نے حضور ﷺ کی زندگی پر اعتراضات بھی اٹھائے۔ الحمد اللہ بے شمار مسلمانوں نے آپ کی زندگی پر لگائے گئے الزامات کا مدلل جواب دیا جس کے بعد وہ عقل کے اندھے بے بس نظر آئے۔ "فھیت الذی کفر" کی تصویر بنے۔

فن حدیث کی طرح فن سیرت نگاری بھی روایت و درایت کے اصولوں کی پابند ہے۔ سیرت نگاروں نے تحقیقی اعتبار سے فن سیرت کا ایسا معیار قائم کیا جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ مشہور مستشرق اسپرنگر "اصابہ" کے دیباچہ میں لکھتا ہے "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔"

حکیم عبدالرؤف داناپوری نے کہا ہے کہ سیرت نگار کو سیرت سے پوری طرح واقفیت ہونی چاہیئے۔ مارگولیتھ لکھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن ان میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔

فن سیرت میں محمد بن اسحاق (م150ھ) کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ علامہ بلاذری کے بقول خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر آپ نے سیرت کی کتاب تحریر کی جن میں معلومات کی فروانی تھی اور جس پر بعد میں آنے والے تمام سیرت نگاروں نے نہ صرف اعتماد کیا بلکہ اسے اولین ماخذ سیرت قرار دیا۔

اندلس کے سیرت نگاروں میں ابن عبدالبر کا نام آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ انہوں نے سیرت کے فن میں ایسی مہارت حاصل کی جو اپنے تمام پیش روؤں پر فوقیت حاصل کر چکے۔ وہ اندلس کے بہترین نمائندہ اور عروج سیرت نگاری کی روشن دلیل ہیں۔

افریقی سیرت نگاروں میں قاضی عیاض کا نام "کتاب الشفا" کی بدولت سیرت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ مصر میں محمد حسین ھیکل کی کتاب جدید زمانے کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتی ہے۔ ہیکل کی لکھی ہوئی کتاب مشرق ومغرب میں یکساں مقبول ہے اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

جب ہم برصغیر میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری سب سے پہلی نظر سرسید احمد خاں پر پڑتی ہے۔ سرسید کا شمار برصغیر کے ان ناموں میں سے ایک نام ہے جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا ہے۔

برصغیر میں سیرت نگاروں کے جو نام زیادہ سامنے آئے ہیں ان میں سلیمان منصور پوری، مولانا شبلی نعمانی، سید سلمان ندوی، سید مناظر احسن گیلانی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، صفی الرحمان مبارکپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، نعیم صدیقی، مولانا ابوعلیٰ مودودی، پیر کرم شاہ الازہری، مفتی محمد شفیع، مولانا طاہر القادری، عبدالماجد دریاآبدی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، سید اسعد گیلانی، ڈاکٹر خالد علوی اور ڈاکٹر محمد اکرم رانا شامل ہیں۔

جو کتاب ہمارے ہاتھ میں ہے وہ خواجہ شمس الدین عظیمی کی "باران رحمت ﷺ" ہے۔ یہ ایک ضخیم اور عمدہ سیرت کی کتاب ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جدید اور آسان طرز تحریر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی آئینہ دار ہے۔ معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے چینی، بے حس، تشدد اور انتہاپسندی کے خلاف عظیمی صاحب کی تصنیف اہم کردار ادا کرتی ہے کیونکہ آپ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ رواداری ہی ایک ایسی تعلیم ہے جو انسانوں کو بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت، ذات و قوم، ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ یہ کتاب زمین پر بے انصافی، حق تلفی، خود غرضی، دولت پرستی کے خلاف سینہ سپر ہے۔ عظیمی صاحب کا قلم تکوینی امور کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ کتاب سورج، بادل، بارش، پانی، سنگریزوں، آوازوں، پہاڑوں، نباتات، کھجور، لکڑی، ستاروں، پنگوڑوں اور چاند پر بھی گفتگو کرتی ہے۔

یہ کتاب حضور کے فرائض نبوت پر مدلل بحث کرتی ہے اور ساتھ ساتھ ان امور کی نشاندہی کرتی ہے جن میں اتباع سنت کا پہلو نمایاں ہے۔

آپ نے اپنی اس کتاب میں تکوینی اور روحانی امور پر کھل کر بحث کی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان امور پر قلم اٹھانا آسان کام نہیں اور نہ ہی ہر کس و ناکس ایسا کرسکتا ہے۔ یہ سیرت نگاروں کا ایک مخصوص گوشہ ہے جس پر عظیمی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں اس تحریر پر ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور قائین کیلئے اسے ایک عظیم تحفہ قرار دیتا ہوں۔

"باران رحمت" علوم کا خزینہ ہے۔ گنج گراں مایہ ہے۔ اکثر کتابوں کو پڑھتے ہوئے انسان بوریت محسوس کرتا ہے۔ دوچار صفحات پڑھ کر اُس کی تشنگی بجھ جاتی ہے۔ جبکہ عظیمی صاحب کی سیرت کی یہ کتاب پڑھتے ہوئے انسان تشنگی محسوس کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے مزید پڑھے کیونکہ ہر لائن دوسری لائن اور ہر صفحہ دوسرے صفحہ سے مربوط ہے۔ معلومات سے پُر یہ کتاب قاری کی نہ تو نظر ادھر ادھر ہونے دیتی ہے اور نہ ہی خیال اور یہ ہی کسی کتاب کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ قاری کے دل میں اتر جائے اور وہ اسے مزید سے مزید پڑھنے میں لگا رہے۔

"اللہ کرے زور و بیان اور زیادہ" آخر میں عظیمی صاحب کی زندگی کیلئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں لمبی عمر نصیب فرمائے تاکہ ان کی تمام تر علمی رہنمائی ہمیں نصیب ہو اور وہ آفتاب نبوت کا ایک چمکدار ستارہ بن کر ہمیشہ کیلئے جگمگاتے رہیں اور امر ہو جائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اکرم رانا

چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

فہرست

دستک

زمین پر انسان کی پیدائش سے قبل جنات آباد تھے...... جنات بھی اچھے اور برے کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع فرمایا ہے...... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، سرکشی، جھوٹ، لڑائی، فساد، قتل اور خون خرابہ یہ سب برے کام ہیں۔

آہستہ آہستہ جنات میں برے کام زیادہ ہونے لگے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوئے اور کئی مرتبہ جنات کو سزا دی گئی لیکن وہ نافرمانی سے باز نہ آئے...... جب زمین پر جنات کی سرکشی، نافرمانی اور فساد زیادہ ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اُسے اپنی صفات کا علم سکھایا۔ انسان کو زمین پر بھیجا گیا اور حکم دیا !

اچھے اور برے کام کے درمیان فرق کرو۔ ہم تمہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے ہمارے پیغمبر تمہاری اولاد کو نیک اور اچھے کاموں کا حکم پہنچائیں گے۔ جو شخص سیدھا راستہ اختیار کر کے نیک کام کرے گا اس کے لیے خوف اور غم نہیں ہو گا جو شخص پیغمبروں کی بات نہیں مانے گا وہ جواب دہ ہو گا۔

زمین پر شکر گزار بندوں کی طرح رہو اور نیک عمل سے دوسرے انسانوں کی خدمت اور خیر خواہی کرو...... اس طرح تم وہ نعمتیں دوبارہ حاصل کر لو گے جو جنت میں حاصل تھیں۔ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے...... جو کوئی شیطان کے دھوکے میں آکر دنیا کی مختصر زندگی کے آرام و آسائش کے لیے نافرمانی کرے گا اور برے کاموں سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچائے گا وہ شیطان کا دوست اور ساتھی بن کر جہنم میں جائے گا۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور بُرائی کا فرق سمجھانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں بھیجے۔

"یہ سارے رسول خوش خبری سنانے والے اور آگاہ کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور

اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔" (سورۃ النساء۔ آیت 165)

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام پیغمبر ان علیہم السلام نے توحید کے ساتھ ساتھ رواداری کی تعلیمات دی ہیں۔

رواداری کیا ہے؟

بندہ یہ جان لے کہ ہم مخلوق ہیں ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارا خالق یہ چاہتا ہے کہ مخلوق خوش رہے پوری نوع انسانی پر سکون اور پرامن زندگی گزارے۔ سب ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ بزرگ خواتین و حضرات کا ادب کریں۔ والدین کا احترام کریں۔ بچوں سے شفقت سے پیش آئیں۔ بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت اور ذات و قوم ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کا احترام کریں۔

ہر انسان کے دو وجود یا دو جسم ہیں اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کے بھی دو وجود یا دو رخ ہیں۔

اسی طرح زمین بھی مخلوق ہے...... اس کے بھی دو وجود یا دو جسم ہیں۔

جس طرح مادی وجود میں مختلف گیسز کا عمل دخل ہے یا مادی وجود کی وریدوں اور شریانوں میں خون دوڑ رہا ہے...... اسی طرح زمین کے مادی وجود میں بھی گیسز کا براہِ راست عمل دخل ہے اور زمین کی وریدوں اور شریانوں میں بھی انرجی، توانائی اور پانی دوڑ رہا ہے...... زمین کے اوپر جو آبادیاں ہیں...... ہر وقت ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

گول کڑوں (Ring) کی طرح پہاڑ ہیں...... گول کڑوں Ring) کی طرح پہاڑوں نے زمین کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ زمین مسلسل محوری اور طولانی گردش میں سفر کر رہی ہے...... اس گردش کو پہاڑ کے گول کڑے کنٹرول کرتے ہیں...... یہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔“

(سورۃ النباء۔ آیت 6 تا 7)

زمین کو اداس دیکھ کر ایک صاحب دل اللہ تعالیٰ کے بندے نے زمین سے پوچھا!

اے میری ماں! تو کیوں بے قرار ہے؟ کیوں اداس ہے اور کیوں پریشان ہے؟

زمین کی آنکھیں پانی بن گئیں زمین لرزتے ہوئے اور روتے ہوئے بولی! میرے بچے!

”میں بھی تمہاری طرح کا ایک وجود ہوں...... جس طرح تمہارے دو وجود ہیں اسی طرح میرے بھی دو وجود ہیں...... جس طرح تمہارے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں اور جس طرح تمہارے جسم میں سڑاند پھیل جاتی ہے اور جس طرح تمہارے جسم زہریلے

ہو جاتے ہیں...... اسی طرح میرے ظاہر وجود میں بھی تمہارے برے اعمال سے......خود غرضی سے...... حق تلفی سے...... دولت پرستی سے ...... اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی سے...... ......داغ پڑ گئے ہیں...... زخم ناسور بن گئے“......

زمین نے انکشاف کیا کہ میرے بچے جانتے ہیں کہ

زمین پر موجود ہر وجود وائبریشن پر قائم ہے۔وائبریشن انسان میں بھی ہے...... وائبریشن درختوں میں بھی ہے...... پہاڑ بھی وائبریشن کے محتاج ہیں...... اور زمین بھی وائبریشن کی پابند ہے۔

وائبریشن میں اعتدال ہوتا ہے تو ہر چیز ٹھیک ہے اور جب وائبریشن میں خلل واقع ہو تو توازن بگڑ جاتا ہے...... وائبریشن ضرورت سے زیادہ کم ہو جائے تو جمود طاری ہو جاتا ہے...... وائبریشن ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو تباہی پھیل جاتی ہے۔

بربادی زمین پر اپنا ڈیرہ جمالیتی ہے......دنیا میں کہیں بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے...... وہ چھوٹا ہو یا بڑا......وائبریشن کے نظام میں مقداروں کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جب زمین پر بے انصافی، حق تلفی، حسد، خود غرضی، ظلم، ناانصافی، دولت پرستی،مال وزر کا لالچ اور غرور و تکبر اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ سسٹم میں اعتدال قائم نہ رہے تو سسٹم ٹوٹ جاتا ہے۔ سسٹم ٹوٹنے کیلئے آندھیاں چلتی ہیں...... طوفان آتے ہیں...... ہریکین ...... ٹائیفون...... اور سونامی (سمندری زلزلے) آتے ہیں۔

جب کوئی قوم اپنی زمین اور اپنے وطن سے محبت نہیں کرتی تو دراصل وہ زمین کے تحفظات سے خود کو دور کرتی ہے...... اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا۔جب کوئی قوم الٰہی قوانین سے انحراف کرتی ہے تو دراصل وہ قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کرتی ہے۔

قدرت اس کو سسٹم سے باہر پھینک دیتی ہے...... زمین تو موجود رہتی ہے...... لیکن آدم زاد ہلاکت کے گہرے گڑھوں میں دفن ہو جاتا ہے۔

موجودہ صورتحال یہ ہے کہ مادّی استحکام کیلئے انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں...... ہر فنا ہو جانے والی چیز پر بھروسہ کر لیا گیا ہے ...... عارضی آسائش و آرام اور زر پرستی زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے اختلاف...... تفرقے بازی......ملاوٹ......قتل وغارت...... زمین پر فساد...... قدرت سے انحراف ہے۔

قدرت سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قدرت کا تعاون نہیں چاہتا......

اس وقت بھی نوع انسانی مستقبل کے خوف ناک تصادم کی زد میں ہے۔ زمین اپنی بقا کی تلاش میں لرز رہی ہے۔ آندھیاں چل رہی ہیں، سمندری طوفان آرہے ہیں...... کیونکہ انسان قدرت سے انحراف کر رہا ہے۔

ایٹمی ذخائر میں اضافہ ہو رہا ہے جسکا منفی استعمال نصب العین بنالیا گیا ہے۔ چالیس ہزار سے زیادہ ایٹم بم دنیا سے زندگی کا چراغ گل کرنے کو تیار ہیں۔ ہر طرف مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصب کے الاؤ جل رہے ہیں۔

خود غرضی عام ہوگئی ہے...... واعظوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کاروبار بنالیا ہے...... ہر آدمی نصیحت کرنے والا بن گیا ہے...... لیکن کسی کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے...... کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ سے معاشرہ زہرناک بن گیا ہے...... ترقی کے فسوں میں ہر آدمی بیمار ہے...... لوٹ کا بازار گرم ہے...... کوئی جادو کے نام پر لوٹ رہا ہے اور کوئی سحر کے نام پر لُٹ رہا ہے...... زندگی بکھر رہی ہے...... معاشرہ ٹوٹ رہا ہے......

انسانی تاریخ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رواداری کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ قومی اور عالمی سطح پر امن کے قیام اور رواداری کے فروغ کے لئے رحمۃ اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وحیات نمونہ عمل ہے۔

موجودہ تناظر میں ملکی سطح پر بالخصوص نسلی، علاقائی، گروہی، لسانی، مذہبی و مسلکی اختلافات، تفرقے کے خاتمہ اور مکمل طور پر امن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ...... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے کہ یہی انسانیت کے لئے نمونہ عمل اور ابدی نجات ہے۔

اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیامبر ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسانی کا ہر فرد مساوات کا مستحق ہے۔ وہ رنگ و نسل کے عیوب سے پاک ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لئے مراعات، آزادی اور مذہبی رواداری پر مبنی ہدایات اس دور میں فرمائیں کہ جب لوگ مذہبی آزادی ورواداری سے ناآشنا تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذہبی رواداری کی محض تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ عملی اقدامات بھی فرمائے۔ مفتوحہ قوموں اور غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی۔ ان کے جان ومال، عزت و آبرو اور عقیدہ و مذہب کا جس قدر تحفظ کیا گیا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بین الاقوامی قانون کے ماہر اور سیرت نگار لکھتے ہیں:

”قرآن مجید میں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے ان کو عقائد کی آزادی حاصل ہو اور اپنی عبادات وہ اپنی طرز پر کرسکیں اور اپنے مقدمات کا فیصلہ اپنے ہی ججوں کے ذریعہ اپنے قانون کے مطابق کرائیں۔ کامل داخلی خود مختاری کا قرآن کی کئی آیات میں ذکر ہے، جن میں سے ایک آیت یہ ہے!

”ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔“ (سورۃ المائدہ۔ آیت 47)

یعنی: انجیل والوں کو چاہیئے ان قواعد کے مطابق احکام دیا کریں جو اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نازل کیے ہیں۔ ان احکام کے تحت عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی میں آبادی کے ہر گروہ کو خود مختاری مل گئی تھی، جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے اسی طرح دوسرے مذاہب وملت کے لوگوں کو بھی کامل آزادی تھی۔"

یہود و نصاریٰ کو تعاون و یکجہتی کی دعوت دی پھر یہ کہا گیا!

"ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔" (سورۃ الرعد۔ آیت 7)

" ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔" (سورۃ یونس۔ آیت 47)

"اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں کیے۔" (سورۃ النساء۔ آیت 164)

مذہبی رواداری اور آزادی پر مبنی یہ مثالی تعلیمات آج بھی تمام دنیا کے لوگوں کا احترام کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کا واضح فیصلہ ہے۔

"مسلمان ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں، جو کوئی بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرئے انکا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ غم۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 62)

تمام مذاہب کے پیروکاروں میں باہمی احترام ورواداری کا جذبہ پیدا کرنا...... اور سب کو ایک ہو جانے اور متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے پکڑنے کی دعوت اسلام ہے۔

"اُسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو دی تھی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گئے تھے کہ میرے بچو! اللہ نے تمھارے لئے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 132)

اسلام بتاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ جو مذہب ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ سمجھے وہ بھلا مخلوق کو ناحق نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے۔ مذہب سب کے لئے سراپا رحمت، امن اور سلامتی ہے۔ دین اسلام یہ ہے کہ...... ہم دوسرے انسانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کا احترام کریں۔ کسی دوسرے کے مذہب اور عقیدے کو مجروح کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

ہم سب رنگ ونسل اور مختلف مذاہب کے باجود اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ایک ہی پانی پیتے ہیں...... اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوا سے مشترکہ طور پر زندہ ہیں...... سورج کی روشنی سب کے لئے یکساں ہے...... ہم سب ایک ہی مادے سے تخلیق ہوتے ہیں...... ہم سب کے غم، خوشی، جذبات اوراحساسات یکساں ہیں...... ہم سب اس دنیا میں آتے ہیں...... مقررہ وقت تک زندہ رہتے ہیں...... اور پھر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں...... ہمیں چاہیئے کہ زندگی کے مختصر وقفے کو پیار محبت، اتفاق اور بھائی چارے کی تصویر بنا دیں...... اور خوش رہیں۔

۲۷ جنوری ۲۰۱۰ء مرکزی مراقبہ ہال۔ کراچی

باب 1

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے قبل تاریخ عالم

مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور معاشی حالات

ایران

عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت ایران تھی۔ ایران کا لفظ آریانہ سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب ہے آریاؤں کی سرزمین۔ اہل ایران کے عقائد کے بارے میں بریگیڈیئر جنرل پرسی سائیکس (Sir Percy Sykes) نے اپنی کتاب، ہسٹری آف پرشیا میں لکھا ہے:

"آریہ قوم مظاہر پرستی کا شکار تھی۔ روشنی، شفاف آسمان، آگ، ہوائیں، حیات بخش بارشیں ان سب کی مقدس معبودوں کی طرح پرستش کی جاتی تھی۔ جبکہ ظلمت اور قحط سالی کو ملعون دیو تصور کیا جاتا تھا۔ اس مشرکانہ نظام میں آسمانوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ سورج کو آسمان کی آنکھ کہا جاتا تھا۔ روشنی کو آسمان کا فرزند۔ آسمانی دیوتا وارونا (Varuna) جسے یونانی یورانس (Ouranos) کہتے تھے۔ اس کو سب سے بڑے خدا کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ متھرا (Mithere) جو روشنی کا دیوتا تھا اس کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔ وارونا اور متھرا کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا انسانوں کے دلوں کے حال اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وارونا اور متھرا ہر چیز سے واقف ہیں۔"

(ہسٹری آف پرشیا۔ جلد اول۔ ص100)

اس مظاہر پرستی کے دور میں زرتشت کا ظہور ہوا۔ زرتشت نے خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی۔ لوگوں نے زرتشت کی تعلیمات کو قبول کرلیا۔ زرتشت ایک خدا، فرشتوں، اللہ کے منتخب بندوں، الہام، جنت اور دوزخ پر ایمان رکھتا تھا۔

اسلام سے قبل کے دیگر مذاہب کی تعلیمات تحریف سے پاک نہ رہ سکیں اسی طرح زمانے کے حالات نے زرتُشتی تعلیمات کو بھی خالص نہ رہنے دیا اور جو تعلیمات آج زرتُشت سے موسوم کی جاتی ہیں یہ تحریف شدہ ہیں۔ زرتُشت کی وفات کے بعد لوگ واپس مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ دو خداؤں کو ماننے لگے۔

۱۔ یزدان: خیر اور بھلائی کا خدا۔ ۲۔ اہر من: شر اور بدی کا خدا۔

اس بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو ایک ہی ہے۔“ (سورۃ النحل۔ آیت 51)

ساسانی بادشاہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ ان کی رعایا انہیں خدا سمجھے۔ بادشاہ کو یہ اختیار تھا کہ جس کے بارے میں چاہتا مقدمہ چلائے بغیر اس کے لئے موت کی سزا کا حکم سنا دیتا بلکہ بادشاہ کی ماں اور اس کی بڑی ملکہ کو بھی یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ جس کو چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ بادشاہ کی قوت کا دارومدار عسکری قوت پر ہوتا تھا۔ ایران کا ہر شہری جس کی عمر پندرہ سال اور پچاس سال کے درمیان ہوتی اس پر لازم تھا کہ وہ فوجی خدمات ادا کرے۔ آمرانہ ملوکیت کا یہ نتیجہ تھا کہ بادشاہوں کو اپنی حفاظت کیلئے خصوصی انتظامات کرنے پڑتے تھے جب وہ دربار عام میں شرکت کیلئے جاتے تو اس وقت بھی کوشش کی جاتی تھی کہ کوئی بادشاہ کے قریب نہ آسکے۔

پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں:

”شاہی تخت ہال کے سرے پر پردے کے پیچھے رکھا جاتا تھا۔ ارا کین سلطنت اور حکومت کے اعلیٰ عہداروں کو پردے سے مقررہ فاصلے پر بٹھایا جاتا تھا درباریوں کی جماعت اور دوسرے ممتاز لوگوں کے درمیان ایک جنگلا ہوتا تھا اچانک پردہ اُٹھتا تھا اور شہنشاہ تخت پر بیٹھے، دیبا کے تکئے پر سہارا لگائے زربفت کا بیش بہا لباس پہنے جلوہ گر ہوتا تھا۔ تاج، جو سونے اور چاندی کا بنا ہوا اور زمرد، یاقوت اور موتیوں سے مرصع تھا۔ بادشاہ کے سر کے اوپر چھت کے ساتھ سونے کی زنجیر کے ذریعہ سے لٹکا رہتا تھا زنجیر اس قدر باریک تھی کہ جب تک تخت کے بالکل قریب آکر نہ دیکھا جائے نظر نہیں آتی تھی۔ اگر کوئی شخص دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا تھا کہ تاج بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اس قدر بھاری تھا کہ کوئی انسانی سر اس کو نہیں اُٹھا سکتا۔ اس کا وزن ساڑھے اکانوے کلو تھا۔“ (ایران بعہد ساسانیان ص530)

جو شخص بادشاہ کے حضور حاضر ہوتا تھا اس کو قدیم دستور کے مطابق سجدہ کرنا پڑتا تھا۔ اس شاہانہ جاہ و جلال اور حفاظتی تدابیر کے باوجود بادشاہ اپنے آپ کو محفوظ محسوس نہیں کرتا تھا۔ اسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں اس کے دشمن اس کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لئے متعدد خواب گاہیں بنائی ہوئی تھیں۔ کسی شخص کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ بادشاہ آج کہاں سو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ اردشیر اول خسرو اول، خسرو دوم اور کئی دوسرے ساسانی بادشاہوں کے لئے چالیس مختلف جگہوں پر بستر بچھائے جاتے تھے اور اس پر بھی بعض وقت بادشاہ ان میں سے کسی بستر پر نہیں سوتا تھا بلکہ کسی معمولی سے کمرے میں بغیر بستر کے ہاتھ کا سرہانہ بنا کر لیٹتا تھا۔

معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ ادنیٰ طبقے کے لوگ معاشرہ کے جس طبقہ میں پیدا ہوتے عمر بھر وہ اس طبقے کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور تھے۔ ان کو اپنا آبائی پیشہ ترک کرنے کی آزادی نہیں تھی۔ سلاطین اور امرا درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے۔ جن کو سجدے کئے جاتے تھے۔ ان کے دربار میں کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کے خلاف کوئی لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے جرائم پر ان کو سزا نہیں دی جاتی تھی۔ عام طور پر نچلے طبقہ کا کوئی فرد اعلیٰ طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا لیکن اگر کسی شخص میں کوئی غیر معمولی جوہر ہوتا تو اس کا طرح طرح سے امتحان لیا جاتا اگر وہ ان آزمائشوں میں پورا اترتا تو پھر اس کو اعلیٰ طبقہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی تھی۔

معاشی لحاظ سے سوسائٹی دو طبقوں میں بٹی ہوئی تھی ایک طبقہ امرا، روٴسا، جاگیرداروں اور فوجی جرنیلوں کا مراعات یافتہ طبقہ تھا۔ ان کے پاس ملک کی ساری دولت سمٹ کر آگئی تھی۔

دوسرا طبقہ عوام کا تھا جن میں کاشت کار، مزدور، دستکار اور دوسرے لوگ تھے ان کے مقدر میں مفلسی اور محرومی لکھ دی گئی تھی۔ وہ صدیوں سے اس چکی میں پس رہے تھے۔

کسانوں کی حالت قابل رحم تھی۔ ان سے ہر طرح کی بیگار اور جبری خدمت لی جاتی تھی، جب فوج جنگ کے لئے کوچ کرتی تو ان بے چارے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ ان کے پیچھے گھسٹتے چلے جاتے تاکہ فوجیوں کی خدمت بجالائیں اور ان کے حکم کی تعمیل کیلئے حاضر رہیں۔ اس پر مزید ستم یہ کہ ان غریبوں کی کسی قسم کی اجرت سے حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ قانون غریب طبقہ کی زیادہ حمایت نہیں کرتا تھا۔ امرا اپنے زیر فرمان کسانوں، غلاموں اور رعایا کی زندگی اور موت کا اپنے آپ کو مالک اور مختار سمجھتے تھے۔ نت نئے ٹیکس کاشت کاروں پر لگائے جاتے تھے جنھوں نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ اس لیے بہت سے کاشتکاروں نے زراعت کا پیشہ ترک کر دیا تھا۔

اگرچہ فوج میں بھرتی ہونے سے ٹیکسوں کا بوجھ کم ہو جاتا تھا لیکن انہیں بے مقصد اور خون ریز جنگوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لوگ ناجائز طریقے سے روپیہ کمانے کی بیماری کا بری طرح سے شکار ہو گئے تھے۔ اس طرح جرائم بے پناہ بڑھ گئے تھے۔ نت نئے ٹیکسوں سے سرکاری خزانہ میں جو دولت جمع ہوتی اس میں سے بہت کم حصہ عوام الناس کی فلاح و بہبود کیلئے خرچ کیا جاتا تھا۔ جو حکمران آئین سے آگاہ تھے وہ ملک میں سڑکیں بنانے، دریاؤں پر پل تعمیر کرنے، زیر کاشت زمینوں کو آبپاش کرنے کیلئے دریاؤں سے نہریں نکالنے اور بند تعمیر کرنے کی طرف توجہ دیتے تھے۔

لیکن بہت کم ایسے حکمران تھے جو ملکی آمدنی کو رفاہِ عامہ پر خرچ کرتے تھے۔ بادشاہ کا اپنا ذاتی خزانہ ہوتا تھا جس میں قیمتی اشیا جمع کی جاتیں تھیں۔ غنیمت کا سارا مال بادشاہ کی ذاتی ملکیت شمار ہوتا تھا۔ وسیع و عریض جاگیریں بادشاہ کی ذاتی ملکیت ہوتیں تھیں جس سے اس کو بے پناہ آمدنی ہوتی تھی۔ اس بے پناہ آمدنی کے باعث بادشاہوں کی زندگیاں عیش و عشرت سے گزرتی تھیں۔ امرا اور روٴسا کے لباس بے حد قیمتی ہوتے تھے اور اس سے ان کی شان و شوکت کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔ امرا کلاہ سر پر پہنتے تھے جس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوتے تھے۔

یونان

یونان کی حالت یہ تھی کہ

☆ بے شمار جان داروں اور بے جان چیزوں کو معبود کا درجہ حاصل تھا۔ جن میں پتھر، درخت، چوپائے اور پرندے شامل تھے۔ شجر پرستی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

☆ یہ لوگ وہم پرست تھے۔ ارواح خبیثہ سے محفوظ رہنے کے خیال سے ٹہنیاں سر پر لپیٹ لی جاتی تھیں۔ عبادت کی ادائیگی کے وقت ان درختوں کی پتیوں سے بنا ہوا ہار خاص طور پر گلے میں ڈال لیا جاتا تھا۔ جس سے پہننے والا نہ صرف محفوظ ہو جاتا بلکہ مقدس بھی بن جاتا تھا۔ قدیم یونانی جانوروں کی پرستش میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ ہر دیوتا کے ساتھ ایک جانور مخصوص کیا جاتا تھا۔

☆ مرنے کے بعد بادشاہ کی روح کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عقیدہ تھا کہ وہ اس علاقے یا قبیلے کا اب بھی ویسے ہی حکمران ہے جس طرح وہ اپنی زندگی میں تھا۔

☆ عبادت گاہوں میں عورتوں، غلاموں اور اجنبیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ اس کے اندر صرف پروہت (پجاری) داخل ہو سکتے تھے۔

☆ یونان کے ایک شہر میں بت خانہ تھا جس کو (ORACLE OF DELFI) کہتے تھے۔ یہاں ایک بت کے خول میں پجاری بیٹھ کر لوگوں کے سوالوں کے جوابات اور مستقبل کی پیشین گوئیاں کرتا تھا اور لوگ اس کو غیب کی آواز سمجھتے تھے۔

ہومر کے دور کے بعد امرا کے طبقہ نے تدریجاً بادشاہوں کے اختیارات حاصل کر لئے بادشاہ یا تو ناپید ہو گئے یا برائے نام رہ گئے۔ اس لئے پرانی بادشاہی کی جگہ حکومت عدیدہ (Oligarchi) عالی گارچی نے لے لی۔

ساتویں صدی قبل مسیح تک امرا کے خلاف قرضوں سے دبے ہوئے کسانوں اور نئے تجارتی طبقوں نے حملے شروع کر دیئے حکومت عدیدہ کے ذمہ دار ارکان عموماً عسکری اہلیت سے بے بہرہ تھے۔ وہ جنگوں میں شہروں کی حفاظت سے قاصر رہے اسطرح ہر شہری ریاست میں عدیدی تختہ الٹ دیا گیا۔

تین طبقوں میں تقسیم معاشرہ۔

ا۔ بادشاہ......سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ اسے سب سے بڑا مذہبی پیشوا مانا جاتا تھا اور وہ اپنے امرا کی مدد اور مشوروں سے حکومت کا کاروبار چلاتا تھا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ عام لوگوں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے اور ڈیسوس نامی بادشاہ کو اس بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے کھیتوں میں کام کرتا ہے اور اس نے اپنا پلنگ خود بنایا ہے اور اس کی ملکہ پنی لوپی سوت کاتتی اور کپڑا بنتی ہے۔

۲۔ دوسرا طبقہ امرا کا تھا..... ان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ دیویوں اور دیوتاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کا نسب زیوس دیوتا سے ملتا ہے جو کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے خاندان کا حاکم اعلیٰ ہے اسی دعویٰ کی بنا پر انہوں نے معاشرہ میں دیگر طبقات اور قبائل پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔

۳۔ تیسرا طبقہ عوام کا تھا..... جنہیں جنگوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ان کا معاشی نظام غارت گری اور بحری قزاقی کے علاوہ تجارت اور کاشت کاری تھا۔ وہ مویشی پالتے اور غلّہ اُگاتے تھے۔ خاص کاشت زیتون اور انگور تھے۔ اسلحہ ساز جنگی رتھ اور جنگ کیلئے اسلحہ تیار کرنے میں ماہر تھے۔

یونان میں زرعی زمینوں کی مقدار بہت کم تھی اس لئے خوشحال کسانوں کیلئے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے محدود قطعات اراضی میں کاشت کریں۔ لیکن غریب کسانوں کیلئے کھیتی باڑی کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ دولتمند ہمسایوں سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ قرض خواہ گراں شرح سود پر انہیں قرضہ دیتے تھے۔ مقروضوں کیلئے قرضوں کی ادائیگی ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ محدود آمدنی میں سے اخراجات پورے کرنا نہایت دشوار عمل تھا۔ جب مقررہ وقت پر قرض ادا نہ کر سکتے تو جائیداد ان سے چھین لی جاتی تھی۔ شخصی آزادی سے بھی انہیں محروم ہونا پڑتا تھا۔ ایسے شخص کو مجبور کیا جاتا کہ قرض خواہ کے باغوں میں مزدوری کرتا رہے۔

روم

قدیم رومیوں کا عقیدہ دیوتا پرستی تھا۔ ان گنت معبود تھے۔ رومی زراعت پیشہ تھے۔ انہوں نے کھیتوں کیلئے دیویاں مقرر کر رکھی تھیں۔ گھریلو معبودوں میں ویسٹا تھی جو آگ کی دیوی کی محافظ سمجھی جاتی تھی۔ اس کی پروہت عورتیں (مذہبی امور کی نگران) ہوا کرتی تھیں۔ جن کو "ویسٹا کی کنواریاں" کہا جاتا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ ہر وقت آگ روشن رکھیں۔ روم میں ایک بڑا آتش کدہ تھا جہاں کبھی آگ نہیں بجھتی تھی۔ روم میں بھی یونان کی طرح بادشاہ پرستی، ارواح پرستی عام تھی۔ مذہبی رہنماؤں نے ہر خاص و عام کو یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ جو چاہیں گناہ کریں اس کے بعد پادری صاحب سے معافی نامہ لے کر اس گناہ سے بری الذمہ ہو جائیں۔ ایک مذہبی فرقے کے نزدیک دین داری کا سب سے اہم جزر ہبانیت تھی۔ ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں خود کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی۔ کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھالی تھی، کوئی خود کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ میں بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا کسی نے خود کو اندھیری کوٹھڑی میں بند کر لیا تھا۔ ماں باپ، عزیز و اقارب اور اہل و عیال، دینداری کی راہ کے کانٹے تھے، ان سے نفرت کمالِ تقویٰ سمجھا جاتا تھا۔

سلطنت روم کی آبادی معاشرتی طور پر دو طبقات میں تقسیم تھی۔ ایک طبقہ امرا کا اور دوسرا طبقہ عوام کا تھا۔ امرا خوشحال تھے اور ان کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں تھیں۔

آبادی کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق عوام سے تھا وہ لوگ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے۔ حکومت نے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانہ میں درسگاہوں کی کبھی سرپرستی نہیں کی چنانچہ اس وقت کی درس گاہوں میں تعلیمی اخراجات بہت زیادہ تھے۔ وہی بچے درس گاہوں میں تحصیل علم کیلئے داخل ہوسکتے تھے جن میں تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کی صلاحیت تھی۔

خوشحال رومی عیش وراحت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے وہ دیہات میں اپنے لیے بنگلے تعمیر کرتے۔ ان کے کھانے پینے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ کھانا کھا کر عمداً قے کرکے پیٹ خالی کردیتے تاکہ دوسری مرتبہ لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہوسکیں۔ کسانوں کیلئے آرام کے سامان نہ ہونے کے برابر تھے۔ بیروزگاری عام تھی اور حکومت نے کبھی اس سنگین مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ چنانچہ نصف سے زیادہ آبادی خیرات پر گزر اوقات کرتی تھی۔

روم کا اقتصادی نظام مخلوط قسم کا تھا۔ اس میں نجی کاروبار کی اجازت بھی تھی اور اس میں بعض صنعتوں کو حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لیا تھا۔ جاگیریں وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی تھیں اور کاشتکار مجبوراً بڑے زمینداروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے قحط سالی یا طغیانی کی وجہ سے ان کی زرعی پیداوار بری طرح متاثر ہوتی تھی لیکن ٹیکسوں کا بوجھ جوں کا توں ان پر باقی رہتا تھا۔ پے در پے جنگوں کی وجہ سے عام کاشتکار روزافزوں ٹیکسوں کے بوجھ کو برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ صنعتی کارخانوں میں مزدوری کرنے والے لوگ آزاد تھے۔ حکومت اپنے کارخانوں میں زیادہ تر ایسی چیزیں بناتی جن کی فوج کو، افسر شاہی کو اور اہل دربار کو ضرورت ہوتی۔ ملک روم کی معدنی دولت حکومت کی ملکیت تھی۔ لیکن پرائیویٹ ادارے کانوں کو حکومت سے کرایہ پر لیتے تھے۔ ریشمی پارچہ جات اور ارغوانی رنگوں کی ساخت صرف حکومت کے تصرف میں تھی۔ ان کے کارخانے شاہی محلات کے اندر ہوتے۔ سب سے زیادہ قیمتی ریشمی کپڑا شاہی خاندان کے افراد کیلئے مختص تھا۔

مصر

مصر میں دیوتاؤں اور دیویوں کی فوج موجود تھی اور ان دیوتاؤں اور دیویوں کے پجاری بھی مختلف تھے۔ اس میں جانوروں کے سر رکھنے والے دیوتاؤں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ مطالعہ مصریات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصر کا جاہل طبقہ ان دیوتاؤں کا معتقد تھا لیکن تعلیم یافتہ طبقہ ان دیوتاؤں کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ مصری ابتدا سے حیات بعد الموت کے قائل تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کو مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور اس کو اس کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دی جاتی ہے۔ اس عقیدے کے پیش نظر ان کے یہاں مردوں کی تدفین و تکفین کے بارے میں بڑی عجیب وغریب رسمیں تھیں۔ وہ ان کی قبروں میں اور چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھ دیا کرتے تھے اور جب ان کا کوئی بادشاہ مرتا تو اس کیلئے پہاڑ کاٹ کر وسیع وعریض مدفن تیار کیا جاتا جو کئی کمروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس میں داخلے کیلئے پہاڑی کاٹ کر وسیع وعریض راستہ بنایا جاتا جو چھ سات فٹ چوڑا اور چھ سات فٹ اونچا دور تک پہاڑی میں چلا جاتا تھا۔ اس سے آگے کمرہ کے برابر ایک گڑھا کھود دیا جاتا پھر اس سے آگے ایک دوسرا کمرہ ہوتا۔ جس میں شاہی تابوت رکھا جاتا۔ جس میں بادشاہ کی حنوط شدہ ممی (لاش) رکھی ہوتی، اس کے دائیں بائیں دو کمرے ہوتے جن میں بادشاہ کی ضرورت کا سامان شاہانہ انداز سے رکھ دیا جاتا۔ سونے کے زیورات، سونے کا تخت، سنہری کرسی اور دیگر قیمتی اشیاء کے علاوہ کئی برتنوں میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ دی جاتیں، پانی

سے بھرے ہوئے کئی مٹکے بھی رکھ دئے جاتے تھے۔ماہرین آثار قدیمہ نے جو مقبرے دریافت کیے ہیں اور انکی کھدائی کی ہے وہاں سے یہ ساری چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔جن میں سے کئی چیزیں مصر کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔

ان کاعقیدہ یہ تھا کہ دفن کرنے کے بعد بادشاہ دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور اس کو اس دنیا کی زندگی کی طرح خدام اور خادماؤں کی بھی ضرورت پڑے گی،اس لیے خادموں اور خادماؤں کی ایک جماعت اس کمرے میں کھڑی کر دی جاتی اور دروازہ بند کر دیا جاتا اس کے سامنے مٹی اور ریت کا اس طرح ڈھیر لگا دیا جاتا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہاں کوئی بادشاہ اپنے زیورات، اجناس اور خدام کے ساتھ مدفون ہے۔بادشاہ کی میت پر تو جو گزرتی ہوگی وہ گزرتی ہوگی، لیکن ان زندہ خدام اور خادماؤں پر جو گزرتی ہوگی اس کا تصور کر کے ہی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

مصری معاشرہ میں سب سے اعلیٰ طبقہ مذہبی پیشواؤں اور امرا کا تھا جو تعداد میں بہت کم تھا۔لیکن اختیارات اور اثر و نفوذ میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ان کے خدام لاکھوں تھے۔زمین فرعون کی ملکیت تھی۔عمرانی نظام کا یہ اصول مسلم تھا کہ ہر شخص اوپر سے آئے ہوئے ہر حکم کی پابندی کرے۔صرف سیاسی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ وہ اسے ایک مذہبی فریضہ بھی سمجھے۔جو کام کسی کے سپرد کیا جائے اور جہاں کسی کو متعین کر دیا جائے اسے چاہیئے کہ وفاداری سے اپنے فرض کو بجالائے۔

قدیم مصر میں بادشاہ کو دیوتا تصور کیا جاتا تھا اور اس طرح اس کیلئے آداب پرستش بجالائے جاتے تھے۔بادشاہ ہی بڑے خداؤں کے سامنے اپنی رعایا کی نمائندگی کرتا ان کی طرف سے قربانیاں پیش کرتا تھا اور مذہبی تقریبات میں صدارت کے فرائض انجام دیتا تھا۔بادشاہ کے تعلقات مذہبی پیشواؤں کے ساتھ عام طور پر دوستانہ ہوتے تھے لیکن جب کبھی کوئی کمزور بادشاہ تخت نشین ہوتا تو مذہبی پیشوا اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکے شاہی اختیارات سنبھال لیتے تھے۔

ایرانیوں کی طرح قدیم مصر میں بھی بادشاہ کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ یہ خدائی خاندان کا ایک فرد ہے اور خود خدا نے ہی اس کو یہ حکومت اور سلطنت بخشی ہے۔بادشاہ کو حسبِ ضرورت مشورہ دینے کے لئے علما و فضلا اور سن رسیدہ تجربہ کار لوگوں کی ایک مجلس مشاورت موجود ہوتی تھی لیکن بادشاہ ان کے مشورے اور فیصلہ کا پابند نہیں تھا۔

مصر معاشی لحاظ سے بہت خوشحال تھا۔مصر میں دریائے نیل کا پانی زراعت کیلئے ازحد مفید ہے۔ریگستان کا جو حصہ اس دریا کے پانی سے سیراب ہوتا ہے وہ قلیل مدت میں سرسبز و شاداب کھیتوں لالہ زاروں اور مرغزاروں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔رومیوں نے اسے تیس سال قبل مسیح میں فتح کیا اور ۶۴۰ء تک اس پر حکمران رہے۔مصر کی آزادی کا اختتام اس کیلئے موت کا پیغام تھا۔رومیوں نے مصریوں کو غلام بنالیا تھا۔غلامی کے بعد اس کی معاشی حالت میں انحطاط اور زوال رونما ہونے لگا۔آہستہ آہستہ ملک کی تمام دولت پر رومی قابض ہوگئے۔روم کو سامان خورد و نوش پہنچانے کیلئے یہاں کے غلے پر ٹیکس لگایا گیا اور خزانے میں سونے چاندی پر اضافی ٹیکس لگایا گیا۔تین چار صدیوں میں مصر کی مالی حالت اتنی دگرگوں ہوگئی کہ ٹکسال میں سکے بننا بند ہوگئے اور لوگ جنس کے بدلے جنس فروخت کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

ہندوستان

مؤرخین کا کہنا ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک دور تقریباً 500ء سے شروع ہوتا ہے، اس دور کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھیں :

☆شرک جو ابتدا ہی سے ہندوستان کے خمیر میں داخل تھا، اب وہ حد اعتدال سے باہر ہو گیا چنانچہ وید میں جو 33 دیوتاؤں کی تعداد تھی وہ بڑھتے بڑھتے کروڑوں دیوتاؤں تک پہنچ گئی۔

☆ویدک عہد میں مندروں کے اندر بت پرستی عام رائج تھی۔

☆مندروں کے محافظین بد اخلاقی کے سرچشمے تھے جو لاکھوں کروڑوں ناواقف پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام پر لوٹ لیتے تھے۔

☆خدا کی تلاش جنگلوں اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی، جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف دینا انکی بہترین عبادت تھی۔

☆فاسد خیالات، بھوت پریت اور سینکڑوں قسم کے اوہام ان کا مذہب تھا۔

جب آریاؤں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو جو قبیلہ جہاں آباد ہو تا گیا قبائلی نظام کے مطابق وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں، اسلئے آریوں کے ابتدائی عہد میں ہمیں ہندوستان کا ملک ان گنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ہر قبیلہ کا سردار ان کا راجا ہوتا تھا۔ اس کو مشورہ دینے کیلئے قبیلے کے بزرگوں کی ایک کونسل تشکیل دی جاتی تھی اور راجا فرائض جہاں بانی انجام دینے میں ان سے مدد لیا کرتا تھا۔ اس کے باوجود راجا مختار مطلق تھا۔ اس کا حق یہ تھا کہ وہ جس طرح چاہے رعایا سے ٹیکس وصول کرے۔ لیکن اس کی یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ اپنی قوم یا قبیلہ کے سامنے کوئی تفصیلی رپورٹ پیش کرے کہ اس نے ان کے ادا کردہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی رقم کہاں کہاں خرچ کی ہے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔

ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں باہمی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جو بسا اوقات قومی جنگ میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ خون کے دریا بہتے۔ گاؤں اور قصبوں کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ ذات پات کے نظام نے ہندوؤں میں ایک قومیت کے تصور کو بھی پنپنے نہیں دیا تھا۔

جن خداؤں کی وہ پوجا کرتے تھے ان میں بھی یگانگت نہیں تھی۔ ہر گاؤں کا علیحدہ دیوتا ہوتا اور گاؤں والوں کی ہر ضرورت پوری کرنے کیلئے علیحدہ علیحدہ بت تھے۔ ان بے شمار اختلافات نے ہندوستان کو ایک ملک یا ایک مملکت اور اس کے باشندوں کو ایک قوم بننے نہیں دیا۔

اہلیان ہند کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

۱۔ برہمن ۲۔ کشتری ۳۔ ویش ۴۔ شودر

تمام طبقات کی درجہ بندی کر دی گئی اور تفصیل سے ہر طبقہ کے فرائض بیان کر دیئے گئے تھے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے سزائیں بھی مقرر کر دی گئیں۔ آئین کے مطابق شودروں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ ایسا اجتماع جس میں چھوٹے طبقے کا کوئی فرد موجود ہو وہاں برہمن کو جانے کی اجازت نہیں تھی کہ وہ مقدس کتابوں کی تلاوت کرے۔ نہ شودروں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ان کنووں سے پانی بھر سکیں جن سے اونچی ذات کے ہندو پانی بھرتے تھے۔ وہ عام شہروں میں نہیں رہ سکتے تھے بلکہ شہروں سے الگ ان کی مخصوص آبادیاں ہوتی تھیں۔ شودروں کے نام سے ایک پوری قوم ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ دین و ایمان تعلیم و تربیت اور تہذیب و اخلاق ہر چیز سے محروم رہنا ان کا مقدر بنا دیا گیا تھا۔ وید کی آواز بھی ان کے کانوں میں پڑ جائے تو ان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا۔ راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی۔ قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں بلکہ ذاتوں پر تھی۔ عورتیں فروخت کی جاتی تھیں۔

آریاؤں نے ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد زراعت کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ پنجاب کے زرخیز میدان گنگا اور جمنا کے درمیان کا زرخیز علاقہ ان کے تسلط میں تھا جہاں وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ضرورت کے مطابق اجناس خوردنی کی کاشت کرتے تھے اور اناج سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔ اس وقت عالی شان محلات اور بڑے بڑے شہروں کو آباد کرنے کا رواج عام نہیں تھا۔ لوگ کچے مکان یا سر کنڈے کی جھونپڑیاں بنا کر گاؤں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

چین

چین میں شانگ خاندان کے لوگ مختلف مظاہر فطرت کی پوجا کرتے تھے۔ زمین، دریا، ہوائیں، مشرق و مغرب وغیرہ ان کے معبود تھے۔ شانگ اگرچہ مہذب اور متمدن تھے لیکن انکے یہاں اپنے دیوتاؤں کی قربان گاہوں پر انسانی قربانی کا رواج تھا اور عموماً جنگی قیدیوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ بعض اوقات فوجی مہمیں صرف اس مقصد کیلئے بیرونِ ملک بھیجی جاتیں کہ وہ غیر چینیوں کو قید کر کے لے آئیں تاکہ ان کو قربانی کے طور پر انکے معبودوں کیلئے ذبح کیا جائے۔ وہ صرف ایسے دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے جن کا تعلق ان کے خیال کے مطابق بروقت بارش برسانے، عمدہ فصلیں اگانے اور جنگوں میں دشمن کو شکست دینے سے ہو۔ چین کے عوام بھی میت کے ساتھ قیمتی اشیاء کو دفن کیا کرتے تھے۔ مالی لحاظ سے کمزور لوگ بھی اپنی استطاعت کے مطابق اس رواج کے پابند تھے۔

چین میں تاج و تخت شاہی خاندان میں موروثی ہوتا تھا۔ لیکن بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کے بھائی کو تاج شاہی پہنایا جاتا تھا۔ بادشاہ کی اہم ذمہ داریوں میں فوج کی قیادت تھی۔ وہی ملک کی افواج کا کمانڈر انچیف ہوتا تھا۔ مذہبی رسومات اور دیگر تقریبات بھی بادشاہ ہی سرانجام دیتا تھا۔ پروہتوں کی ایک تعلیم یافتہ جماعت اس سلسلے میں اس کی مدد کرتی تھی۔ پروہت علم نجوم کے ماہر ہوتے تھے۔ مذہبی رسومات ادا کرنے کیلئے بادشاہ کی اعانت اور رہنمائی کرتے تھے۔

یہ ملک جتنا وسیع ہے اتنی ہی اس کی ثقافت اور تہذیب قدیم ہے۔ اہل چین کی سائنسی ایجادات شروع سے ہی بڑی حیرت انگیز ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جب دنیا کے اکثر ممالک جہالت اور ناخواندگی کے اندھیروں میں لپٹے ہوئے تھے اس وقت بھی چین میں علم کی شمع روشن تھیں۔ چینیوں نے کوئلہ کو بطور ایندھن استعمال کرنا شروع کیا۔ دوسری صدی عیسوی میں انہوں نے درختوں کی

چھال اور سن کے ریشوں سے کاغذ بنانے کی صنعت ایجاد کی۔ چوتھی صدی عیسوی میں انہوں نے لوہے کو پگھلانے کے فن میں مہارت حاصل کرلی۔

چینی معاشرہ کے لوگ صرف ایک شادی کرتے لیکن بادشاہ اور امرا کے حرم میں متعدد بیویاں ہوتیں تھیں ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اعلیٰ خاندان میں عورتوں کو عزت اور وقار حاصل تھا۔ غلامی کا رواج تھا اور معاشرہ متعدد طبقات میں بٹا ہوا تھا۔

اگرچہ سائنسی انکشافات اور صنعتی ایجادات میں ان کے علماوفضلا نے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے لیکن ان کی معیشت کا دار و مدار زراعت پر تھا۔ ان کی زراعت کے طریقے بہت پرانے تھے ان کے کھیتی باڑی کے آلات بھی قدیم طرز کے تھے۔ وہاں گندم، باجرہ، چاول کی کاشت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ لوگ مویشی پالتے تھے۔ ان کا دودھ اور گوشت خوراک کے کام آتا۔ تیر اور کمان ان کے بہترین ہتھیار تھے۔ حالت جنگ میں ان ہتھیاروں سے وہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے اور حالت امن میں انہی ہتھیاروں سے شکار کرتے تھے۔

عرب

عرب میں اسلام سے قبل مختلف مذاہب تھے۔

☆...... کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

”اور جو تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے۔“
(سورۃ لقمان۔ آیت 25)

☆...... کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے لیکن قیامت، جزا اور سزا کے منکر تھے۔ قرآن کریم نے قیامت کے ثبوت کے بارے میں فرمایا ہے:

”کہہ دو کہ وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔“

(سورۃ یٰسین۔ آیت 79)

☆...... کچھ لوگ جزا اور سزا کو مانتے تھے لیکن نبوت کے منکر تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

”کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا ہے پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔“

(سورۃ الفرقان۔ آیت 7)

عرب میں زیادہ تر تعداد بت پرستوں کی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی عرب میں آباد تھے۔

۱۔بت پرست ۲۔عیسائیت ۳۔یہودیت

۴۔صائبین ۵۔آتش پرست ۶۔حنفیت۔

۱۔ اہلِ عرب کی اکثریت بت پرست تھی۔ جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے ان کے بُت بنالئے تھے اور جابجا عظیم الشان بت کدے قائم ہوگئے تھے۔ یہ رواج اس قدر عام ہوگیا تھا کہ جہاں خوب صورت پتھر مل گیا، اُٹھالیا اور اسکی پرستش شروع کردی۔ جہاں کوئی پتھر نہ ملا، مٹی کا ایک تودہ بنالیا۔ ایک بکری لاکر اس کا دودھ اس پر ڈالا، پھر اس کے گرد طواف کیا اور یوں وہ ایک معبود بن جاتا تھا۔ عقل میں فتور نے عام وخاص کو بُت پرستی میں مبتلا کردیا تھا۔ ان کے بتوں پر کتے پیشاب کردیتے تھے۔ ان پر مکھیاں بھنبھناتی تھیں۔ شرک کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ مشرکین یہ نہیں سوچتے تھے کہ جس کی عبادت کرتے ہیں اس میں اتنی طاقت نہیں کہ اپنے اوپر سے مکھی اُڑادے۔ خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ (360) بت تھے۔ ۲۔ قبل از اسلام عرب کے بہت سے علاقوں میں عیسائی مذہب رائج تھا۔ بنو قضاء کا تعلق عیسائیت سے تھا۔ اس کے علاوہ قبیلہ غسان اور ربیعہ بھی عیسائیت کے ماننے والے تھے۔ قبیلہ طے کا رئیس حاتم طائی بھی عیسائی تھا۔ نجران کے لوگ بھی عیسائی تھے۔

۳۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے جب یہودیوں کو نیست نابود کرنا چاہا تو یہودی عرب چلے آئے۔ بنو حرث بن کعب۔ بنو کنانہ۔ حمیر۔ کندہ یہودی قبیلے تھے۔ خیبر کے لوگ بھی یہودیت میں داخل ہوگئے تھے۔ یثرب میں بنو نضیر۔ بنو قینقاع اور بنو قریظہ۔ یہودی قبائل تھے۔

۴۔ سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن جلد دوم میں بیان کیا ہے کہ صائبین کا اصل مولد بابل تھا۔ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا قبلہ قطب شمالی تھا۔ صائبین میں روزوں کے دن مقرر تھے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کررہے ہیں۔ صائبین حضرت یحییٰؑ کو سچا نبی مانتے تھے۔

۵۔ آتش پرست ایران سے ہجرت کرکے عرب کی مشرقی سرحدوں اور یمن میں آباد ہوگئے تھے۔ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ آگ کو خدا کا نور اور نیکی کی علامت سمجھتے تھے۔

۶۔ قبل از اسلام کچھ لوگ سلیم الفطرت بھی تھے جو یہ جانتے تھے کہ عرب میں جہالت اور بدی نے دین کی حقیقت کو چھپا رکھا ہے۔ یہ لوگ دینِ حنیف پر قائم تھے۔ حنیف کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ فطرتاً بدی اور برائی سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے دین کی تلاش میں رہتے تھے اور توحید کے ماننے والے تھے۔ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ توہم پرستی اور بت پرستی سے اکتا کر حق کی تلاش میں رہتے اور اپنے آپ کو عبادت میں مصروف رکھتے تھے۔

قبل از اسلام عرب کی سیاسی حالت بہت خراب تھی۔ عرب میں کوئی باضابطہ حکومت نہیں تھی۔ یہاں کے لوگ مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔ کوئی بھی ان پر حکومت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں پر زیادہ تر حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل تھا۔ کوئی روزگار نہیں تھا۔ کوئی پیداوار نہیں تھی۔ باقاعدہ آبادیاں نہیں تھیں۔ کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہیں تھی۔ اس لئے کسی فاتح نے اس کو فتح کرنے کی

کوشش نہیں کی۔ اگر کسی نے حملہ کیا بھی تو ان کو شکست دیتے ہوئے آگے نکل گیا یہاں پر اپنی حکومت قائم نہیں کی۔ اسی لئے عرب کے لوگ فطرتاً آزاد تھے اور کسی کے زیر اثر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔

عرب میں قبل از اسلام ہر وقت جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا اور ایک دوسرے کو قتل کر دینا سر کاٹ لینا، ان کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِپیکار تھا۔ ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا۔ جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا اور اس طرح ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا۔ ان ہی لڑائیوں کو مؤرخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ان لڑائیوں میں بے رحمی اور سفاکی کی حالت یہ تھی کہ جب ایک گروہ دوسرے گروہ پر قبضہ کر لیتا تو اسکے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیتا اور سب کو قتل کر دیتا۔ عربوں میں جوئے کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، اس کی کئی صورتیں تھیں۔ عرب کے مال و دولت کا تمام تر سرمایہ اونٹوں اور بکریوں کی تجارت تک محدود تھا۔ بعض اوقات کسی شرط پر بازی ہار جانے پر لوگ مال و دولت کے بعد گھر کی خواتین اور بچوں پر بازی لگا دیتے تھے۔ یہ قمار بازی اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی۔ سود خوری کا عام رواج تھا۔ تمام دولتمند سود کا لین دین کرتے تھے۔ عربوں میں لوٹ مار کا عام رواج تھا۔ بعض قبائل نے راہزنی کو اپنا ذریعۂ معاش اور عام مشغلہ بنا لیا تھا۔ تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گزر نہیں سکتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔ مراعات یافتہ طبقے میں کوئی صاحب اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیے جاتے تھے۔

عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا، ایک مرد جتنی عورتوں سے شادی کرنا چاہتا تو اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ جس عورت کو جس وقت چاہتا بغیر وجہ کے چھوڑ دیتا تھا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لیتے تھے، عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھڑی رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیئے جاتے تھے۔ خوشبو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا۔

"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خوشخبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔"

(سورۃ النحل۔ آیت 58 تا 59)

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لے جا کر گڑھا کھودتے اور زندہ دفن کر دیتے تھے۔

عرب کے شہر میں رہنے والے لوگوں کو حضری کہا جاتا تھا اور دیہات میں رہنے والے لوگوں کو بدوی کہا جاتا تھا۔ شہری لوگوں کے معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور دیہات میں رہنے والے لوگوں کا معاش زراعت اور حیوانات کی پرورش کرنا تھا۔

عرب کے تین طرف بحری سواحل واقع ہیں۔ اس قدرتی جغرافیائی تقسیم کی بدولت عرب کے ہر حصے کو دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کے ساتھ تجارتی سہولتیں حاصل ہیں۔ اس وجہ سے اہل عرب نے تجارت کی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی۔ عرب تاجر عام طور پر خوشبودار اشیاء، گرم مصالحہ جات، لوہا، سونا اور دیگر قیمتی جواہرات، چمڑا، کھالیں، زین پوش، گھوڑے، بھیڑ، بکریاں وغیرہ برآمد کیا کرتے تھے۔ ان کی درآمدات میں کپڑا، غلّہ، سامان آرائش، ہتھیار وغیرہ شامل تھے۔

عرب میں وہ مقامات جو سرسبز و شاداب تھے۔ مثلاً یثرب، نجد، یمامہ خیبر، جذان، طائف، نجران، رہا۔ یہاں کاشت ہوتی تھی۔ دوسرے پھلوں کے علاوہ کھجور یہاں کا مشہور پھل تھا۔

عرب کا جغرافیائی پسِ منظر

عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائے ہیں۔

۱۔ اہل لغت بتاتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کی دیگر زبانوں کو کمتر سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم کہہ کر پکارا۔

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا۔ قدیم اشعار میں عرب کی بجائے عربۃ آیا ہے۔ عربۃ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں۔ چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے اسلئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

زمین کی ناف

جغرافیائی اعتبار سے عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ جسکے تین اطراف پانی ہے اور ایک طرف خشکی ہے۔ مغرب میں بحیرہ قلزم آبنائے سویز اور بحیرہ روم ہیں۔ مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان ہیں۔ جنوب میں بحر ہند ہے اور شمال میں عراق اور شام ہیں۔

عرب محل وقوع کے اعتبار سے دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ براعظم یورپ، براعظم افریقہ اور براعظم ایشیا کے فاصلے یہاں سے برابر ہیں اسی وجہ سے مکہ کو ناف زمین کہا جاتا ہے۔

طبعی حالت

عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ پہاڑوں سے چشمے جاری رہتے ہیں یہ چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں پھر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندروں میں گر جاتے ہیں۔ عرب میں کچھ وادیاں بھی ہیں۔ عرب کا وہ حصہ جو ساحل سمندر کے قریب ہے سرسبز و شاداب اور زرخیز ہے۔ عرب میں سونے اور چاندی کی کانیں بکثرت ہیں۔ قریش کی تجارت کا دارومدار چاندی کی تجارت پر تھا۔ پیٹرول بکثرت ہے جس نے سعودی عرب کو دنیا کا امیر ترین ملک بنا دیا ہے۔

آب وہوا

محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا مختلف ہے لیکن عموماً "گرم خشک" ہے۔ عرب کا شمار دنیا کے گرم وخشک ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ گرمی اتنی شدید ہوتی ہے کہ بعض اوقات برداشت سے باہر ہوجاتی ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے۔ برسات کے موسم میں کبھی کبھار بارش ہوتی ہے۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلیں کم ہوتی ہیں۔ زیادہ تر غذائی اجناس باہر کے ممالک سے آتی ہیں۔ یہاں کا مشہور پھل کھجور ہے۔

عرب کی علاقائی تقسیم

علاقائی لحاظ سے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حجاز ۲۔ نجد ۳۔ یمن ۴۔ تہامہ ۵۔ العروض

۱۔ حجاز...... عرب کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا کل رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے۔ حجاز میں اکثر حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل ہے۔ اس کے مشہور شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۲۔ نجد...... اس کے معنی بلند کے ہیں۔ یہ صوبہ عرب کے درمیان میں واقع ہے۔ یہاں پہاڑ اور وادیوں کا سلسلہ ہے۔ یہ صوبہ تیل کے چشموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ ریاض اس کا صدر مقام ہے۔

۳۔ یمن...... اس صوبہ کا کل رقبہ پچھتّر ہزار مربع میل ہے۔ یہ صوبہ سرسبز وشاداب ہے۔ اس علاقہ میں گندم جو اور باجرہ پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ تہامہ...... تہامہ کے معنی ساحلی علاقہ کے ہیں یہ حجاز کے جنوب میں واقع ہے۔ نشیبی علاقہ ہے۔ یہ علاقہ میدانوں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ گرمی کی انتہائی شدت ہے۔

۵۔ العروض...... یہ علاقہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے۔

یمامہ...... نجد اور یمن کے درمیانی علاقہ کو یمامہ کہتے ہیں۔

عمان...... یہ صوبہ عرب کے مشرق میں ہے۔ اس کا رقبہ بیاسی ہزار کلو میٹر ہے۔ یہاں کی خاص پیداوار کھجور ہے اس کا صدر مقام مسقط ہے۔

بحرین...... بحرین کو الاحساء بھی کہتے ہیں۔ یہ عمان اور خلیج فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس کے بعض حصوں میں نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ کہیں کہیں چونے کا پتھر بھی ملتا ہے دہران میں تیل کے چشمے ہیں۔

عرب قبائل

عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا جو شیخ کہلاتا تھا۔ قبیلے کے لوگ سردار کا چناؤ کرتے تھے۔ قبائلی تعصب بہت زیادہ تھا۔ ان قبائل میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا تھا اور جنگ کی صورت اختیار کرلیتا تھا۔ اگر دو قبیلوں میں لڑائی شروع ہو جاتی تو وہ کئی نسلوں تک جاری رہتی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ گھوڑے دوڑانے پر بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان جھگڑا ہوا۔ دونوں قبیلے کئی برسوں تک آپس میں لڑتے رہے۔

عرب کے دو بڑے قبیلے تھے: ۱۔ قبیلہ عدنان ۲۔ قبیلہ قحطان

۱۔ قبیلہ عدنان

یہ قبیلہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھا۔ ان کے مشہور سردار کا نام مضر تھا۔ اسی نسبت سے یہ مضری بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے دیگر قبائل، بنی بکر۔ بنی قیس۔ بنی تمیم۔ بنی تغلب اور بنو قریش وغیرہ ہیں۔ ان تمام قبائل میں قبیلہ قریش خانہ کعبہ کا متولی ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

۲۔ قبیلہ قحطان

یہ لوگ قحطان کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ اسی نسبت سے یمنی کہلائے۔ یہ عدنانی عربوں کی نسبت متمدن تھے۔ ان کی سلطنتیں غسان اور حیرہ تھیں۔ اس خاندان میں ایک مشہور بادشاہ تھا۔ جسے سرخ لباس پہننے کی وجہ سے "حمیر" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے قبیلہ بنی قحطان حمیری بھی کہلائے، ان کا قبیلہ بنو خزاعہ مکہ میں آباد تھا۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج بھی اسی قبیلہ سے تھے۔

اہل عرب کی خصوصیات

عربوں کی سخاوت مشہور ہے۔ اگر قحط سالی کے ایام میں بھی ان کے پاس مہمان آجاتے تو اپنی سواری کا جانور ذبح کر دیتے۔ جو شخص ان کی پناہ میں آجاتا اس کی پوری حفاظت کرتے۔ بہادر اور ذہین تھے۔ اگرچہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے لیکن اپنی یاداشت کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی جنگوں اور دیگر اہم واقعات کی تفصیلات کو محفوظ رکھا۔ وہ صرف اپنے سلسلہ نسب سے ہی پوری طرح باخبر نہ تھے بلکہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔ عربوں کی دانشمندی دنیا میں مشہور تھی۔

شعر و شاعری سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ یہ شاعروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور ہر قبیلہ اپنے شاعر پر فخر کرتا تھا۔ عکاظ کے میلوں میں شاعر اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ان کی شاعری کے خاص موضوعات بزرگوں کی تعریف، عشق و محبت اور جنگوں میں بہادری کے کارنامے ہوتے تھے۔



باب 2

آسمانی بشارتیں

توریت

"تیرے خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی پیدا کرے گا تم اس کی سننا۔"(استثنا۔باب19: 16-19)

"خداوند سینا آیا۔اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔وہ کوہِ فاراں سے جلوہ گر ہوا۔اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔" (استثنا باب33: 2)

زبور

" اور وہی صداقت سے جہاں کی تعریف کرے گا وہ راستی سے قوموں کا انصاف کرے گا۔"(زبور باب9: 8)

"تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کیلئے مبارک کہا اے زبردست (بزرگ) تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم وصداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا تیرے تیر تیز ہیں وہ بادشاہ کے دشمن کے دل میں لگے ہیں امتیں تیرے سامنے زیر ہوئی ہیں۔" (زبور باب2:45-5)

"مسکین اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتا ہے۔یتیم کا تو مددگار ہے۔" (زبور باب10: 14-15)

انجیل

"جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (انجیل یوحنا باب16: 13-14)

"تمام انبیاء سوائے اس رسول کے آچکے ہیں جو میرے بعد آئے گا کیونکہ اللہ اس امر کا ارادہ رکھتا ہے کہ میں اس کا راستہ صاف کروں۔" (انجیل برناباس باب36: 5-6)

"بے شک وہ محمد (رسول اللہ) ہے جب وہ دنیامیں آئے گا اس اصلی رحمت کے وسیلے سے جس کو وہ لائے گا انسانوں کے درمیان نیک اعمال کاذریعہ بنے گا۔" (انجیل برناباس باب 163:6)

"مگر میری تسلی اس رسول کے آنے میں ہے جو میرے بارے میں ہر جھوٹے خیال کو محو کر دے گا اور اس کا دین پھیلے گا اور تمام دنیامیں عام ہو جائے گا۔" (انجیل برناباس باب 97:3)

قرآن مجید

"اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے کہ اے سمیع وعلیم! اس عمارت کو قبول فرمایئے اور اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھیے اور ہماری رعیت کو بھی فرماں بردار بنایئے اور اے ہمارے رب الرحیم! ہم کو جملہ آداب سکھایئے اور ہماری فرماں بردار رعیت میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایئے جو پڑھے ان پر آپ کی آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور ان کو سنوارے، آپ ہی ہیں اصل زبردست حکمت والے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 127 تا 129)

"عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں توریت کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے تصدیق کرتا ہوں اور میں اس رسول کی تم کو بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام "احمد" ہو گا۔" (سورۃ الصف۔ آیت 6)

"اور پھر کیا حال ہو گا اس دن جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ان پر ایک گواہ طلب کریں گے اور ہم تم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول کی نافرمانی کی وہ اس دن یہ پسند کریں گے کاش کہ وہ (دھنس جائیں اور) زمین ان کے برابر ہو جائے۔ اور اس دن یہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔" (سورۃ النساء۔ آیت 41 تا 42)

"اور جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت عطا کروں اور پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں، تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ (پھر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو اور اسے میرا اہم عہد سمجھ کر قبول کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا بے شک ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 81)

"(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی اُمّی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر توریت اور انجیل میں لکھا ہوا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس بھیجے ہوئے نبی اُمّی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت 157- تا 158)

"محمد، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ) ان کے ساتھ ہیں۔ وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خُو ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) جھکنے والے، سجدہ کرنے والے اور اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے

خواہش مند ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں (پیشانیوں) پر سجدے کے نشان ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کا ذکر اسی طرح ہے۔"(سورۃ فتح۔ آیت 29)

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کیلئے اسلام لائے۔

"(اے محمدؐ!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت پہنچانے والا، ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔" (سورۃ سبا۔ آیت 28)

"اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے۔"(سورۃ الصف۔ آیت 9)

آباؤاجداد

سلسلہ نسب

پہلا حصہ:۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (قریش ان کا لقب تھا) بن مالک بن (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (قریش ان کا لقب تھا) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

دوسرا حصہ:۔ عدنان بن اُد بن ہمیسع بن سلامان بن عوض بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عقبر بن عبید الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن اَرعوی بن عیض بن دیشان بن عصیر ابن اَفناد بن اَیہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ

تیسرا حصہ:۔ ابراہیمؑ بن تارح (آذر) بن ناحور بن ساروح (یاساروغ) بن راعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ادریسؑ ہیں) بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیثؑ بن آدمؑ۔

نوٹ: دوسرے اور تیسرے حصے میں اختلاف موجود ہے جبکہ پہلے حصے کے متعلق تمام مؤرخین متفق ہیں۔

قیدار

حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ صاحبزادے عطا فرمائے۔ایک بیٹے کا نام قیدار تھا۔یہ اپنے سب بھائیوں سے زیادہ بہادر، صاحب کردار مشہور تھے۔ان کی نسل شمالی عرب میں آباد ہوئی اور اس نسل سے فخر کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا۔

عدنان

قیدار کی اولاد میں جتنے امیر اور حکمران پیدا ہوئے ان میں اتفاق رائے سے اہلِ عرب کے نزدیک سب سے مشہور لائق اور فہم و فراست کا مالک عدنان تھا۔ان کا خاندان حجاز میں آباد ہوا۔ قصیٰ

قصیٰ بن کلاب عدنان کی نسل سے ہیں۔مکہ کی سرداری ان کے زمانہ میں قریش کے پاس آئی۔قصیٰ بہت دانشمند، منتظم اور تاجر تھے۔مکہ کے تمام مناصب اور اعزازات بھی قصیٰ کے پاس تھے۔یہ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے تھے اور انہیں وعظ و نصیحت فرماتے تھے کہ عنقریب ان میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کی دعوت قبول کرنا۔

قصیٰ نے مکہ میں دارالندوہ تعمیر کروایا اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب رکھا۔قصیٰ اس میں بیٹھ کر قوم کے سارے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے تھے۔جب کبھی کسی اہم مشورہ کے لئے وہ قوم کے سرداروں کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے تو سب وہاں حاضر ہو جاتے تھے۔

قصیٰ نے اپنی قوم میں اتحاد اور یکجہتی کی فضا قائم کی اور مختلف شعبے تشکیل دیئے۔ان شعبوں کو قریش کے مختلف قبائل کے سپرد کیا تاکہ نظم و نسق بہتر طور پر انجام پاسکے۔

۱۔ حجابہ:۔۔۔۔خانہ کعبہ کی نگرانی و انتظامات کرنا۔

۲۔ رفادہ:۔۔۔حجاج کی مالی اعانت اور طعام و قیام کا انتظام کرنا۔

۳۔ سقایہ:۔۔۔یہ شعبہ حج کے موقع پر حاجیوں کو پانی کی فراہمی کے انتظامات کرتا تھا۔

۴۔ لواء:۔۔۔اسے آپ موجودہ دور کا وزارتِ دفاع سمجھئے۔یہ شعبہ جنگ کی حکمت عملی بناتا تھا۔

۵۔ سفارت:۔۔۔سفارتی اُمور کی انجام دہی۔

۶۔ ثالثی:۔۔۔۔تنازعات کا تصفیہ کرنا۔

قصیٰ بن کلاب کے تین بیٹے تھے۔

۱۔ عبداللہ بن قصیٰ ۲۔ اسد بن قصیٰ ۳۔ عبد مناف بن قصیٰ

عبد مناف بن قصیٰ

عبد مناف اپنی سرداری کے زمانے میں قریش کو خدا ترسی و حق شناسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عبد مناف کو چار بیٹے عطا فرمائے جن سے مزید چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے۔

۱۔ عبد شمس بن عبد مناف ۲۔ نوفل بن عبد مناف ۳۔ مطلب بن عبد مناف ۴۔ ہاشم بن عبد مناف

ہاشم بن عبد مناف

ہاشم اپنے اوصاف کی وجہ سے قوم کے سردار تھے۔ ان کا نام عمرو تھا جبکہ ہاشم لقب تھا۔ ایک مرتبہ مکہ میں قحط سالی کے باعث فاقہ کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگوں کو کئی روز تک کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں آیا۔ ہاشم مکہ سے شام آگئے وہاں سے اشیاء خوردونوش خریدیں اور مکہ واپس آئے۔ روٹیاں پکوائیں اونٹ قطار در قطار ذبح کئے سالن بنوایا۔ سالن کے شوربے میں روٹیاں توڑ توڑ کر ڈالی گئیں۔ تمام لوگوں کیلئے دستر خوان بچھا دیا گیا اور دعوت عام کردی۔ عربی میں اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد انہیں ہاشم کہا جانے لگا۔ ہشم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہا جاتا ہے۔

ہاشم ایک روز یثرب میں ٹھہرے۔ وہاں انہوں نے قبیلہ خزرج کی خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے نکاح کیا۔ جس کے بطن سے شیبہ نامی فرزند پیدا ہوئے۔ ہاشم کی وفات دورانِ تجارت فلسطین کے شہر غزہ میں ہوئی۔ شیبہ یثرب میں اپنی والدہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ ان کے چچا مطلب ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کی رضامندی سے مکہ لے آئے۔

شیبہ عرف عبد المطلب

جس وقت مطلب کی سواری مکہ میں داخل ہوئی شیبہ ان کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اہل مکہ نے سمجھا کہ یہ نوجوان مطلب کا غلام ہے اور کسی نے بلند آواز سے یہ کہہ دیا "عبد المطلب" مطلب نے فوراً کہا یہ میرا غلام نہیں بلکہ میرا بھتیجا ہے ہاشم کا بیٹا ہے۔ لیکن شیبہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوگئے اور ان کا اصلی نام لوگوں کے ذہن سے اُتر گیا۔

مطلب کی وفات کے بعد مکہ کی سیادت اور تمام مناصب جناب عبد المطلب کو منتقل ہوگئے۔ عبد المطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا ہیں۔ عبد المطلب اپنے عظیم الشان کارناموں بلند ہمتی اور اوصاف کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد المطلب کو بے مثال حسن و جمال عطا کیا تھا۔ حضرت عبد المطلب کی شخصیت پر اثر، پر عظمت اور وقار میں بے مثال تھی۔ حضرت عبد المطلب کو جو دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا۔ حضرت عبد المطلب کی سخاوت اپنے باپ ہاشم سے زیادہ تھی۔ ان کی مہمان نوازی چرند و پرند تک پہنچ گئی تھی۔

زم زم کی کھدائی

حضرت اسماعیلؑ کی وصیت کے مطابق ان کے بیٹے قیدار خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور بنو اسماعیل کی اولاد خانہ کعبہ کی متولی ہوتی رہی۔ انقلاب زمانہ سے بنو اسماعیل اور بنو جرہم میں تنازعہ پیدا ہو گیا جو مخالفت میں بدل گیا۔ بالآخر بنی جرہم غالب آ گئے اور مکے میں جرہم کی حکومت ہو گئی۔ زمانے کے نشیب و فراز سے حالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ خاندانی اختلاف کی وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد مکہ کے اطراف میں آباد ہو گئی۔ جرہم کا جب ظلم و ستم خصوصاً خانہ کعبہ کی بے حرمتی سامنے آئی تو قبائل عرب کھڑے ہو گئے مجبوراً قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکلنا پڑا لیکن جس وقت وہ مکہ سے نکلے انہوں نے خانہ کعبہ کے تبرکات کو زم زم کے کنویں میں ڈال دیا اور اس میں مٹی ڈال کر بھر دیا اور زمین کو ہموار کر دیا۔ اس طرح زم زم کا نشان باقی نہیں رہا۔

جب مکہ کی حکومت اور سرداری حضرت عبدالمطلب کو ملی تو حضرت عبدالمطلب کو خواب میں بتایا گیا کہ زم زم کے کنویں کو کھودا جائے۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں :

”میں حطیم میں سو رہا تھا، میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا: ”برّہ کھودو۔“

میں نے دریافت کیا: ”برّہ کیا ہے۔“ لیکن وہ شخص چلا گیا۔

اگلے روز میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: ”مَضْنُونَہ کھودو۔“

میں نے پوچھا: ”مَضْنُونَہ کیا ہے؟“ لیکن وہ چلا گیا۔

تیسرے روز پھر اسی جگہ میں نے خواب دیکھا۔ وہ شخص کہہ رہا ہے:

”طیبہ کھودو۔“

میں نے پوچھا: ”طیبہ کیا ہے؟“ لیکن وہ شخص کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

چوتھے روز میں اسی جگہ سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے:

”زم زم کھودو۔“

یہ پانی کا ایک کنواں ہے۔ اس کنویں کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے اور بے شمار حاجیوں کو سیراب کرتا ہے۔

پھر اس شخص نے کچھ نشانات اور علامات بتائیں اور کہا: ”اس جگہ کو کھودو۔“

اس طرح بار بار دیکھنے اور نشاندہی کے بعد حضرت عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے۔

حضرت عبد المطلب نے قریش سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا: ”میرا ارادہ ہے کہ اس جگہ کنواں کھودا جائے۔“

قریش نے کنواں کھودنے کی مخالفت کی۔ مگر حضرت عبد المطلب نے مخالفت کی پروا نہیں کی۔

کدال پھاوڑا لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ خواب میں بتائی ہوئی جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کنواں کھودنا شروع کر دیا۔ حضرت عبد المطلب زمین کھودتے تھے اور ان کے بیٹے حارث مٹی باہر نکالتے تھے۔ تین روز کے بعد کنواں کی بنیاد ظاہر ہوئی۔ حضرت عبد المطلب نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ”یہی حضرت اسماعیلؑ کا کنواں ہے“۔

اس کے بعد حضرت عبد المطلب نے چاہ زم زم کے قریب چند حوض بنوائے جن میں آب زم زم بھر کر حاجیوں کو پلاتے تھے۔ حاسدوں نے یہ شرارت کی کہ رات کو ان حوضوں کو خراب کر دیتے تھے۔ صبح ہوتی تو حضرت عبد المطلب ان حوضوں کو صاف کرتے تھے۔

بالآخر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ حضرت عبد المطلب کو خواب میں بتایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو :

”اے اللہ! میں آبِ زم زم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، وہ صرف آبِ زم زم پی سکتے ہیں۔“

صبح بیدار ہونے کے بعد حضرت عبد المطلب نے اس بات کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد جس کسی نے حوض کو خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ جب بار بار بیمار ہونے کے واقعات پیش آئے تو حاسدوں نے آبِ زم زم کے حوضوں کو خراب کرنا چھوڑ دیا۔

حضرت عبد المطلب کی نذر

زم زم کا کنواں کھودنے کے وقت حضرت عبد المطلب کے اکلوتے بیٹے حارث کے سوا کسی نے کنواں کھودنے میں مدد نہیں کی۔ حضرت عبد المطلب نے منت مانی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

”مجھے دس بیٹے عطا فرمائیں تو میں ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد المطلب کی دعا قبول فرمائی۔ ایک رات حضرت عبد المطلب خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے:

”اے عبد المطلب! اپنی اس نذر کو پورا کر جو تو نے اس گھر کے مالک اللہ تعالیٰ کیلئے مانی تھی۔“

حضرت عبد المطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی اس نذر کا تذکرہ کیا جو انہوں نے مانی تھی۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا:

" اے ہمارے باپ! آپ اپنی نذر پوری کریں ہم آپ کی مکمل اطاعت کریں گے، ہم سب حاضر ہیں"۔

حضرت عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ کو حضرت عبدالمطلب سب بچوں سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بہت خوبصورت اور بڑے پاکیزہ کردار و اخلاق کے حامل تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں قربان کرنے کے لئے مذبح کی طرف لے گئے۔ چھری حضرت عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ایک بہن نے حضرت عبدالمطلب سے عرض کیا:

"بابا جان! میری درخواست ہے کہ آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈالیے۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی دے دیجئے۔"

اس وقت دس اونٹ ایک آدمی کا خون بہا ہوتا تھا۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام کا نکلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب سو اونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام کا نکلا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ بہنیں اپنے بھائی عبداللہ کو ساتھ لے گئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے قربانی کے سو اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان نحر کیے۔

حضرت عبدالمطلب اپنی اولاد کو ظلم اور ستم سے منع فرماتے اور اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے تھے۔ برائیوں سے بچنے اور نذر پورا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ بہن، پھوپی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنے سے منع فرماتے تھے۔ شراب اور زنا سے روکتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اس زمانے میں لوگوں میں برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا معمول تھا۔ جس کی حضرت عبدالمطلب نے ممانعت کی۔

حضرت عبدالمطلب کی اولادوں کے نام

حضرت عبدالمطلب کے ہاں بقول ابنِ ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بیٹے: ۱۔ حارث ۲۔ زبیر ۳۔ حضرت حمزہ ۴۔ ضرار ۵۔ ابو طالب ۶۔ ابو لہب ۷۔ مقوم ۸۔ حجل ۹۔ حضرت عباسؓ ۱۰۔ حضرت عبداللہ

بیٹیاں:

۱۔ اروٰی ۲۔ برّہ ۳۔ امیمہ ۴۔ حضرت صفیہؓ ۵۔ عاتکہ ۶۔ بیضاء ام حکیم۔

حضرت آمنہ سے شادی

حضرت عبد اللہ کی پاکیزہ سیرت اور حسن و جمال کی وجہ سے بہت سے اچھے گھرانوں کی لڑکیاں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ حضرت عبد المطلب نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی شادی کے لئے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی ہیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون ہیں۔ ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے قبیلہ بنو زہرہ کے سردار تھے۔

حضرت عبد اللہ شادی کے کچھ عرصے بعد ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے۔ واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوئے اور عالمِ جوانی میں انتقال کر گئے۔ (اناللہ واناالیہ راجعون)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نسب میں افضل ہیں۔

اصحاب الفیل

تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کے داؤ کو تباہی میں نہیں ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انھیں کنکر کے پتھروں سے ماریں تو انہیں کر ڈالا کھائے ہوئے بھس کی طرح۔ (سورۃ الفیل)

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا ہے۔ عرب کے لوگ خانہ کعبہ میں ہر سال حج کیلئے آتے تھے۔ خانہ کعبہ کا انتظام قریش کے ہاتھ میں تھا اس لئے عرب کے دوسرے تمام قبائل قریش کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عرب کے جنوب میں ایک ملک یمن واقع تھا۔ یمن میں عیسائی بادشاہ ابرھہ کی حکومت تھی۔ وہ ایک نہایت متعصب اور موقع پرست گورنر تھا۔ اس نے حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ غداری کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اس نے جب دیکھا کہ عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو اس نے عربوں کو نیچا دکھانے اور مذہب سے دور کرنے کیلئے یمن کی دارالسلطنت صنعہ میں ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کروائی۔

اس نے عمارت میں سفید، سرخ، زرد اور سیاہ پتھر لگوائے۔ اس کی دیواروں میں جگہ جگہ سونے اور چاندی کے پترے لگوائے۔ اس عمارت میں لگے ہوئے دروازوں اور کھڑکیوں میں خوبصورتی کیلئے سونے کی میخیں لگائی گئیں۔ زربُفت کے پردوں سے اس عمارت کو آراستہ کیا گیا تھا۔ خوبصورتی میں یہ عمارت دنیا میں ایک عجوبہ تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے مینار بنے ہوئے تھے جن میں عود اور عنبر جلتا تھا خوشبو سے پوری عمارت مہکتی رہتی تھی۔ فرش پر بہترین قالین بچھے ہوئے تھے۔ یہ عمارت خوبصورتی اور تزئین و آرائش میں اپنی مثال آپ تھی۔ ابرھہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ آئندہ خانہ کعبہ کی جگہ اس عبادت گاہ میں آ کر حج اور طواف کریں۔

شواہد ملتے ہیں کچھ عرصے تک لوگ اس گھر کا حج کرتے رہے آخر کار ایک رات اس میں کسی نے غلاظت ڈال دی۔ جب ابرھہ کو پتا چلا تو غصہ میں آگ بگولہ ہو گیا اس نے خانہ کعبہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں فوج جمع کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ فوج کشی کر کے خانہ کعبہ کو (نعوذ باللہ) منہدم کر دیا جائے۔ ابرھہ نے اپنے لئے ایک ہاتھی کا انتخاب کیا۔ اس کے لشکر میں بارہ یا تیرہ ہاتھی تھے۔ ابرھہ نے جس ہاتھی کا انتخاب کیا تھا وہ اتنا طاقتور تھا کہ موٹی سے موٹی دیوار کو ٹکر مار کر گرا دیتا تھا۔

فوج کشی کیلئے ابرھہ یمن سے مکہ روانہ ہوا اور مکہ میں داخل ہونے کیلئے مکہ کے اطراف میں پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ مکہ کے لوگوں کے مویشی چرتے تھے۔ ابرھہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑ لئے ان میں دو سو اونٹ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدِ امجد حضرت عبد المطلب کے تھے۔ اس وقت حضرت عبد المطلب خانہ کعبہ کے متولی اور قریش کے سردار تھے۔ جب ان کو لشکر کشی کی خبر ملی کہ ابرھہ مکہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے قریش کو جمع کیا اور میٹنگ کر کے یہ طے کیا کہ مکے کو خالی کر دیا جائے۔

حضرت عبد المطلب نے فرمایا:

”خانہ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کریں گے۔“

میٹنگ میں یہ طے پایا کہ ابرھہ سے ملاقات کی جائے چنانچہ حضرت عبد المطلب قریش کے چند بزرگوں کے ساتھ ابرھہ سے ملنے گئے۔

ابرھہ نے حضرت عبد المطلب کا نہایت پُر جوش استقبال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد المطلب کو بے مثال حسن و جمال عطا کیا تھا اور حضرت عبد المطلب کی شخصیت و قار اور دبدبے میں بے مثال تھی۔ حضرت عبد المطلب کو جو دیکھتا تھا مرعوب ہو جاتا تھا۔ ابرھہ حضرت عبد المطلب کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ ابرھہ نے یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ حضرت عبد المطلب کو تخت پر اپنے برابر بٹھائے۔ اس نے اعزاز و اکرام میں یہ روش اختیار کی کہ خود تخت سے اتر کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دورانِ گفتگو حضرت عبد المطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ابرھہ نے حیران ہو کر کہا:

”بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارے میں بات کی اور خانہ کعبہ جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کے دین اور مذہب کا مقام ہے اس کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔“

حضرت عبد المطلب نے فرمایا:

”میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا اور خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے گھر کی حفاظت فرمائیں گے۔“

ابرھہ تھوڑی دیر خاموش رہا اور اس کے بعد حضرت عبد المطلب کے اونٹوں کے واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت عبد المطلب اپنے اونٹوں کو لے کر مکہ واپس آگئے اور قریش کو حکم دیا کہ مکہ خالی کر دیں اور تمام اونٹوں کو خانہ کعبہ کی نذر کر دیا اور چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر خانہ کعبہ آئے اور سب نے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

''آپ سے درخواست ہے، دعا ہے، التجا ہے کہ اے اللہ! بندہ اپنی جگہ کی حفاظت کرتا ہے، آپ اپنے گھر کی حفاظت فرمایئے اور اہلِ صلیب کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے۔ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر آپ کی تدبیر پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔ یہ لوگ لشکر اور ہاتھی لے کر آئے ہیں تاکہ آپ کے عیال کو قید کریں۔ آپ کے حرم کی بربادی کیلئے آئے ہیں جہالت کی بنا پر یہ ارادہ کیا ہے آپ کی عظمت و جلال کا خیال نہیں کیا۔ ''

حضرت عبد المطلب اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ہمراہیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اس مجمع میں بوڑھے جوان سب موجود تھے۔ مجمع میں موجود نوجوانوں نے حضرت عبد المطلب کی خدمت میں عرض کیا:

''ہم ابرھہ سے لڑیں گے اور اسکے لشکر کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔''

حضرت عبد المطلب نے نوجوانوں کا جوش و خروش دیکھ کر فرمایا:

''ہمیں عقلمندی اور ہوش کے ساتھ اس معاملے کو حل کرنا چاہیئے۔ بظاہر ہماری اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔''

باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ عورتیں اور بوڑھے مرد مکہ میں رہیں گے اور نوجوان کفن پہن کر مکہ سے کوچ کریں گے اور ابرھہ کی فوج جدھر سے گزرے گی وہاں لیٹ جائیں گے تاکہ ہماری قربانی اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عبد المطلب نوجوانوں کو ساتھ لے کر اس مقام پر لیٹ گئے، جہاں سے ابرھہ کی فوج کو گزرنا تھا اور دعا کی اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرما اور اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

دوسری طرف سے ابرھہ نے مکہ پر فوج کشی کیلئے لشکر تیار کیا اور بِگل بجا کر کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جب لشکر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان محسر میں پہنچا تو ابرھہ کا ہاتھی بیٹھ گیا۔ اس کو اٹھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں اٹھا۔ ہاتھی کو آنکس مارے گئے، لیکن وہ نہیں اٹھا۔ جب مکہ کی دوسری طرف سے اٹھایا گیا تو وہ فوراً اُٹھ کر تیزی سے یمن کی طرف بھاگنے لگا اور جب اس کا منہ مکہ کی طرف کرتے تھے تو وہ بیٹھ جاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین نے اس کو پکڑ لیا ہے۔ شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابرھہ کی فوج نے جب پیش قدمی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس فوج کو وادیٔ محسر میں روک دیا۔

پتھروں سے عربوں نے اسلحہ کا کام لیا اور فوج پر سنگ باری کی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر سنگ باری کرنے والی ہوا نازل فرمادی جس کی وجہ سے فوج تتر بتر ہو گئی اور آسمان میں بیشمار چڑیاں نمودار ہوئیں۔

قرآن پاک میں ان کا نام "ابابیل" ہے۔ ابابیل چڑیا سے چھوٹی ہوتی ہے۔ یہ چڑیاں لشکر پر باجرے کے دانے کے برابر کنکریاں گراتی گئیں۔ فوج کے جس سپاہی پر یہ کنکریاں گرتی تھیں۔ ان کے جسم پر چیچک نکل آتی تھی اور جیسے ہی جسم پر کنکریاں لگتی تھیں جسم گلنے لگتا تھا۔ لشکر میں فوج کی کثیر تعداد چیچک کی وجہ سے ہلاک ہوگئی۔ ان کنکریوں کے لگنے سے لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ فوجی ایک دوسرے کو روندتے کچلتے ہوئے بھاگ نکلے۔ بھاگنے والے ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور مر رہے تھے۔ ملک الموت نے انہیں اتنی بھی مہلت نہیں دی کہ وہ ابرھہ کے فوجیوں کی لاشیں اٹھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابرھہ پر ایسی آفت نازل کی کہ ابرھہ کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے، پھر سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا اور دشمنوں پر چڑیوں کا غیض وغضب ضرب المثال بن گیا۔ یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پچاس دن پہلے کا ہے۔

باب 3

حیات مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ کے آئینے میں

محمد ﷺ: آپ ﷺ کے دادا نے نام رکھا۔

احمد: آپ کی والدہ حضرت آمنہؓ نے نام رکھا۔

کنیت: ابوالقاسم

ولادت: بروز پیر 9ربیع الاول 1 عام الفیل، لیکن تاریخ معین نہیں البتہ مؤرخین کا یہ اتفاق ضرور ہے کہ ولادت 8 سے 12 ربیع الاول میں ہی کسی تاریخ کو ہوئی بتاریخ 20 یا 22 اپریل 571 سن عیسوی۔

والد: حضرت عبداللہ۔ محمد ﷺ کی ولادت سے کچھ ماہ پہلے وصال ہوا۔

والدہ: حضرت آمنہؓ۔

عمر 4 سے 5 سال: پہلا شق صدر کا واقعہ ہوا۔

عمر 6 سال: آپ ﷺ کی والدہ کا انتقال ہوا۔

عمر 8 سال: آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا۔

عمر 12 سال: ملک شام تجارت کیلئے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ نکلے بصریٰ کے مقام پر بحیرا نامی راہب نے پیغمبری کی نشانیاں پہچان کر یہودیوں کے حسد کے خطرے سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ کو وہیں سے مکہ واپس بھیج دیا گیا۔

عمر 15 سال: آپ ﷺ نے جنگ فجار میں حصہ لیا اور اس جنگ میں اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیئے۔

حلف الفضول پیش آئی جس میں آپ ﷺ نے بھی شرکت کی۔

عمر 25 سال: حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی۔

آپ ﷺ کی چار لڑکیاں اور دو لڑکے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہیں (لڑکوں کی

تعداد پر اختلاف ہے کہ وہ ایک، دو یا تین ہیں، قاسمؓ پر سب کو اتفاق ہے، زیادہ روایتوں کا اتفاق دو

لڑکوں پر ہے) ترتیب یہ ہے۔

قاسمؓ۔ زینبؓ۔ رقیہؓ۔ اُم کلثومؓ۔ فاطمہؓ۔ عبد اللہؓ۔

) حضرت خدیجہؓ سے تمام اولادیں ابتداء نبوت سے پہلے ہوئیں لیکن حضرت فاطمہؓ اور حضرت عبد اللہؓ کی ولادت کے وقت پر اختلاف ہے کہ وہ سرفراز نبوت سے پہلے ہوئے یا بعد میں۔ تمام بیٹے بچپن ہی میں انتقال کر گئے جبکہ بیٹیوں نے اسلام کا زمانہ دیکھا اور مسلمان ہوئیں۔

) آپ ﷺ کے ایک بیٹے حضرت ماریہ قبطیہؓ سے بھی تھے۔ ان کا نام ابراہیم تھا اور وہ بھی بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کی ولادت اور وصال آپ ﷺ کے مدنی دور کے آخر میں ہوئی۔

حضرت ماریہ قبطیہؓ آپ ﷺ کی لونڈی ہی رہیں۔

) اس کے علاوہ کسی اُم المومنینؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

عمر 35 سال: حجر اسود لگانے کا واقعہ پیش آیا۔

عمر 40 سال: آپ ﷺ سرفراز نبوت ہوئے بتاریخ 21 یا 27 رمضان المبارک۔ 23 سال دور نبوت کے ہیں۔، جس میں 13 سال مکی اور 10 سال مدنی دور نبوت کے ہیں۔

سن 1 سے 3 نبوت: آپ ﷺ نے خفیہ دعوتِ تبلیغ کی۔

سن 4 نبوت: اعلانیہ دعوت تبلیغ شروع کی۔

سن 5 نبوت: حضرت ارقمؓ کا مکان دارارقم دعوت تبلیغ کا مرکز بنایا گیا۔

(دو ہجرتیں حبشہ کی جانب ہوئیں

محرم 7 نبوت تا محرم 10 نبوت: آپ ﷺ بنی ہاشم اور بنی مطلب قبائل کے ساتھ شعب ابی

طالب میں محصور ہوئے کیونکہ مشرکین نے آپ لوگوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا۔

سن 10 نبوت: حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کا انتقال ہوا۔ یہ سال عام الحزن کہلایا۔

ماہِ شوال میں آپ ﷺ کی دوسری شادی حضرت سودہؓ سے ہوئی اور اسی ماہ بوجہئ

تبلیغ طائف کا سفر کیا۔

سن 11 نبوت: ماہِ شوال میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے ہوا۔ یہ آپ ﷺ کی تیسری زوجہ

تھیں لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

واقعہ معراج کے وقت کا صحیح تعین نہیں لیکن شواہد سے قیاس ہے کہ یہ اخیر مکی دور کا واقعہ ہے۔

سن 12 نبوت: ذی الحجہ میں پہلی بیعت عقبہ ہوئی

سن 13 نبوت: ذی الحجہ میں دوسری بیعت عقبہ ہوئی جو کہ بیعت عقبہ کبریٰ کے نام سے موسوم ہے

اس میں 73 مرد 2 عورتیں شامل تھیں اور اس بیعت میں یثرب کے لوگوں نے

آپ ﷺ کو مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ بیعت کے بعد مسلمانوں نے یثرب کی

جانب ہجرت شروع کر دی۔

سن 14 نبوت: 27 صفر کی درمیانی رات کو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ یثرب کی جانب

ہجرت کی۔ 8 ربیع الاول کو قباء پہنچے اور وہیں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔

1 ھ: مختلف روایتوں کے مطابق آپ ﷺ 12 ربیع الاول کو یثرب تشریف لائے (چونکہ

قباء میں آپ ﷺ کے قیام کا عرصہ معلوم نہیں اسلئے مدینہ میں داخل ہونے کا تعین نہیں) جس

کے بعد اس شہر کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا اور یہ سال پہلا ہجری سال بھی کہلایا۔

(مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی گئی۔

(آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کیا جس میں کل 90 لوگ شامل تھے۔
یہ مواخات حضرت انسؓ بن مالک کے گھر پر ہوئی۔

(رمضان المبارک میں پہلا سریہ سیف البحر پیش آیا جس میں آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو
مع تیس مہاجرین کے بھیجا۔

(ماہِ شوال میں حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آ گئیں۔

2ھ: ماہِ صفر میں غزوہئ ابواء یا وڈان پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہِ ربیع الاول میں غزوہئ بواط پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہِ ربیع الاول میں غزوہئ سفوان پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہِ جمادی الاول و ثانی غزوہئ ذی العشیر پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(مسلمانوں کا مشرکین سے پہلا معرکہ غزوہئ بدر 17 رمضان المبارک کو پیش آیا جس میں
313 مسلمان اور 1000 مشرکین ایک دوسرے کے مد مقابل تھے اور اس معرکہ
میں 14 سلمان شہید ہوئے جبکہ 70 مشرکین قتل ہوئے۔

(ماہِ رمضان المبارک میں غزوہئ بدر سے صرف 7 دن بعد غزوہئ بنی سلم پیش آیا اور مسلمانوں کو
کامیابی ہوئی۔

(ماہِ شوال میں غزوہئ بنو قینقاع پیش آیا جس میں یہودیوں کا محاصرہ کیا گیا اور انھوں نے ہتھیار
ڈال دیئے اور مسلمان کامیاب ہوئے۔

(ماہِ ذی الحجہ میں غزوہئ سویق پیش آیا جس میں ابوسفیان نے دوسو سواروں کے ساتھ ڈاکہ زنی
سے ملتی جلتی کاروائی کی اور جوابی کاروائی کے نتیجے میں مال غنیمت ستو (سویق) ہاتھ آیا۔

3ھ: ماہِ محرم میں غزوہ ذی امر پیش آیا غزوہ بدر و اُحد کے درمیان سب سے بڑی فوجی مہم تھی

اس میں لڑائی نہیں ہوئی۔

(ماہِ ربیع الاول میں غزوہئ بحران پیش آیا لیکن لڑائی نہیں ہوئی۔

(ماہِ شوال میں غزوہئ احد پیش آیا جس میں 700 مسلمان اور 3000 مشرکین ایک دوسرے کے مدِ مقابل تھے اور اس میں 70 مسلمان شہید ہوئے 22 یا 37 مشرکین قتل ہوئے۔

(اُحد سے واپسی پر مشرکین دوبارہ حملہ کرنے کا سوچنے لگے۔ اس بات کا اندازہ نبی کریم ﷺ کو بھی تھا چناچہ 8 شوال کو حضور اکرمؐ نے مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد پر پڑاؤ ڈالا۔ لیکن کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا اور مشرکین حملہ کئے بغیر ہی مکہ لوٹ گئے۔ اس مہم کو تاریخ میں غزوہئ حمراء الاسد کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(آپ ﷺ کی چوتھی شادی حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ سے ہوئی۔

4 ھ غزوہئ بنو نضیر پیش آیا جس میں بنو نضیر (یہودیوں) کا محاصرہ کیا گیا اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

(آپ ﷺ نے ام المساکین حضرت زینبؓ سے شادی کی وہ آپ ﷺ کی پانچویں زوجہ تھیں۔ جو کچھ مہینوں بعد ہی رحلت فرما گئیں۔

(ماہِ ربیع الثانی یا جمادی الاول میں غزوہئ نجد پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہِ شعبان میں غزوہ بدر دوم پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہِ شوال میں آپؐ نے ام سلمہؓ سے شادی کی یہ آپ ﷺ کی چھٹی زوجہ تھیں۔

5 ھ ماہ ربیع الاول میں غزوہ ذومتہ الجندل پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہ شوال میں غزوہئ احزاب (خندق) پیش آیا جس میں مشرکین نے مدینہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے خندق کھود کر ان کو چڑھائی سے باز رکھا اس میں 3000 مسلمان اور 10000 مشرکین ایک دوسرے کے مدمقابل تھے اور تقریباً 1 ماہ تک

محاصرہ رہا۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں کی مدد کا عہد و پیماں توڑ دیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ

میں شریک ہو گئے۔

(ماہِ ذی القعد میں غزوۂ بنو قریظہ پیش آیا جس میں مسلمانوں نے بنو قریظہ (یہودیوں) کا

محاصرہ کیا، انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کا

اختیار دیا گیا انھوں نے سوائے عورتوں اور بچوں کے سب یہودیوں کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

(ماہِ ذی القعد یا ذی الحجہ میں آپ ﷺ کی حضرت زینب بنت جحش سے شادی ہوئی یہ

آپ ﷺ کی ساتویں زوجہ تھیں اور اس سے پہلے حضرت زیدؓ کے عقد میں تھیں انھوں نے

حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تھی۔

6ھ غزوۂ بنو لحیان پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

6ھ یا 5ھ۔ غزوہ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع پیش آیا جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی کچھ علم نہیں ہو سکا

لیکن مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

6ھ یا 5ھ۔ حضرت جویریہ بنت حارث جو بنو المصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں انھیں

آپ ﷺ نے آزاد کرا کے نکاح کر لیا وہ آپ ﷺ کی آٹھویں زوجہ تھیں۔

(ماہِ ذی العقد میں صلح حدیبیہ ہوئی یہ مکہ کے مشرکین سے امن کا ایک معاہدہ تھا۔

(حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر کے سے پہلے غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد ہوا۔ اس غزوہ میں بنو

فزارہ کے لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا۔ مختصر سی لڑائی کے بعد

مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مویشی چھڑا لئے گئے۔

7ھ آپ ﷺ نے حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ یہ آپ ﷺ کی

نویں زوجہ تھیں۔

(ماہ محرم تا صفر میں غزوۂ خیبر پیش آیا اور اس میں یہودیوں کو شکست فاش ہوئی۔

(آپ ﷺ نے حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب کو اپنے نکاح میں لے لیا یہ آپ ﷺ کی دسویں زوجہ تھیں اور آپؓ خیبر کے قیدیوں میں لائی گئیں تھیں۔

((وقت پر اختلاف ہے) ماہِ ربیع الاول میں غزوہ ٔذات الرقاع پیش آیا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔

(ماہ ذی القعد میں آپ ﷺ مکہ معظمہ عمرہ کیلئے گئے اور تین روز قیام کر کے واپس آ گئے۔

(آپ ﷺ نے عمرہ کے سفر کے دوران حضرت میمونہؓ بنت حارث سے نکاح کیا یہ آپ ﷺ گیارہویں زوجہ تھیں۔

8ھ۔ معرکہ ٔ موتہ پیش آیا، آپ ﷺ نے اس معرکہ میں شرکت نہیں کی یہ رومیوں سے پہلی ٹکر تھی اس میں دو لاکھ دشمنوں کے خلاف فقط تین ہزار مسلمان تھے۔ مسلمانوں نے رومیوں کو کافی نقصان پہنچایا۔

(ماہِ رمضان المبارک میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔

(ماہِ شوال میں غزوہ حنین پیش آیا۔

(ماہِ شوال کے آخر میں غزوہ ٔ طائف پیش آیا یہ غزوہ ٔ حنین کا ہی پھیلاؤ تھا کیونکہ غزوہ ٔحنین کے دشمن طائف بھاگ گئے تھے۔

9ھ ماہِ رجب تا ماہِ رمضان المبارک میں غزوہ ٔ تبوک پیش آیا اس موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں سے مال طلب کیا۔

10ھ ماہِ ذی القعد تا ذی الحجہ میں حجۃ الوداع ہوا۔

11ھ ماہِ صفر میں آپ ﷺ کے مرض کا آغاز ہوا جو چودہ (14) روز جاری رہا۔

(آپ ﷺ 12 ربیع الاول بروز پیر بوقتِ آخر چاشت کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش روایت کی گئی ہے)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کی پیدائش کی خبر اپنے سسر حضرت عبدالمطلب کو بھیجی جو طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ حضرت عبدالمطلب گھر آئے

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خانہ کعبہ میں لے آئے اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے فتنہ و شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام "محمدؐ" رکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں آئے تو سرزمین عرب سرسبز و شاداب ہوگئی۔ مکہ میں خوشحالی آگئی۔ ولادت کے وقت زلزلہ آیا اور کسریٰ شہنشاہِ فارس کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فارس کے آتش کدہ میں صدیوں سے روشن آگ بجھ گئی۔ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی والدہ فاطمہؓ بنتِ عبداللہ فرماتی ہیں :

"میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ پورے گھر میں نور ہی نور تھا اور آسمان میں ستارے جھکے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہاں

تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آسمان سے ستارے زمین پر آجائیں گے۔"

ولادت کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت آمنہ نے ایک نور دیکھا، جس سے دنیا روشن ہوگئی۔

حضرت عبدالمطلب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک زنجیر ہے جس کا ایک سرا آسمان اور دوسرا سرا زمین پر ہے۔ کچھ دیر بعد زمین پر درخت بن گیا جس کے ہر پتے پر نور ظاہر ہو رہا تھا۔ قریش میں سے کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ اس کی شاخوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شاخوں کو کاٹنا چاہتے تھے کامیاب نہیں ہوئے۔

عقیقہ

روایت ہے کہ حضرت بی بی آمنہ کو خواب کے ذریعے بتایا گیا کہ وہ ایک برگزیدہ بچے کی ماں ہیں اور اس کا نام "محمد" ہے۔ ولادت کے ساتویں روز حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں عام دعوت کی۔

بچپن

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن تک اپنی ماں کا دودھ پیا پھر چند روز ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھیں۔ ثوبیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یہ وہ خوش قسمت خاتون تھیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی خبر ابولہب کو سنائی تو ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا۔

عربوں میں رواج تھا کہ پرورش کے لئے کم سن بچوں کو صحرا میں بھیج دیتے تھے تاکہ صحرا کے صحت افزا مقام پر رہ کر بچوں کی نشوونما اچھی ہو۔ دیہاتوں میں رہنے والی عرب عورتیں سال کے مختلف حصوں میں مکہ آتی تھیں اور شیر خوار بچوں کو پرورش کے لیے صحرا میں لے جاتی تھیں۔ قبیلہ بنوسعد بن بکر کی عورتوں نے دوسرے بچوں کو گود لیا اور حضرت حلیمہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینے سے لگایا۔ انکا تعلق قبیلہ سعد بن بکر سے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار سال بنوسعد میں امّاں حلیمہؓ کے پاس پرورش پائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی بہن بھائی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی بہن بھائی کے نام یہ ہیں:-

عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور حذافہ ان کا نام شیما بھی ہے اور یہ اسی نام سے پکاری جاتی تھیں۔

بارانِ رحمت

جب حضرت حلیمہؓ سعدیہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ تشریف لائیں اس وقت مکہ میں خشک سالی تھی اور لوگ بارانِ رحمت کے منتظر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں تشریف لائے تو کسی دائی نے انہیں دودھ پلانے کے لئے قبول نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یتیم تھے۔

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے بھی اسی خیال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گود نہیں لیا لیکن مجھے غربت اور افلاس کی وجہ سے دودھ پلانے کیلئے کوئی اور بچہ نہیں ملا۔ میرے خاوند نے جب یہ دیکھا کہ ہم خالی ہاتھ جائیں گے تو ہمیں شرمندگی ہوگی۔ میرے خاوند نے کہا تم اس بچے کو ضرور لے آؤ۔

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہؓ نے عجیب مناظر دیکھے اور وہ حیران ہوتی رہیں۔ حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں:

"جب میں نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو گود میں لیا اسی وقت میرا سینہ دودھ سے بھر گیا اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ جب ہم گھر سے نکلے تھے اس وقت خشک سالی تھی۔ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی برکت سے خشک سالی خوشحالی میں تبدیل ہوگئی۔ ہم نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو گود میں لے کر اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا مشاہدہ کیا۔ جب محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دو سال کے ہوئے تو بہت سمجھدار اور ہوشیار لڑکے تھے تعجب ہوتا تھا اور ان کی فہم اور سمجھ پر حیرت ہوتی تھی۔"

شق صدر

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے کے لئے گئے۔ ان کا بھائی دوڑتا ہوا گھر آیا اور اس نے ڈر اور خوف کے ملے جلے جذبات سے اپنی والدہ کو بتایا کہ دو سفید پوش آدمی آئے اور انہوں نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو زمین پر لٹا کر سینہ چاک کر دیا۔ جب میں وہاں سے چلا تو وہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا سینہ سی رہے تھے۔

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر خوف زدہ ہو کر دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں بکریاں چر رہی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کھڑے ہوئے ہیں اور چہرہ مبارک کا رنگ پھیکا ہے۔ اماں حلیمہؓ دوڑتی ہوئی گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینے سے چمٹا لیا اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی باپ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینے سے لگایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دو آدمی آئے تھے، انھوں نے مجھے زمین پر لٹایا اور سینہ چاک کر کے میرا دل نکالا اور دھو کر دوبارہ سینے میں رکھ دیا اور سینے کو سی دیا۔ اماں حلیمہؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی والد یہ عجیب واقعہ سن کر حیران ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اماں حلیمہؓ ساتھ لے کر گھر واپس آگئیں۔

(شقِ صدر) سینہ چاک ہونے کا عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں چار مرتبہ پیش آیا:

۱۔ پہلی بار یہ واقعہ بعثت (پیدائش) کے وقت پیش آیا۔

۲۔ دوسری مرتبہ یہ واقعہ بچپن میں پیش آیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حلیمہؓ سعدیہ کے پاس تھے۔

۳۔ تیسری بار یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک 4 سال تھی۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگل میں تھے۔ دو فرشتے حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ سفید لباس میں انسانوں کی شکل میں آئے۔ ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جس میں برف تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ چاک کر کے دل کو نکالا پھر دل کو برف سے دھو کر سینے میں رکھا اور سینے کو سی دیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر لگا دی۔

۴۔ چوتھی مرتبہ یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا۔

شقِ صدر کے واقعہ سے اماں حلیمہؓ کو یہ فکر ہوئی کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور پورا واقعہ سنایا۔ حضرت آمنہ کو یہ واقعہ سن کر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا:

"میرا بیٹا نہایت سعید اور خوش بخت ہے۔ اے حلیمہؓ! تم مطمئن رہو، اسے کچھ نہیں ہوگا۔"

سفر مدینہ اور والدہ کا انتقال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہ نے ان کے ساتھ مدینہ جانے کا قصد کیا۔ ام ایمن بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ ایک ماہ میکے میں قیام کیا۔ پھر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر مکہ واپس جا رہی تھیں تو راستے میں ابوا کے مقام پر حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

داداکی زیر نگرانی

اُمّ ایمن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ مکرمہ لے کر واپس آئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ والدہ کی رحلت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکمل طور پر اپنے دادا کی کفالت میں آ گئے۔ دادا نے بھی شفقت و محبت کا حق ادا کر دیا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے حد محبت کرتے تھے اور ہر وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال رکھتے تھے۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عبد المطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب دسترخوان پر کھانا چن دیا جاتا تھا تو حضرت عبد المطلب حکم دیتے میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آتے تو انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ عمدہ عمدہ کھانے اُٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رکھتے اور کھانے پر اصرار کرتے۔

حضرت عبد المطلب کے لئے دیوارِ کعبہ کے سائے میں مسند بچھائی جاتی تھی چونکہ حضرت عبد المطلب قریش کے سردار تھے اس لئے احتراماً کوئی شخص بھی سردار کی مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ حرب بن امیہ جیسے صاحبِ حیثیت لوگ بھی اس پر نہیں بیٹھتے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی دادا کے پاس آتے اس مسند پر بیٹھ جاتے۔ حضرت عبد المطلب کے بیٹے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسند سے اُتارنا چاہتے تو حضرت عبد المطلب کہا کرتے میرے بیٹے کو بیٹھنے دو کیوں کہ مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیٹا اتنے بلند مقام پر فائز ہو گا کہ اس سے پہلے کوئی عرب اس مرتبہ تک نہیں پہنچا۔

دادا کی زیرِ کفالت دو سال ہی گزرے تھے کہ محبتیں نچھاور کرنے والے دادا کا دستِ شفقت بھی اُٹھ گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس دن مکہ والوں پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کیونکہ ان کا محبوب سردار ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو گیا تھا۔ حضرت عبد المطلب کے سوگ میں کئی دنوں تک مکہ میں کوئی بازار نہیں لگا۔

حضرت ابو طالب کی سرپرستی

حضرت ابو طالب اور زبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد عبد اللہ کے سگے بھائی تھے۔ ان تینوں کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ عمرو مخزومیہ تھا۔ حضرت عبد المطلب مرتے وقت اپنے آٹھ سال کے یتیم پوتے کو اپنے بیٹے حضرت ابو طالب کے حوالے کر گئے۔ اگرچہ حضرت ابو طالب نے بھتیجے اور اپنے بچوں کے درمیان فرق نہیں کیا اور دونوں میاں بیوی نے حقیقی بیٹے کی طرح ان کی پرورش کی لیکن ماں کی محبت اور باپ کی شفقت کا نعم البدل نہیں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آٹھ سال کی عمر میں ہر صبح شہر سے باہر نکل جاتے اور شام گئے تک اکیلے صحرا میں رہتے تھے۔ اکثر اوقات لامحدود آسمان اور لامتناہی افق پر نظریں جمائے رکھتے اور سورج ڈھلنے سے پہلے مویشیوں کو لے کر واپس آبادی میں آ جاتے تھے۔ وہ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ جس کی ماں نہ ہو اور جو کھیلنے کودنے کی عمر میں محنت مشقت کرے وہ زندگی میں خود کفیل (self made) ہوتا ہے۔

مہرِ نبوت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت ابو طالب ایک تاجر تھے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بارہ سال کی عمر میں شام لے گئے۔ شام کے شہر "بصریٰ" کے نزدیک ان کا کارواں ٹھہرا۔ جس جگہ کارواں نے پڑاؤ کیا وہاں ایک صومعہ میں بحیرا نامی راہب رہتا تھا۔ سریانی زبان میں بحیرا کے معنی بزرگ اور دانشور کے ہیں۔

عربوں کا یہ تجارتی قافلہ جب صومعہ کے قریب پہنچا تو بحیرا بزرگ نے دیکھا کہ جس درخت کے نیچے قافلہ والے ٹھہرے ہیں اس کی ٹہنیاں خود بخود جھک گئی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک بارہ سالہ لڑکا قافلہ میں شامل ہے، جس پر بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے ہے۔ بحیرا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحیثیت آخری نبی پہچان کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرپرست حضرت ابو طالب کو نصیحت کی کہ

"اپنے بھتیجے کی پوری پوری نگرانی کریں۔"

حضرت ابو طالب نے کہا: "آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ وہی ہے جس کا تذکرہ الہامی کتابوں میں ہے۔"

بحیرا نے جواب دیا:

"تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت ایسا نہیں تھا جو جھکا نہ ہو۔"

صادق اور امین

مکہ میں رہنے والے دو طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے۔

۱۔ تجارت کے ذریعہ۔ ۲۔ مویشی اور بطورِ خاص اونٹوں کی پرورش کے ذریعے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جوان ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تجارت کو ذریعہ معاش بنانا پسند فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق اور ہمسایوں کی خبر گیری کرنے والے، نہایت حلیم، بردبار، سچے، امانت دار اور بے ہودہ گوئی سے پاک تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صادق اور امین کا خطاب دیا۔

زمانہ جاہلیت میں عبد اللہ بن سائب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شریک تجارت تھے۔ جب وہ مدینے میں آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"عبد اللہ مجھے پہچانتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا:

"میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں، آپ تجارت میں میرے شریک تھے اور بہت اچھے دوست اور ساتھی تھے۔ نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر الجھتے تھے۔"

سوداگر قیس بن زید اپنا سامان تجارت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیتا تھا تاکہ وہ اسے فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہر لے جائیں۔ حساب کتاب میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اشیائے تجارت کی فروخت کیلئے سفر پر روانہ ہوتے تو مکہ کے دوسرے تاجر یہ خواہش کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا سامانِ تجارت بھی لے جائیں۔

حضرت خدیجہؓ عرب کے شریف خاندان کی رئیس خاتون تھیں۔ آپؓ کی شرافت اور پاک دامنی کی وجہ سے لوگ آپؓ کو طاہرہ کہتے تھے۔ قریش جب تجارت کیلئے قافلہ روانہ کرتے تو حضرت خدیجہؓ بھی اپنا مال بطور مضاربت بھیج دیتیں۔ حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک جب پچیس سال کی ہوئی تو گھر گھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امانت اور دیانت داری کا چرچہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغام بھیجا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرا مالِ تجارت لے کر شام تشریف لے جائیں تو میں دوسروں کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نفع زیادہ دوں گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ کی پیشکش قبول فرمائی اور حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ مالِ تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خرید و فروخت میں مشغول ہوگئے۔ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جھگڑنے لگا اور اس نے کہا:

"آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) لات و عزیٰ کی قسم کھائیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میں نے کبھی لات و عزیٰ کی قسم نہیں کھائی۔"

یہ سن کر اس شخص نے کہا: "آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) صادق اور سچے ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تجارت میں نفع ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے آپؐ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن اخلاق، بلند پایہ کردار، راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریق سے آگاہ کیا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی خاندانی شرافت، عزت و توقیر اور اعلیٰ کردار کی بنا پر مکہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ان سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسند کیا اور نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضرت ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ نکاح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولادوں کی امّاں حضرت خدیجہؓ ہیں۔ آپؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک قاسم جن کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت ابو القاسم ہے۔ دوسرے عبداللہ اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تیسرے صاحبزادے ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہؓ قبطیہ ہیں۔ تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

تعمیر کعبہ

روایت ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی ہے:

۱۔ پہلی مرتبہ حضرت آدمؑ نے اس کی تعمیر فرمائی۔ روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو حضرت آدمؑ کے پاس بھیجا اور بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ جب تعمیر مکمل ہوئی تو حکم ہوا کہ اس گھر کا طواف کرو۔

روایت ہے کہ جب حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان آیا تو بیت اللہ شریف بھی زیر آب آ گیا۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بیت اللہ دوبارہ تعمیر کریں۔ روایت ہے کہ بیت اللہ کی نشانی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور حضرت اسماعیلؑ کی اعانت سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔

۳۔ تیسری بار بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانچ سال قبل جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر 35 سال ہوئی قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس وقت خانہ کعبہ پر چھت نہیں تھی۔ دیواروں کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ زمانے کی نشیب و فراز سے دیواریں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ خانہ کعبہ نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی اندر بھر جاتا تھا۔

متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ:

"بیت اللہ کی تعمیر میں جو خرچ کیا جائے وہ کسبِ حلال ہو صرف حلال مال خانہ کعبہ کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔" بیت اللہ کی تعمیر کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا گیا۔ دروازہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے حصے میں آیا اور حجرِ اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنو مخدوم اور قریش کے دوسرے قبائل کے حصے میں آئے اور بیت اللہ کی پشت بنو جمح اور بنی سہم کے حصے میں آئی اور حطیم کی تعمیر بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی کے حصے میں آئی۔

اسی دوران قریش کو خبر ملی کہ ایک تجارتی جہاز، جو طوفان سے ٹکرا گیا ہے، جدہ کی بندر گاہ پر لنگر انداز ہوا ہے۔ ولید بن مغیرہ جدہ پہنچا اور جہاز کے تختے بیت اللہ کی چھت کیلئے خرید لیے۔ اس جہاز میں باقوم نامی ایک معمار بھی تھا۔ ولید بیت اللہ شریف کی تعمیر کیلئے اسے بھی ساتھ لے آیا۔ جب قدیم عمارت منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ بیت اللہ کی دیواریں گرائے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے پھاوڑا لے کر عرض کیا: ”یا اللہ! ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔ یا اللہ! آپ دانا اور بینا ہیں۔ ہماری نیت بری نہیں ہے اور نہ ہم بے ادب اور گستاخ ہیں۔“ یہ کہہ کر ولید بن مغیرہ نے رکن یمانی کی طرف سے بیت اللہ کی دیوار گرانا شروع کی۔ اہلِ مکہ نے متفق ہو کر کہا کہ انتظار کریں کہ ولید پر کوئی آسمانی آفت تو نازل نہیں ہوئی۔ اگر صبح تک ولید پر کوئی آفت نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو اس کی موجودہ حالت میں برقرار رکھیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ولید کی مدد کریں گے۔

اگلے روز صبح ولید بن مغیرہ دوبارہ حرم میں داخل ہوا اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہیں اور سب مل کر دل و جاں سے خانہ کعبہ کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔ اتنی کھدائی کی کہ حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔

ایک قریشی نے بنیاد پر جب پھاوڑا چلایا تو دفعتاً ایک دھماکہ ہوا جس کی وجہ سے کھدائی روک دی گئی اور جو بنیادیں ظاہر ہوئیں تھیں ان پر تعمیر شروع کر دی۔

حجرِ اسود کی تنصیب

جب تعمیر مکمل ہو گئی اور حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں اختلاف ہو گیا۔ لوگ قتل و غارت پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح پانچ روز گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی۔ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے عمر رسیدہ بزرگ تھے، یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد الحرام میں داخل ہو گا اس کو اپنا حاکم بنالو۔ اگلے روز صبح جب لوگ مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آنے والے شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر سب لوگوں نے بے ساختہ کہا ”یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کو حاکم بنانے پر راضی ہیں، یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کو حاکم بنانے پر راضی ہیں“۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چادر منگوائی اور اس چادر میں حجرِ اسود کو رکھ کر فرمایا:

”ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو پکڑ لے تاکہ اس سعادت سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔“

یہ فیصلہ سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اُٹھائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو خانہ کعبہ کی دیوار پر نصب کر دیا۔

۴۔ چوتھی بار حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کروائی۔

۵۔ پانچویں بار حجاج بن یوسف نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کروائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب پینتیس سال کے ہوئے تو اس وقت بیت اللہ شریف میں لاتعداد بت رکھے ہوئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تفکر کیا کہ

"خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بُت کو خدا کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟"

زید ابن عمرو ابن نوفل حضرت عمرؓ کے رشتے دار تھے۔ انہوں نے بت پرستی ترک کر دی تھی اور بتوں پر نذر کی جانے والی قربانی کا گوشت حرام سمجھتے تھے۔ زید ابن عمرو ابن نوفل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی دوست تھے اور مذہبی اور روحانی امور پر تبادلہٗ خیال کرتے تھے۔ مذہب کے معاملات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تجسس بڑھا تو رمضان کا پورا مہینہ غارِ حرا میں گزارنے کا فیصلہ فرمایا۔ غارِ حرا جس پہاڑ پر واقع ہے اس کا نام "جبل نور" ہے۔ حرا کے معنی "تحقیقات" اور جبل نور کے معنی "روشنی کا پہاڑ" ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ حضرت بی بی خدیجہؓ کھانے پینے کا سامان غارِ حرا میں بھیج دیتی تھیں۔ ایک ماہ غار حرا میں غور و فکر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے، انہوں نے پہلے کعبہ کا سات بار طواف کیا اور پھر گھر تشریف لے گئے۔

وحی کا نزول

غارِ حرا میں قیام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غارِ حرا میں جانا اپنا معمول بنالیا۔ وقفہ وقفہ سے متواتر پانچ سال تک غارِ حرا تشریف لے جاتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیشتر وقت عبادت اور غور و فکر میں گزرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محسوس ہوتا تھا کہ پشت کی طرف سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار رہا ہے۔ مُڑ کر دیکھتے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غارِ حرا میں جاتے ہوئے پانچ سال ہوگئے تھے اور ماہِ رمضان کے آخری دن تھے کہ رات کے وقت غارِ حرا میں ایک فرشتہ ملاقات کیلئے حاضر ہوا۔ فرشتے کے پاس ایک دستاویز تھی۔

فرشتے نے کہا: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں جبرائیل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے مجھے معمور کیا ہے۔ اسے پڑھیے"!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میں اُمّی ہوں۔"

یہ سن کر حضرت جبرائیلؑ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا اور زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے دوبارہ کہا اسے پڑھیے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" حضرت جبرائیلؑ نے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بازوؤں میں لیکر پہلے سے زیادہ شدت سے دبایا اور کہا:

"پڑھ، اپنے رب کے نام سے، جو خالق ہے کائنات اور انسان کا، جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ آپ کا رب بہت کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا، سکھایا آدمی کو جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔" (سورۃ العلق۔ آیات 1 تا 5)

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر تشریف لائے۔ جسم اطہر پر کپکپی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا، "مجھے چادر اڑھادو، مجھے چادر اڑھادو"۔

کچھ دیر بعد جب کپکپی دور ہو گئی تو حضرت خدیجہؓ سے پورا واقعہ بیان فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گز نہ گھبرائیے، اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسوا نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صلہ رحمی کرتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سچ بولتے ہیں، لوگوں کی مدد کرتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امین ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق اور امین ہیں۔" (صحیح بخاری۔ جلد اول۔ کتاب الوحی۔ حدیث 3)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتے رہتے تھے اور صبح گھر تشریف لے آتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی حضرت جبرائیلؑ کی آواز سنتے تھے:

......"یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جبرائیلؑ ہوں۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جبرائیلؑ ہوں۔"

باب4

تبلیغ اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والی پہلی خاتون ان کی بیگم حضرت خدیجہؓ تھیں اور اس کے بعد ان کے چچا کے بیٹے حضرت علیؓ ابن ابی طالب مسلمان ہوئے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ تیسرے مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام زیدؓ تھے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا تھالیکن وہ اپنے والدین کے پاس جانے پر رضامند نہیں ہوئے اور انہوں نے کہا: "میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"

تین سال کی مدت تک حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد کوئی اور شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوا۔ جب حضرت ابو بکرؓ مسلمان ہو گئے تو مسلمانوں کی تعداد چار ہو گئی۔

طرزِ تعلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاعدہ تھا کہ قرآن کی جو آیتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتی تھیں وہ مسلمانوں کو یاد کرا دیتے تھے۔ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو وہ آیتیں پڑھ کر سناتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی قربت کا ذکر فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال اور صفات کو بیان فرماتے تھے۔ اس پیغام کا ایک ایک لفظ ایسا تھا جو کفار کو مخالفت کے باوجود متاثر کر دیتا تھا۔

آغازِ نماز

اللہ تعالیٰ کے احکام میں سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔ حضرت جبرائیلؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "عقبہ" پہاڑ کے پیچھے وادی میں لے گئے۔ وہاں حضرت جبرائیلؑ نے خود وضو کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کا طریقہ بتایا اور نماز کے طریقہ کی تعلیم دی۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علیؓ نماز قائم کر رہے تھے۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ابو طالب پہنچ گئے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علیؓ کو نماز قائم کرتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پوری کر لی تو حضرت ابو طالب نے پوچھا: "تم کیا کر رہے تھے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، بت پرستی سے منع فرمایا ہے اور اپنی عبادت کرنا فرض کیا ہے۔ نماز ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اے چچا! آپ بھی اللہ تعالیٰ کے اس دین کو قبول کر لیں اور اس عظیم الشان کام میں میری مدد کریں۔"

حضرت ابو طالب نے کہا کہ

"اے میرے عزیز! تم اطمینان کے ساتھ دین کی تبلیغ کرتے رہو۔ میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے۔"

حضرت ابو طالب نے حضرت علیؓ سے کہا:

"بیٹا! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کبھی تمہارے لیے بُرا نہیں چاہیں گے، محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کہیں ان کی بات پر عمل کرو۔"

دعوت

تقریباً تین سال تک اسلام کی دعوت علیٰ الاعلان نہیں ہوئی۔ جو شخص خود مسلمان ہونے کی خواہش کرتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیتے تھے۔ جو شخص شوق ظاہر کرتا اس کو قرآن سناتے۔ جو بندہ مسلمان ہو جاتا اس کو قرآن کریم کی آیتیں یاد کرا دیتے تھے اور اُنہیں اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔ بعثت کے تیسرے سال یہ آیات نازل ہوئیں۔

"سو آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔" (سورۃ الحجر۔ آیت 94)

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آیئے جو اسلام میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔" (سورۃ الشعراء۔ آیت 214 تا 215)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کو مدعو کیا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ایک ہیں۔ وحدہ لاشریک ہیں"۔

سب رشتہ داروں، چچا اور انکی اولاد اور انکے رشتہ داروں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ہر شخص کی نجات ایمان اور اس کے اعمالِ صالح پر موقوف ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں"۔

حمایتِ اسلام

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کی پرستش سے منع فرمایا تو کفار نے دشمنی شروع کر دی اور سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن بن گئے۔ ان حالات میں حضرت ابو طالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابو طالب مکہ

میں اتنی بڑی شخصیت تھے کہ ان کے مقابلے میں کسی کو آنے کی ہمت نہیں تھی اس لئے مشرکین مکہ شدید مخالفت کے باوجود کچھ نہیں کرسکے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ دیکھ کر مشرکین مکہ غیض وغضب میں بھر گئے اور مشورہ کرکے سب حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا:

"آپ کے بھتیجے ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں، ہمارے عقائد کو بُرا کہتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے آباؤاجداد کو گمراہ کہا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں یا ان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔"

حضرت ابوطالب نے ان لوگوں کو نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کام میں مشغول رہے اور قرآن پاک کی تعلیمات لوگوں کو اعلانیہ سناتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ سے بہت لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ اسلام روز بروز پھیل رہا ہے تو انہیں بے چینی لاحق ہوئی اور قریش کے ہر مجمع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہونے لگا۔ آخر سب مل کر پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔

مشرکین مکہ نے کہا:

"اے ابوطالب! آپ عمر میں ہم سے بڑے ہیں، آپ کا مرتبہ بھی ہم سے زیادہ ہے۔ ہم سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، پہلے بھی حاضر ہوئے تھے ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو اسلام کی تبلیغ سے روکیں لیکن اس سلسلے میں آپ نے کچھ نہیں کیا، اب ہم سے صبر نہیں ہوتا اور ہم اس بات کو برداشت نہیں کرسکتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے عقائد کو برا کہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو روکیں یا پھر ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔"

دھمکی دے کر مشرکین مکہ غصے میں اُٹھ کر چلے گئے۔

حضرت ابوطالب یہ صورتحال دیکھ کر بہت پریشان ہوئے، ان کو یہ بات شاق گزری کہ قوم ناراض ہو گئی ہے اور دشمنی پر آمادہ ہے۔ حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا اور آپ سے کہا:

"اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمہاری قوم جمع ہو کر میرے پاس آئی تھی اور قوم نے تمہارے بارے میں نازیبا گفتگو کی ہے، تم مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کرو، مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو میری برداشت سے باہر ہو۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا سے فرمایا:

"اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ ممکن نہیں، دو صورتیں ہیں یا تو اللہ کی توحید کا غلبہ ہوگا، بت پرستی ختم ہو گی اور احکام الٰہی جاری ہوں گے یا میں دنیا میں نہیں رہوں گا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ گفتگو فرمائی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے تشریف لے گئے۔

حضرت ابو طالب پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی استقامت اور یقینِ کامل کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ حضرت ابو طالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا اور فرمایا:

" اے عزیز! اے میرے بھتیجے! جو تمہارا دل چاہے کرو اور لوگوں سے بیان کرو۔ میں کسی حالت میں تمہیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

منصوبہ

کفار مکہ کو جب یقین ہوگیا کہ حضرت ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت سے دستبردار نہیں ہونگے تو انہوں نے ایک اور منصوبہ بنایا۔ وہ لوگ عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا:

"اے ابو طالب! ہم تمہارے پاس عمارہ بن ولید کو لائے ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔ یہ تمہارا بیٹا ہوگا اور زندگی کے ہر معاملے میں تمہارا دست و بازو ثابت ہوگا۔ تم اپنے بھتیجے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ہمارے حوالے کردو اور عمارہ کو ہم تمہارے سپرد کردیں گے۔ "

حضرت ابو طالب نے کہا:

"یہ بدترین سودا ہے، تم ہمیں اپنا لڑکا دیتے ہو کہ ہم اسے کھلائیں پلائیں اور میرا لڑکا مانگتے ہو کہ تم اسے قتل کردو۔ یہ انصاف نہیں ہے جرم ہے۔ تم ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو، تم یہاں سے چلے جاؤ اور تمہارے دل میں جو آئے کرو۔"

اسکے بعد قریش نے مشورہ کر کے طے کیا کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے انہیں سزا دینی چاہیئے تاکہ وہ لوگ اسلام چھوڑدیں اور واپس اپنے دین میں آجائیں۔ یہ ظالمانہ تجویز مسلمانوں کیلئے بڑی مصیبت اور آزمائش تھی۔ اس وقت مسلمانوں کو بڑی تکلیف پہنچی۔ چیخ وپکار اور آہ وبکا سے مکہ کی زمین لرز گئی۔

جب حضرت ابو طالب نے کفار کی ظلم آمیز شرارتوں کو دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کے لئے بنوہاشم اور بنی مطلب کو دعوت دی سب جمع ہوگئے۔ ابولہب اس مجلس میں شریک نہیں ہوا۔ حضرت ابو طالب نے اپنے خاندان کو ایک جگہ جمع ہونے پر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا:

"قریش اگر بہت ساری طاقت بھی جمع کرلیں تو بھی وہ بنی ہاشم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

ایک طرف یہ منصوبے بن رہے تھے اور دوسری طرف کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے منصوبے بنارہے تھے۔ بار بار حضرت ابو طالب کے پاس آتے تھے، آپس میں مشورے کرتے اور مسلمانوں کو اذیتیں دیتے تھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ دین میں مصروف رہے اور قرآن پاک کی آیتیں لوگوں کو سنا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اس کی رزاقی اور عزت و جلال کو بیان فرماتے تھے۔ نماز کے جو احکام آچکے تھے اس کے ادا کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ گناہوں کی برائیاں بیان فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم میں یہ اثر تھا کہ جو آدمی مسلمان ہوجاتا تھا وہ برائیوں سے پاک ہوجاتا تھا۔ وہ ایمان میں کامل اور صبر و استقامت کا پہاڑ بن جاتا تھا۔

قرآن کریم کی آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان ہوئی ہے، جو سنتا تھا متاثر ہوجاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام روزانہ ترقی کر رہا تھا۔ ہر گھر میں اسلام کا چرچا تھا۔ مخالفین شدت سے مخالفت کر رہے تھے۔ مگر وہ حیران تھے کہ ان کے گھروں کی عورتیں ان کے جوان بچے اور سمجھ دار لوگ جب قرآن کریم سنتے ہیں تو پھر کوئی خوف اور کوئی لالچ ان کو اسلام قبول کرنے سے نہیں روکتا۔ رحمت کا دروازہ

ایک مرتبہ مشرکین نے کہا "اگر تم ہمارے لئے کوہِ صفا کو سونے کا بنادو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔"

"کیا واقعی؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا

"ہاں، یقیناً۔" سب نے یقین دلایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیلؑ امین نازل ہوئے اور عرض کیا

"یارسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو صفا کی پہاڑی سونا بن جائے گی، لیکن اگر اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر ان کے لئے توبہ ور حمت کا دروازہ بند ہوجائے گا اور میں ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ پوری کائنات میں ایسا عذاب کسی کو نہ ملا ہوگا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے واقف تھے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا نہیں فرمائی اور جبرائیلؑ امین کو جواب دیا کہ کوہِ صفا بے شک سونا نہ بنے لیکن ان کے لئے توبہ ور حمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا جائے۔

پارلیمنٹ ہاؤس

اسی دوران حج کا موسم آگیا۔ قریش کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ عرب کے وفود کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نئے دین کی تبلیغ ضرور کرینگے۔ لہٰذا اسکے توڑ کیلئے پہلے ہی اقدامات کرلیے جائیں۔ اس مقصد کیلئے وہ "دارالندوہ" میں جمع ہوئے۔

دارالندوہ قریش کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ یہ کعبہ کے پہلو میں ایک ذی شان محل تھا۔ قریش جب کسی اہم اور خاص کام کو شروع کرنا چاہتے تھے تو اسی محل میں جمع ہو کر صلاح و مشورہ کرتے تھے۔

ولید بن مغیرہ کی سرداری میں گفت و شنید ہوئی۔ کسی نے کہا کہ پاگل مشہور کر دیا جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ کاہن کے نام سے شہرت دی جائے۔ کسی نے کہا شاعر کہا جائے لیکن ولید بن مغیرہ کسی بات سے متفق نہیں ہوا۔ بالآخر لوگوں نے اس سے پوچھا، تمہاری رائے کیا ہے؟

ولید بن مغیرہ نے کہا: "محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو جادوگر مشہور کر دیا جائے۔"

طے پایا کہ مکہ کے تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیئے جائیں تاکہ اطرافِ عالم سے جو لوگ حج کے لئے آئیں ان کو یہ بتایا جائے کہ یہاں ایک جادوگر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے اور خاوند بیوی میں اور رشتہ داروں میں تفریق ڈالتا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کے پاس نہ جائیں۔

قرآن کریم نے اس مجلس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں خدا کی مار اس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔" (سورۃ المدثر۔ آیت 18 تا 25)

اس کام میں سب سے زیادہ پیش پیش ابو لہب تھا۔ وہ محلّوں اور بازاروں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ کرتے تھے، ابو لہب چیخ چیخ کر کہتا تھا اس کی بات نہ سنو۔ لوگ جب حج سے واپس ہوئے تو ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے، اس طرح پورے عرب اور قرب و جوار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چرچا ہو گیا اور کفار کی تدبیر اُلٹ گئی۔

زیرک سردار

کفار نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تدبیریں ناکام ہو رہی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت عام ہو رہی ہے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے واقف ہو رہے ہیں تو انہوں نے مشورہ کر کے مکہ کے سب سے چالاک اور زیرک سردار عتبہ بن ربیعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیاوی لالچ دے کر تبلیغ دین سے روکنے کی کوشش کرے۔

عتبہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا،

"بھتیجے تم حسب و نسب میں ہم سے بہتر ہو۔ تم نے ہمارے آباؤ اجداد کے طریقے کو باطل قرار دیا ہے اور انہیں جاہل کہا ہے۔ آج مجھے تم اپنے دل کی بات بتا دو کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم دولت کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا سونا چاندی جمع کر دیں گے کہ تم اہلِ مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اگر سرداری چاہتے ہو تو ہم اس پر راضی ہیں کہ تمہیں قریش کا سردار بنا دیں۔ اگر تم شادی کے خواہش مند ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی کو تمہاری دلہن بنا دیں گے اور اگر یہ سب نہیں ہے اور تم کسی جن

یاماورائی طاقت کے زیرِ اثر ہو جس کی باتیں تم لوگوں کو سناتے ہو اور اس سے چھٹکارا پانے سے عاجز ہو تو ہم تمہارے علاج کے لئے حاذق طبیب تلاش کرتے ہیں تا کہ وہ تمہارا علاج کرے اور تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ "

عتبہ کے طویل لیکچر کے بعد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں سورۃ حٰم السجدہ کی تلاوت کی۔

"حٰم۔ یہ خدائے رحمان اور رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے، ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئیں ہیں، عربی زبان کا قرآن، اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں! بشارت دینے والا اور ڈرادینے والا۔ مگر ان لوگوں میں سے اکثر رُوگردانی کرتے ہیں اور وہ سن کر نہیں دیتے کہتے ہیں "جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لئے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہوگئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے۔ تو اپنا کام کر، ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔"

(سورۃ حم السجدہ۔ آیت 1 تا 5)

عتبہ گم سم سنتا رہا۔ پھر اٹھ کر اپنی قوم میں واپس آگیا۔ عتبہ کو آتا دیکھ کر مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا:

"خدا کی قسم! ابوالولید (عتبہ) تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہا جو چہرہ لے کر گیا تھا۔"

عتبہ نے کہا:

"آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے نہیں سنا تھا، خدا کی قسم! نہ وہ شاعری ہے، نہ جادو ہے، نہ نجومیوں کا کلام ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سب اس کو اذیت دینے سے باز آجاؤ۔ جو کلام میں نے سنا ہے اس کی شان ظاہر ہونے والی ہے۔ میری بات مانو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پائے گا اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی عزت ہماری عزت ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے قبیلہ سے ہے۔" لوگ حیرت سے اس کو دیکھنے لگے پھر انھوں نے رائے قائم کی کہ عتبہ پر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا جادو چل گیا ہے۔

ایک روز جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ کا طواف کر رہے تھے قریش کے سرکردہ افراد ان کے پاس آئے اور تجویز پیش کی کہ " اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! جس کی عبادت تم کرتے ہو اس کی عبادت ہم کریں اور جس کی عبادت ہم کرتے ہیں اس کی عبادت تم کرو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔"

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ایک سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریش کے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رب کی عبادت کریں۔ قریش کی اس قسم کی تجاویز کے جواب میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔

کہہ دو! اے کافروں میں ان کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ (سورۃ الکافرون)

ارشاد باری تعالیٰ

جب قریش کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوا تو ایک بار پھر انھوں نے غور وخوص کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ختم کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ قرآن نے اس کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے۔

"یہ لوگ کہتے ہیں، "اے وہ شخص جس پر یہ ذکر نازل ہوا ہے، تو یقیناً دیوانہ ہے۔" (سورۃ الحجر۔ آیت 6)

"ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہی میں سے آ گیا۔ منکرین کہنے لگے کہ "یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے۔" (سورۃ ص۔ آیت 4)

"جب یہ کافر لوگ کلام نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔" (سورۃ القلم۔ آیت 51)

"دراصل ہم نے اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں "کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا ہے؟" ہاں! کیا اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو ان سے زیادہ نہیں جانتے ہیں؟" (سورۃ الانعام۔ آیت 53)

"مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو آنکھیں مار مار کر ان کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے، اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر بھیجے گئے تھے۔" (سورۃ المطففین۔ آیت 29 تا 33)

"جن لوگوں نے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں "یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔" بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔" (سورۃ الفرقان۔ آیت 4)

"کہتے ہیں "یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ صبح و شام سنائی جاتی ہے۔" (سورۃ الفرقان۔ آیت 5)

"اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے۔" (سورۃ النحل۔ آیت 103)

"اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں، کیوں نہ اس کی طرف کوئی فرشتہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو۔" (سورۃ الفرقان۔ آیت 7)

مصائب و تکالیف

مشرکین کی کاروائیاں حق کے پرچار کو روکنے میں کامیاب اور مؤثر ثابت نہیں ہو رہی تھیں۔ کفار اس صورت حال سے پریشان تھے۔ بالآخر ۵۲ سردارانِ قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا سربراہ ابو لہب تھا۔ کمیٹی نے طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں پر طرح طرح کے ستم اور ظلم و تشدد کیا جائے۔

ابو لہب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عداوت میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابو لہب خوشی سے دوڑتا ہوا اپنے رفقا کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ابتر (نسل بریدہ) ہوگئے ہیں۔ قرآن حکیم نے ابو لہب کے اس عمل پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچنے والے دکھ کا مداوا سورۃ کوثر میں کیا ہے۔

"(اے نبیؐ) ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دیا۔ پس آپ اپنے رب کے لئے نماز قائم کیجئے اور قربانی کیجئے۔ بے شک آپ کا دشمن ہی لاوارث اور بے نام ہے۔" (سورۃ الکوثر)

قتل کی سازش

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ ابو جہل اپنے قبیلے کے کچھ افراد کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ ابو جہل کے ہاتھ میں اونٹ کی اوجڑی تھی جس میں خون اور دوسری گندگیاں بھری ہوئی تھیں۔

جزیرۃ العرب میں کسی کو سزائے موت دینے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ پانی یا خون یا دوسری گندگیوں سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی کو سر پر اس طرح چڑھا دیتے تھے کہ سر اور چہرہ اوجڑی کے اندر پھنس جاتا تھا اور پھر اوجڑی کے نچلے حصے کو کسی تھیلے کے منہ کی طرح مضبوطی سے گردن میں باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح ناک اور منہ مکمل طور پر اوجڑی کے غبارہ میں بند ہو جاتے تھے اور سانس رک جاتا تھا...... دم گھٹنے کے باعث جلد ہی موت واقع ہو جاتی تھی۔

اس روز ابو جہل اور اس کے ساتھی یہ فیصلہ کر کے آئے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوجڑی کے ذریعے ہلاک کر دینگے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گرد و پیش سے بے خبر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود تھے۔ ابو جہل نے اونٹ کی اوجڑی سجدہ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر رکھ دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ اور سر اس اوجڑی میں مبتلا ہو گیا۔ پھر ابو جہل نے بڑی پھرتی کے ساتھ اوجڑی کے دوسرے سرے کو ایک تھیلی کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن پر باندھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ کوئی چیز ان کے سر پر رکھ دی گئی ہے۔ جب سانس گھٹنے لگا اور شدید تکلیف ہوئی تو اوجڑی کو منہ پر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب تھے انہیں بخوبی احساس تھا کہ سانس رکنے کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے قراری و بے تابی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ سوچا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے سے اوجڑی کا غلاف اتار دیں لیکن انہیں ابوجہل کا خوف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اگر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کریں گے تو ابوجہل جیسے خوفناک شخص کی دشمنی مول لیں گے۔

قریش کی ایک عورت جو وہاں موجود تھی وہ اس کربناک منظر کی تاب نہ لا سکی اور دوڑتی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پہنچی اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی۔ حضرت فاطمہؓ سراسیمہ حالت میں روتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہنچیں۔ ابوجہل اور دوسرے لوگوں نے جب حضرت فاطمہؓ کو آتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے اور سر کو اوجڑی کی گرفت سے آزاد کیا اور اپنے دامن سے ان کے چہرے کو صاف کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دم گھٹنے کے باعث ایک گھنٹہ تک حرکت کے قابل نہ ہو سکے اور اس کے بعد اپنی بیٹی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی مدد سے اپنے چہرے اور سر کو خون اور دیگر کثافت سے صاف کیا، کپڑے تبدیل کیے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد کے کپڑے دھو کر سکھانے کے لئے دھوپ میں ڈال دیئے۔ اگلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتہ روز کے واقعہ سے خوف زدہ ہوئے بغیر دوبارہ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور وہاں عبادت میں مشغول ہو گئے۔

اس مرتبہ عقبہ ابن ابی معیط نامی شخص نے سجدے کی حالت میں اپنی چادر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ڈال دی اور اتنا شدید حملہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ عقبہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی پے درپے وار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ کر دے (نعوذ باللہ)۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو حملہ آور سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے اور خون آلودہ چہرہ کے ساتھ گھر واپس تشریف لے آئے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروٰی بنت حرب بن امیہ تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستہ میں اور ان کے دروازے پر کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ اس ظالمانہ فعل پر قرآن میں سورہ لہب نازل ہوئی۔

”ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہو گیا۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کچھ کام نہیں آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی بیوی بھی۔ لگائی بجھائی کرنے والی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔“ (سورۃ اللہب)

ام جمیل کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتی ہوئی خانہ کعبہ پہنچ گئی، اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جو وہ مارنے کیلئے لائی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی موجود تھے۔ ام جمیل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی اور پوچھا: ”تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے وہ میری (ہجو) برائی کرتا ہے۔ اگر میں نے اسے ڈھونڈ لیا تو یہ پتھر اس کے سر پر ماروں گی۔“

اس شور شرابے کے بعد وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کیا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وقتی طور پر اندھا کر دیا تھا۔

امیہ بن خلف ابولہب کی ٹیم کا رکن تھا۔ وہ جب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتا لعن طعن کرتا اور مغلظات بکتا تھا۔ قرآن پاک کی سورۃ ھمزہ کی پہلی آیت اسی سیاہ بخت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

"لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کے لئے تباہی ہے۔" (سورۃ الھمزہ۔ آیت 1)

اخنس بن شریق ثقفی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ستانے والوں میں تھا۔ قرآن نے سورۃ القلم میں اس کی خباثتیں گنوائی ہیں۔

"ہر گز خوف نہ کرو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانیوالا ہے، سخت بد اعمال ہے، جفاکار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل ہے، اس بنا پر کہ وہ بہت مال اور اولاد رکھتا ہے۔ جب ہماری آیات اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔" (سورۃ القلم۔ آیت 10 تا 15)

مخالفین کی ایذا رسانیاں اور مسلمانوں کی استقامت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کفار مکہ کی کارستانیاں اپنے عروج پر تھیں باوجود اس کے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ کردار اور کریمانہ اخلاق کے مشرکین معترف تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز چچا ابو طالب کی حمایت و حفاظت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی۔ دیگر مسلمانوں خصوصاً کمزور افراد کی ایذا رسانی کی کاروائیوں کی تفصیل کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ ہے۔ ابو جہل نے یہ وطیرہ اپنا رکھا تھا کہ جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے برا کہتا۔ ذلیل و رسوا کرتا اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برانگیختہ کرتا۔

حضرت عثمان غنیؓ بن عفان

حضرت عثمانؓ بن عفان بہت مالدار سخی اور نرم خو تھے۔ آپؓ کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیتے تھے۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر

حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی بڑے نازونعم میں پلے تھے۔ اعلیٰ ترین لباس پہنتے، بیش قیمت جوتے استعمال کرتے اور ہر وقت خوشبو میں بسے رہتے۔ ان کے قبول اسلام کی خبر جب ان کے گھر والوں کو ملی گھر والوں نے ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جس طرح سانپ کینچلی اتارتا ہے۔

حضرت عمارؓ بن یاسر

حضرت عمارؓ بن یاسر بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو کفار نے اس قدر ظلم کیا کہ ان کے والدین اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سخت دھوپ میں حضرت عمارؓ کو پتھریلی زمین پر لٹا کر سینے پر سرخ پتھر رکھ دیتے تھے اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا تھا۔ مشرکین ان سے مطالبہ کرتے کہ جب تک محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو برا نہیں کہو گے یا لات و عزیٰ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمارؓ ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے اور روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

"جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بری مار ہے۔" (سورۃ النحل۔ آیت 106)

حضرت خبابؓ

حضرت خبابؓ، ام انمار کے غلام تھے، ان کی مالکہ قبیلہ خزاء سے تعلق رکھتی تھی۔ قبیلہ والوں نے حضرت خبابؓ کو سزا دینے کا یہ طریقہ استعمال کیا کہ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ان کے اوپر پتھر رکھ دیتے تھے۔ جسم جلتا، چربی پگھلتی اور آگ بجھ جاتی مگر سزا ختم نہ ہوتی۔

حضرت فلیہہؓ

حضرت فلیہہؓ صفوان ابن امیہ کے غلام تھے، ان کے پاؤں رسی سے باندھ دیئے جاتے اور زمین پر گھسیٹا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے مالک کو قیمت ادا کی اور آزاد کر دیا۔

حضرت بلال حبشیؓ

پہلے غلام جو حضرت زیدؓ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ حضرت بلال حبشیؓ تھے۔ جزیرۃ العرب میں تین چیزیں مکمل بد بختی کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔ ایک اجنبی یا بیگانہ ہونا، دوسرا غلام ہونا اور تیسرا سیاہ فام ہونا اور حضرت بلالؓ میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔

جب ان کے مالک امیہ بن خلف کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت بلالؓ مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ انہیں مکہ سے باہر لے گیا اور ان کے کپڑے اتروا کر انہیں پورے سورج کے نیچے تپتی ہوئی ریت میں لٹا دیا۔ ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیا اور ان سے کہا کہ یا تو اسلام کو چھوڑ دے یا دھوپ میں پڑا رہ یہاں تک کہ تو مر جائے۔ حضرت بلالؓ یہ جانتے تھے کہ ان کا مالک اپنے کہے پر عمل کرے گا اور ان کے ہاتھ پیر نہیں کھولے گا لیکن انہوں نے دینِ حنیف سے دستبردار ہونے کے بجائے موت سے ہم آغوش ہونا قبول کر لیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اسی دوران حضرت ابو بکرؓ حضرت بلالؓ کو نجات دلانے کی غرض سے ان کے مالک کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے حضرت بلالؓ کو خریدنے کی تجویز پیش کر دی۔ حضرت بلالؓ کے مالک نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اس کے غلام کو بہت زیادہ قیمت پر خرید رہے ہیں تو اس نے انہیں بیچنے پر رضامندی ظاہر کر دی اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خریدنے کے بعد آزاد کر دیا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ

حضرت ابو ذر غفاریؓ جلیل القدر صحابی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاں نثار ساتھی تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ کے شمال میں سکونت پذیر تھا۔ بادیہ نشین عربوں کی رسم کے مطابق سال میں چار مہینوں کیلئے غارت گری اور ڈکیتی حرام تھی اور ان مہینوں کو ماہِ حرام کہتے تھے۔ مکہ کی زیارت پر جانے والے افراد پر حملہ کرنے کی ممانعت تھی لیکن قبیلہ غفار کے لوگ مذکورہ رسومات اور قوانین کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ وہ ماہِ حرام کے مہینے میں قافلوں پر لوٹ مار کی غرض سے حملہ کرتے اور مکہ کی زیارت پر جانے والواں کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ذیقعد کے مہینے میں قبیلے والوں نے اپنی حدود سے گزرنے والے ایک قافلے پر حملہ کر کے قافلے کا مال اسباب لوٹ لیا اور قافلہ میں شامل مرد، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہیں شدید ندامت ہوئی اور انہوں نے اپنا قبیلہ چھوڑ دیا۔ کئی ماہ صحرا نوردی کرنے کے بعد مکہ پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنا۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتے ہیں اور برے کام کرنے سے روکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک راہ گیر سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھر کہاں ہے؟ اس نے تعجب خیز نگاہوں سے حضرت ابوذر غفاریؓ کو دیکھا اور اونچی آواز میں چلانے لگا: "اے لوگو! ادھر آؤ اور اسے پکڑو اور مار ڈالو کیونکہ یہ ایک مسلمان ہے جو ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

پلک جھپکتے ہی لوگوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ پر حملہ کر دیا اور وہ جان بچانے کے لئے وہاں سے فرار ہو گئے۔ لیکن قریش نے ان کا پیچھا کیا اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اتنے پتھر مارے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نڈھال ہو کر زمین پر گر گئے اور مکہ والوں نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ایک مسلمان کے سنگسار کئے جانے کی اطلاع حضرت ابو بکرؓ کو مل گئی تھی لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں آئے اور ایک دوسرے مسلمان کی مدد سے حضرت ابوذر غفاریؓ کو اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مسلمان نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار اسلام کے نامور مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے پورے قبیلے کو مسلمان کر لیا۔ ان کا قبیلہ جو لوٹ مار کے ذریعے زندگی گزارتا تھا اس نفرت خیز عمل سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو گیا۔

اس واقعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مکہ کے باشندے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی میں اتنا بڑھ گئے تھے کہ اگر کوئی ان کے گھر کا پتہ پوچھتا تھا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پتہ پوچھنے والا یا تو مسلمان ہے یا مسلمان ہونا چاہتا ہے لہٰذا اس پر سنگ باری شروع کر دیتے تھے۔

صحابیات کا جذبہ ء ایمان

پہلی شہید خاتون حضرت سمیہؓ

ابوجہل کی ایک کنیز جس کا نام سمیہؓ تھا مسلمان ہو گئیں تو ابوجہل نے انہیں بلایا اور حکم دیا کہ اسلام سے فوراً دستبردار ہو جا۔ حضرت سمیہؓ نے جواب میں کہا:

"میں محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو نہیں چھوڑ سکتی۔"

ابوجہل نے طیش میں آ کر اپنی ناتواں کنیز پر کوڑے مارنا شروع کر دیئے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گئیں۔ حضرت ابو بکرؓ اس واقعے سے مطلع ہو گئے اور ابوجہل کے گھر پہنچے انہوں نے دیکھا کہ حضرت سمیہؓ نڈھال اور بے حس و حرکت زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ابوجہل سے کہا:

"میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں۔"

ابوجہل نے کہا:

"میں اسے نہیں بیچنا چاہتا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا:

"اے ابو جہل اگر تو سمیہؓ کو فروخت کرنے پر رضامند ہو جائے تو میں تجھے ایک سو دینار ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

ابو جہل غرّایا:

"میں اسے نہیں بیچوں گا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قیمت بڑھادی اور بولے:

"میں تمہیں سمیہؓ کے بدلے ڈیڑھ سو دینار دینے کو تیار ہوں۔"

لیکن ابو جہل کی ضد برقرار ہی اور وہ بولا کہ میں سمیہؓ کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ قیمت بڑھاتے رہے لیکن ہر بار ابو جہل کا جواب یہی تھا کہ میں اسے فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر چکے تھے جب یہ دیکھا کہ ابو جہل کسی طور پر بھی حضرت سمیہؓ کو فروخت کرنے پر تیار نہیں تو انہوں نے ابو جہل سے کہا:

"اگر تو حضرت سمیہؓ کو میرے ہاتھوں فروخت کرنے پر راضی ہو جائے تو میں تجھے "ابلِ قاضیہ" دینے کو تیار ہوں۔"

ابلِ قاضیہ بادیہ نشین عربوں کی مخصوص اصطلاح کا نام تھا۔ اس کا اطلاق ان اونٹوں پر ہوتا تھا جو کسی کے قتل کے بدلے میں اس کے لواحقین کو دیئے جاتے تھے، دوسرے لفظوں میں ابلِ قاضیہ اس خون بہا کا نام تھا جو مقتول کے ورثاء کو ادا کیا جاتا تھا اور اس عنوان سے منہ مانگی رقم طلب کی جاسکتی تھی۔ ابو جہل کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اتنی کدورت اور عداوت تھی کہ وہ منہ مانگی قیمت پر بھی کنیز کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھوں فروخت کرنے پر رضامند نہیں ہوا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس دن تک چھ غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا جن میں دو مرد اور چار عورتیں تھیں۔ لیکن اس بار وہ حضرت سمیہؓ کو رہائی دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے جب قریش کی عورتوں نے سنا کہ سمیہؓ کو ہر روز ابو جہل کوڑے مارتا ہے لیکن وہ اسلام چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ ابو جہل کے پاس گئیں اور اس سے کہا کہ وہ اس عورت کو کوڑے مارنا بند کر دے اس عورت نے قریش کی بے شمار عورتوں کی مدد کی ہے۔ لیکن ابو جہل نے ان کی ایک بات نہیں سنی۔ ابو جہل نے حضرت سمیہؓ کو اتنے کوڑے مارے کہ ان کا سارا جسم خون خون ہو گیا اور ان میں ہلنے جلنے کی سکت نہیں رہی لیکن وہ اس کے باوجود یہی کہتی رہیں کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو نہیں چھوڑوں گی۔

جب ابو جہل اپنی کنیز کے ایمان کو بدلنے میں ناکام ہو گیا تو اس نے اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن حضرت سمیہؓ کو خانہ کعبہ کے سامنے لے آیا اور جب اہلِ مکہ وہاں جمع ہو گئے تو ابو جہل نے اتمام حجت کے طور پر حضرت سمیہؓ سے پوچھا:

"کیا اب بھی تو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہے؟"

حضرت سمیہؓ نے جواب دیا: "میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔"

ابو جہل نے کہا پھر میں تجھے یہیں اور اسی وقت موت کے گھاٹ اتاردوں گا۔ اس کے بعد ابو جہل نے اہل مکہ کے سامنے اپنا نیزہ اتنی قوت سے حضرت سمیہؓ کے سینے میں گھونپ دیا کہ نیزے کا سرا حضرت سمیہؓ کی پیٹھ سے باہر نکل آیا۔ حضرت سمیہؓ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔ روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سمیہؓ کی رہائی کے سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جدوجہد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں دعا فرمائی:

"اللہ تیرے چہرے کی درخشندگی کو برقرار رکھے"۔

حضرت لبینہؓ اور حضرت زنیرہؓ

دو خواتین جو حضرت عمرؓ (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی خادمہ تھیں حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ ان میں سے ایک کا نام "لبینہ" اور دوسری کا نام "زنیرہ" تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کے مالک کی طرح شقی القلب نہیں تھے کہ کنیزوں کو بندھوا کر تپتی ہوئی ریت پر پھینک دیں بلکہ انہوں نے ان دونوں کو کوڑوں کی سزا کا مستحق سمجھا اور ان سے کہا کہ

"میں اس وقت تک تم پر کوڑے مارتا رہوں گا جب تک دو میں سے ایک بات پوری نہیں ہوگی۔ تم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو چھوڑ دو یا تمہاری جان نکل جائے۔"

اگرچہ ان دونوں کنیزوں کا جسم خون سے لہولہان تھا مگر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ ان کنیزوں کی مدد کے لئے تشریف لائے اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ ان کنیزوں کو فروخت کر دے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کنیزوں کو فروخت کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دونوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت غزیہؓ

چوتھی عورت جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ صحرا میں رہنے والی ایک خاتون تھیں جن کا نام غزیہؓ تھا۔ حضرت غزیہؓ کنیز نہیں تھیں۔ وہ مکہ آنے کے بعد مسلمان ہو گئیں اور کھلے عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگیں۔ صحرا نشین عورتیں بھی بدوی مردوں کی طرح بے باک اور نڈر ہوتی تھیں لہٰذا وہ خاتون بھی اہل قریش کے ڈرانے اور دھمکانے سے قطعی خوف زدہ نہیں ہوئیں۔

قبیلہ قریش کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت غزیہؓ کسی طور سے اسلام کی تبلیغ سے دستبردار نہیں ہوتیں تو انہیں اغوا کر کے مکہ سے باہر جانے والے ایک قافلہ کے پاس لے گئے اور ایک اونٹ پر بٹھا کر مضبوطی سے باندھ دیا اور قافلہ کے سپرد کرتے ہوئے بولے کہ

"اس عورت کو پانی اور غذا بالکل نہیں دینا تاکہ یہ بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائے اور جب تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ مر چکی ہے تو پھر اس کی لاش کو اونٹ سے اتار کر صحرا میں پھینک دینا تاکہ صحرائی جانور اسے کھالیں اور اس کا نام ونشان باقی نہ رہے۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت غزیہؓ کہتی ہیں:

"تین دن کی بھوک اور پیاس نے مجھے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن چوتھے دن مجھے اپنے ہونٹوں پر ٹھنڈے پانی کی نمی محسوس ہوئی اور میں نے بے اختیار ہو کر پانی پینا شروع کر دیا اور اتنا پانی پیا کہ میری پیاس بجھ گئی۔ اگلے دن قافلہ والوں نے جو تصور کر رہے تھے کہ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو چکی ہوں جب مجھے ہشاش بشاش دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی اور جب میں نے گذشتہ رات کا واقعہ سنایا تو وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور انہوں نے میری رسیاں کھول دیں اور مجھ سے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ پیش آئے۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بہت سے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ آپؓ نے بے سہارا ستم رسیدہ لوگوں کی جان بچائی۔ حضرت بلالؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ، اور حضرت ام عبیسؓ کو بھاری قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت سمیہؓ کی شہادت کے بعد قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے چار افراد نے جن میں ابوسفیان، ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل شامل تھی، یہ پابندی لگادی کہ مکہ میں رہنے والا کوئی شخص اپنا غلام یا کنیز حضرت ابو بکرؓ کو فروخت نہیں کرے گا۔ وہ لوگ اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ اسلام کو غریب طبقہ اور خاص طور پر غلاموں میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور جو غلام بھی مسلمان ہو جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ اسے خرید کر آزاد کر دیتے ہیں۔

سازش

کچھ صاحبِ حیثیت لوگ جن میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت سعدؓ بن عمرو شامل تھے جب مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو قریش میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ان نو مسلموں کا شمار مکہ کے ممتاز لوگوں میں ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ جانے کے لئے جب بھی اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان خطرے میں ہوتی تھی۔ عیاش لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے میں بیٹھ جاتے اور جیسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلتے یا کہیں اور جانے کا ارادہ کرتے تھے تو وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھر مارتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس کو گندگی سے آلودہ کر دیتے تھے۔

قبیلہ قریش کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کا احترام بھی پس پشت ڈال دیا تھا۔ دونوں مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قاتلانہ حملہ خانہ کعبہ میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن خانہ کعبہ سے اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے تو قریش نے اس شدت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر پتھراؤ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

شدید زخمی ہونے کے باعث اگلے دن خانہ کعبہ میں نہ آ سکے۔ اس روز جب مسلمان عبادت کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ تشریف نہیں لائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے طور پر عبادت شروع کر دی اور جب وہ لوگ سجدہ میں گئے تو قریش نے ان پر حملہ کر دیا۔ کئی مسلمان شدید زخمی ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد قبیلہ قریش کے افراد شب و روز خانہ کعبہ کی نگرانی کرنے لگے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے روک سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ اب وہ اپنے اصحابؓ کے ساتھ خانہ کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تو انہوں نے مکہ سے باہر ایک جگہ کا انتخاب کیا۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دن میں دو بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں نماز قائم کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرنے والوں میں سے ایک شخص ابو سفیان تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انتہا درجے کی دشمنی رکھتا تھا۔ ابو سفیان کا کہنا تھا: ”قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خطرہ لاحق ہے وہ صرف اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیا جائے۔“

باضمیر لوگ

حضرت حمزہؓ

ایک دن کچھ لوگ ابو جہل کے اکسانے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھر مار رہے تھے۔ تو ایک شخص حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت حمزہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا تھے اور مشہور پہلوان تھے۔ (آپؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔) حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آ رہے تھے۔ اس شخص نے آواز دے کر کہا:

”اے حمزہؓ! تیری غیرت کو کیا ہوا؟ لوگ تیرے بھتیجے کو پتھر ماریں، برا کہیں اور گالیاں دیں۔ لوگ تجھے بہادر اور شہزور کہتے ہیں۔“

حضرت حمزہؓ کو اس وقت تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھر مارتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشنام بھی دیتے ہیں تو ان کی حالت دگرگوں ہو گئی اور انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ میرے بھتیجے کو جو دشنام دیئے جاتے ہیں وہ کیا ہیں؟ اس شخص نے چند ایسے الفاظ دہرائے جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ان کے لئے استعمال کرتے تھے تو حضرت حمزہؓ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

عرب زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو انتہائی اہمیت اور وقعت دیتے تھے۔ عرب قبائل میں دشنام گوئی کرتے وقت قریبی رشتہ دار کا نام لینا ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ کسی قبیلے کے کسی فرد کو برا کہنا ایسا تھا جیسے پورے قبیلے کی توہین کی گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلے کے تمام ارکان آپس میں خون کے رشتے میں منسلک ہوتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ اسی حالت میں ابو جہل کے گھر گئے۔ وہ جانتے تھے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پتھر پھینکنے والوں اور انہیں دشنام دینے والوں کا سرغنہ ابوجہل ہے۔ وہاں پہنچ کر ابوجہل کی بری طرح پٹائی کردی اور کہا:

"اے ابوجہل! تو سمجھتا ہے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بے آسرا ہیں اور ان کا کوئی نہیں اس لئے تو پتھر مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ لیکن اب تو یہ جان لے کہ میں آج سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں داخل ہوگیا ہوں اور آج کے بعد کوئی بھی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دے گا تو اس کی خیر نہیں۔"

حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہوجانا اسلام کے لئے بڑا خوش آئند ہوا اور اس سے مسلمانوں کو تقویت پہنچی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہوگئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہوگئی۔

حضرت عمر فاروقؓ

مکہ میں رہنے والے اور خاص طور پر قبیلہ قریش کے افراد اسلام کو پھیلتا دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہوگئے اور انہوں نے دارالندوۃ میں جمع ہوکر مشورہ کرنا شروع کردیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دین کو (نعوذ باللہ) کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ مذاکرات سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہ کرسکے۔ جب دارالندوۃ کا اجلاس ختم ہوا تو عمر بن خطاب نے اعلان کیا:

"میں خود ہی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو قتل کرکے اہلِ مکہ کو اس مشکل سے نجات دلادوں گا۔"

راستے میں حضرت نعیمؓ بن عبداللہ نے عمر کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا تو پوچھا: "اے عمر! کہاں جارہے ہو؟"

عمر نے کہا :

"کسی نے ہمارے اجداد کی اتنی توہین نہیں کی جتنی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کی ہے۔ اس شخص نے اپنے نئے دین کی وجہ سے تمام اہلِ مکہ کا چین و آرام حرام کردیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے دین کو باطل قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑ دینی چاہیئے۔ میں جارہا ہوں تاکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قصہٗ تمام کردوں۔"

حضرت نعیمؓ نے کہا:

"عمر تمہارے دو قریبی عزیز بھی مسلمان ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن فاطمہؓ اور دوسرا اس کا شوہر سعیدؓ بن زید ہیں۔"

یہ خبر سن کر عمر کے اوسان خطا ہوگئے۔ آگے بڑھنے کے بجائے اپنے بہنوئی کے گھر کا رُخ کیا۔

جب عمر گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن حضرت فاطمہؓ، ان کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید اور ایک دوسرے مسلمان حضرت خبابؓ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ عمر غصہ میں لال ہوگئے اور اپنی بہن اور ان کے خاوند کو اتنا زدو کوب کیا کہ ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ عمر نے اپنی بہن کو حکم دیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دین چھوڑ دے۔

حضرت فاطمہؓ نے کہا:

"اگر تم اتنے کوڑے مارو کہ میری جان نکل جائے پھر بھی میں حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو نہیں چھوڑوں گی اور اگر تم بھی قرآن کی تلاوت کرو تو جان جاؤ گے کہ یہ دین سچا اور برحق ہے۔"

عمر نے اپنی بہن سے کہا مجھے بھی قرآن سناؤ۔ عمر کی بہن نے سورۃ طٰہٰ کی چند آیات (1 تا 10) آیتیں سنائیں۔

حضرت عمرؓ قرآن سن کر غور و فکر میں ڈوب گئے اور کہا:

"مجھے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس لے چلو میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔"

حضرت خبابؓ نے کہا:

"اے عمر! خوش ہو جاؤ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی:

"اے قادرِ مطلق! میرا کام کوشش کرنا ہے اور کامیابی دینا آپ کا کام ہے۔ اسلام کے دو بدترین دشمنوں عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابو جہل) میں سے کسی ایک کو نورِ ایمان عطا فرمائیں، تاکہ کمزور مسلمانوں کو ہمت حاصل ہو۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت دارِ ارقم میں اپنے جان نثاروں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ دار ارقم کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک صحابیؓ نے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمرؓ بن خطاب نظر آئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی۔ حضرت امیر حمزہؓ نے جو تین دن قبل ایمان لائے تھے، کہا:

"دروازہ کھول دو اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے اور اگر برے ارادے سے آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔" حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا اور خوشی میں صحابہ کرامؓ نے اتنی زور سے نعرہ لگایا کہ اسکی آواز مسجد الحرام تک پہنچی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جبرائیل امین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پر آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی دو صفیں بنائیں ایک میں حضرت حمزہؓ اور ایک میں حضرت عمرؓ تھے۔ سب لوگ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ سایہ مسجد الحرام کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ پیغمبرِ اسلام اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا تو قریش میں کہرام مچ گیا۔ اس موقع پر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے نوازا۔

حضرت عمرؓ اس کے بعد دشمنِ اسلام ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے۔ ابو جہل باہر آیا اور خوش خبری سننے کے اشتیاق میں کہنے لگا۔

"خوش آمدید، خوش آمدید کیسے آنا ہوا؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آیا ہوں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ لائے ہیں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

ابو جہل کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولا:

"اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے وہ بھی برا ہو۔"

حضرت عمرؓ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر جمیل بن معمر کو دی جو کسی بات کا ڈھنڈورا پیٹنے میں مشہور تھا تو اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانا شروع کر دیا۔ "لوگو سنو! خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔"

حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "یہ جھوٹ بولتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔"

لوگ اگرچہ حضرت عمرؓ کی عزت و قوت، شرف اور زورِ بازو سے خائف رہتے تھے۔ لیکن اس وقت بہت بڑی تعداد نے انہیں زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ بھی لوگوں کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا:

"جو چاہے کر لو۔ اللہ کی قسم! اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکہ میں تم رہتے یا ہم رہتے۔"

حضرت عمرؓ کے خلاف انفرادی طور پر کوئی شخص کچھ کرنے سے گھبراتا تھا۔ وہ جلوس کی شکل میں جمع ہوئے اور حضرت عمرؓ کے گھر پر حملہ کر دیا تاکہ انہیں جان سے مار دیں۔ اس دوران قبیلہ سہم جو حضرت عمرؓ کا حلیف قبیلہ تھا، سے تعلق رکھنے والے ابو عمرو عاص بن وائل سہمی آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے اپنے قبول اسلام اور قوم کے دشمن ہو جانے کا تذکرہ کیا۔ ابو عمرو عاص بن وائل یہ سن کر باہر نکلے اور لوگوں کی بھیڑ سے پوچھا: "کیا ارادہ ہے؟" لوگوں نے کہا: "خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔"

ابو عمرو نے کہا: "تم لوگ اس تک نہیں پہنچ سکتے وہ میری پناہ میں ہے۔"

لوگ یہ سن کر مایوس ہوئے اور واپس چلے گئے۔

ہجرت حبشہ

اسلام کے ابتدائی دور میں دو ہستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اسلام کے لئے مالی لحاظ سے بہت قربانی دی ہے۔ ان میں سے ایک حضرت خدیجہؓ اور دوسرے حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ دونوں افراد مکہ کے مال دار لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن جب یہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہوئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر دی تھی۔

حضرت عمرؓ بن خطاب جب مسلمان ہوئے تو اپنے خاندان کو دعوت دی اور قبیلہ "بنی عدی" کے بہت سے افراد مسلمان ہوگئے۔ قریش نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں تشویش ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کرتے ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں کو علی الاعلان تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مشرکین نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔ کفار نے یہ پابندی لگادی کہ مسلمانوں سے نہ کوئی چیز خریدی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی چیز بیچی جائے۔ اس پابندی نے مسلمانوں کی زندگی کو مفلوج کر دیا۔ کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ ان مسائل اور مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ خود مکہ میں قیام کریں اور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف روانہ کر دیں۔ حبشہ کا حکمران کسی مذہب کے ماننے والوں کو ایذا نہیں پہنچاتا تھا وہاں مذہب کی مکمل آزادی تھی۔

جن لوگوں نے پہلی مرتبہ مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور ۲۔ آپؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ۔

۳۔ عثمانؓ بن عفان (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد) اور ۴۔ آپؓ کی زوجہ حضرت رقیہؓ بنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

۵۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ اور ۶۔ آپؓ کی زوجہ حضرت سہلہؓ بنت سہیل

۷۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ اور ۸۔ آپؓ کی زوجہ حضرت لیلیٰؓ

۹۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد اور ۱۰۔ آپؓ کی زوجہ ام سلمہؓ بنتِ امیہ

(یہ وہی امِ سلمہؓ ہیں جو ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں)۔

۱۱۔ حضرت زبیرؓ بن العوام ۱۲۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود

۱۳۔ حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف ۱۴۔ حضرت سہیلؓ بن بیضا

۱۵۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر ۱۶۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون

یہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعت میں مکہ سے نکل کر سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی پر سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ پہلا قافلہ تھا جو حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مسلمان حبشہ کے دارالخلافہ پہنچے تو حضرت جعفرؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ نے آمد کے پہلے دن ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اسی دن حبشہ کے حکمران کے گھر بھی لڑکے کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ نے رضاکارانہ طور پر بادشاہ کے لڑکے کو دودھ پلانے کی تجویز پیش کی جو منظور ہو گئی۔ اس طرح عربوں کے رواج کے مطابق حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کا بیٹا اور حبشہ کے بادشاہ کا فرزند آپس میں رضاعی بھائی بن گئے۔

ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی پہلی جماعت کے بعد دوسرے مسلمان گروہ بھی مکہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مجموعی طور پر ایک سو نو (۱۰۹) مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے۔ یہ سب لوگ کشتی کے ذریعے حبشہ پہنچے تھے۔

قریش کی سفارت

قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان حبشہ کی طرف چلے گئے ہیں لہٰذا انھوں نے دو افراد ابو عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو منتخب کیا کہ وہ حبشہ جائیں اور بادشاہ سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے۔

نجاشی بادشاہ کا دربار

کفار کے ایلچیوں نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر کہا

"اے حبشہ کے بادشاہ! جن لوگوں کو تو نے پناہ دی ہے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا دین جھوٹا ہے اور وہ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔"

حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور کہا

"یہ دو افراد مکہ سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ خطا کار ہو لہٰذا تم سب کو مکہ واپس بھیج دیا جائے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تمہارے اہلِ خاندان تمہاری واپسی کے منتظر ہیں۔ تم لوگ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کا بیان

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا

"اے بادشاہ! ہم بُت پرست تھے، بُرے کام کرنے سے ہم شرمندہ نہیں ہوتے تھے۔ ہم کمزوروں اور تنگ دستوں پر ظلم کرتے تھے۔ ہم اندھیروں میں بھٹک رہے تھے کہ ہمارے درمیان ایک پیغمبر محمد بن عبداللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پیدا ہوئے اور انہوں نے ہمیں خدائے وحدہ لاشریک کا راستہ دکھایا اور ہمیں یہ درس دیا کہ ہم پتھروں کی بنی ہوئی مورتیوں کی پوجا نہ کریں۔ برے کاموں سے توبہ کرلیں اور مسکینوں پر ظلم و ستم نہ کریں۔ ہم لوگ ان پر ایمان لے آئے۔

اے بادشاہ! یہ لوگ پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کو خدا کہتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، معاشرے کے ناتواں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچانے، پتھر مارنے اور دشنام دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔"

صورت حال واضح ہونے کے بعد حبشہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کے لائے ہوئے تحائف واپس کر دیئے جائیں اس طرح قریش کے نمائندے نامراد واپس لوٹ گئے۔

نجاشی بادشاہ اور اسلام

نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے بارے میں مزید دریافت کیا۔ حضرت جعفرؓ نے حبشہ کے بادشاہ اور اس کے دربار میں حاضر دوسرے لوگوں کے سامنے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کیں، نجاشی یہ کلام سن کر بے اختیار رو پڑا اور اس کے دربار میں موجود دوسرے لوگ بھی رونے لگے۔ نجاشی نے کہا:

"تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایک عظیم اور سچے انسان ہیں۔ تم لوگ جب تک چاہو میرے ملک میں آزادی سے رہو، کوئی تمہیں اس ملک سے نہیں نکالے گا۔"

شعب ابی طالب

ابو طالب قریش کی ریشہ دوانیوں سے باخبر تھے۔ قریش انہیں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت اور پشت پناہی سے دست بردار ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔ ابو طالب نے اپنے جدِاعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب کے خاندان کو جمع کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ اپنے بھتیجے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت و حفاظت کا جو کام وہ اب تک تنہا کر رہے ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دیں۔

عرب حمیت کا تقاضہ تھا کہ اہلِ خاندان اس بات پر راضی ہو جائیں لہٰذا خاندان کے افراد جمع ہوئے اور اس تجویز سے متفق ہوگئے۔ انہوں نے حضرت ابو طالب کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن حضرت ابو طالب کے بھائی ابو لہب نے مشرکین قریش کا ساتھ دیا۔ نبوت کے ساتویں سال مکہ کے تمام سردار ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے مل کر یہ عہد نامہ لکھا۔ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ہمارے حوالے نہیں کرتے۔

...... کوئی شخص محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب سے میل جول اور تعلق نہ رکھے۔

...... ان کے ساتھ کسی قسم کی خرید و فروخت نہیں کی جائے گی۔

......ان کے خاندان میں کوئی شادی بیاہ نہ کرے۔

......کوئی ان کو مہمان نہیں ٹھہرا سکتا۔ نہ ہی انھیں کھانے پینے کا کوئی سامان دیا جائے گا۔

منصور بن عکرمہ نے یہ ظالمانہ عہد نامہ لکھا۔ اس معاہدہ پر تمام سردارانِ قریش نے دستخط کیے اور معاہدہ خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا گیا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ بنو ہاشم بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت میں دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل گئے۔ ان میں پیغمبر الاسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ عزیز بھی شامل تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابو طالب کی غیرت و حمیت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ جس گھاٹی میں پناہ گزین تھے، وہ ابی طالب کی ملکیت تھی۔ اس گھاٹی میں ابی طالب اور خاندان کے دوسرے افراد قیام کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ قریش نے مسلمانوں کو اشیائے ضرورت کی فروخت پر پابندی لگا دی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ شعب ابی طالب کسی قافلہ کی گزر گاہ بھی نہیں تھی۔ جس سے کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہو سکتیں۔ مسلمانوں نے شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک مصیبتوں اور بھیانک پریشانیوں میں وقت گزارا۔ ان ہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے، ایک دن حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا حکیم بن حزام اپنی پھوپی کے لئے کچھ سامان لے کر آیا۔ قریش کے افراد نے جو نگرانی کر رہے تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کو مکہ سے باہر نکلتے دیکھ لیا انہوں نے سامان ضبط کر کے اتنا مارا پیٹا کہ وہ تین دن تک بستر سے نہیں اُٹھ سکا۔

مکہ کے کچھ نرم دل بزرگوں نے مُصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ وہ اجازت دیں کہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی گھاٹی سے واپس چلے آئیں۔ لیکن اہل کفار نے جواب دیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں تو مکہ میں واپس آسکتے ہیں۔ اِن حالات میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے تین سال تک تنگی اور سختی کو برداشت کیا۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں تھا اور فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی دیتی تھیں۔ ان کے پاس بمشکل ہی کوئی چیز پہنچتی تھی اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ کے پاس صرف ایک ہانڈی اور ایک مٹی کا پیالہ تھا اور ایک دن وہ پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔

حضرت ابو طالب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں خطرہ لاحق رہتا تھا، اس لئے جب لوگ اپنے بستروں پر لیٹتے تو وہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سوئے رہو۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو دیکھ لے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں سو رہے ہیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تو حضرت ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ بدل دیتے تھے یعنی اپنے بیٹے، بھائیوں، بھتیجوں میں سے کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بستر پر سلا دیتے تھے۔ یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بستر پر سو جاتے تا کہ اگر حملہ ہو جائے تو ہماری جانیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فدا ہو جائیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مسلمان حج کے دنوں میں باہر نکلتے تھے اور حج کیلئے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

ان حالات میں محرم 10 نبوی میں بائیکاٹ نامہ چاک کیے جانے والا واقعہ پیش آیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس بائیکاٹ سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور انہی ناراض لوگوں نے اس کو ختم کرنے کی تگ و دو کی۔ اس کا اصل محرک قبیلہ بنو عامر بن لوئی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چپکے چپکے شعب ابی طالب کے اندر غلہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ وقتاً فوقتاً ہشام بن عمرو نے بائیکاٹ نامہ ختم کرنے کی مہم میں مختلف قبائل کے لوگوں سے رجوع کیا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ یہ ظالمانہ فیصلہ کیوں ہوا......؟

اللہ تعالیٰ نے ہشام بن عمرو کو کامیابی عطا کی اور چار لوگوں پر مشتمل ایک گروپ اس کے ساتھ بائیکاٹ ختم کرنے کی مہم میں شریک ہو گیا۔ جن میں زبیر بن امیہ (جو حضرت ابو طالب کے بھانجے تھے) مطعم بن عدی جو عبد مناف کی نسل میں سے تھے، ابو البختری، ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود شامل تھے۔ چھ اور لوگوں کے ساتھ ملکر ان لوگوں نے عہد وپیمان کیا کہ بائیکاٹ ختم کرنا ہے اور اس میں زبیر پہل کریں گے۔ صبح ہوئی تو لوگ حسب معمول حرم میں پہنچے۔ زبیر بھی ایک خاص جوڑا زیب تن کر کے پہنچے۔ پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"مکے والوں کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں۔ نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ اللہ کی قسم! میں بیٹھ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن بائیکاٹ کو ختم کر دیا جائے۔"

ابو جہل جو مسجد الحرام کے ایک گوشے میں موجود تھا، بولا:

"تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم! تم اسے پھاڑ نہیں سکتے۔"

زمعہ بن الاسود نے کہا:

"تم زیادہ غلط کہتے ہو، جب یہ بائیکاٹ نامہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہیں تھے۔"

اس پر ابو البختری نے کہا:

"زمعہ ٹھیک کہہ رہا ہے اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے متفق نہیں تھے اور اب بھی اسے ماننے کو تیار نہیں ہیں۔" اس کے بعد مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم اس بائیکاٹ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ابو جہل نے کہا:

"یہ بات رات میں طے کی گئی ہے اور اسکا مشورہ یہاں کی بجائے کہیں اور کیا گیا ہے، یہ تم لوگوں کی سوچی سمجھی سازش ہے۔"

ابھی یہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت ابو طالب تشریف لائے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بائیکاٹ نامے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے دیمک بھیج دی۔ جنھوں نے ظلم ستم اور قرابت شکنی کی ساری باتیں چاٹ لی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔

حضرت ابو طالب نے بائیکاٹ کرنے والوں سے کہا :

"قریش کے لوگو! میرے بھتیجے نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ معاہدہ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ اگر یہ قول جھوٹ ثابت ہوا تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمہارا جو جی چاہے کرنا لیکن اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سچے ہوئے تو تمہیں بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا۔"

جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا: "آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔"

ادھر ابو جہل اور باقی لوگوں کی نوک جھوک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی بائیکاٹ ختم کرنے کے لئے اُٹھا۔ اس نے دیکھا کہ دیمک نے معاہدہ کو چاٹ لیا ہے۔ صرف بسمک اللھمَّ باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام تھا، دیمک نے اسے نہیں کھایا۔ اس کے بعد بائیکاٹ نامہ چاک کر دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور باقی تمام افراد شعب ابی طالب سے نکل آئے۔ مشرکین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھی۔ لیکن مشرکین نے اسے تسلیم نہیں کیا اور وہاں سے چلے گئے۔ ان کا رویہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

"اگر وہ کوئی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو رُخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔" (سورۃ القمر۔ آیت 2)

جب مسلمان شعب ابی طالب سے واپس لوٹے تو مسلسل فاقہ کشی، بھوک اور پیاس کے باعث بے حد کمزور ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں پر ہڈیاں نمایاں ہو گئیں تھیں اور ان کے بدن کی کھال سورج کی تمازت سے جھلس گئی تھی۔

عام الحزن

شعب ابی طالب کے مسلسل رنج والم اور دائمی بھوک کے بعد ایک اور حادثہ پیش آیا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شفیق چچا ابو طالب کمزوری کے باعث بیمار ہو گئے اور 86/ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اس صدمہ کو ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمدرد، غمگسار اور بے حد محبت کرنے والی شریک حیات حضرت خدیجہؓ انتقال فرما گئیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے غم وخوشی میں ہر لمحہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیا۔ اپنی دولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نثار کر دی۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ جو عیش و عشرت میں پلی بڑھی تھیں مگر انہوں نے انتہائی صبر و ثبات اور خوشدلی سے شعب ابی طالب میں محاصرہ کے دن بھوک اور پیاس کی تکلیف اُٹھا کر گزارے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپؓ سے بہت محبت تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندگی بھر ان کو یاد کرتے رہے۔ جب حضرت خدیجہؓ نے زندگی کو خیر باد کہا اس وقت ان کی عمر 65/ برس تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر پچاس سال تھی۔ انتقال کے بعد ان کو حجون میں دفن کیا گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ کے متعلق ارشاد فرمایا:

"خدیجہؓ اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کیا۔ اپنے مال سے ایسے وقت میں میری مدد کی جب کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا کی۔"

ان مشفق سرپرست اور غمگسار اور ہمدرد بیوی کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت مغموم اور افسردہ رہنے لگے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ابھی چھوٹی بچی تھیں ان کی دیکھ بھال اور پرورش کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت عثمانؓ بن مظعون کی زوجہ حضرت خولہؓ بنت الحکیم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسری شادی کی جانب مائل کیا اور حضرت سودہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں۔ حضرت سودہؓ کے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ تھے دونوں نے دوسری ہجرت حبشہ میں شرکت کی تھی۔ حبشہ سے لوٹنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت سکرانؓ کا انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت سودہؓ بیوہ تھیں اور اس وقت ان کی عمر 50 سال تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی عمر اس وقت 50 سال تھی۔

طائف کا سفر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابی لہب نے قبیلہ بدر کرنے کا اعلان کر دیا تھا کہ "میں نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنے قبیلے سے نکال دیا اور آج کے بعد ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں"۔

جزیرۃ العرب میں جب کسی کو قبیلے سے نکال دیا جاتا تھا تو اس کی حیثیت اس قدر ناچیز ہو جاتی تھی کہ اسے قبائلی جرگہ میں انصاف کی درخواست کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ جزیرۃ العرب میں قبیلے سے خارج ہونے والا شخص تمام سماجی اور معاشی حقوق سے محروم ہو جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اُس سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جاتا تھا۔

مکہ کے سرداروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی اجتماع سے خطاب کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکے کے قرب وجوار کے شہر اور بستیوں کا انتخاب کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف تشریف لے گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف میں قبیلہ ثقیف کے سرداروں عبدیالیل، مسعود اور حبیب سے ملاقات کی اور انہیں حق وصداقت کا پیغام دیا۔ لیکن انہوں نے حق وصداقت کا پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے وہاں کے اوباش لڑکوں کو لگا دیا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آوازیں کستے، تالیاں پیٹتے اور گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے اتنے پتھر مارے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین مبارک (جوتے) خون میں بھر گئے۔ حضرت جبرائیلؑ امین حاضر ہوئے اور کہا:

"اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اجازت دیں تو بستی والوں پر پہاڑ اُلٹ دیئے جائیں۔"

رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میں مخلوق کے لئے زحمت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائیں گے جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔"

انگوروں کا باغ

زخموں سے چُور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک باغ میں پناہ میں لی۔ اس باغ کے مالک دو بھائی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لہولہان دیکھ کر انہوں نے اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں انگور بھیجے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "بسم اللہ" کہہ کر انگور لے لئے۔ نصرانی غلام نینوا کا باشندہ تھا۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کلمات کی بابت دریافت کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تم میرے بھائی یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ وہ بھی میری طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔"

یہ سن کر ابن ربیعہ کا غلام "عداس" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جھک گیا۔ عداس نے کہا:

"اگرچہ میرے آقا عتبہ نے مجھے یہ کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگور پیش کروں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس باغ میں پناہ نہیں دے گا۔ میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں کی نظروں سے بچا کر طائف سے باہر لے جاؤں۔"

نصرانی خدمتگار عداس نے اپنے وعدے پر عمل کیا اور جیسے ہی رات تاریک ہوئی پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طائف کے شہر سے باہر لے آیا اور عرض کیا:

"اللہ کے برگذیدہ بندے! اس شہر سے دور نکل جایئے کہ یہاں کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں۔"

جنات میں اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحرا میں چلتے چلتے بطنِ نخلہ میں پہنچے۔ رات کا سماں تھا اور کائنات خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی۔ جنات نے جب سوز و گداز سے بھرپور نورانی آواز میں قرآن سنا تو ان کی ایک جماعت خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ قرآن پاک کی چھیالیسویں سورۃ میں ارشاد ہے۔

"اور وہ وقت آن پہنچا جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تمہاری جانب بھیجا تاکہ وہ قرآنی آیات کو سنیں اور جب وہ حاضر ہوگئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر سنو۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈرانے والے بن کر پلٹے۔"
(سورۃ الاحقاف۔ آیت 29)

زخم زخم جسم، بھوک سے نڈھال اور خستہ حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف کے شہریوں سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جان لیا تھا کہ طائف مسلمانوں کی پناہ گاہ نہیں بن سکتا، لیکن کسی قبیلے سے منسلک ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا انہوں نے قبیلہ زہرہ کے سربراہ اخنس بن شریق کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سے حق جوار چاہتے ہیں۔ اخنس بن شریق نے جواب دیا اگرچہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پناہ دے لیکن وہ ایسا کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس نے قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہیل بن عمرو کو پیغام بھجوایا اور اس سے کہا کہ وہ انہیں اپنے قبیلے میں جگہ دے۔ سہیل بن عمرو قبیلہ قریش سے دور کا تعلق رکھتا تھا۔ اس نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ عرب کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی دشمن بھی کسی سے پناہ طلب کرتا تو وہ اُسے پناہ دیتے تھے۔ معطم بن عدی نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا مثبت جواب دیا اور اپنی قوم کو جمع کر کے ہتھیار باندھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے اور مسجد الحرام میں داخل ہو کر طواف کیا۔ مطعم بن عدی اپنی سواری پر سوار تھا۔ اس نے اعلان کیا:

"قریش کے لوگو! میں نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو پناہ دے دی ہے۔"

مطعم بن عدی اور اس کے لڑکوں نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ کعبہ میں حاضری کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر تشریف لے گئے۔

واقعہ معراج

پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت میں اپنے حضور طلب فرمایا۔ جب روئے زمین پر ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ جاں نثار بیوی اور شفیق چچا بھی دنیا میں نہیں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیشتر وقت عبادت اور غور و فکر میں گزرتا تھا۔ مکہ میں نہ صرف یہ کہ اسلام کے فروغ کے لئے مشکلات تھیں بلکہ جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ان کے لئے آزادانہ عبادت اور اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے کی آزادی نہیں تھی۔

"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔" (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 1)

رجب کی ستائیسویں شب کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی چچازاد بہن ام ہانیؓ بنت ابو طالب کے گھر تشریف لے گئے۔

جبرائیل امینؑ

وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما رہے تھے کہ گھر کی چھت شق ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا جبرائیلؑ امین فرشتوں کے ہمراہ تشریف لائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زم زم کے کنویں کے پاس لے گئے۔ وہاں جبرائیلؑ نے سینہ مبارک

کھول کر دل نکالا اور آبِ زم زم سے دھونے کے بعد دوبارہ سینے میں رکھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پر سوار جبرائیلؑ کے ساتھ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ مسجدِ اقصیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دودھ اور شراب کے پیالے پیش کیے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ پسند فرمایا۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔"

انبیاء کرامؑ سے ملاقات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس سے عالمِ بالا کی طرف لے جایا گیا۔ آسمانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلیل القدر پیغمبروں سے ملاقات کی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں حضرت یحییٰ بن زکریاؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا، مبارکباد دی۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں حضرت یوسفؑ کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارکباد دی۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ادریسؑ کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہارونؑ بن عمران کو دیکھا اور سلام کیا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام کیا انہوں نے مرحبا کہا اور اقرارِ نبوت کیا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوش آمدید کہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار کیا۔

وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "بیت المعمور" دیکھا۔ ساتویں آسمان کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبرائیلؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رہے۔

اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خالقِ کائنات کی تسبیح و تقدیس فرمائی۔

دو کمانوں سے کم فاصلہ

پھر اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔

"قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہوا۔ تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔ جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا جبکہ وہ اُفقِ اعلیٰ پر تھا، پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی وحی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟" (سورۃ النجم۔ آیت 1 تا 12)

معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین پر سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کیا اور لاکھوں نوری سالوں کے فاصلے پر آسمان کی حدود میں داخل ہوئے۔ فرشتوں کی حد سے آگے تشریف لے گئے اور خدائے کریم سے ہم کلام ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سولہ احکام نازل فرمائے۔ جو زیادہ جامع ہیں اور نہایت عمدہ ضابطۂ حیات کی عکاسی کرتے ہیں۔

"۱۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی۔

۲۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہوں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم سے ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

۳۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسا بندہ سب کے لئے درگزر کرنے والا ہوتا ہے، ایسا بندہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر بندگی کی طرف پلٹ آتا ہے۔

۴۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔

۵۔ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

۶۔ اگر تم حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کی حاجت پوری نہیں کر سکتے تو انہیں نرمی سے جواب دو۔

۷۔ نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

۸۔ تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے۔ رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

۹۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

۱۰۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ۔

۱۱۔ قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے۔ اس کی مدد کی جائے۔

۱۲۔ یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔

۱۳۔ عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہو گی۔

۱۴۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو، ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

۱۵۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب کی بازپرس ہو گی۔

۱۶۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 23 تا 37)

بارگاہِ رب العزت میں

معراج شریف میں بارگاہ ربّ العزت سے انعامات و عطیات مرحمت کئے گئے۔ مفسرین نے تین اکرامات کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ سورۃ البقرہ کی آخری آیات جن میں اسلام کے رہنما اصول بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ امت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخشش کا وعدہ، مگر جو لوگ شرک کے مرتکب ہوں گے وہ اس انعام سے محروم رہیں گے۔

۳۔ پانچ وقت فرض نماز کی تاکید۔

مناظرِ جنت

روایت ہے کہ معراج کے سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمانوں میں حیرت انگیز مناظر دیکھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی سیر کی اور دوزخ کے طبقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمائے۔ نیک اور بد لوگوں کا مقام دیکھا اور ان مقامات پر اعمال کی جزا اور سزا کا مشاہدہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کے داروغہ رضوان سے ملاقات کی اور جنت کے باغوں کا معائنہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

”مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کیلئے پاکیزہ قیام گاہیں ہونگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“(سورۃ التوبہ۔ آیت 72)

جنت کے پھل

”متقی لوگوں کیلئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال ہے۔ یہ انعام ہے متقی لوگوں کیلئے اور منکروں کیلئے دوزخ ہے۔“(سورۃ الرعد۔ آیت 35)

سونے کے کنگن

”ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔“(سورۃ فاطر۔ آیت 33)

دل پسند

”جنت میں داخل ہو جاؤ تم اور تمہاری زوج (بیگمات)، تم شاد کئے جاؤ گے۔ ان کے سامنے سونے کی طشتریاں اور سونے کے پیالے پیش کئے جائیں گے اور ان میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل کو پسند اور آنکھوں کے لئے لذت بخش ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔“
(سورۃ الزخرف۔ آیت 70 تا 71)

شراباً طہورہ

"متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ لطف لے رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کا رب انہیں دے گا، اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔ (ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے ان کی اس اولاد کو بھی ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہیں دیں گے، ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔ ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت، جس چیز کو بھی ان کا جی چاہے گا خوب دیے چلے جائیں گے۔ ان کے درمیان ایسی شراب کے پیالوں کے تبادلے ہو رہے ہوں گے جو لغویت اور گناہ سے پاک ہو گی۔" (سورۃ الطور۔ آیت 23)

شہد کی نہریں

"متقیوں کے لئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہہ رہی ہوں گی نتھرے ہوئے پانی (مقطر) کی، نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی جس کے ذائقے میں ذرا فرق نہیں آیا ہو گا۔ نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہو گی، نہریں بہہ رہی ہوں گی صاف شفاف شہد کی، اس میں ان کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش۔"

(سورۃ محمد۔ آیت 15)

اہل جنت

"بے شک اہل جنت آج اپنی دلچسپیوں میں مگن ہوں گے وہ اور ان کے زوج سایوں میں مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھیں گے اور اس میں ان کے لئے میوے ہوں گے اور ان کے لئے وہ سب کچھ ہو گا جو وہ طلب کریں گے، رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے۔"

(سورۃ یٰسین۔ آیت 55 تا 58)

چاندی کے برتن

”اور ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش میں ہوں گے۔ شیشے، چاندی کی طرح ہوں گے۔ ان کو انہوں نے نہایت موزوں اندازوں کے ساتھ سجایا ہو گا۔(سورۃ الدھر۔ آیت 15 تا16)

حوریں

”ان نعمتوں کے درمیان باحیا حوریں ہوں گی جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہیں ہو گا۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیک سیرت اور خوبصورت حوریں ہوں گی۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے۔ حوریں، خیموں میں رہنے والیاں۔ اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے۔ ان جنتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن نے ان کو چھوا نہ ہو گا۔

(سورۃ الرحمن۔ آیت 56،57،70 تا74)

اہلِ دوزخ پر عذاب

روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی شب دوزخ کے داروغہ سے ملاقات کی اور دوزخ کے عذاب میں مبتلا لوگوں کے حالات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائے گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ

چغل خور

۱۔ کچھ لوگوں کو ان کے اپنے بدن کا گوشت کاٹ کاٹ کے کھلایا جارہا تھا۔ یہ چغل خور اور غیبت کرنے والے لوگ تھے۔

”اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“ (سورۃ الحجرات۔ آیت 12)

انگارے

۲۔کچھ لوگ جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور انکے منہ میں پتھروں کے انگارے ٹھونسے جارہے تھے۔ یہ یتیموں کا مال ہضم کرنیوالے لوگ تھے۔

”جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاجاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔“(سورۃ النساء۔ آیت 10)

۳۔سود خوروں کے پیٹ میں سانپ بھرے ہوئے تھے، ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔(سنن ابن ماجہ۔ جلد دوئم۔ حدیث 430)

”سود خوروں کے گروہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھا کہ وہ خون کی ندی میں تیر رہا تھا جب تیرتے ہوئے کنارے تک آیا لوگ اس کو پتھر مارتے اور وہ واپس پلٹ جاتا تھا۔“

(صحیح بخاری۔ جلد اول۔ حدیث 1957)

”اور سود جس سے منع کیا گیا تھا اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے الم ناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔“

(سورۃ النساء۔ آیت 161)

۴۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھایا گیا کہ ناجائز دولت کمانے والے متعفن اور سڑاند سے بھرا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔

۵۔اور چند لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اور زبانیں کاٹی جارہی ہیں۔ زبان اور ہونٹ صحیح ہوجاتے اور دوبارہ تکلیف دہ عمل شروع ہوجاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ یہ بے عمل منبر نشین، خطیب واعظ اور عالم ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چھوٹے سے پتھر سے ایک بہت بڑے بیل کو نکلتے دیکھا جو کہ دوبارہ پتھر میں داخل ہونے کی کوشش میں لگ جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ یہ حال اس شخص کا ہے جو بڑی بات منہ سے نکال کر شرمندہ ہوتا ہے لیکن اسے واپس لینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

۷۔کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہرے کو کھرچ رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کی عزت و آبرو کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم۔ حدیث 970)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تصدیق

معراج میں پیش آنے والے واقعات سن کر دل کے اندھے کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانے لگے۔ کچھ مسلمان جن کا ایمان ابھی پختہ نہیں تھا، مرتد ہوگئے۔ حضرت ابو بکرؓ سے کفار مکہ نے کہا:" نبوت کے دعویدار تمہارے ساتھی کا کہنا ہے کہ وہ رات ہی رات میں بیت المقدس ہو آئے ہیں۔" تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب میں کہا:" اگر حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں تو یہ درست ہے، میں تو اس سے بھی زیادہ ان پر ایمان رکھتا ہوں کہ فرشتے ان کے پاس آتے ہیں۔"

بیعت عقبہ

آفتاب کی روشنی دور تک پہنچ کر تیز ہو جاتی ہے۔ اسلام کا سورج مکہ میں طلوع ہوا اور کرنیں مدینہ کے اُفق پر چمکیں۔ مدینہ کا نام یثرب تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہاں آکر قیام فرمایا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی "پیغمبر کا شہر" ہو گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔ یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ قدیم زمانہ میں یہودی آکر یہاں آباد ہوئے ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور یثرب کے اطراف ان کے قبضہ میں آگئے اور انہوں نے وہاں چھوٹے چھوٹے قلعے بنالئے تھے۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے ہیں۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیلِ عرم" کہتے ہیں۔ یہ لوگ یمن سے نکل کر یثرب میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج۔ تمام انصار اسی خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے اور مال و دولت سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں۔

انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے۔ ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی لیکن پھر انصار کا خاندان پھیلتا گیا اور اقتدار حاصل کرتا رہا اور یہودیوں نے انصار کا اقتدار دیکھ کر ان سے کیا ہوا معاہدہ ختم کر دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ جس لڑکی کی شادی کی جائے پہلے اس کے شبستانِ عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا۔ لیکن انصار نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں انصار کے ایک سردار شخص مالک بن عجلان کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو برا لگا، اس نے بہن کو سخت ملامت کی۔ بہن نے کہا۔ "ہاں! لیکن کل جو کچھ ہو گا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔"

دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کرکے شام بھاگ گیا۔ شام میں غسانیوں کی حکومت تھی ابوجبلہ حکمران تھا اس نے حالات سنے تو ایک فوج کے ساتھ آیا اور اوس خزرج کے رؤسا کو بلا کر ان کو انعامات سے نوازا۔ پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ان کو دھوکے سے قتل کردیا۔ اس طرح یہود کا زور ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے یثرب میں قوت حاصل کی۔

نبوت کے دسویں سال

نبوت کے دسویں سال حج کیلئے مکہ آنے والے قبائل کے سرداروں سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رابطہ کیا اور اسلام کی دعوت دی۔ لیکن قبائلی سرداروں میں سے کسی نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں پر توجہ نہیں دی۔ قریش نے یہ مشہور کررکھا تھا کہ (نعوذ باللہ) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مجنوں ہوگئے ہیں۔ ان کی باتوں پر توجہ نہ دی جائے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا مشن جاری رکھا۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان عقبہ کی پہاڑی کے مقام پر چھ افراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے اپنا تعارف کروایا اور دینِ اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ وہ چھ لوگ یثرب سے آئے تھے۔ ان کے قبیلے کا نام خزرج تھا۔ ان لوگوں نے آپس میں صلح مشورہ کیا اور ان چھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو انہیں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو عام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جان و مال قربان کردینے والے جانثاروں کے دو مشہور طبقے ہیں۔ مہاجرین اور انصار۔

مہاجرین۔۔۔ وہ باوفا اور مخلص لوگ جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ انصار۔۔۔ وہ فراخ دل اور پاک باطن لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سینکڑوں مہاجرین کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے اس انداز سے مہمان نوازی کی کہ اس کی نظیر سے تاریخ کے اوراق یکسر خالی ہیں۔ یہ قبیلے زمانہ جاہلیت میں انصار نہیں کہلاتے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو بارگاہِ الٰہی سے انہیں اس معزز لقب سے نوازا گیا۔

انصار کا مقام

”اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔“ (سورۃ الانفال۔ آیت 74)

)”اور وہ ان لوگوں کیلئے بھی ہے) جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی حاجت یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر

دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔"(سورۃ الحشر۔ آیت 9)

نبوت کے گیارہویں سال

نبوت کے گیارہویں سال عقبہ کے اسی مقام پر مزید بارہ افراد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دینِ حنیف میں داخل ہونے کے بعد ان سے یہ عہد لیا گیا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ تخریب اور برے اعمال سے دور رہیں گے۔

۳۔ جان ومال کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کریں گے۔

۴۔ اسلام کی حمایت اور سربلندی کیلئے مشرکین سے لڑنا پڑا تو لڑیں گے۔

مدینہ میں اسلام کا سفیر

عقیدہ توحید سے سرفراز ہو کر یہ لوگ واپس جانے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ہمراہ مدینے میں اپنا پہلا سفیر بھیجا جن کا نام حضرت مصعبؓ بن عمیر تھا تا کہ وہ مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دیں اور انہیں دین کے آداب سکھائیں۔

قابلِ رشک کامیابی

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچے اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے گھر میں قیام فرمایا۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ مدینے کے معزز آدمی تھے۔ پھر دونوں نے مل کر مدینہ میں جوش وخروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ تبلیغ کے سلسلے میں ان کی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسعدؓ بن زرارہ حضرت مصعبؓ کو اپنے ہمراہ لے کر بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی ظفر کے ایک باغ میں مرق نامی ایک کنویں کے پاس بیٹھ گئے ان کے پاس چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اس وقت تک بنی عبد الاشہل کے دونوں سردار یعنی سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہیں جب خبر ہوئی تو سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

"جاؤ اور ان دونوں کو، جو ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں، ہمارے محلے میں آنے سے منع کر دو چونکہ اسعد بن زرارہؓ میری خالہ کا لڑکا ہے اسلئے تمہیں بھیج رہا ہوں ورنہ یہ کام میں خود انجام دیتا۔"

حضرت اسیدؓ کا قبولِ اسلام

اسید بن حضیر ان دونوں کے پاس پہنچے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارۃ نے انہیں آتا دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا: ”یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آرہا ہے اسکے ساتھ اخلاق سے پیش آنا اور حق کا پیغام دینا۔“

اسید بن حضیر پہنچے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر سخت غصہ سے کہا:

”تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو؟ یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔“

حضرت مصعبؓ نے نہایت تحمل سے جواب دیا:

”آپ کچھ وقت ہمارے پاس بیٹھیں اور ہم جو کہتے ہیں اسے سن لیجئے۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کرلیں، پسند نہ آئے تو قبول نہ کریں۔“

اسید نے کہا:

”بات منصفانہ کہہ رہے ہو۔“

وہ بیٹھ گئے، حضرت مصعبؓ نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ قرآن سن کر انہوں نے کہا:

”یہ بہت عمدہ کلام ہے۔ تم لوگ اس دین میں جب داخل کرتے ہو تو کیا کرتے ہو۔“

حضرت مصعبؓ نے کہا:

”پہلے آپ غسل کرلیں، پھر کلمۂ شہادت پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کریں۔“

انہوں نے اٹھ کر غسل کیا، کلمۂ شہادت پڑھا اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر بولے:

”اگر میرا ساتھی بھی تمہارا پیروکار بن جائے تو اس کا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا اور میں اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔“(اشارہ سعد بن معاذ کی طرف تھا)

اس کے بعد حضرت اسیدؓ بن حضیر سعد بن معاذ کے پاس پہنچے۔ جو اپنی قوم کے ساتھ محفل میں بیٹھے تھے۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر کو دیکھ کر بولے:

”بخدا میں کہتا ہوں کہ اسیدؓ تمہارے پاس جو چہرہ لے کر آرہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں ہے جس چہرے میں وہ گیا تھا۔“

پھر جب حضرت اسیدؓ بن حضیر محفل میں پہنچے تو سعد بن معاذ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا دیکھا؟

انہوں نے کہا:

”میں نے ان دونوں سے بات کی واللہ مجھے کوئی حرج نظر نہیں آیا۔“

اس کے بعد سعد بن معاذ حضرت مصعبؓ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت سعدؓ کا قبولِ اسلام

ادھر حضرت اسیدؓ بن حضیر نے حضرت معصبؓ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا:

”بخدا تمہارے پاس ایک ایسا سردار آرہا ہے جسکے پیچھے اسکی پوری قوم ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔“

حضرت مصعبؓ نے سعد بن معاذ سے کہا :

”کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور سنیں، اگر کوئی بات پسند آگئی تو قبول کرلیں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم آپ کی ناپسندیدہ بات آپ سے نہیں کہیں گے۔“

سعد بن معاذ نے کہا، ”آپ انصاف کی بات کہتے ہیں۔“

حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔

اسکے بعد سعد بن معاذ نے فرمایا، ”تم لوگ اسلام لاتے ہو تو کیا کرتے ہو۔“

انہوں نے کہا :

”آپ غسل کرلیں، کپڑے پاک کرلیں، پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز ادا کریں۔“

سعد بن معاذ نے ایسا ہی کیا اور واپس اپنی قوم کی محفل میں تشریف لے گئے۔

لوگوں نے دیکھتے ہی کہا:

”ہم بخدا کہہ رہے ہیں کہ سعد بن معاذ جو چہرہ لے کر گئے تھے اس کے بجائے دوسرا چہرہ لے کر پلٹے ہیں۔“

پھر حضرت سعدؓ اہلِ مجلس کے پاس آکر رُکے اور بولے:

”اے بنی عبد الاشہل! تم لوگوں کی رائے میرے بارے میں کیا ہے؟“

انہوں نے کہا:

"آپ ہمارے سردار ہیں، سب سے اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں اور سب سے بابرکت پاسبان ہیں۔"

حضرت سعدؓ نے کہا:

"اچھا تو سنو! میں ایمان لے آیا ہوں۔ اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت اس وقت تک بند ہے جب تک تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان نہ لاؤ۔" ان کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ قبیلہ بنی عبد الاشہل کی تمام عورتیں اور مرد مسلمان ہو گئے۔

نبوت کے بارہویں سال

نبوت کے بارہویں سال یثرب سے آنے والے لوگوں میں سے ۷۵ افراد نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے لئے جان و مال قربان کرنے کے عہد کو دہرایا۔ جب یہ مسلمان مکہ پہنچ گئے تو درپردہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رابطہ کیا اور آخرکار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں فریق منیٰ میں عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے اس میں جمع ہوں اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں خفیہ طریقے پر ہو۔

اس اجتماع کے احوال انصار کے ایک قائد حضرت کعب بن مالکؓ اس طرح فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حج کیلئے نکلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقبہ میں ملاقات طے ہوئی اور بالآخر وہ رات آگئی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات طے تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبد اللہ بن عمرو بن حرام بھی تھے (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ہم نے عبد اللہ بن عمرو بن حرام سے کہا کہ "اے ابو جابر! آپ ہمارے ایک معزز اور شریف سربراہ ہیں اور ہم آپ کو آپ کے موجودہ حالات سے نکالنا چاہتے ہیں تاکہ آپ گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ آج عقبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہماری ملاقات ہے۔ عبد اللہ بن حرام نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ عقبہ تشریف لے گئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے۔

ہم لوگ حسبِ دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے خیموں میں سوئے لیکن جب تہائی رات گزر گئی تو اپنے خیموں سے نکل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ طے شدہ مقام پر پہنچ گئے۔ ہم سب ۷۵ آدمی تھے، ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں۔ عورتوں میں ایک اُمِّ عمارہؓ نسیبہ بنت کعب تھیں جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسری اسماء بنت عمرو تھیں جن کا تعلق قبیلہ بنو سلمہ سے تھا۔ ہم سب گھاٹی میں جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتظار کرنے لگے اور آخر وہ لمحہ آ گیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب بھی تھے۔ وہ اگرچہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں۔

مجلس مکمل ہو گئی تو دینی اور فوجی تعاون کو قطعی اور آخری شکل دینے کیلئے گفتگو کا آغاز ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباسؓ نے فرمایا

"خزرج کے لوگو! حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے وہ لوگ جو دینی نقطۂ نظر سے ہم سے متفق نہیں ہیں، ہم نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اپنی قوم اوراپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں۔ مگر اب تمہارے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس مقصد کے لئے بلا رہے ہو اسے پورا کرو گے اور حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مخالفین سے محفوظ رہیں گے تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں بہر حال حفاظت سے ہیں۔"

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عباسؓ سے کہا:

"آپ کی بات ہم نے سن لی۔ اب اے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ گفتگو فرمائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے جو عہد و پیمان چاہیں کر لیں، ہم حاضر ہیں۔"

اس کے بعد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گفتگو فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے قرآن کی تلاوت کی اور اسلام کی دعوت دی۔

بیعت کی دفعات

بیعت عقبہ کا واقعہ امام احمدؒ نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے۔ "ہم نے عرض کیا:" اے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس بات پر بیعت کریں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اس بات پر کہ

۱۔ ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

۲۔ تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

۳۔ بھلائی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرو گے۔

۵۔جب میں تمہارے پاس آجاؤں گا تو میری مدد کروگے اور جس طرح سے اپنی جان اوراپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس طرح میری بھی حفاظت کروگے۔

"اور تمہارے لئے جنت ہے۔"

بارہ نقیب

بیعت مکمل ہوچکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب ہوں اور اس بیعت کی دفعات پر عمل درآمد کیلئے اپنی اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر فوراً ہی نقیبوں کا انتخاب عمل میں آگیا۔۹ر نقیب خزرج سے منتخب کیے گئے اور ۳ر نقیب اوس سے۔ جب ان نقباء کا انتخاب ہوچکا تو ان سے، نقیب اور سردار ہونے کی حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اور عہد لیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"آپ لوگ اپنی قوم کے کفیل ہیں، جیسے حواری حضرت عیسیٰؑ کی جانب سے کفیل تھے اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا کفیل ہوں۔" ان سب نے کہا "جی ہاں"۔

شیطان کی فتنہ انگیزی

معاہدہ مکمل ہوا ہی تھا کہ شیطان کو اس کا پتہ لگ گیا۔ شیطان کو اس کی خبر بالکل آخری لمحات میں ہوئی تھی اور شیطان کے پاس اتنا موقع نہیں تھا کہ یہ خبر چپکے سے قریش کو پہنچادی جائے اور وہ اس اجتماع کے شرکاء پر حملہ کر دیں۔ اسی لیے شیطان نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز سے پکارا!

"خیمے والو! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھو اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے لڑنے کے لئے جمع ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔"

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔

قریش کا احتجاج

یہ خبر قریش تک پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ کیونکہ اس بیعت کے جو نتائج مرتب ہوسکتے تھے اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی قریش کے ایک وفد نے اس معاہدے کے خلاف سخت احتجاج کیا:

"خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو لے جانا چاہتے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں ہے جس سے جنگ کرنا ہمارے لئے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے۔"

قبیلہ خزرج کے دیگر لوگ اس بیعت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے کیوں کہ یہ مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے جواب دیا "ایسی کوئی بات ہمارے علم میں نہیں ہے۔"

کفار کا تعاقب

قریش اس معاہدے کے بارے میں متفکر تھے بالآخر انہیں معلوم ہو گیا کہ بیعت کی خبر صحیح ہے۔ لیکن انہیں بیعت کی تصدیق اس وقت ہوئی جب حجاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے۔ قریش نے تیز رفتاری کے ساتھ اہلِ مدینہ کا پیچھا کیا لیکن موقع نکل چکا تھا۔ البتہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور مکہ لے گئے۔ پورے راستے انہیں مختلف اذیتیں دیتے رہے۔ لیکن بعد میں جبیر بن معطم اور حارث بن امیہ نے آکر انہیں چھڑا دیا۔

ہجرتِ مدینہ

ہجرت کا مطلب ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر جان بچالی جائے۔ چنانچہ مسلمان مال و متاع چھوڑ کر مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مجھے تمہارا مقام ہجرت دکھایا گیا ہے یہ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستانی علاقہ ہے۔"

مدینہ کا محل وقوع

مدینہ بلندی پر واقع ہے اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ ہیں۔ مدینے کے تین طرف یعنی مشرق، مغرب اور جنوب میں منجمد شدہ آتش فشاں پھیلا ہوا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ 277 میل (445 کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر واقع ہیں۔ مشرقی جانب حرہ واقم اور مغربی جانب حرہ الوبر ہے۔ شہر مدینہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع مستطیل ہے۔ یہ علاقہ انتہائی زرخیز اور شاداب ہے۔ آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہے اور پانی ہلکا اور شیریں ہے۔ وہاں جزیرۃ العرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی ہیں۔ مدینے کے جنوب مشرق اور شمال مشرق میں کھجور کے گھنے باغات تھے۔ ساحل سمندر سے زیادہ فاصلہ نہیں۔ یمن اور شام کے درمیان کی قدیم تجارتی شاہراہ امام المبین یہیں سے ہو کر گزرتی تھی۔ جوفِ مدینہ میں پانچ زرخیز وادیاں تھیں:

۱۔ مذینب ۲۔ مہزور ۳۔ زانونا ۴۔ بطحان ۵۔ قناۃ

وادیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بستیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بستیاں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں۔ بستیوں کے اس مجموعہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔

ہجرت کا حکم

جب بیعت عقبہ مکمل ہوگئی، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائیں۔ لہٰذا مسلمان اپنا گھر بار اور سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے ہجرت کر گئے۔ مسلمان اگرچہ چھوٹے چھوٹے قافلوں میں ہجرت کر رہے تھے مگر یہ بات مشہور ہوگئی اور مشرکین نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے مکے سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی۔

صحابہ کرامؓ اور کفار

۱۔ پہلے مہاجر حضرت ابو سلمہؓ تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے سسرال والوں نے ان کے ساتھ بیوی کو جانے نہیں دیا اور حضرت ابو سلمہؓ کے والدین نے بچہ لے لیا۔ ان کی بیوی نے شوہر اور بچے کی جدائی میں پورا سال رو رو کر گزار دیا۔ بالآخر ان کے گھر والوں نے انہیں ان کے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی اور انہوں نے دادا دادی سے بچے کو لیا اور مدینہ پہنچ گئیں۔

۲۔ حضرت صُہیبؓ کی ہجرت کا کفار مکہ کو جب پتہ چلا تو قریش نے کہا:

"تم ہمارے پاس آئے تھے تو مفلس تھے۔ یہاں تم نے مال و دولت کمایا۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ مال اور جان بچا کر یہاں سے چلے جاؤ۔"

حضرت صہیبؓ نے کہا:

"اچھا یہ بتاؤ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں، تو تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ گے؟"

قریش نے کہا:

"ہاں، ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔"

لہٰذا حضرت صہیبؓ نے اپنا تمام مال و اسباب ان کے حوالے کر دیا۔

۳۔ مسلمانوں کے لئے ہجرت آسان نہیں تھی۔ حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ ابن العاص کے ساتھ ایک مخصوص مقام پر ملاقات کا وعدہ کیا۔ تینوں نے ایک دوسرے کا انتظار کیے بغیر ایک مقررہ وقت پر روانہ ہونے کا منصوبہ بنایا۔ تاہم حضرت ہشامؓ ابن العاص نہ آئے۔ ان کے اہل خانہ نے ان کی تیاریوں کو بھانپ لیا اور انہیں جانے سے روکنے کے لئے ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ ابو جہل ان کے رشتہ دار کے ہمراہ خود مدینے منورہ گیا۔ انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کا ذہن بدل سکیں

گے اس لئے وہ حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”تمہاری والدہ تم سے جدا ہو کر سخت رنجیدہ ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس وقت تک اپنے آپ کو سورج کی چلچلاتی دھوپ میں جلاتی رہیں گی اور اپنے بالوں میں کنگھی نہیں کریں گی جب تک تم واپس نہیں آجاتے۔“

حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہ ایک چال ہے۔ انہوں نے حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ کو ہدایت کی کہ وہ گھر واپس نہ جائیں لیکن حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ چونکہ اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے انہوں نے کوئی بات نہیں سنی۔ حضرت عمرؓ کی بات صحیح تھی کیونکہ جیسے ہی وہ مدینہ منورہ کی حدود سے باہر نکلے دونوں نے حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ پر حملہ کیا۔ انہیں زنجیروں میں جکڑا اور انہیں قیدی بنا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔ انہوں نے حضرت عیاشؓ ابن ربیعہ کو بغیر چھت کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ جب کہ ان کے دوست حضرت ہشامؓ بن العاص جو کہ شروع ہی سے مدینہ جانے سے رُک گئے تھے انہیں بھی اسی طرح قید کر دیا گیا۔ ان دونوں نے قید میں ایک لمبا عرصہ گزارا حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذاتِ خود مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خفیہ مشن ان کی رہائی کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا اور وہ مدینہ منورہ آگئے۔ عازمینِ ہجرت کے ساتھ مشرکین جو سلوک کرتے تھے اس کے یہ چند نمونے ہیں۔ لیکن مشرکین کو بہت قلق اور رنج ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی زیادتیوں کے باوجود مسلمان مال، دولت، اولاد، گھربار کی پرواکیے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر بلا چوں چرا عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ بیعت عقبہ کے صرف دو ماہ بعد مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ ایسے مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے جنہیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ ان دونوں حضرات حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روک لیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روانگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا رختِ سفر بھی بندھا ہوا تھا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا:

”تم ابھی مکہ میں قیام کرو، توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائیگی۔“

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:

”میرے ماں باپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی امید ہے؟“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ہاں“۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مکہ میں ہی قیام فرمایا، ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔

قریش کا اجتماع

قریش نے جب دیکھا کہ صحابہ کرامؓ رفتہ رفتہ ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آجکل میں جانے والے ہیں تو مشورہ کیلئے دارالندوہ میں سردارانِ قریش جمع ہوئے۔ وہاں پر ابلیس ایک بوڑھے شخص کی صورت میں آیا۔

لوگوں نے پوچھا" :یہ کون صاحب ہیں؟"

ابلیس نے کہا:"میں اہلنجد کا ایک شیخ ہوں اور آپ لوگوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ "

لوگوں نے کہا، "بہتر ہے آپ بھی شامل ہو جائیں۔"

چنانچہ اجتماع میں تجاویز پیش کی گئیں اور دیر تک بحث جاری رہی۔ کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کرنے اور کسی نے جلاوطن کرنے کی تجویز پیش کی مگر اس پر اتفاق نہیں ہو سکا۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات اتنی عمدہ اور بول اتنے میٹھے ہوتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں لوگوں کا دل جیت لیتے ہیں۔ اس کے بجائے کوئی اور تجویز سوچو۔" یہ تجویز رد ہونے کے بعد ایک اور مجرمانہ تجویز پیش کی گئی۔ اس تجویز سے قریش نے اتفاق کیا۔ یہ تجویز پیش کرنیوالا ابو جہل تھا۔

ابو جہل نے کہا:

"ہر قبیلہ سے ایک تندرست و توانا آدمی لیا جائے، سب مل کر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر حملہ کریں اور تلواروں کے پے درپے وار کرکے ان سے نجات حاصل کرلیں۔ اس طرح محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خون کسی ایک قبیلے کے سر نہیں ہوگا۔ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قبیلے کے لوگ اور ان کے اتحادی پورے عرب سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔" یہ سن کر شیخ نجدی بولا اس نے جو مشورہ دیا ہے یہ صحیح تدبیر ہے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس رائے پر عمل کرنے کا منصوبہ منظور کر لیا گیا۔

"وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 30)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی مجرمانہ قرارداد طے ہو چکی تو حضرت جبرائیلؑ وحی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا:

"اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرما دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ رات اپنے اس بستر پر نہ گزاریں جس پر آپ سوتے ہیں۔"

اس اطلاع کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام طے فرمالیں۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر تشریف لے آئے۔

ہجرت کی رات

رات کے دوسرے پہر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کے باہر مسلّح نوجوانوں کی مشکوک حرکت شروع ہوچکی تھی۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے ناپاک ارادے پر عمل کرنے کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سوجائیں تو یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کردیں۔ ان لوگوں کو پختہ یقین تھا کہ ان کی یہ ناپاک سازش کامیاب ہوجائے گی۔ اس کے لئے آدھی رات کا وقت مقرر تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

قریش انتہائی تیاری کے باوجود ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

”تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سوجاؤ۔ تمہیں اُن کے ہاتھوں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چند مزید ہدایات دے کر گھر سے باہر تشریف لے آئے اور سنگ ریزوں کی ایک مٹھی مشرکین کی طرف پھینکی۔ مشرکین کی نظریں اندھی ہوگئیں اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھ سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کی صفوں کے بیچ میں سے نکلتے چلے گئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۂ یٰسین کی یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے۔

”ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کردی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے ہم نے ان پر پردہ ڈال دیا ہے، انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔“ (سورۂ یٰسین۔ آیت 9)

اس موقع پر کوئی مشرک باقی نہیں بچا جس کے سر پر مٹی نہیں گری ہو۔ اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ سفر کرتے رہے۔ صبح صادق کے وقت وہ لوگ مکے سے تین میل دور غارِ ثور میں قیام فرما ہوئے۔ یہ نہایت بلند اور مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔

مشرکین کا تعاقب اور ناکامی

طے شدہ منصوبہ کے مطابق مشرکین انتظار کررہے تھے کہ ان کے پاس ایک غیر متعلق شخص آیا اور انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا”: آپ لوگ کس کا انتظار کررہے ہیں؟“

انہوں نے کہا:”محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا۔“

اس نے کہا: ''آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے، خدا کی قسم! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تو آپ لوگوں کے پاس سے گزرے اور آپ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔''

انہوں نے کہا: ''بخدا! ہم نے انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

لیکن دروازے کی دراڑ سے جھانک کر دیکھا تو حضرت علیؓ نظر آئے۔ انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ تو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سوئے ہوئے ہیں۔ اُن کے اوپر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چادر موجود ہے۔''

چنانچہ یہ لوگ صبح تک وہیں رہے۔ ادھر صبح ہوئی اور حضرت علیؓ بستر سے اُٹھے تو مشرکین کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا: ''محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہاں ہیں؟ ''

حضرت علیؓ نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم۔''

غارِ ثور میں قیام

غار ثور کے پاس پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا:

''ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار میں تشریف نہ لے جائیں۔ پہلے میں جاتا ہوں۔ ''

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اندر گئے اور غار کو صاف کیا۔ غار میں ایک طرف سوراخ تھے۔ جنہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی قبا پھاڑ کر بند کر دیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا:

''یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ تشریف لے آئیں۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دیکھا کہ ایک سوراخ باقی رہ گیا ہے۔ آپؓ نے اس پر اپنی ایڑی رکھ کر بند کر دیا۔ اس سوراخ میں سانپ تھا۔ اس نے آپؓ کے پیر میں کاٹ لیا۔ مگر آپؓ نے پیر نہیں ہٹایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند خراب نہ ہو لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آنسو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسار مبارک پر ٹپک گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کھل گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''ابو بکرؓ تمہیں کیا ہوا؟ ''

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان! مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔''
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا اور تکلیف جاتی رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ اس دوران میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ رات کو غار میں ساتھ رہتے اور صبح

سویرے مکہ چلے جاتے اور قریش کے عزائم کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے شام کو آکر اطلاع دیتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا غلام روزانہ شام کو بکریاں چرا کر لاتا اور دودھ پہنچا دیتا تھا۔

سو اُونٹ

قریش کے لوگ فوراً مکہ کے آس پاس پھیل گئے اور گرد و نواح کے بیابانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکرؓ کی تلاش شروع کر دی۔ مشرکین نے یہ اعلان کرایا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرے گا اسے انعام کے طور پر سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اگلے روز قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ قریش جب غار کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک مکڑی نے غار ثور کے تنگ دہانے پر جالا تن دیا ہے اور غار میں ایک پرندے کا گھونسلا بنا ہوا ہے اور اس میں انڈے بھی ہیں۔ قریش کی آمد و رفت دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ پریشان ہو گئے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت 40)

قریش مکہ سوچ میں پڑ گئے بغیر جالا توڑے کون اندر داخل ہو سکتا ہے اور جالا پورا تنا ہوا ہے۔۔۔ اور پھر یہ گھونسلا۔ پرندے انسانوں کے نزدیک گھونسلے بنا کر بسیرا نہیں کرتے۔ یہ ایک معجزہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشرف فرمایا۔ چنانچہ اہل قریش اس وقت واپس چلے گئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

"تم نے اگر نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مدد نہیں کی تو کچھ پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد اس وقت کر چکے ہیں جب کافروں نے انہیں نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔" اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ زبردست اور دانا و بینا ہیں۔"

(سورۃ التوبہ۔ آیت 40)

مدینے کی راہ

تین دن کی مسلسل جستجو اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کا جوش سرد پڑ گیا اور قریش مکہ واپس چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکرؓ نے مدینے روانگی کا عزم کیا۔ اس دوران حضرت ابو بکر صدیقؓ کے غلام حضرت عامرؓ بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پہنچ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکرؓ مدینے کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی ساتھ تھے اور رہنما عبداللہ بن اریقط بھی راستہ بتانے کے لئے ہمراہ تھے۔

اُمّ معبد کے پاس

ایک دن اس کاروان کا گزر اُمّ معبد کے پاس سے ہوا۔ وہ ایک مستعد اور مہمان نواز خاتون تھیں مگر اتفاق سے اس وقت انکے گھر میں کچھ نہیں تھا اسلئے جب ان لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کھانے کو کچھ مل سکے گا؟ تو انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ بکریاں چرنے باہر گئی ہوئی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کونے میں کھڑی ایک کمزور بکری پر پڑی جو کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُمّ معبد سے پوچھا:

"کیا یہ بکری دودھ نہیں دیتی؟"

"اس میں اتنی صلاحیت ہی کہاں ہے!" اُمّ معبد نے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں اسی سے دودھ نکال لوں۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اگر نکال سکتے ہیں تو ضرور نکالیئے!" اُمّ معبد تحیر آمیز فراخ دلی سے بولی

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دودھ دوہنے بیٹھ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں کی برکت سے اسی وقت بکری کے خشک تھن دودھ سے بھر گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتن مانگا اور دودھ سے بھر کر اُمّ معبد کو دیا کہ پی لے۔ وہ پی چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ دودھ نکالا اور اپنے ساتھیوں کو دیا۔

آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود پیا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید دودھ نکالا اور اُمّ معبد سے کہا "یہ اپنے شوہر کے لئے رکھ لو، بکریاں چرا کر واپس آئے گا تو پئے گا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے قافلے کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

اُمِ معبد کا شوہر واپس آیا تو اپنی بیگم سے پوچھا کہ اتنا دودھ کہاں سے آیا؟

اُمِ معبد نے پورا واقعہ تفصیل سے بتایا تو ابو معبد سمجھ گیا کہ اتنی برکات اسی ہستی کے دم قدم سے ہو سکتی ہیں جس کی تلاش میں کفار مکہ مارے مارے پھر رہے ہیں، کہنے لگا" :اُمّ معبد! مجھے تو یہ وہی ہستی معلوم ہوتی ہیں جس کو قریش ڈھونڈ رہے ہیں، ذرا ان کا حلیہ تو بتانا"!

اُمّ معبد نے جو حلیہ بتایا وہ بدوی فصاحت کا شاہکار ہے۔

اُمّ معبد نے کہا۔

”میں نے ایک تاباں درخشاں انسان کو دیکھا۔۔۔ دلکش چہرہ، عمدہ اخلاق۔۔۔نہ پیٹ بڑھا ہوا، نہ سر چھوٹا۔ نہایت ہی حسین و جمیل۔ آنکھوں کی سیاہی اور سفیدی دونوں نمایاں۔ دراز پلکیں، مترنم آواز، سُرمگیں آنکھیں، لمبی گردن، گھنے ابرو، باوقار خاموشی اور بہترین گفتگو۔۔۔ کلام میں روانی کا یہ عالم کہ جیسے موتی ایک تسلسل سے گر رہے ہیں، شیریں بیاں۔۔۔ ایک ایک لفظ واضح اور ضرورت کے مطابق۔ نہ کم، نہ زیادہ۔ دور سے بھی خوبصورت نظر آنے والا اور قریب سے بھی حسین دکھائی دینے والا، درمیانہ قد۔۔۔ نہ بہت لمبا کہ معیوب معلوم ہو، نہ بہت چھوٹا کہ نامناسب نظر آئے۔ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ بارونق و شاداب۔“

ابو معبد اس سے پہلے کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار کر چکا تھا، اس لئے حلیہ مبارک سن کر بولا۔۔۔ ”واللہ! یہ وہی انسان ہیں جن کی ہر طرف تلاش ہو رہی ہے، میں بھی ان کی صحبت اختیار کرنا چاہتا ہوں اور مجھے جیسے ہی موقع ملا، حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔“

مدینہ میں استقبال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کی خبر مدینے پہنچ چکی تھی۔ اہلِ مدینہ چشم براہ تھے۔ روزانہ علیٰ الصبح شہر سے نکل کر انتظار کرتے اور دوپہر تک انتظار کر کے لوٹ جاتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے اونچے ٹیلے سے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقا سفید کپڑوں میں ملبوث تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بلند آواز سے کہا:

”عرب کے لوگو! جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گئے ہیں۔“

تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور انصار بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کے لئے سارا مدینہ اُمڈ آیا۔ مسلمان بچوں نے خوشی کے گیت گا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوش آمدید کہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان بچوں کو پیار کیا اور دعائیں دیں۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمین مدینہ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مدینہ کے شہری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔

”اللہ آپ کے مولیٰ ہیں اور جبرائیلؑ اور صالح مومنین بھی۔ اور اس کے بعد فرشتے اس (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مددگار ہیں۔“ (سورۃ التحریم۔ آیت 4)

قبا میں قیام

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قُبا کی بستی میں انصار کے چند خاندان آباد تھے۔ جن میں سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم اس خاندان کے سردار تھے۔ مدینے پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قُبا میں قیام فرمایا اور میزبانی کا شرف کلثوم بن الہدم کو حاصل ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں چند دن قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد بنائی۔ ”مسجد قبا“ یہی وہ مسجد ہے جس کا قرآن نے شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

”یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں پاک رہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“ (سورۃ التوبہ۔ آیت 108)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت کے بعد حضرت علیؓ نے مکے میں تین روز تک قیام کیا اور لوگوں کو امانتیں واپس کیں اور مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور قُبا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قُبا میں کچھ دن قیام کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لے گئے۔

مسجدِ جمعہ اور خطبہ

راستے میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنو سالم کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد بنو سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہی مسجد اب مسجد جمعہ کہلاتی ہے۔ ہجرت کے بعد یہ تاریخ اسلام کی پہلی نماز جمعہ تھی۔ نماز سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ میں اسی کی حمد کہتا ہوں۔ اسی سے مدد مانگتا ہوں، اسی سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اسی سے ہدایت چاہتا ہوں اور اسی پر ایمان لاتا ہوں۔ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نور دے کر بھیجا ہے۔۔۔ اس دور میں جب کہ رسولوں کی آمد منقطع ہو چکی ہے۔۔۔ علم کی کمی ہے اور گمراہی عام ہے، زمانہ ختم ہونے کو ہے، قیامت قریب ہے اور اس کا مقرر وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے نافرمانی کی وہ بھٹک گیا، اس نے حد سے تجاوز کیا اور دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

میں تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیوں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو بہترین تلقین کر سکتا ہے، وہ یہی ہے کہ اس کو آخرت کی طرف متوجہ کرے اور اسے تقویٰ کی نصیحت کرے، اس لئے تمہیں چاہیئے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ تم کو بچانا چاہتا ہے، ان سے بچ کر رہو۔۔۔ اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں، نہ اس سے بڑھ کر کوئی وعظ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اس سے خوف کھاتے ہوئے اچھے عمل کرے گا، اس کا تقویٰ آخرت میں مطلوبہ کامیابی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہو گا۔ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ، خفیہ و ظاہر، درست رکھے گا، محض اس کی رضا کی خاطر تو اس کا دنیا میں بھی ذکر بلند ہو گا اور روزِ آخرت کے لئے بھی ذخیرہ ہو جائے گا۔۔۔ اس دن کے لئے جب ہر انسان آگے بھیجے ہوئے نیک اعمال کا سخت محتاج ہو گا۔ جو شخص اس راستے پر نہیں چلے گا، وہ بروز قیامت اپنی بداعمالیوں کو روبرو دیکھ کر حسرت کرے گا کہ۔۔۔ ”کاش! میرے اور ان اعمالِ بد کے درمیان طویل فاصلہ حائل ہوتا۔“

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان بھی ہے، اس کی ہر بات سچی ہے اور اس کا ہر وعدہ پورا ہوتا ہے۔ وہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ خود فرماتا ہے، نہ میری بات بدلتی ہے، نہ میں

اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔ پس اپنے تمام موجودہ آئندہ اور خفیہ و اعلانیہ کاموں میں تقویٰ پیش نظر رکھو کیونکہ ۔۔۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بڑا اجر عطا فرماتے ہیں اور وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ تقویٰ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے، اس کے عتاب سے اور اس کی سزا سے بچاتا ہے۔ تقویٰ سے قیامت کے دن چہرے منور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب (قرآن) کا علم دیا ہے اور صحیح راستہ دکھادیا ہے، تاکہ پتہ چل جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر بے شمار احسانات کئے ہیں۔ اس لئے تم بھی اچھی روش اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو اور جان لو کہ اللہ کی یاد دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھے گا اس کے معاملات کے لئے اللہ تعالیٰ خود کافی ہیں۔ ان تمام احکامات کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں پر نافذ ہوتا ہے، مگر لوگ اس پر کوئی حکم نہیں چلا سکتے، وہ سب کا مالک ہے اور اس کا مالک کوئی نہیں۔۔۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔

میزبانی کا شرف

یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ سارا مدینہ استقبال کے لئے جمع ہو گیا۔ انصار اگرچہ دولت مند نہیں تھے لیکن ہر ایک کی یہی آرزو تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے گھر قیام فرمائیں۔ انصار کے جس مکان یا محلے سے گزرتے وہاں کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری جان، ہمارا مال سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان۔"

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ایک قبیلہ یا فرد کی درخواست قبول فرمالیتے تو باقی لوگوں کی دل شکنی ہوتی اور رحمت اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ قبول نہیں تھا اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کے لئے دعائے خیر فرمائی اور فرمایا:

"اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔"

چنانچہ اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر پہنچ کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجدِ نبویؐ ہے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نیچے نہیں اترے یہاں تک کہ اونٹنی اُٹھ کر تھوڑی دور گئی۔ پھر مُڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنی پر سے اتر آئے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ننھیال "بنو نجار" کا محلہ تھا۔ اونٹنی جس جگہ بیٹھی وہ کھلا میدان تھا۔ جہاں لوگ اپنی کھجوریں دھوپ میں خشک کیا کرتے تھے۔ یہ میدان بنی نجار کے دو یتیم بھائیوں کی ملکیت تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیمت ادا کر کے جگہ خرید لی اور مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ جس جگہ اونٹنی بیٹھی سب سے قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میزبانی کا شرف آپؓ کے حصے میں آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات ماہ تک یہیں قیام فرمایا۔ اسی وقت سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ چند دن بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت سودہؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور ام ایمنؓ بھی آگئیں۔ ان سب کو

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ لے کر آئے تھے۔ البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت ابو العاصؓ کے پاس رہ گئیں اور وہ جنگِ بدر کے موقع پر تشریف لائیں۔

انتخاب دارِ ابو ایوب کی وجہ بظاہر یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ اہل مدینہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے قدم قدم پر التجائیں کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کیلئے مدینہ بھر میں صرف حضرت ابو ایوبؓ کا مکان منتخب کیا!۔۔۔ اس میں آخر کیا حکمت ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے طویل عرصہ قبل ایک بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے، جس کا نام تُبَّعْ ابن حَسَّان تھا، وہ زبور کا پیروکار تھا اور بہت نیک انسان تھا۔ ایک مرتبہ تقریباً ڈھائی لاکھ افراد کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا اور زیارت کے بعد کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ واپسی پر جب اس کا گزر اس جگہ سے ہوا، جہاں اب مدینہ طیبہ آباد ہے تو اس کے ساتھ سفر کرنے والے چار سو علماء نے خواہش ظاہر کی کہ ہم یہاں مستقل طور پر قیام کرنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہماری مذہبی روایات کے مطابق یہ جگہ ایک عظیم نبی احمدؐ کی جلوہ گاہ بنے گی۔ ہم یہاں اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ شاید ہمیں اس نبی کے دیدار اور خدمت کی سعادت حاصل ہو جائے۔ نیک دل بادشاہ نے نہ صرف یہ کہ انہیں اجازت دے دی، بلکہ سب کے لئے مکانات بھی تعمیر کرا دیئے اور رہائش کی جملہ ضروریات مہیا کر دیں۔ پھر ایک مکان خصوصی طور پر بنوایا اور آنے والے نبی کے نام ایک خط لکھا جس میں اقرار کیا کہ میں آپ پر ایمان لا چکا ہوں اور اگر آپ کا ظہور میری زندگی میں ہوا تو آپ کا دست بازو بن کر رہوں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں چیزیں۔۔۔ مکان اور خط۔۔۔ اس عالم کے حوالے کر دیں جو ان میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار تھا اور کہا کہ فی الحال تم اس مکان میں رہو اور یہ خط سنبھال کر رکھو، اگر تمہاری زندگی میں اس نبی کا ظہور ہو گیا تو یہ دونوں چیزیں میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر دینا، ورنہ اپنی اولاد کو یہی وصیت کر جانا، تاکہ یہ دونوں چیزیں نبی تک پہنچ جائیں۔

اس وصیت پر نسلاً بعد نسل عمل ہوتا رہا اور وہ چیزیں اس پرہیز گار انسان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں۔ اسی طرح طویل عرصہ گزر گیا۔ اب اس مرد صالح کی اولاد میں سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس مکان کے محافظ و نگہبان تھے اور خط بھی انہی کے پاس محفوظ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خط پیش کیا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خط کو پڑھوا کر سنا اور اس کے مندرجات سے اتنے مسرور ہوئے کہ تین دفعہ فرمایا "میرے نیک بھائی تبع کو خوش آمدید۔"

کاشانۂ سعادت

امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے گھر میں قیام پذیر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیچے والے حصہ میں رہائش اختیار کی۔ میں اور میری زوجہ اُمّ ایوب اوپر والی منزل میں تھے۔ میں نے عرض کیا، "یارسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! میرے ماں باپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان ہوں۔ مجھ سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی کہ میں اوپر والے مکان میں رہوں اور حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نیچے والے مکان میں ہوں۔ مہربانی فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اوپر والی منزل میں تشریف لے جایئے ہم نیچے والے حصہ میں آجائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”میرے لئے اور ملاقات کیلئے آنے والوں کیلئے یہ امر آرام دہ ہے کہ ہم نیچے والے حصے میں رہیں۔“

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نیچے والے حصہ میں سکونت پذیر رہے اور ہم اوپر والی منزل میں رہے۔

چند روز بعد حضرت ابو ایوبؓ بار بار بصد عجز و نیاز عرض کرتے رہے یا رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! حضور بالاخانے میں تشریف لے جائیں، ہمارا دل گوارا نہیں کرتا کہ ہم اوپر ہوں اور حضور نیچے ہوں۔ چنانچہ ان کے شدید اصرار پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اوپر والے حصے میں منتقل ہوگئے اور حضرت ابو ایوبؓ اپنے کنبہ کے ساتھ نیچے تشریف لے آئے۔“

دُعا

اس دوران مدینہ میں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ کئی صحابیؓ بخار میں مبتلا تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

”یا اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دیجئے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دیجئے اور اس کے اناج کے پیمانوں میں برکت دے دیجئے۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حالات بدل گئے۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے حدود مسجد کا تعین کیا۔ صحابہ کرامؓ مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ اینٹیں بنائیں، پتھر ڈھوئے، لکڑی چیری، گارا ملایا، جھاڑیاں صاف کیں، زمین ہموار کی، بنیادیں کھودیں، سیڑھیاں بنائیں، ان پر چڑھ چڑھ کر اینٹ گارا اوپر پہنچایا، رسّے باندھے۔ ہر فرد کے چہرے پر خوشی کے رنگ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں سے مٹی اٹھاتے، پتھر لاتے، گارا بناتے اور مسجد کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

”زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے۔“

اس زمین میں کھجور اور دوسرے چند درخت بھی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین ہموار کر دی اور کھجوروں اور درختوں کو کاٹ کر قبلہ کی جانب لگا دیا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ دروازے کے دونوں پلّے پتھر کے بنوائے، دیواریں کچی اینٹوں اور

گارے سے بنائی گئیں، چھت کھجور کے پتوں اور کھجور کے تنوں سے بنائی گئی۔ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ کا عرصہ لگا۔ مسجد میں ان مہاجرین کیلئے کہ جن کے پاس رہنے کیلئے جگہ نہیں تھی اینٹوں اور گارے سے ایک بڑا چبوترہ بنایا گیا جو آج بھی صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ صفہ میں قیام کرنے والے لوگوں کو "اہلِ صفہ" اور "اصحاب صفہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد کے ارد گرد چند مکانات بھی تعمیر کرائے جن کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور چھتیں کھجور کے تنوں، شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی تھیں۔ یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہراتؓ کے حُجرے تھے۔ حُجروں کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان سے وہاں منتقل ہو گئے۔

اذان کی ابتدا

مسجد نبویؐ جس دن مکمل ہوئی تمام لوگ تھک ہار کے مسجد کے فرش پر آرام کر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی دھوپ چھپر اور کھجور کے پتوں کے درمیان سے چھن کر آ رہی تھی۔ سبز پتوں کا یہ سایہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔ ہر شخص مسجد کی تعمیر کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کر رہا تھا۔ سب بہت خوش تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت بلالؓ سے کہا:

"میرے خیال میں مسجد میں ایک کمی ہے۔"

سب مسلمان حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہو گئے، انہوں نے اوپر چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"کچھ ایسا انتظام ہونا چاہیئے جس سے لوگوں کو نماز کے لئے بلایا جا سکے۔"

حضرت عمارؓ نے کہا:

"میرے خیال میں مسجد کی چھت پر ایک جھنڈا لگا دیں۔ نماز کے وقت پرچم کشائی کر لیا کریں اور نماز کے بعد اتار دیں۔" آس پاس کے سب لوگ گفتگو میں شامل ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ گفتگو دلچسپی سے سنتے رہے مگر خود کچھ نہیں فرمایا۔ کسی نے کہا: "ہم چھت پر گھنٹیاں لگا دیں۔" کوئی صحابیؓ بولے: "گھنٹیاں تو کلیسا میں لگتی ہیں"۔ کسی نے کہا: "نقارہ بجانا چاہیئے۔" ایک بزرگ نے فرمایا "مناسب رہے گا کہ قرنا پھونکا جائے اس کی آواز بہت دور تک سنائی دیتی ہے۔" کوئی صاحب بولے: "قرنا تو مینڈھے کے سینگ سے بنایا جاتا ہے یہ کوئی اچھی علامت نہیں۔" اور پھر خاموشی چھا گئی۔ جھنڈا، گھنٹیاں، نقارہ، قرنا کوئی بھی ان تجاویز سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ گھنٹیوں کی آواز دیر تک کانوں میں گونجتی رہتی ہے، نقارہ دورانِ خون کو تیز کر دیتا ہے، جھنڈا ہوا کے رخ پر اڑتا ہے اور مخالف سمت سے نظر نہیں آتا، پھر جھنڈا سوتے ہوؤں کو کیسے جگائے گا۔ اتنے میں حضرت عبد اللہ بن زیدؓ آئے۔ شرمیلے اتنے تھے کہ ڈرتے تھے ان کی باتوں سے کوئی ناخوش نہ ہو جائے مگر خزرج کا یہ شرمیلا نوجوان اگلے ہی لمحہ ساری کائنات کو مرتعش کرنے والا تھا۔ حضرت بلالؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت عبد اللہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ حضرت بلالؓ وہاں سے اُٹھ گئے تاکہ حضرت عبد اللہؓ اطمینان سے بات کر لیں۔ حضرت عبد اللہؓ نے نہایت دھیمی آواز سے کہا۔۔۔

یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نے خواب دیکھا ہے۔۔۔

"سبز کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے جارہا ہے۔میں نے اس سے کہا:

"اے اللہ کے بندے!یہ ناقوس تم مجھے فروخت کردوگے؟"

اس سبز پوش نے پوچھا"تم اس کا کیا کروگے؟"

میں نے کہا،

"اسے بجاکر لوگوں کو نماز کیلئے بلاؤں گا۔"

اس شخص نے کہا:

"نماز کیلئے بلانے کا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ بتاتا ہوں ۔تم اس طرح کہا کرو۔"

اللہ اکبر اللہ اکبر

االلہ سب سے بڑا ہے۔ االلہ سب سے بڑا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر

االلہ سب سے بڑا ہے۔ االلہ سب سے بڑا ہے۔

اشھد ان لاالہ الااللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ االلہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اشھد ان لاالہ الااللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ االلہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اشھد ان محمدا رسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ االلہ کے رسول ہیں۔

اشھد ان محمدا رسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ االلہ کے رسول ہیں۔

حی علی الصلوٰۃ

آؤ نماز کی طرف۔

حی علی الصلوٰۃ

آؤ نماز کی طرف۔

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف

اللہ اکبر اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔

لاالہ الااللہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

خواب سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔

''عبد اللہؓ!تمہارا خواب سچا ہے۔نماز کیلئے اسی طرح بلایا جائے گا۔''

اب سوال یہ تھا کہ یہ الفاظ کس انداز میں اور کیسے ادا کئے جائیں۔میٹھے لہجے میں،نرم لہجے میں،اعلانیہ انداز میں،مرد کی آواز میں ،عورت کی آواز میں،بچے کی آواز میں، کسی نوجوان کی آواز میں ،کسی بزرگ کی آواز میں یا بیک وقت کئی لوگوں کی آواز میں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلالؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

''بلالؓ تمہاری آواز میں۔''

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''عبد اللہؓ تم بلالؓ کو یہ الفاظ یاد کرادو۔''

مسجد میں بیٹھے ہوئے سارے لوگوں کی نگاہیں حضرت بلالؓ پر مرکوز ہوگئیں۔ حضرت بلالؓ ابھی تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے کے سرور میں تھے۔انہوں نے سوچا کہ مجھ ناچیز سیاہ فام حبشی کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی ہے کہ میں مسلمانوں کو نماز کی سعادت کیلئے بلایا کروں۔یہ میرے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔''بلالؓ تمہاری آواز سب سے اچھی ہے۔اسے اللہ کی راہ میں استعمال کرو۔''حضرت زیدؓ جو حضرت بلالؓ کے پاس بیٹھے تھے۔حضرت بلالؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا:''کاش

میرے پاس اسلام کو دینے کے لئے کوئی ایسا تحفہ ہوتا۔‘‘انہی باتوں میں نماز کا وقت ہو گیا تو اللہ کے رسول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور ایک چھت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

’’جاؤ چھت پر جا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤ۔‘‘

جس چھت کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا وہ مسجد سے ملحق بنو نجار کی ایک خاتون کے گھر کی کچی چھت تھی۔ حضرت بلالؓ حسبِ حکم اس چھت پر چڑھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر بلند آواز میں اذان دی ۔ پوری دنیا میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کے الفاظ فضا میں گونجتے ہیں۔ مختلف ممالک میں طلوع و غروب کے اوقات کے فرق کی وجہ سے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جب دنیا کے کسی نہ کسی حصے سے اذان کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو۔ حضرت بلالؓ اذان دے کر نیچے اترے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ بہت دیر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت بلالؓ بھی خوشی سے سرشار تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:’’بلالؓ، تم نے میری مسجد مکمل کر دی۔‘‘

نیا معاشرہ

ہجرت کے حکم کے بعد مدینہ میں مہاجرین کا سیلاب اُمنڈ آیا اور آخر کار مدینہ میں مقامی باشندوں کے مقابلے میں مہاجرین کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ ان نو واردوں کی آباد کاری (Rehabilitation) کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جامع منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نو آباد کاری (Colonization) اور شہری منصوبہ بندی (Town Planning) میں عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔ مختلف نسلوں، طبقوں، علاقوں اور مختلف معاشرتی و تمدنی پس منظر رکھنے والے لوگ مدینہ میں آ کر جمع ہو رہے تھے۔ ان سب کو سماجی لحاظ سے اس طرح جذب کر لینا کہ ان میں غریب الدیاری اور بیگانگی کا احساس ابھرے، نہ مدینہ کے ماحول میں کوئی خرابی پیدا ہو اور نہ قانون شکنی اور اخلاقی بے راہروی کے رجحانات جنم لیں۔ جیسا کہ عام طور پر ایسے حالات میں ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا زندۂ جاوید کارنامہ ہے جو ماہرین عمرانیات کیلئے خاص توجہ اور مطالعہ کا مستحق ہے۔ مدینہ منورہ میں دس سال کے عرصہ میں ایک بہترین فلاحی مملکت کا قیام عمل میں آ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا۔ رہائش اور روزگار جیسے مسائل کو فہم و فراست سے حل کیا۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و صفائی پر خصوصی توجہ فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینے میں ایک ایسا نظام بنا دیا جس سے مسلمانوں کو شہری سہولتیں حاصل ہو گئیں۔

بھائی چارہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین کی رہائش کے متعلق شروع دن ہی سے ایک جامع منصوبہ بنایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کو معاشی طور پر مستحکم کرنے کے لئے ایک انصاری مسلمان اور ایک مہاجر مسلمان میں رشتۂ اخوت قائم کیا اور فرمایا’’تم بھائی بھائی ہو۔‘‘ انصار کا ہر خاندان مہاجر کے ایک خاندان کو اپنے خاندان میں شامل کر لے، اس کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو جائے۔ بھائی چارے کا یہ فیصلہ اسلام میں اخوت کا سب سے بڑا عملی مظاہرہ تھا۔ اس بھائی چارے کا مقصد یہ تھا کہ جہالت کے زمانے کے رسم و رواج

ختم ہو جائیں۔ عزت و غیرت جو کچھ ہو اسلام کیلئے ہو۔ نسل، رنگ اور وطن کے امتیاز مٹ جائیں۔ بلندی اور پستی کا معیار انسانیت و تقویٰ کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ انصار بھائی مہاجرین کو اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ انصار نے اپنے گھر، جائیداد اور آمدنی کا نصف حصہ مہاجرین کو پیش کر دیا دوسری طرف مہاجرین نے بھی اپنے لئے ذرائع معاش تلاش کر لیے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ مہاجر مسلمان جب خود کفیل ہو گئے تو انہوں نے اپنے انصاری بھائیوں کی املاک شکریہ کے ساتھ واپس کر دیں۔

گلیاں (Streets)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیشتر مدینہ میں ناجائز تجاوزات عام تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے سختی سے منع کر دیا۔ گلی کی کم سے کم چوڑائی سات ہاتھ مقرر کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہؓ کے مکانات مختصر تھے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشادہ مکانات کو پسند کیا اور فرمایا کہ

"خوش بخت ہے وہ شخص جس کی جائے رہائش وسیع اور پڑوسی نیک ہو۔"

(امام بخاری، ادب المفرد۔22)

گلیوں میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ عرب چراغ کے استعمال سے واقف نہیں تھے حتیٰ کہ ایک مدت تک گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ بعد ازاں مسجدوں میں رات کے وقت روشنی کا معقول انتظام کر دیا گیا۔

آب رسانی

مدینہ منورہ میں میٹھا پانی وافر مقدار میں نہیں تھا۔ مہاجرین جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو پانی کی کمی کا مسئلہ سامنے آیا۔ مدینہ میں چند گز کھدائی پر پانی نکل آتا تھا لیکن یہ پانی کھارا تھا۔ میٹھے پانی کے کنویں اور چشمے بہت کم تھے۔ خصوصاً مدینے کے لوگ کنواں "بیر روم" کا پانی استعمال کرتے تھے۔ اس کا مالک ایک یہودی تھا جو پانی فروخت کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ یہ کنواں لوگوں کے عام استعمال کیلئے وقف ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے بڑی رقم دے کر کنواں خرید لیا۔ اس طرح اہل مدینہ کو سہولت کے ساتھ پانی ملنے لگا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرکاری طور پر بھی کئی کنویں کھدوا کر عوام کیلئے وقف کر دیئے۔

باغات

مدینہ باغوں کی سرزمین کہلاتا تھا۔ یہاں کے لوگ باغات کے بہت شوقین تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہر اور مسجد کی تعمیر کے وقت یہ کوشش کی کہ وہاں درختوں کو کم سے کم کاٹا جائے اور شہر میں زیادہ سے زیادہ درخت ہوں۔

حمام

عربوں میں صفائی اور طہارت کا کوئی تصور نہ تھا۔ حتیٰ کہ یہودی جو اعلیٰ تہذیب و تمدن کے علمبردار اور دعویٰ دار تھے، بیت الخلا کے تصور سے ناآشنا تھے۔ بیت الخلا اور حمام ترقی یافتہ معاشرت اور شہری زندگی کا ضروری جزو ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرب کے بادیہ نشینوں اور یہود و نصاریٰ جیسے مہذب لوگوں کو اسلوبِ زندگی بتاتے ہوئے بیت الخلا اور حمام کو رواج دیا اور اس ضمن میں ایسے آداب سکھائے جو عربوں کی حد تک ہی نہیں پوری نوع انسانی کے تہذیبی ارتقا کی سمت میں اہم قدم تھا۔

دراصل اسلام جسم و جان کی صفائی اور ظاہر و باطن کی پاکیزگی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ وضو، طہارت، غسل کے احکامات اسی سلسلے کی کڑیاں اور تکمیلی مراحل ہیں۔ مسجدیں بنا کر وہاں طہارت خانے تعمیر کرنے کی ہدایت جاری کی۔ اسلام کے عمومی مزاج اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کے بعد گھر گھر غسل خانے بن گئے۔ ہر مسجد کے ساتھ طہارت خانے تعمیر کئے گئے۔ اس طرح گھر، محلے، سڑکیں اور شاہراہیں صفائی ستھرائی کا مرقع بن گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلتے پھرتے تھوکنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔

میثاقِ مدینہ

جب ہم عرب کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کی اکثر آبادی اوس و خزرج کے قبائل پر مشتمل تھی۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کی بھی ایک طاقتور جمعیت موجود تھی۔ وہ معاشی لحاظ سے بھی خوشحال تھے اور صاحب کتاب ہونے کے باعث علمی طور پر بھی اوس و خزرج پر فوقیت رکھتے تھے۔ بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ وغیرہ یہودیوں کے مشہور قبائل تھے۔ جو مدینہ اور خیبر میں آباد تھے اور ان کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے دینی اور علمی مدارس و مراکز قائم تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اپنی علمی قابلیت اور آسمانی کتب کے علوم کی وجہ سے سرزمین حجاز کے مشرکین پر فوقیت رکھتے تھے۔ کتب سماویہ کے ذریعے یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال و اوصاف سے بخوبی واقف تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے تھے۔ دوسری طرف ان لوگوں نے اپنی دولت، علم اور سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر اوس و خزرج کو آپس میں لڑا کر اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ اوس و خزرج یہود کے سامنے بالکل بے بس تھے۔ یہود ہمیشہ اسی پالیسی پر عمل کرتے رہے کہ اوس و خزرج باہم متحد نہ ہوں۔ اوس اور خزرج کا آخری معرکہ جنگ بعاث اس بات کا ثبوت ہے۔ معاشرہ میں اس وقت تک اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک یہودیوں کو ساتھ نہ ملایا جائے نیز اسلام کے اولین دشمن رؤساء مکہ ابھی مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے اور کسی وقت بھی وہ مدینہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کیلئے ایک وسیع البنیاد منشور کی ضرورت تھی۔ اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں اور مشرکین کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستاویز کے ذریعہ مدینہ کے جملہ باشندوں بلا امتیاز مذہب و قومیت، اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اتحاد عمل میں آیا۔ یہ تحریری معاہدہ مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان ہوا۔

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔ مہاجرین ۳۔ انصار ۴۔ مدینہ کے یہودی ۵۔ مدینہ کے غیر مسلم

میثاق مدینہ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ تحریری معاہدہ اللہ تعالیٰ کے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش و یثرب کے ان لوگوں کے مابین ہے جو مومن ہیں، اطاعت گزار ہیں ،جو ان کے تابع ہیں ،جو ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیں۔

۱۔ یہ سب مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہیں۔

۲۔ قریشی مہاجر اسلام سے پہلے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کیا کریں گے تاکہ مومنون کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہو۔

۳۔ بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائیں گے تاکہ مومنوں کا برتاؤ آپس میں نیکی اور انصاف کی بنیاد پر مستحکم ہو۔

۴۔ بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کرنے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کے پابند ہوں گے تاکہ اہل ایمان کے باہمی تعلقات نیکی اور انصاف کے مطابق استوار ہوں۔

۵۔ بنو ساعد اپنے دستور کے مطابق خون بہا کی ادائیگی اپنے گروہ کے قیدیوں کا فدیہ دے کر رہائی دلوانے کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ مومنوں کے تعلقات نیکی اور انصاف کی بنیاد پر قائم ہوں۔

۶۔ بنو حشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائیں گے تاکہ مسلمانوں میں نیکی اور انصاف کی بنیاد پر خیر سگالی اور خیر خواہی کی فضا قائم ہو۔

۷۔ بنو نجار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ اہل ایمان کے باہمی روابط بھلائی اور انصاف کی بنیاد پر مضبوط ہوں۔

۸۔ بنو نبیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کرنے اور اپنے گروہ کے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے رہائی دلانے کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ اہل ایمان کا باہمی میل جول بھلائی اور انصاف کا آئینہ دار ہو۔

۹۔ بنو اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے رہائی دلائیں گے۔

اہل ایمان کی ذمہ داریاں

۱۰۔ اہل ایمان میں سے کوئی شخص مفلس ہے یا قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے تو اس کے ساتھی ایسے شخص کو لازمی امداد دیں گے تا کہ اس کے حق کا خون بہا یا فدیہ بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۱۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

۱۲۔ اہل تقویٰ اور اہل ایمان متحد ہو کر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی، ظلم، زیادتی اور گناہ کا مرتکب ہو۔ ایسے شخص کے خلاف تمام اہل ایمان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہو۔

۱۳۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی کے خلاف کسی کافر کو امداد دی جائے گی۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کا ذمہ وعہد ایک ہی ہے۔ اہل اسلام کا ایک معمولی درجے کا فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔ اہل ایمان دوسروں کے مقابلے میں آپس میں بھائی ہیں۔

۱۵۔ یہودیوں میں سے جو اس معاہدے میں شریک ہوں گے، انہیں برابر کی حیثیت حاصل ہو گی۔ ایسے لوگوں پر ظلم ہو گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۶۔ اہل اسلام کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کے موقع پر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور یہ صلح سب مسلمانوں کے لئے برابر اور یکساں ہونی چاہیئے۔

۱۷۔ وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیں گے باری باری انہیں آرام کا موقع دیا جائے گا۔

۱۸۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو جانی نقصان اٹھانا پڑے اس کا بدلہ وہ سب مل کر لیں گے۔

۱۹۔ بلاشبہ متقی مومن سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۲۰۔ اس معاہدے میں شریک کوئی مسلمان، مشرک قریش کے مال وجان کو پناہ نہیں دے گا اور اس سلسلے میں وہ کسی مسلمان کی راہ میں رکاوٹ نہیں کھڑی کرے گا۔

۲۱۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اس کا ثبوت ملنے پر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول کا وارث خون بہا لینے پر راضی ہو جائے تو قاتل قصاص سے بچ سکتا ہے۔ تمام اہل ایمان پر لازم ہو گا کہ وہ مقتول کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت جائز نہیں ہو گی۔

۲۲۔ کسی ایسے مسلمان کیلئے جو اس عہد نامے کو تسلیم کر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جائز نہ ہو گا کہ وہ ایسے شخص کو پناہ دے جو نئی بات نکالنے والا اور فتنہ انگیزی کرنے والا ہو۔ جو ایسے شخص کی حمایت کرے گا یا اسے پناہ دے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب سے نہیں بچے گا۔

۲۳۔اس عہد نامے کی پابندی کرنے والے لوگوں کے درمیان جب کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کریں گے۔

یہودیوں کے حقوق

۲۴۔یہوی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جب تک جنگ کرتے رہیں گے تو وہ اپنے حصے کے جنگی اخراجات بھی خود ہی برداشت کریں گے۔

۲۵۔بنی عوف کے یہودی، مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تصور ہوں گے۔یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر۔

۲۶۔بنو نجار کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

۲۷۔بنو حارث کے یہودیوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

۲۸۔بنو ساعد کے یہودیوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

۲۹۔بنو جشم کے یہودیوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

۳۰۔بنو اوس کے یہودیوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

۳۱۔بنو ثعلبہ کے یہودی بھی انہی حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے بنو عوف کے یہودی ہیں، مگر جو ظلم اور جرم کا ارتکاب کرے گا اس کی مصیبت اور اس کا وبال اس کی ذات اور اس کے گھرانے پر ہو گا۔

۳۲۔جعفنہ، بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں۔لہٰذا جعفنہ کے یہودیوں کے حقوق بنو ثعلبہ کے یہودیوں کے حقوق کے برابر ہوں گے۔

۳۳۔وفا شعاری کے صورت میں یہودی بنی شطیبہ کے حقوق وہی ہوں گے جو یہودی بنی عوف کے ہیں۔

۳۴۔بنو ثعلبہ کے موالی کے حقوق وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

۳۵۔یہودیوں کے تمام موالی کے وہی حقوق ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

قیام امن اور دفاع کی مشترکہ ذمے داریاں

۳۶۔معاہدے کا کوئی فریق بھی حضرت محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے بغیر کسی سے جنگ کرنے یا جنگ کے ارادے سے نکلنے کا مجاز نہیں۔

۳۷۔ زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ خونریزی کے مرتکب کی ذمہ داری اسکی ذات اور اس کے گھر پر عائد ہوگی۔ مظلوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۳۸۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے مسلمان اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۹۔ اس معاہدے کے شریک کسی فریق کے خلاف اگر کوئی جنگ کرے گا تو تمام شرکاء ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ آپس میں مشورہ کریں گے، ایک دوسرے کی خیر خواہی اور وفا شعاری کا رویہ اختیار کریں گے اور عہد شکنی سے اجتناب کریں گے۔

۴۰۔ کسی شخص کو حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا، مظلوم کی ہر حالت میں مدد کی جائے گی۔

۴۱۔ یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے وہ جنگ کے اپنے مصارف خود برداشت کریں گے۔

۴۲۔ معاہدے میں شریک تمام فریقوں کے لئے یثرب کا میدان مقدس و محترم ہوگا۔

۴۳۔ پناہ حاصل کرنے والے کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو پناہ دینے والے کے ساتھ ہو رہا ہو۔ نہ اسے نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ عہد شکنی کرے گا۔

۴۴۔ کسی عورت کو اس کے خاندان والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۵۔ اس معاہدے میں شریک افراد یا گروہوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے جس سے فتنہ فساد کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ عہد نامے کی اس دستاویز میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ پوری احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ اس کی پابندی کی جائے۔

۴۶۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ان کے کسی معاون کو۔

۴۷۔ یثرب پر حملے کی صورت میں معاہدے کے شرکاء یعنی مسلمانوں اور یہودیوں پر لازم ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

۴۸۔ اگر یہودیوں کو صلح کرلینے اور اس میں شرکت کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کرلیں گے۔ اسی طرح اگر یہودی مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں گے تو اسے قبول کرنا بھی ان پر لازم ہوگا۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مخالفت میں جنگ کرے گا تو اس سے صلح نہیں کی جائے گی۔

۴۹۔ معاہدے میں شریک ہر شخص اور ہر گروہ پر یثرب کے اسی حصے کی ذمہ داری ہوگی جو اس کے سامنے بالمقابل ہوگا۔

۵۰ ۔ اوس کے یہودیوں کو خواہ وہ موالی ہوں اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کو حاصل ہیں۔

۵۱۔ یہ عہد نامہ کسی ظالم اور خطاکار کو نہیں بچا سکے گا اور جو کوئی یہاں سے نکلے گا وہ مامون ہوگا اور جو یہاں رہے گا وہ بھی مامون ہوگا سوائے اس کے جو ظلم اور گناہ کرے گا۔

۵۲۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و نگہبان ہے جو اس اقرار و عہد میں مخلص اور سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس کے حامی ہیں۔

میثاق مدینہ کے ثمرات

مورخین کے نزدیک یہ ایک دفاعی معاہدہ تھا، لیکن اگر غور سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا کی تاریخ ساز اور انقلاب انگیز دستاویز تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی نظریاتی اور فلاحی ریاست وجود میں آئی جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ اس دستاویز میں ریاست کی بنیادی حکمت عملی (پالیسی) شہریوں کے حقوق و فرائض، ریاست کے دفاع و استحکام کے لائحہ عمل، خارجہ حکمت عملی (پالیسی) کے اصول و ضوابط اور ریاست کے وفاق میں شامل ہونے والی مختلف یونٹوں (اکائیوں) کے حدود کار تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

پہلی یعنی ایک ہجری میں اس میثاق کی رو سے یثرب کی سرزمین پر جو منظم ریاست قائم ہوئی وہ صرف ڈیڑھ سو مربع کلومیٹر پر محیط تھی، لیکن صرف دس سال میں اس میں اتنی توسیع ہوئی کہ ۱۱ ہجری میں پندرہ لاکھ کلومیٹر کے وسیع و عریض علاقے پر اس کا علم لہرا رہا تھا۔ پورا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ تھا۔ سب کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ تھی۔ پورا معاشرہ منظم تھا، باہمی اعتماد، اتحاد، تعاون اور رواداری کا دور دورہ تھا۔ معاشرے کی تمام قوتیں پورے جوش و خروش سے انسانیت کی تعمیر و فلاح کی مثبت سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔ اس میثاق کو مرتب کرنے والی اس کے لئے زمین ہموار کرنے والی ہستی وہ تھیں جسے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا کہ وہ دین حق کو باطل پر غالب کر دیں اور ظلم و ستم کی چکیوں میں پسی ہوئی انسانیت کو امن و سلامتی اور عدل و انصاف میسر ہو۔ ابو عبیدہ کتاب الاموال میں لکھتے ہیں کہ یہ عہد نامہ یا معاہدہ جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے لکھا گیا تھا۔ اس وقت کچھ مالی مشکلات در پیش تھیں اس لئے یہ حکم تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کریں تو مال غنیمت میں سے ان کو بھی کچھ دے دیا جائے اس وجہ سے اس معاہدہ میں یہود پر شرط عائد کی گئی تھی کہ جنگی اخراجات میں ان کو بھی حصہ لینا پڑے گا۔

باب 5

اسلام میں جنگ کا تصور

جنگ سے مراد ہر وہ مقابلہ ہے جو دو مسلح گروہوں کے درمیان ہوتا ہے اور فریقین میں سے ایک کا یا دونوں کا یہ ارادہ ہو کہ باہمی تعلقات ختم کر دیں یا مغلوب کر دیں۔

جنگ دو طرح کی جاتی ہے:

ا۔ انصاف کے لئے ۲۔ ظلم کے لئے

ا۔۔۔ انصاف کے لئے جنگ سے مراد وہ لڑائی ہے، جو ایسی قوم یا گروہ سے کی جائے جو دوسروں پر ظلم کا مرتکب ہو اور حق کی راہ میں رکاوٹ ہو۔

۲۔۔۔ ظلم کی لڑائی یہ ہے کہ کوئی قوم یا گروہ محض ظالمانہ طریقے سے دوسروں کے مال و اسباب پر قبضہ کرنا چاہتے ہوں۔ اسلام صرف انصاف کی جنگ کا حامی ہے اور ظالمانہ اور غاصبانہ جنگ سے منع کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں سب سے زیادہ اہمیت انسانی جان کی ہے۔ مذاہب اور شریعت میں احترام نفس کیلئے حکم دیا جاتا ہے۔ اس ہی اصول کی بنیاد پر انسانی معاشرہ منظم ہوتا ہے۔ زراعت، تجارت، صنعت، ذرائع رسل و رسائل کی سہولت، اجتماعی زندگی کے مظاہر سب ایک ہی مقصد کی نشاندہی کرتے ہیں اور وہ انسانی جان کی حفاظت و احترام ہے۔ انسانی جان اور اس کے ذرائع کو ختم کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن کریم نے حضرت آدمؑ کے بیٹوں کے ایک واقعہ سے اس حقیقت کو واضح کیا ہے:

”اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا ہے، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی ہدایت لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔“(سورۃ المائدہ۔ آیت 32)

”وہ اس جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کریگا وہ اپنے کیے کی سزا پائیگا۔“(سورۃ الفرقان۔ آیت 68)

”اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہو کہ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کیساتھ نیک سلوک کرو، اپنی اولاد کو مفلسی اور تنگدستی کے باعث قتل نہ کرو، ہم تم کو رزق دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے، بدکاریوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ چھپی ہوئی ہوں یا کھلی ہوئی، کسی ایسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے محترم قرار

دیا ہے ہلاک نہ کرو سوائے اس صورت حال کے کہ ایسا کرنا حق کا تقاضہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے شاید تم کو کچھ عقل آئے۔"

(سورۃ الانعام۔ آیت 151)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی جان کے احترام کی ہمیشہ تلقین فرمائی ہے۔

دو مثالیں

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک کرنا ہے، پھر قتل نفس، پھر والدین کی نافرمانی کرنا اور پھر جھوٹ بولنا۔"(صحیح بخاری جلد اول۔ حدیث 2478)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔"(صحیح بخاری جلد سوئم۔ حدیث 1757)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائیگا وہ خون کے دعوے ہیں۔" (سنن نسائی جلد سوئم۔ حدیث 293)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: "سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔"

اس نے پھر پوچھا: "اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "تو اپنے بچے کو قتل کردے اس خیال سے کہ وہ تیرے کھانے میں شریک ہو گا۔"(صحیح بخاری جلد سوئم۔ حدیث 1756)

انسانی جان کا احترام اُٹھ جائے اور انسانی حقوق پامال ہوں تو انفرادی و اجتماعی فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ فتنہ و فساد بہت سی صورتوں میں رونما ہوتا ہے۔ یہ فتنہ افراد میں اور جماعتوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس عمل سے افراد کے حقوق پامال ہوتے ہیں، نسلیں اور کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں اور مذہبی آزادی سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یہ لوگ جب بھی خون ریزی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں۔ یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 64)

طاقت کا استعمال اس وقت کرنا چاہیئے جب کوئی جماعت یا قوم وعظ و نصیحت پر عمل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے معبدوں اور مساجد جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دی جاتیں۔" (سورۃ الحج۔ آیت 40)

دنیا میں کمزوروں، بے بسوں اور غریبوں پر ظلم ہوتا ہو، انسانی حقوق پامال کئے جاتے ہوں، اخلاقی و مذہبی قدروں کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہو، افہام و تفہیم سے مسائل حل کرنا ممکن نہ رہے اور حق کی بالادستی قائم کرنا ضروری ہو جائے تو جنگ کی جائے۔

جنگ کا اسلامی تصور

اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ اس صورت میں جائز ہے کہ آزادی اور امن و امان برقرار رکھا جائے۔ ہر کام کرنے کے لئے دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ مقصد کا تعین کیا جائے جو شریعت کے مطابق ہو۔

۲۔ مقصد کے حصول کیلئے جدوجہد کا تعین کیا جائے۔

مقصد حاصل کرنے میں اصول و ضوابط کا خیال رکھا جائے اور اصول و ضوابط اخلاص اور اخلاق پر مبنی ہوں۔ اگر مقصد کے حصول میں خلوص اور عوام الناس کی فلاح نہیں ہے تو مقصد کا حصول صحیح نہیں ہے۔ جنگ کا مقصد اگر کمزور قوموں کی آزادی چھیننا، لوٹ مار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا ظلم و ستم کا بازار گرم کرنا ہے تو ایسی جنگ کتنے ہی نظم و ضبط کے ساتھ کی جائے وہ ظالمانہ اقدام ہے۔ جنگ میں لوٹ مار کرنا، آگ لگانا، گھروں کو جلانا، معیشت کو تباہ کرنا، دوران جنگ اخلاقی قدروں کا احترام نہ کرنا، عصمت و عفت کی حفاظت نہ کرنا ظالمانہ اقدام ہیں۔ جائز اور حق کیلئے جنگ کی تعریف یہ ہے کہ " مقصد نیک ہو اور مقصد حاصل کرنے کیلئے جو طریقے اختیار کیے جائیں وہ مخلصانہ ہوں۔"

اسلامی تعلیمات کے مطابق جنگ میں یہ اصول مد نظر رکھا جاتا ہے کہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پاکیزگی، ہمدردی اور شریعت پر ہر حال میں عمل کیا جائے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ کا اصل مقصد بالمقابل دشمن کو ہلاک کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ بلکہ محض اس کے شر کو ختم کرنا ہے۔ قوت کا استعمال صرف انہی دشمنوں کے خلاف ہونا چاہیئے جو عملاً بر سر پیکار ہوں یا حد سے تجاوز کر جائیں۔ اسلام نے دنیا میں رائج جنگی قوانین کے وحشیانہ طریقوں سے منع کیا ہے۔ اسلام نے ان غلط تصورات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو صدیوں سے رائج تھے۔ اسلام سے قبل لوگ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ جب مال و دولت کے لئے، ملک کو فتح کرنے کے لئے، شہرت اور ناموری کے لئے، جنگ نہ کی جائے تو پھر جنگ کا کیا مقصد ہے۔۔۔؟ جس کے لئے انسان اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلا کام یہ کیا کہ جہاد ''فی سبیل اللہ'' کے معنی اور مقصد کا تعین فرمایا۔ اس بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔

ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا:

''کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! فرمایئے اس میں کون سی جنگ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف اس شخص کی جنگ قابل قبول ہے جو مخلصانہ طرزوں میں اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لئے جنگ کرے۔'' (بخاری شریف جلد دوم۔ حدیث 369)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''لڑائیاں دو قسم کی ہیں، جس شخص نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جنگ کی اور امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے اور جس نے دنیا دکھاوا اور شہرت کے لئے ناموری کے لئے جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد پھیلایا تو اس کے لئے عذاب ہے۔'' (سنن ابو داؤد جلد دوم۔ حدیث 743)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ پہلا وہ شخص پیش کیا جائے گا جو لڑ کر شہید ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمائیں گے اور جب وہ ان کا اقرار کرلے گا تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو نے میرے لئے کیا کیا؟ بندہ عرض کرے گا اللہ تعالیٰ میں نے آپ کیلئے جنگ کی، یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: '' تو نے جھوٹ بولا ہے تو نے اس لئے جنگ کی تھی کہ لوگ کہیں گے فلاں شخص بڑا طاقتور ہے، سو تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کیلئے عذاب کا حکم دیں گے اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔'' (جامع ترمذی جلد دوم۔ حدیث 264)

اسلامی اصول وضوابط کے مطابق اگر دنیاوی مقاصد کیلئے جنگ کی جائے تو جائز نہیں۔

شہرت وناموری کی طلب، مال غنیمت کی طمع، شخصی اور قومی عداوت اور اس کا انتقام۔ غرض یہ کہ دنیا کی کوئی غرض ایسی نہیں جس کے لئے جنگ جائز ہو۔ جنگ محض اخلاقی اور دینی فرض ہے۔ اسلام کی رُو سے جنگ صرف دو صورتوں میں جائز اور ضروری ہے۔ ایک دفاع اور دوسری اصلاح۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"دین میں کسی طرح کا جبر نہیں۔ اس لئے ہدایت گمراہی سے جدا ہے۔"

(سورۃ البقرہ۔ آیت256)

اسلام میں جنگ کا مقصد عقیدے کی آزادی اور دعوت تبلیغ میں آزادی اور امن وامان قائم رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت190)

جنگ کے قوانین

ا۔ ایک مرتبہ میدان جنگ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ناراض ہو کر فرمایا: "یہ لڑنے والوں میں شامل نہیں تھی۔" پھر سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید کو طلب کیا اور ارشاد فرمایا: "عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔" ایک اور روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں اور بچوں کے قتل عام سے منع فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کسی بوڑھے ضعیف کو قتل نہ کرو، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔"

فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہدایت فرمادی تھی

"کسی زخمی پر ظلم نہیں کرنا، کوئی جان بچا کر بھاگے تو اس کا پیچھا نہیں کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا۔"

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی محاذ پر فوج بھیجتے تھے تو ہدایت فرماتے تھے:

"بے ضرر خادموں کو اور خانقاہ میں رہنے والوں کو قتل نہ کرنا۔"

۲۔ عرب راتوں کو آخر شب میں جب لوگ بے خبر سوتے ہیں اچانک حملہ کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو ختم کر دیا اور قانون بنایا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔

۳۔ لوگ انتقام کی شدت میں آگ لگا دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وحشیانہ عمل کو ختم فرمادیا۔" (صحیح بخاری۔ جلد دوئم۔ حدیث 268)

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیف دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری جلد دوئم۔ حدیث 269, 270)

۵۔ جب فوجیں کسی علاقے کو فتح کرتی ہیں تو فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا اور بستیوں میں قتل ان کے معمولات میں سے ہوتا ہے۔ مگر اسلام اس کو منع کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"جب اسے اقتدار حاصل ہوجاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے، حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنارہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 205)

۶۔ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کے اعضاء کی قطع و برید (جسم کے مختلف حصوں کو کاٹنا) کرنے سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوجوں کو بھیجتے وقت ہدایت فرماتے تھے:

"بدعہدی نہ کرنا، غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا۔" (ترمذی 4/162)

۷۔ عرب کی جنگ میں بہت زیادہ شور ہنگامہ برپا ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:

"ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے اور جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور و شور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " لوگو! وقار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے نہ غائب۔ وہ تو تمہارے ساتھ ہے، سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔" (بخاری کتاب۔ الجہاد۔ 4/16)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غزوات اور معاہدات کا مطالعہ

بدرِ کبریٰ

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔" (سورۃ آلِ عمران۔ آیت 123)

غزوہ بدر کا معرکہ 17 رمضان، 2 ہجری میں مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان پیش آیا۔ بدر کا مقام مدینہ سے 80 میل اور مکہ سے 220 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مقام شام کے راستے سے قریب ہے۔

پس منظر

ا۔۔۔ قریش کا خط بنام عبد اللہ بن ابی

مسلمانوں نے جب قریش کی گرفت سے آزاد ہو کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قریش کا غیض وغضب بہت زیادہ ہو گیا، چنانچہ انہوں نے عبد اللہ بن اُبی کو خط لکھا:

"آپ لوگوں نے محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو پناہ دے رکھی ہے ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ ان سے لڑائی کیجئے یا انھیں نکال دیجئے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ کر دیں گے۔ آپ کے سارے مرد ختم ہو جائیں گے اور ساری عورتوں کی عزت پامال ہو جائے گی۔"

اس خط کے پہنچتے ہی عبد اللہ بن اُبی اپنے بھائیوں کے حکم کی تعمیل میں مستعد ہو گیا۔ وہ پہلے سے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف تھا۔ اسکے ذہن میں یہ بات تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینے میں اس کی بادشاہت ختم کی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن اُبی اور اسکے رفقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ کیلئے جمع ہوئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"قریش کی دھمکی نے تم لوگوں پر بہت بُرا اثر کیا ہے تم لوگ خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچانا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ اپنے بیٹے اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو۔"

چونکہ عبد اللہ بن اُبی اور اسکے ساتھیوں کے اکثر رشتہ دار ایمان لا چکے تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات با آسانی ان کی سمجھ میں آ گئی اور ان حالات میں عبد اللہ بن اُبی جنگ کے ارادے سے باز آ گیا اب اس کے ساتھی بھی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔

۲۔۔۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی ابوجہل سے تکرار

حضرت سعدؓ بن معاذ نے جب عمرے کا ارادہ کیا تو وہ امیہ بن خلف کے ہاں مہمان ہوئے۔ ایک دن حضرت سعدؓ امیہ کو ساتھ لیکر بیت اللہ کی طرف نکلے تو ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابو جہل نے پوچھا: ”تمہارے ساتھ کون ہے؟“

امیہ نے کہا: ”میرے ساتھ سعدؓ ہیں۔“

ابو جہل نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”تم لوگوں نے ”بے دین لوگوں“ (مسلمانوں) کو پناہ دے رکھی ہے اور ان کی ہر طرح سے امداد و تعاون کر رہے ہو! میں ہرگز یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم لوگ آکر کعبہ کا طواف کرو۔ خدا کی قسم! اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو زندہ بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔

”اگر تم ہمیں حج اور طواف سے منع کرو گے تو ہم بھی تمہارا مدینہ والا راستہ بند کر دیں گے۔“ حضرت سعدؓ نے با آواز بلند کہا:

اہل مکہ کی معیشت کا سارا دارومدار اس تجارت پر تھا جو اہل مکہ شام کے ساتھ کیا کرتے تھے، کیونکہ مکہ کی سرزمین تو ”وادی غیر ذی زرع“ (ناقابل زراعت) تھی، وہاں غلہ کی پیداوار سرے سے ہوتی ہی نہیں تھی۔ ان کی دولت اون، کھالیں اور چمڑا وغیرہ تھی۔ اہل مکہ یہ چیزیں شام لے جا کر فروخت کر دیا کرتے تھے اور وہاں سے ضروریاتِ زندگی خرید لاتے تھے۔ اس مقصد کے لئے ان کے تجارتی قافلے اکثر و بیشتر شام کی طرف آتے جاتے رہتے تھے اور شام جانے کیلئے بہر صورت مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ اگر اہل مدینہ تجارت کا یہ راستہ بند کر دیتے تو اہل مکہ فاقہ کشی پر مجبور ہو جاتے۔ ابو جہل اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا، اس لئے حضرت سعدؓ کی دھمکی سننے کے بعد اسے کچھ بولنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

قریش نے مسلمانوں کو پیغام پہنچایا کہ تم اس بات پر مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے باحفاظت نکل آئے ہو ہم مدینے پہنچ کر تمھارے ساتھ جنگ کریں گے۔ ان حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات جاگ کر گزارتے تھے یا صحابہ کرامؓ کے پہرے میں سوتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حفاظت کی بشارت فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”لوگو! واپس جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔“ حالات جب دگرگوں ہو گئے اور قریش کسی بھی طرح باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی تھی، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہیں۔“ (سورۃ الحج۔ آیت 39)

۳۔۔۔ تجارتی شاہراہ

جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح قبیلہ قریش نے مدینہ کو معاشی محاصرے میں لیا ہوا تھا اسی طرح وہ بھی مکہ کے تجارتی قافلوں کو مدینہ سے گزرنے نہ دیں۔

۴۔۔۔ابو سفیان کا تجارتی قافلہ

قریش نے مسلمانوں کی ہجرت کیساتھ ہی مدینے پر جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔حملے کیلئے سب سے بڑی ضرورت جنگ کے اخراجات تھے۔ قریش کا جو کاروان تجارت کے لئے شام روانہ ہوا تو مکے کی آبادی نے رقوم مہیا کیں۔ اس تجارتی قافلے میں عورتوں نے بھی حصہ لیا۔ مدینے کی حدود سے گزر کر مکہ جانے والے اس قافلہ میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر قیمتی سامان تھا۔ روایت کے مطابق اس سامان کی مالیت کم و بیش * باسٹھ کلو سونے کے برابر تھی۔ اس قافلے کی حفاظت کیلئے چالیس آدمی مقرر تھے۔ ابو سفیان کا یہ تجارتی قافلہ مکے سے شام جاتے ہوئے بچ نکلا تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے واپس آنے والا تھا تو کسی فتنہ پرداز نے افواہ اُڑادی کہ مسلمان اس قافلے کو لُوٹ لیں گے۔ ابو سفیان کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ سخت خوفزدہ ہوگیا۔ اسی وقت ایک تیز رفتار قاصد ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور ہدایت کی کہ قریش کو اطلاع کر دے کہ جس قدر ممکن ہو اپنے اس مالِ کثیر سے بھرے ہوئے تجارتی قافلہ کی خبر لیں اور اپنا سرمایہ بچائیں کیونکہ مدینہ سے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے اصحاب کے ہمراہ اس قافلہ سے تعارض کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

ضمضم کا واویلا

ضمضم بہت جلد مکہ پہنچ گیا۔ اپنی فریاد کو مؤثر بنانے کے لیے اس نے اپنے اونٹ کے ناک اور کان کاٹ دیئے۔ کجاوا الٹ دیا اور اپنی قمیض پھاڑ کر نہایت دردناک آواز میں چلانے لگا۔" اے جماعتِ قریش! قافلے کو پہنچو، قافلے کو پہنچو۔ ابو سفیان تمہارا جو مال لے کر آرہا ہے، اس پر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ مجھے امید نہیں ہے کہ تم اس کو بچا سکو۔ فریاد ہے، فریاد ہے۔"، ضمضم کا واویلا سن کر بہت سے لوگ جمع ہوگئے اور کہنے لگے کیا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا مال رائیگاں چلا جائے۔ ہم اپنے مال کی حفاظت کے لئے جائیں گے اور دیکھیں گے کہ ان مسلمانوں پر کیا گزرتی ہے۔ اس طرح بظاہر تو انہوں نے شجاعت و حمیت کا مظاہرہ کر دیا، مگر اندر سے سب کے دل لرز رہے تھے کیونکہ انہی دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔

بی بی عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب

بی بی عاتکہ نے خواب دیکھا کہ شتر سوار مکہ سے باہر کھڑا ہے اور با آواز بلند کہہ رہا ہے

"اے دھوکے بازو! تین دن کے بعد اس طرف روانہ ہو جاؤ جہاں تم نے قتل ہو کر گرنا ہے۔"

اس کی آواز سن کر مجمع لگ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہاں سے چل کر وہ سوار مسجد حرام میں آیا اور کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب ہو کر وہی اعلان کیا ہے۔ پھر دفعتاً وہ سوار جبل ابو قبیس کی چوٹی پر نظر آیا اور یہی اعلان کرنے لگا۔ اسکے بعد اس نے جبل ابو قبیس کی چوٹی سے ایک پتھر نیچے کی طرف لڑھکا دیا۔ وہ پتھر نیچے آیا اور ٹوٹ گیا اور اسکے ٹکڑے اُڑ اُڑ کر اہلِ مکہ کے گھروں میں گرنے لگے۔ بی بی عاتکہ کہتی ہیں کہ مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس میں اسکا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو۔ صبح ہوئی تو بی بی عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباس کو سنایا اور کہا کہ کسی اور سے اس کا ذکر نہیں کرنا۔ عباس نے رازداری کے ساتھ یہی خواب اپنے دوست کو سنایا۔ اس طرح جلد ہی

یہ بات سارے مکہ میں پھیل گئی۔ تیسرے دن حضرت عباس حرم میں گئے تو وہاں ابو جہل چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت عباس کو دیکھتے ہی کہا:

---

* سال ۲۰۱۱ء میں باسٹھ کلو سونے کی قیمت 31,89,710 (اکتیس لاکھ، نواسی ہزار، سات سو دس) امریکی ڈالر ہے۔

''تمہارے مرد تو نبوت کے دعوی دار تھے ہی۔۔۔ اب تمہاری عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔''

کیا مطلب۔۔۔؟ کس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ حضرت عباس نے حیرت سے پوچھا۔

یہ عاتکہ نے جو خواب بیان کیا ہے یہ نبوت کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

عاتکہ کے بیان کے مطابق کسی سوار نے اہل مکہ سے کہا ہے کہ تین دن کے بعد اس طرف روانہ ہو جاؤ جہاں تم نے قتل ہو کر گرنا ہے۔ اب ہم تین دن تک انتظار کریں گے۔ اگر تین دن تک کچھ نہ ہوا تو ہم سب متفقہ طور پر تم لوگوں کے بارے میں لکھ دیں گے کہ تمہارا گھرانہ عرب کا سب سے جھوٹا گھرانہ ہے۔ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو الغفاری مکہ میں داخل ہوا اور اس نے چیخ چیخ کر ابو سفیان کا پیغام سنانا شروع کر دیا۔ گویا تیسرے دن ہی عاتکہ کے خواب کی صداقت ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔

اہل مکہ کی تیاریاں

ابوسفیان کا پیغام سنتے ہی مکہ میں ہلچل مچ گئی۔ قریش میں کوئی مرد و عورت ایسا نہ تھا جس نے اپنی پوری پونجی و سرمایہ اس لشکر کے لئے خرچ نہ کیا ہو۔ قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور سے اُٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اور ہر قبیلے کے لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مکہ میں دو طرح کے لوگ تھے یا تو آدمی خود جنگ کے لئے تیار تھا یا اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو نامزد کر دیا تھا۔ معززین مکہ میں سے کوئی پیچھے نہ رہا۔ صرف ابولہب نے اپنی جگہ ایک آدمی کو بھیجا جو اس کا مقروض تھا۔ گرد و پیش کے قبائل کو بھی قریش نے بھرتی کیا۔ ان کے پیش نظر یہ نہیں تھا کہ قافلے کو بچایا جائے بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اور قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کے لئے یہ تجارتی شاہراہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

لشکر کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زرہ تھیں۔ اونٹ کثرت سے تھے۔ لشکر کا سپہ سالار ابو جہل تھا۔ قریش بڑے تکبر و غرور سے گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف

روانہ ہوئے۔ غذائی ضروریات پوری کرنے کیلئے بہت سارے اونٹ ساتھ لیے۔ جہاں پڑاؤ ہوتا اونٹ ذبح کیے جاتے، گوشت بھونا جاتا، گانے والی عورتیں شجاعت و انتقام کے مضامین پر مشتمل نظمیں گا کر جذبات اُبھارتیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے اس لشکر کے بارے میں فرمایا:

"ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خود نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے، جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 47)

مجلسِ شوریٰ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر وقت حالات سے باخبر رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت طلحہؓ بن عبید اور حضرت سعیدؓ بن زید کو حالات کا پتہ لگانے کیلئے روانہ فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان حالات کی اطلاع ملی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور قریش کے لشکر کی روانگی کے بارے میں ان کو بتایا۔

"ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان دونوں میں سے ایک پر ہمارا غلبہ ہو جائے گا۔"

"اور (یاد کرو) جب وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ تعالیٰ ایک کا دو گروہوں میں سے کہ وہ تمہیں مل جائے گا اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور گروہ مل جائے تمہیں اور ارادہ تھا اللہ تعالیٰ کا یہ کہ ثابت کر دکھائے حق کو اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے خواہ ناگوار گزرے مجرموں کو۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 7 تا 8)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار و مہاجرین سے فرمایا:

"بتاؤ تم کس سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو؟"

ایک گروہ نے عرض کیا:

"ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کیا جائے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر دریافت فرمایا۔

حضرت مقدادؓ بن عمرو نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃوالسلام! جس طرف آپ علیہ الصلوٰۃوالسلام کے رب آپ علیہ الصلوٰۃوالسلام کو حکم دے رہے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام اس طرف چلیے۔ جس طرف بھی آپ جائیں، ہم حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ساتھ ہیں۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ساتھ اس وقت تک رہیں گے جب تک ہمارے جسم میں جان ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے انصار کو مخاطب کیے بغیر اپنا سوال دہرایا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اٹھے اور عرض کیا:

"شاید حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے فرمایا: "ہاں"

حضرت سعدؓ نے کہا:

"ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی تصدیق کرچکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام سے عہد کر چکے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام! جو کچھ آپ علیہ الصلوٰۃوالسلام نے ارادہ فرمایا ہے ہم اس سے متفق ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کو حق کیساتھ بھیجا ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام ہمیں سمندر میں لے جائیں تو ہم حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ساتھ سمندر میں اُتر جائیں گے اور ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دل و جان سے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام جنگ میں ہماری جان نثاری دیکھ لیں گے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے اپنے ساتھیوں کے پُرجوش جذبے اور ہمت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کے قافلے پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ جنوب کی طرف سے آنے والے قریش کے لشکر کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے اس فیصلے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃوالسلام نے کبھی مال و دولت کو اہمیت نہیں دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں تھا۔

اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روانگی کیلئے تیار ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ہمراہ تین سو افراد تھے (یعنی ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۷) جن میں سے ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۴ مہاجر تھے اور باقی انصار تھے۔ اس لشکر نے غزوے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا نہ مکمل تیاری تھی۔

لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے، جن میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام، حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنویٰ کے حصے میں آیا تھا جن پر تینوں حضرات باری باری سوار ہوتے تھے۔ لشکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک لشکر مہاجرین کا بنایا گیا اور ایک انصار کا۔

مہاجرین کا علم حضرت علیؓ بن ابی طالب کو دیا گیا اور انصار کا علم حضرت سعدؓ بن معاذ کو اور جنرل کمان کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا حضرت مصعبؓ بن عمیر کو دیا گیا۔ میمنہ (دائیں جانب) کے افسر حضرت زبیرؓ بن عوام مقرر کئے گئے اور میسرہ (بائیں جانب) کے افسر حضرت مقدادؓ بن اسود۔ پورے لشکر میں صرف یہی دونوں بزرگ شہسوار تھے۔ لشکر کے ساقہ (آخری حصہ) کی کمان حضرت قیسؓ بن ابی صعصعہ کے حوالے کی گئی اور سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سنبھالی۔

سامان جنگ ناکافی تھا، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی لگانے کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر انہوں نے جنوب مشرق کی طرف مارچ (march) کیا۔ اس طرف سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔

مکی لشکر میں پھوٹ

قریش کو بدر کے قریب جحفہ کے مقام پر پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرے سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا:

"اب لڑنا ضروری نہیں ہے۔"

ابو جہل کھڑا ہو گیا اور نہایت غرور و تکبر سے بولا :

"خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے۔ بدر جا کر وہاں تین روز قیام کریں گے، خوب کھائیں گے، پیئیں گے اور جشن منائیں گے اور سارا عرب ہمارے اس سفر کا حال سنے گا اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔"

زہرہ اور عدی کے لوگوں نے ابو جہل کی جب یہ بات سنی تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ محض اقتدار کی جنگ ہے۔ ابو جہل کے دل میں بنو ہاشم کے بارے میں حسد اور بغض ہے اور محض اس لئے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی مخالفت کر رہا ہے۔ چنانچہ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔ لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اب لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی اور اس کا رخ بدر کی جانب تھا۔ بدر پہنچ کر اس نے ایک ٹیلے کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادیٔ بدر کے جنوب میں واقع ہے اور انہوں نے مناسب جگہوں پر چوکیاں بنالیں۔

بدر کا میدان

سرور دو عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عدوۃ الدنیا کی طرف سے وادی بدر میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں نے جس جگہ قیام کیا وہاں کوئی چشمہ یا کنواں نہیں تھا۔ زمین ریتیلی تھی۔ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے۔

حضرت خبابؓ بن منذر نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اس جگہ پر قیام کا حکم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے یا یہ ایک جنگی تدبیر ہے؟۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"یہ محض ایک جنگی تدبیر ہے۔"

حضرت خبابؓ بن منذر نے عرض کیا

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ جگہ قیام کیلئے مناسب نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے نزدیک جو چشمہ ہے اس پر قبضہ کرلیں، اس طرح سارے پرانے کنویں ہمارے عقب میں ہو جائیں گے پھر ہم سارے کنوؤں کو بند کردیں گے اور صرف ایک کنواں رہنے دیں گے اور وہاں ایک حوض بنا کر پانی جمع کرلیں گے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کیا گیا۔

اس رات اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیئے خوب موسلا دھار بارش ہوئی۔ مسلمان ریتیلے علاقے میں خیمہ زن تھے۔ بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور مسلمان آسانی سے چلنے پھرنے لگے۔ لیکن قریش نے جس جگہ خیمے ڈالے تھے وہاں بارش سے ہر طرف کیچڑ بن گئی۔ چلنا پھرنا دُشوار ہوگیا۔ رات بھر وہ اپنے خیموں میں محصور ہو کر بیٹھے رہے۔

اس احسان کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے:

"اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔"

(سورۃ الانفال۔ آیت 11)

جگہ جگہ پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالئے گئے۔ اگرچہ پانی اس طرح محفوظ کرلیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

مرکز قیادت

صحابہ کرامؓ چشمے پر پڑاؤ ڈال چکے تو حضرت سعدؓ بن معاذ نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایک مرکزِ قیادت تعمیر کردیں تاکہ خدانخواستہ فتح کے بجائے شکست ہو جائے یا ہنگامی حالات پیش آجائیں تو اس کیلئے ہم پہلے ہی سے تیار رہیں، چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام! کیوں نہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایک چھپر تعمیر کر دیں جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف رکھیں گے اور ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے سواریاں تیار رکھیں گے۔ اس کے بعد اپنے دشمن سے لڑیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی اور ہم دشمن پر غالب آ گئے تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو گا اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سوار ہو کر ہماری قوم کے لوگوں کے پاس چلے جائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ کے حبیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعدؓ بن معاذ کی تعریف فرمائی اور ان کیلئے دعائے خیر کی۔

مسلمانوں نے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر سائبان بنایا جہاں سے پورا میدان نظر آتا تھا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ بنادیا گیا۔ جمعہ کی رات تھی ہر شخص پر نیند مسلط تھی اور وہ اونگھ رہا تھا۔ مسلمانوں اور قریش کے خیموں کے درمیان ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کو قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ وہ لوگ سخت پریشان ہیں۔

جبکہ اس رات مسلمانوں کو خوب نیند آئی۔ ان میں اعتماد تھا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ صبح اپنی آنکھوں سے اپنے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔ صبح اٹھے تو مسلمان ہشاش بشاش تھے۔ سفر کی ساری تھکن دور ہو چکی تھی۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری رات جاگتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی اور نماز ادا کرنے کے بعد جہاد سے متعلق وعظ فرمایا۔

بدر کی جانب کوچ

قریش نے وادی کے باہر اپنے خیموں میں رات گزاری اور صبح فوجی دستوں کے ساتھ ٹیلے سے نیچے اترے اور بدر کی جانب کوچ کیا۔ پانی نہ ملنے سے مشرکین کی حالت غیر ہو گئی، آخر مجبور ہو کر اسی کنوئیں پر آئے جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"انہیں چھوڑ دو، انہیں جی بھر کے پانی پی لینے دو۔"

قریش نے مسلمانوں کے لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کیلئے عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر چکر لگایا پھر واپس جا کر بولا:

"تقریباً تین سو آدمی ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہرو میں دیکھ لوں کہ لشکر کے لوگ اور کسی جگہ تو جمع نہیں ہیں؟"

اس کے بعد وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا دور تک نکل گیا لیکن اسے مزید فوج نظر نہیں آئی۔

آمنے سامنے لشکر

۱۷ رمضان بروز جمعہ علی الصبح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حربی اصولوں کے مطابق فوج کو منظم کیا۔ اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفیں درست فرما کر مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی شروع نہ کی جائے۔ جب تک آخری احکام نہ سن لو، اپنی جگہ پر قائم رہو۔ اس کے بعد طریقہ جنگ کے بارے میں خصوصی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جب مشرکین تمہارے قریب آجائیں تو تم ان پر تیر چلانا۔"

دوسری طرف مشرکین کا یہ حال تھا کہ ابو جہل نے دعا کی۔ اس نے کہا :

"اے خدا! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں کرنے والا ہے اسے آج آپ ہلاک کر دیجئے۔ اے خدا! ہم میں سے جو فریق آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرمایئے۔"

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

"اگر تم فیصلہ چاہتے تو تمہارے پاس فیصلہ آگیا؛ اور اگر تم باز آجاؤ تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے؛ لیکن اگر تم (اپنی اس حرکت کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی (تمہاری سزا کی طرف) پلٹیں گے اور تمہاری جماعت اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہیں۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 19)

لشکر اسلام سے خطاب

اس موقع پر جب کہ فریقین پوری تیاری کے ساتھ صفیں باندھ کر جنگ کے لئے تیار تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر اسلام سے خطاب فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا :

"میں تمہیں ان کاموں سے منع کرتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بڑی ہے۔ وہ حق کا حکم دیتا ہے اور سچائی کو پسند کرتا ہے اور نیک کام کرنے والوں کو اپنی بارگاہ میں بلند منزلوں پر فائز کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اسی سے انھیں فضیلت حاصل ہوتی ہے اور آج تم حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر کھڑے ہو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی عمل قبول نہیں کرے گا سوائے اس کے جو محض اس کی رضا کے لئے کیا گیا ہو اور جنگ کے موقع پر صرف صبر ہی ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ حزن و ملال کو دور کرتا ہے۔ اور اسی صبر کی برکت سے غم سے نجات دیتا ہے اور اسی صبر سے تم آخرت میں نجات پاؤ گے۔ تم میں اللہ کا نبی موجود ہے جو تمہیں بعض چیزوں سے منع کرتا ہے اور بعض چیزوں کا تمہیں حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے ان پر عمل کرو اور جن نشانیوں کا ذکر ہے ان پر غور و فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت کے بعد عزت بخشی ہے۔ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو اس سے تمہارا رب تم سے راضی ہو گا۔ بے شک اس کا وعدہ حق ہے اور اس کا قول سچا ہے۔ بے شک میں اور تم اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہیں جو حی و قیوم ہے۔ وہی ہماری پشت پناہی

کرنے والا ہے اور اسی کا دامن کرم ہم نے پکڑا ہوا ہے۔ اس پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔"

قلیل تعداد

قریش کا لشکر عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں تھا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی:

"یااللہ! یہ قریش ہیں اور غرور کے ساتھ آئے ہیں تا کہ آپ کے رسول کو جھوٹا ثابت کریں۔ یااللہ! بس اب آجائے آپ کی مدد۔ وہ مدد جس کا وعدہ آپ نے مجھ سے فرمایا ہے۔"

عین اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سارے اسلامی لشکر پر چند لمحوں کیلئے نیند طاری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ علیہ الصلوٰۃ السلام کو قریش کی تعداد قلیل دکھائی۔ جس کو صحابہ کرامؓ نے بھی دیکھا۔

"جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی اور (اے مسلمانو) اگر ان کی زیادتی دکھاتا، تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے۔"

(سورۃ الانفال۔ آیت 43)

اللہ تعالیٰ کا یہ کس قدر عظیم انعام تھا کہ میدانِ جنگ میں کفار کی تعداد کو تھوڑا کرکے دکھایا تا کہ مسلمان جنگ کا اقدام کریں اور کفار کو بھی مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھائی جس کی وجہ سے کفار نے لڑنے میں زیادہ کوشش نہیں کی۔

"جبکہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تمہاری نگاہوں میں بہت کم دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں بہت کم دکھایا اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچادے جو کرنا ہی تھا اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 44)

کثیر تعداد

اور جب لڑائی شروع ہوگئی تو دوران جنگ کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے۔ بعد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھانے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کی فوج کثرت میں دیکھ کر کفار کے اندر خوف اور ہیبت بیٹھ جائے۔

"یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں کی راہ میں جو لڑ رہی تھیں اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں آنکھوں والوں کیلئے بڑی عبرت ہے۔"

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 13)

مبارزت

پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا۔ قریش کے تین بہترین شہسوار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ مبارزت کے لئے میدان میں آئے اور تینوں ہلاک ہوگئے۔ قریش اپنے تین بہترین شہ سواروں اور کمانڈروں سے محروم ہوگئے، اس لئے انہوں نے غیض و غضب سے بے قابو ہو کر یکبار حملہ کر دیا۔ دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرتے ہوئے اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہوگئے اور مشرکین کے حملوں کو ناکام بنا دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہؓ کو تاکید کی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہیں کرنا۔ اگر دشمن تمہیں آکر گھیر لیں تو نیزوں سے انہیں دور رکھو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ اس سائبان میں تشریف لے گئے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بنایا گیا تھا۔ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو رکعت نماز ادا کی پھر اللہ تعالیٰ سے نصرت و مدد کا وعدہ پورا کرنے کی دعا کی۔

"اے اللہ تعالیٰ! آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمادیجئے۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے وعدے کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! آپ پر ایمان لانے والے قلیل ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ یہاں تک کہ دونوں کندھوں سے چادر گر گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چادر درست فرمائی اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! بس فرمایئے، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے عہد کو پورا فرمائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا:

"میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 12)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس وحی بھیجی کہ

"میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 9)

فرشتوں کا نزول

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غنودگی طاری ہوگئی۔ چند لمحوں بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنکھیں کھولیں پھر سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

"ابو بکر خوش ہو جاؤ، اللہ کی مدد آ پہنچی۔ یہ جبرائیلؑ ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔"

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سائبان سے باہر تشریف لائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت بہادری کے ساتھ آگے بڑھے اور فرمایا:

"عنقریب دشمن شکست کھا جائے گا اور پشت پھیر کر بھاگے گا۔" (سورۃ القمر۔ آیت 45)

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی طرف رخ کرکے فرمایا: "شاھت الوجوہ۔ چہرے بگڑ جائیں"۔

اور ساتھ ہی مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔ پھر مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ گیا ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عمل قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جب آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے پھینکا تو درحقیقت حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نہیں پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔" (سورۃ الانفال۔ آیت ۱۷)

جوابی حملہ

جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوابی حملے کا حکم صادر فرمایا، دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی تھی اور ان کا جوش و خروش سرد پڑ گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو جب حملہ کرنے کا حکم ملا اس وقت ان کا جوش جہاد شباب پر تھا۔ انہوں نے نہایت سخت حملہ کیا۔ وہ دشمنوں کی صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہ دیکھ کر ان کے جوش و خروش میں مزید تیزی آگئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفس نفیس زرہ پہنے ہوئے تیز تیز تشریف لا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

"عنقریب دشمن شکست کھا جائے گا اور پشت پھیر کر بھاگے گا۔" (سورۃ القمر۔ آیت 45)

مسلمانوں نے نہایت پر جوش جنگ کی اور فرشتوں نے ان کی مدد فرمائی۔ روایت ہے کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور یہ پتا نہیں چلتا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتا نہیں چلتا کہ اسے کس نے کاٹا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''ایک مسلمان مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک کوڑے مارنے کی آواز آئی اور اس نے کسی شہسوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ تیز قدم آگے بڑھ۔ مسلمان نے مشرک کو سامنے دیکھا کہ وہ زمین پر گرا ہوا ہے اور اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا، چہرہ زخمی تھا جیسے کسی نے کوڑے سے مارا ہو اور چہرے پر نیل پڑ گیا تھا۔ انصاری مسلمان نے یہ واقعہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔''

ابو جہل کا قتل

دو انصاری نوجوان حضرت معوذؓ اور حضرت معاذؓ ابو جہل کی تاک میں تھے، نظر پڑتے ہی ابو جہل پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ ابو جہل کے قتل سے قریش میں بد دلی پھیل گئی۔

اُمیّہ کا قتل

لیکن ابھی ایک سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے اُمیّہ سے کسی زمانے میں وعدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ آئے گا تو اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمنِ خدا سے انتقام لینے کا خوب وقت تھا لیکن چونکہ وعدے کی پابندی اسلام کا شعار ہے اس لئے وہ امیہ اور اس کے بیٹے کو مسلمانوں کی نظر سے بچا کر نکال دینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت بلالؓ نے جو مکہ میں اس کے مشقِ ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا اور انصار کو خبر کر دی، سپاہی ٹوٹ پڑے اور امیہ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور پھر امیہ کی طرف بڑھے۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بچانے کے لئے امیہ سے لپٹ گئے لیکن لوگوں نے ان کی پرواہ نہیں کی اور نیزے سے امیہ کا کام تمام کر دیا۔ امیہ کے مرتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا۔

شکست فاش

'تھوڑی دیر کے بعد مشرکین کے لشکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہو گئے۔ کفار کی صفیں مسلمانوں کے سخت حملوں سے درہم برہم ہو گئیں اور معرکہ اپنے انجام کو پہنچا۔ پھر مشرکین کا ہجوم بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ قریش اپنے غرور اور طاقت کے باوجود بے سروسامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کے کل چودہ آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار ہلاک ہو گئے اور مشاہیر قریش میں سے کئی لوگ گرفتار ہوئے۔

مقتولین بدر سے خطاب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ فتح کے بعد تین دن تک وہیں قیام فرماتے تھے تا کہ تھکے ماندے سپاہی آرام کر لیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے واپسی کے سفر کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔ بدر میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دن مقیم رہے اور تیسرے دن حکم دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری لائی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سوار ہوئے، مجاہدین کی ایک جماعت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈال کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی۔

اے عتبہ بن ربیعہ۔۔۔!

اے شیبہ بن ربیعہ۔۔۔!

اے ابو جہل بن ہشام۔۔۔!

اے اُمیہ بن خلف۔۔۔ !

کیا یہ اچھا نہیں تھا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کرتے۔ اب جبکہ پردہ اُٹھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ لیا تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔۔۔۔۔

اس کے بعد فرمایا!

بلا شبہ ہم نے اسے حق پایا، جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اسے حق پایا، جس عذاب کی وعید تم سے کی گئی تھی۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا!

یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اجسام سے مخاطب ہیں جن میں ارواح موجود نہیں ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"قسم ہے اس اللہ کی! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو۔ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں وہ خوب سُن رہے ہیں۔"

مالِ غنیمت

جنگ کے بعد مسلمانوں کے لشکر میں مال غنیمت کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے کر دے۔

صحابہ کرامؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس مسئلے کا حل نازل فرمایا۔

"(اے محمدؐ) لوگ آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) کہہ دیجئے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو۔"

(سورۃ الانفال۔ آیت 1)

اس کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح بتایا:

"جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو۔ اس میں پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور مساکین کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔"

(سورۃ الانفال۔ آیت 41)

اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

"تو جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے، اسے کھاؤ (کہ وہ تمہارے لئے) حلال پاک (ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 69)

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسن سلوک

دوسرے روز اسیرانِ جنگ جب بارگاہ رسالت میں حاضر کیے گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے ان کے قیام وطعام کی طرف توجہ فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان حسب حیثیت تقسیم کرادیا اور ہر ایک کو تاکید فرمائی کہ وہ اپنے حصے کے قیدیوں کی خوراک لباس اور آرام کا پورا پورا خیال رکھیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر چند روز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اسیران بدر کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے؟ تمام صحابہ کرامؓ نے اس مسئلہ کے متعلق اپنی اپنی رائے پیش کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی تجویز پیش کی:

”یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! ان سے فدیہ لیا جائے اور ان کو آزاد کر دیا جائے۔ فدیے سے جو سرمایہ اکٹھا ہو گا وہ مسلمانوں کے لئے تقویت کا باعث ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ ان میں سے کئی لوگ ایمان لے آئیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے باعث امت کی تقویت کا باعث بنیں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ فدیہ کے لئے کوئی خاص مقدار متعین نہیں تھی۔ ہر شخص سے حسبِ حیثیت فدیہ لیا جاتا تھا۔

”اے پیغمبر !جو قیدی تم لوگوں کے قبضہ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو (مال) تم سے چھین گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (سورۃ الانفال۔ آیت 70)

اہل مدینہ کی غالب اکثریت ناخواندہ تھی۔ گنتی کے صرف چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان اسیر انِ جنگ میں جو لوگ مفلس اور نادار تھے اور فدیہ کی رقم دینے سے قاصر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ جب کوئی قیدی مدینہ کے دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیتا تو اسے آزاد کر دیا جاتا۔

ابو لہب کا حشر

جنگ بدر میں کفار کی رسوا کن شکست کے بعد ابھی ایک ہفتہ ہی مشکل سے گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ابو لہب کو آ پکڑا۔ اسے ایک خطرناک پھنسی نکل آئی جسے عرب بہت بُرا سمجھتے تھے اور اس سے بہت خوفزدہ رہتے تھے ان کے نزدیک یہ ایک متعدی بیماری تھی۔ جب ابو لہب کے بیٹوں کو پتا چلا کہ ان کے باپ کو یہ خطرناک پھنسی نکل آئی ہے تو انہوں نے اس کے پاس آنا جانا ترک کر دیا چنانچہ وہ تنہا اس کی اذیت اور درد سے کئی روز تک تڑپتا رہا اور بے کسی اور کسمپرسی کی موت مر گیا۔ تین دن اس کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ مکہ کے رئیس اعظم کو دفن کرنے کیلئے بھی کسی نے زحمت گوارا نہیں کی جب اس کی لاش پھول کر پھٹ گئی تو اس کی بدبو سے سارے اہل محلہ پریشان ہو گئے۔ امام بیہقی دلائل النبوت میں لکھتے ہیں ایک شخص نے اس کے بیٹوں کے پاس جا کر انہیں ملامت کی کہ بدبختو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے باپ کی لاش سے بدبو آ رہی ہے اور تم اسے دفن بھی نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ بیماری ہمیں بھی نہ لگ جائے۔ بدنامی کے خوف سے اس کے بیٹے آئے لکڑیوں سے اس لاشے کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس گڑھے سے دور کھڑے ہو کر پتھر پھینک کر اس کو بھر دیا۔

اہمیت و نتائج

۱۔ غزوۂ بدر اسلام کی پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمانوں کی فتح ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ چند بے کس غریب الوطن قریش مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ترکِ وطن کر کے مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ وہ اس قابل ہوگئے کہ ظالموں کو بزور شمشیر مار بھگایا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویت عطا فرمائی۔ درحقیقت اسلام کا عروج یہیں سے شروع ہوتا ہے اب مسلمان محض جلاوطن اور بے خانماں مہاجر نہ تھے بلکہ ایک آزاد اور زندہ قوم کے افراد تھے اور اس نعمت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا:

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 123)

۲۔ جنگ بدر میں عمل، دعا اور نصرت کا فارمولہ مسلمانوں کے لئے ہر شعبہ زندگی میں مشعل راہ ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں انتہائی کم تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ کیلئے میدان میں تشریف لے گئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی جدوجہد اور عمل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں اور مناجات کو قبول فرمایا اور مدد کیلئے فرشتے نازل کر دیئے اور مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

غزوہ بدر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ دعا کے ساتھ عمل ہو تو دعائیں مقبول بارگاہ ہوتی ہیں۔ عمل کے بغیر دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے پاس سازوسامان کی بے حد کمی تھی۔ نیز ان کی تعداد بھی کم تھی۔ اس کے برعکس کفار تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے اور ساز و سامان بھی کثیر تعداد میں تھا۔ اس حالت میں مسلمانوں کا چند گھنٹوں میں کفار پر غالب آجانا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک باطل ہے۔ اسی لئے قرآن میں اس دن کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔

"اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن (یعنی میدان بدر) میں اُتارا جو دن حق و باطل میں جدائی (تمیز) کا تھا۔ جس دن دونوں فوجیں مقابلے پر آ گئی تھیں۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 41)

۴ ۔ جنگ بدر میں عجیب واقعات پیش آئے مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار کے لشکر میں ان کے اپنے رشتہ دار شامل ہیں یہ بڑے امتحان کے لمحات تھے کہ وہ یا تو حق کا ساتھ دیں یا رشتہ داروں کی محبت میں کھو جائیں۔ الحمدللہ مسلمان ثابت قدم رہے۔

۵ ۔ مشاہیر قریش جو اسلام کے سخت دشمن تھے۔ اس جنگ میں ختم ہوگئے۔ ابو جہل، عتبہ، ولید، شیبہ اور اُمیّہ سب سرداروں میں سے تھے۔ جن کے قتل ہو جانے سے کفار مکہ کی قوت ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی۔

۶۔ غزوہ بدر کی عظیم فتح نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔ قبائل عرب کی نظروں میں ان کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اب وہ محض ایک مذہبی جماعت اور نظام الٰہیہ کے داعی نہ تھے، بلکہ وہ اُٹھتی ہوئی سیاسی قوت تھے۔ اس فتح کے بعد منافقین اور بہت سے قبائل عرب جو واقعات کا رُخ دیکھ رہے تھے۔ اب خوف زدہ ہوگئے ور مخالفت چھوڑ دی۔ عرب قبائل مدینہ کی حکومت کو سب سے بڑی طاقت شمار کرنے لگے۔

۷۔ غزوۂ بدر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک سورت "سورۃ الانفال" اس غزوہ کے بارے میں نازل فرمائی ہے جس میں فضائل صحابہؓ کے علاوہ دیگر مسائل بدر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

۸۔ جنگ بدر کے سپہ سالارِ اعلیٰ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ مسلمان اپنے سپہ سالار کے احکامات کی پوری صداقت، دیانت اور جذبۂ اطاعت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ مسلمانوں کا نظم وضبط اور اپنے سپہ سالار اعلیٰ کی بے چُوں وچرا اطاعت ایک مثال بن گئی۔ ایک اچھی فوج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے۔

۹۔ مشرکین کا عالم یہ تھا کہ وہ قیادت واحدہ سے محروم تھے۔ قریش کے اکثر سردار فوج میں شریک تھے۔ اس طرح ان کی قیادت بٹی ہوئی تھی۔

۱۰۔ بدر کی جنگ دو عقائد کے درمیان ایک بہت بڑی اور فیصلہ کن جنگ تھی اور اس عظیم جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کامیابی عطا فرمائی۔

غزوۂ احد

اہل مکہ کو جنگ بدر میں شکست اور اپنے خاص لوگوں کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا اس کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ میں بھر گئے تھے، حتیٰ کے انہوں نے اپنے مقتولین پر ماتم بھی نہیں کیا اور قیدیوں کے فدیہ کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ مسلمان ان کے رنج وغم کی شدت کا اندازہ نہ کر سکیں۔

زمانہ جاہلیت میں تو ایک آدمی کے قتل پر سالوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جبکہ غزوہ بدر میں ایک دو نہیں ستّر مشرکین مارے گئے تھے۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ بھرپور انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے۔

انہوں نے جنگ بدر کے بعد یہ متفقہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں سے ایک بھرپور جنگ کی جائے تاکہ ان کے غیض وغضب کو تسکین ملے اور اسکے ساتھ ہی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس معاملے میں سردارانِ قریش میں سے عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب اور عبداللہ بن ربیعہ زیادہ پُرجوش تھے۔

انتقامی جنگ کیلئے قریش کی تیاریاں

ان لوگوں نے اس سلسلہ میں پہلا کام یہ کیا کہ ابوسفیان کاوہ تجارتی قافلہ جو جنگ بدر کا باعث بنااور جسے بچا کر ابوسفیان لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا،اس کا سارامال جنگی اخراجات کے لئے محفوظ کر لیااور جن لوگوں کا مال تھاان سے کہا کہ:

"اے قریش! تمہیں محمد(علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے سخت صدمہ پہنچایاہے اور تمہارے منتخب سرداروں کومار دیاہے۔ لہٰذا ان سے جنگ کرنے کیلئے اس مال کے ذریعے مدد کرو۔"

قریش نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ چنانچہ یہ سارا مال اور ایک ہزار اونٹ جنگ کی تیاری کیلئے وقف کر دیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کریں گے۔ تو یہ خرچ تو کریں گے لیکن پھر یہ ان کے لئے باعث حسرت ہو گا۔ پھر مغلوب کیے جائیں گے۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 36)

پھر قریش نے رضاکارانہ خدمت کا دروازہ کھول دیا کہ جو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہے، وہ شریک ہو جائے۔

خواتین میدان جنگ میں

چنانچہ ایک سال پوراہونے سے پہلے قریش کی تیاری مکمل ہو گئی اور مجموعی طور پر کل تین ہزار فوج تیار ہو گئی۔ قریش کے سرداروں نے تجویز پیش کی کہ جنگ میں عورتیں بھی جائیں گی چنانچہ اس لشکر میں عورتیں بھی شامل ہوئیں جن کی تعداد پندرہ تھی۔ لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خواتین تھیں۔ جس لڑائی میں خواتین ساتھ ہوتی تھیں عرب جان پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہو گی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جنکی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھیں اس لئے وہ جوش و جذبے سے لبریز تھیں، انہوں نے منتیں مانیں تھیں کہ اس جنگ کے ذریعے اپنی اولاد کے قتل کا بدلہ لیں گی۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہو گئیں۔

ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

ا۔ ہندہ۔۔۔ عتبہ کی بیٹی اورامیر معاویہؓ کی ماں

۲۔ زوجہ عکرمہ بن ابوجہل

۳۔ فاطمہ (بنت ولید) حضرت خالدؓ کی بہن

۴۔ برزۃ۔۔۔ مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اسکی بیٹی

۵۔ ریطۃ۔۔۔ عمرو بن العاص کی زوجہ

۶۔ خناس۔۔۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی ماں

قتل کا منصوبہ

غزوہ بدر میں کفار مکہ کا سب سے زیادہ نقصان حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے ہندہ کے باپ عتبہ کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن معطم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس لئے ان کے قتل کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا۔ ہندہ نے جبیر کے حبشی غلام وحشی کو جو حربہ بازی (بلم) میں کمال رکھتا تھا حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ طے ہوا کہ جنگ کے بعد حبشی کو آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین جانتے تھے کہ حضرت حمزہؓ کے ساتھ روبرو مقابلہ ممکن نہیں۔ وحشی دور سے بلم پھینکا کرتا تھا اور اس فن میں ایسا ماہر تھا کہ اس کا پھینکا ہوا بلم نشانے پر لگتا تھا۔

مکی لشکر

سواری اور باربرداری کیلئے تین ہزار اونٹ تھے اور فوج کے لئے دو سو گھوڑے تھے۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کیلئے ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا۔ فوج کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابوجہل کو ان کا معاون بنایا گیا۔ پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کو دیا گیا۔

مکے سے جنگ کی اطلاع

حضرت عباسؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا، گو اسلام لا چکے تھے، لیکن اب تک مکے ہی میں مقیم تھے۔ حضرت عباسؓ قریش کی اس ساری نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں کا بڑی ہوشیاری اور گہرائی سے مطالعہ کر رہے تھے، چنانچہ جوں ہی لشکر حرکت میں آیا۔ حضرت عباسؓ نے اس کی ساری تفصیلات پر مشتمل ایک خط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا۔ خط لے جانے والے نے مکے سے مدینے تک کا سفر تین دن میں طے کیا اور خط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد قبا میں تشریف فرما تھے۔ یہ خط حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھ کر سنایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اس خط کو راز رکھنے کی تاکید فرمائی اور فوراً مدینے تشریف لے آئے۔ انصار اور مہاجرین کے بزرگوں سے صلاح و مشورہ کیا۔

خبر رساں

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۵؍ شوال ۳ھ کو دو خبر رساں جن کے نام انسؓ اور مونسؓ تھے، خبر لانے کے لئے بھیجا، انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خبابؓ بن منذر کو بھیجا

کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر اطلاع دی۔ چونکہ شہر میں حملے کا اندیشہ تھا، اس لئے ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر پوری رات مسجد نبوی کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔ قریش کا لشکر شاہراہ پر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ مدینے کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ خبر رساں مکی لشکر کی ایک ایک خبر مدینے پہنچا رہے تھے، حتیٰ کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی پہنچا دی۔

حکمت عملی

صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ جس میں مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کیلئے صلاح و مشورہ کیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں اپنا ایک خواب سنایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک محفوظ جگہ ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے۔ میں نے خواب میں مزید دیکھا ہے کہ میری تلوار کی دھار میں دندانے پڑے ہوئے ہیں۔ جب میں نے تلوار کو ہلایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ پھر جب میں نے دوسری بار تلوار کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ عمدہ ہوگئی۔ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ منورہ ایک مضبوط زِرہ ہے اور گائے ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے کچھ صحابہؓ اس جنگ میں شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کریں گے۔ تلوار ٹوٹ جانے کی یہ تعبیر ارشاد فرمائی کہ "میرے خاندان میں سے کوئی فرد اس غزوہ میں شہید ہوگا۔" پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کے سامنے دفاعی حکمت عملی کے متعلق اپنی رائے پیش کی کہ مدینے سے باہر نہ نکلیں شہر کے اندر قلعہ بند ہو جائیں۔ اگر مشرکین اپنے خیموں میں رہتے ہیں تو یہ قیام بے مقصد ہوگا اور اگر لشکر مدینے میں داخل ہوا تو مسلمان گلی کوچوں میں ان سے مقابلہ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے ان کو پتھر ماریں گی۔

صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے چلیں اور انہوں نے اپنی اس رائے پر سخت اصرار کیا؛ حتیٰ کہ بعض صحابہؓ نے کہا:

"اے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم شہادت کی تمنا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آگیا ہے۔ یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ دشمن کے مدمقابل تشریف لے چلیں تاکہ دشمن یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں۔" ان گرم جوش حضرات میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے تبدیل کر دی اور آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں جنگ کی جائے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ کی نماز کی امامت کی اور وعظ اور نصیحت کی، جدوجہد کی ترغیب دی اور بتایا کہ صبر اور ثابت قدمی سے فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کیلئے تیار ہو جائیں۔ یہ سن کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لشکر ترتیب دے دیا گیا۔

پشیمانی

نماز عصر قائم فرمانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اور زرہ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔ اب صحابہ کرامؓ کو ندامت محسوس ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واضح رائے کے برخلاف مشورہ پیش کر کے اچھا نہیں کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

"کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب وہ زِرّہ پہن لے تو بغیر لڑے ہوئے اسے اُتار دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلو، اب جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اسے سنو اور عمل کرو! اور یاد رکھو کہ اگر تم لوگ صابر اور ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت تمہارے لئے ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔

۱۔ مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عطا کیا۔

۲۔ قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اسیدؓ بن حضیر کو عطا فرمایا۔

۳۔ قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اسکا علم حضرت خبابؓ بن منذر کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔ اس کے بعد کوچ کا اعلان فرمادیا اور لشکر نے شمال کا رُخ کیا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ زرہ پہنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے آگے چل رہے تھے۔
"اور جب اے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح کے وقت تم اپنے گھر سے نکلے، مسلمانوں کیلئے لڑائی کی جگہیں مقرر اور درست کرتے تھے اور خدا سننے والا علم والا ہے۔"

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 121)

سرکشی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احد کی طرف لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام مشوط پر پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ میدان جنگ میں عبد اللہ بن ابی نے بغاوت کر دی اور تین سو افراد کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں اپنی جان دیں۔۔۔؟ حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا ہو تا کہ ایک طرف تو عام فوجی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے پست ہو جائیں اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کی ہمت بندھے اور اس کے حوصلے بلند ہوں۔ قریب تھا کہ یہ منافق اپنی اسکیم میں کامیاب

ہو جاتا کیونکہ مزید دو جماعتوں یعنی قبیلہ اوس میں بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ چکے تھے اور وہ واپس جانے کی تدبیر سوچ رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور یہ دونوں جماعتیں دوبارہ جہاد پر آمادہ ہو گئیں۔

"جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچاوہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اور اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لیں تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون؟ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا "آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو۔" تو کہنے لگے " اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے" یہ بات وہ جب کہہ رہے تھے اس وہ وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتے ہیں۔" (سورۃ آلِ عمران۔ آیت 166 تا 167)

احد میں اسلامی لشکر

اس بغاوت اور واپسی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے ہوئے لشکر کے ساتھ جس کی تعداد سات سو تھی دشمن کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ دشمن کا پڑاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اور احد کے درمیان کئی سمتوں سے حائل تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کوئی ہے جو ہمیں دشمنوں کی نظروں میں آئے بغیر راستے سے گزار دے۔"

جواب میں ابو خیثمہؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں اس خدمت کیلئے حاضر ہوں۔"

پھر ایک مختصر راستہ اختیار کیا اور مشرکین کی نظروں سے بچاتے ہوئے لشکر کو احد کی گھاٹی میں لے گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جگہ لشکر کا کیمپ لگوایا۔ سامنے مدینہ تھا پیچھے احد کا بلند ترین پہاڑ؛ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

دفاعی منصوبہ

یہاں پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم فرمائی اور جنگی نقطۂ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک فوجی دستہ بھی منتخب فرمایا جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان حضرت عبداللہؓ بن جبیر بن نعمان انصاری کے سپرد کی اور انہیں وادیٔ قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے، تعینات فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر انداز کمانڈروں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

''شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر حملہ نہ کریں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔ ''

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ مجاہدین مال غنیمت لے رہے ہیں تو تم ان کے ساتھ شریک نہ ہونا۔''

ان فوجی احکامات و ہدایات کے ساتھ اس فوجی دستے کو اس پہاڑی پر متعین فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احد میں وہ شگاف بھی بند فرما دیا جس سے مشرکین اس طرف پہنچ سکتے تھے اور قریش مسلمانوں کو نرغے میں لے سکتے تھے۔ باقی لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ میسرہ پر حضرت منذرؓ بن عمرو مقرر ہوئے اور میمنہ پر حضرت زبیرؓ بن عوام اور ان کا معاون حضرت مقدادؓ بن اسود کو بنایا۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہیں تھے۔ اس ترتیب کے علاوہ صف کے اگلے حصے میں ممتاز اور منتخب بہادر لوگوں کی ڈیوٹی لگائی گئی۔

صف بندی

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہ بن ابو جہل کو دیا۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا۔ جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیز اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ طلحہ بن ابی طلحہ عبدری علم بردار تھا۔

جنگ میں پہلا قدم

اس کے بعد دونوں فریق بالکل آمنے سامنے اور قریب آ گئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ جنگ میں ہلاک ہونیوالا پہلا آدمی مشرکین کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری تھا۔ یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا۔ یہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور اس نے مقابلے کی دعوت دی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب صحابیؓ مقابلے میں نہیں آئے۔ حضرت علیؓ تیزی سے آگے بڑھے اور فرمایا: ''ہاں! میں یہ کام کر دیتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی حیدری تلوار بجلی کی طرح لہرائی اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے شجاعت و دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے مشرکین کی صفیں اُلٹ دیں
۔
حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا:

''اس کا حق کون ادا کرے گا؟''

اس سعادت کیلئے دفعتاً بہت سے ہاتھ بڑھے لیکن یہ اعزاز حضرت ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا۔ اس اعزاز نے انہیں مست و بے خود کر دیا۔ سر پر سرخ رومال باندھے اور اکڑتے ہوئے فوج سے نکلے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔"

حضرت ابو دجانہؓ دشمن کی صفوں کو اُلٹتے اور شکست دیتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ہندہ تک پہنچ گئے۔ باوجود یہ کہ اس وقت ہندہ اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی اور ہر لحاظ سے قتل کی مستحق تھی مگر ابو دجانہؓ نے اس کے سر پر سے تلوار رکھ کر اٹھالی، انہوں نے اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار سے کسی عورت کا خون کیا جائے۔ جنگ احد میں نامی گرامی کفار ہلاک ہوئے اور انکی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ جوش اور غیرت کیلئے دف بجا بجا کر اشعار سنانے والی قریشی عورتیں کفار کی شکست دیکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئیں۔ قریش کا جھنڈا جب زمین پر گر گیا اور دوسرا کوئی مشرک اسے نہیں اٹھا سکا تو فوج کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ اپنے سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

قریش کا سیاہ فام وحشی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے لالچ میں حضرت حمزہؓ کو ڈھونڈ لیا اور ان کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہؓ بڑی دلیری سے تلوار چلا رہے تھے۔ وحشی کو ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وحشی نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کی پشت اس کی طرف ہے تو اس نے اپنا نیزہ اتنی قوت سے ان کی طرف پھینکا کہ نیزہ سینے کے پار ہو گیا اور حضرت حمزہؓ کی روح پرواز کر گئی۔ (انا اللہ وانا الیہ راجعون)

جب ہندہ نے یہ سنا کہ حضرت حمزہؓ وحشی کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں تو اس نے اسی لمحہ نا صرف یہ کہ وحشی کو آزاد کر دیا بلکہ میدان جنگ میں کھڑے کھڑے اپنے کنگن اور ہار اُتار کر اسے بخش دیئے اور ایک تیز دھار چاقو سے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چبانا شروع کر دیا، پھر اس نے ان کے ناک اور کان کاٹے۔ ہندہ نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قریب پڑی ہوئی مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناک کاٹ کر ڈوری میں پرو کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال کر وحشیانہ رقص کیا۔ ہندہ کے علاوہ قریش کی ایک اور عورت "سلافہ بن سعد" بھی میدان جنگ میں وارد ہوئی۔ درندہ صفت سلافہ بن سعد اُس مسلمان شہید کا سر کاٹ کر لے گئی جس نے جنگ بدر میں اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ بہت مکروہ چیخ میں اس نے کہا جب تک میں زندہ ہوں اس کھوپڑی کے پیالے میں پانی پیا کروں گی۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ چچا کا پیٹ اور سینہ چاک ہے اور کلیجہ چبا کر پھینک دیا گیا ہے اور مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناک بھی کٹے ہوئے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے انتہا غمگین ہوئے۔

بالادستی

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ مسلمانوں نے ایسی جواں مردی سے مقابلہ کیا کہ مشرکین کے حوصلے پست ہوگئے اور ان کی قوت بازو جواب دے گئی۔

تیر اندازوں کا کارنامہ

جن تیر اندازوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعین فرمایا تھا۔ انہوں نے بھی جنگ میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مکی شہسوار خالد بن ولید کی قیادت میں اور ابو عامر فاسق کی مدد سے مسلمانوں کی پشت تک پہنچ گئے اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچاکر بھرپور شکست سے دوچار کرنے کیلئے تین بار حملے کئے لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کردیا کہ ان کے تینوں حملے ناکام ہوگئے۔

مشرکین کی شکست

کچھ دیر تک شدید جنگ ہوتی رہی اور چھوٹا سا اسلامی لشکر، جنگ پر پوری طرح حاوی رہا۔ بالآخر مشرکین کے حوصلے پست ہوگئے، ان کی صفیں منتشر ہوگئیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تین ہزار مشرکین کو سات سو نہیں بلکہ تیس ہزار مسلمانوں کا سامنا ہے۔ مسلمان ایمان ویقین اور جانبازی وشجاعت کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ مشرکین کو شکست ہوگئی فوج نے واپسی کی راہ لی۔ مسلمانوں نے تعاقب جاری رکھا۔ تعاقب کی شدت کا یہ عالم تھا کہ مشرکین بہت دور تک پسپا ہوگئے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔

خوفناک غلطی

لیکن اسی وقت جبکہ یہ مختصر سا اسلامی لشکر اہل مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور شاندار فتح لکھ رہا تھا، تیر اندازوں کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کو فتح ہو یا شکست ہر حال میں اپنے پہاڑی مورچوں پر قائم رہنے کی سخت تاکید فرمائی تھی لیکن ان سارے تاکیدی احکامات کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان غنیمت لوٹ رہے ہیں تو ان پر دنیا کا اثر غالب آگیا۔

چنانچہ بعض نے بعض سے کہا:

"غنیمت۔۔۔! غنیمت۔۔۔! تمہارے ساتھی جیت گئے۔۔۔ اب کس بات کا انتظار ہے؟"

یہ آواز سنتے ہی ان کے کمانڈر عبداللہؓ بن جبیر نے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات یاد دلائے اور کہا:

"کیا تم بھول گئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں کیا حکم دیا ہے؟"

لیکن غالب اکثریت نے ان کی کوئی بات نہیں سنی۔ چالیس تیر اندازوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور مال غنیمت کے لئے لشکر میں شامل ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں کا ایک اہم مورچہ خالی ہوگیا اور وہاں صرف عبداللہؓ بن جبیر اور ان کے نو ساتھی باقی رہ گئے جو اس عزم کے ساتھ اپنے مورچوں میں رہے کہ یا تو انہیں اجازت مل جائے گی یا وہ اپنی جان اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کردیں گے۔ خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے۔ پہاڑی مورچوں پر موجود چند مسلمان جنہوں نے مورچہ نہیں چھوڑا تھا

مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے خلاف اس عمل سے مشرکین نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مشرک فوج کا جھنڈا ایک عورت نے اٹھا کر ہوا میں بلند کر دیا اور مشرکین کی پسپا فوج واپس پلٹ آئی اور مسلمان چاروں طرف سے مشرکین کے نرغے میں آ گئے۔ مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی اور افراتفری میں مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان مارے گئے۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کفار کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، اس کے بعد کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے تم کو وہ جو تم چاہتے تھے بعض تم میں سے دنیا کا ارادہ رکھتے تھے اور بعض آخرت کا، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑے فضل والے ہیں۔''

(سورۃ آل عمران۔ آیت 152)

شہادت کی خبر

ایسے میں حضرت مصعبؓ بن عمیر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا اور کسی نے اعلان کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے ہیں۔ اس اعلان سے لشکر آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ کافر فوج نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ پھیلا کر مسلمانوں میں بددلی پھیلا دی تھی۔ حضرت انسؓ بن نصر نے دیکھا کہ چند مسلمانوں نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ حضرت انسؓ بن نصر نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ لڑتے کیوں نہیں؟ مسلمانوں نے جواب دیا: ''اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جس کیلئے لڑتے تھے وہ تو شہید ہو گئے۔''

حضرت انسؓ بن نصر نے کہا

''اگر واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے ہیں تو پھر ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ چلو شہادت کے راستے پر قدم بڑھاؤ تاکہ ہم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملیں۔'' یہ کہہ کر جہاد میں شریک ہو گئے اور شہید ہو گئے۔ بعد میں ان کی لاش دیکھی گئی تو اس پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے ۸۰ سے زیادہ زخم آئے تھے۔ جاں نثار لڑ رہے تھے لیکن نگاہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانا۔ خوشی سے نعرہ لگایا۔

''مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔۔۔ یہ ہیں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔''

''اور محمد فقط رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر یہ مر گئے یا قتل ہو گئے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا تو ہرگز وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔''

(سورۃ آل عمران۔ آیت 144)

"یاد کرو جب تم بھاگے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہیں تھا اور رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمہیں پکار رہے تھے، اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تا کہ آئندہ کیلئے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 153)

یہ صدا کفار نے بھی سنی اور وہ مسلمانوں سے پہلے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ گئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پندرہ صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ کفار نے بھرپور حملہ کیا اور اس معرکہ آرائی میں سات صحابہؓ شہید ہو گئے۔ مشرکین چاہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دیں لیکن جان نثاروں نے اپنی جان کے نذرانے پیش کر کے دشمنوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس حملے میں عتبہ بن ابی وقاص نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب پتھر پھینکا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلو کے بل گر گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نیچے کا ہونٹ زخمی ہو گیا۔

ایک مشرک نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی زخمی کر دی اور ایک مشرک نے اتنی زور سے تلوار ماری کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرصے تک کندھے میں چوٹ کا اثر محسوس فرماتے رہے۔ اسی نے دوسرا وار چہرے پر کیا جس سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر گھس گئیں اور آنکھ مبارک کے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر زخم آئے۔ خون سے لبریز حالت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے:

"یا اللہ میری قوم کو بخش دے۔ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔"

اس نازک ترین لمحہ اور مشکل ترین وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے بتادی کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والے دانا و بینا ہیں۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 126)

"(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لئے دے گا) تا کہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے، یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔"

(سورۃ آل عمران۔ آیت 127)

جان نثاری

* اس موقع پر جان نثاری کی اعلیٰ ترین مثالیں سامنے آئیں۔ جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر گرے حضرت ابو طلحہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آغوش میں لے لیا اور کافروں کے بیشتر حملے انہوں نے اپنے جسم پر روک لئے۔

* حضرت ابو دجانہؓ دشمنوں میں گھرے ہوئے اپنے محبوب پیغمبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے اور تیروں کی برسات کو روکنے کے لئے اپنی کمر کو ڈھال بنا دیا۔

* حضرت طلحہؓ تیروں کے آگے اپنا ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ اس طرح ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا۔ اس دن ان کے جسم پر ستر کے قریب زخم آئے۔ ایک زخم سر پر لگا جس سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے پانی لایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جا کر طلحہؓ کو پلاؤ۔ میں طلحہؓ کے پاس گیا تو وہ بے ہوش تھے اور زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو ان کو کسی قدر افاقہ ہوا اور ہوش میں آنے پر پہلا سوال یہ کیا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیریت سے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی مجھے آپؓ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ سن کر ان کے چہرے پر رونق آ گئی اور کہا: ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت آسان ہے۔''

کیمپ کی طرف واپسی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت قدمی کے ساتھ پہاڑ کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چونکہ اس واپسی کے معنی یہ تھے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو نرغے میں لینے کی جو کاروائی کی تھی وہ بے نتیجہ ہو جائے اس لئے مشرکین نے واپسی کو ناکام بنانے کیلئے حملے جاری رکھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین کے ہجوم میں راستہ بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ فرما دیا۔

جنگِ احد میں مسلمان خواتین

اس غزوہ میں مسلمان خواتینؓ نے بھی شرکت کی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلمہؓ، زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت انسؓ کا ارشاد ہے:

''میں نے حضرت عائشہؓ اور اُم سلمہؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تو جا کر دوبارہ پانی لے آتی تھیں۔'' (صحیح بخاری)

عین اس وقت جب کہ کافروں نے حملہ کر دیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ چند جان نثار صحابہ کرامؓ رہ گئے تھے۔ حضرت اُم عمارۃؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ڈھال بن گئیں۔ کفار جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف تیر چلاتے تھے تو حضرت اُمّ عمارۃؓ ڈھال پر تیر روکتیں تھیں۔ ابن قمیۂ جب دوڑتا ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے آگے بڑھ کر اس کے وار کو روکا۔ جس سے ان کے کندھے پر زخم آگیا اور ام عمارہؓ نے ابن قمیہ کے تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اسلئے وار کار گر نہیں ہوا۔

مشرکین کا آخری حملہ

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھاٹی میں اپنی قیام گاہ میں پہنچ گئے تو مشرکین نے مسلمانوں کو شکست دینے کی آخری کوشش کی۔ ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین نے پیش قدمی کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

"یا اللہ! ہمیں فتح نصیب فرمایئے۔"

پھر حضرت عمرؓ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑکر انہیں پہاڑ سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔

مکہ واپس جانے سے پہلے ابوسفیان کوہِ احد پر چڑھا اور با آواز بلند پکارا:

"کیا تم لوگوں میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) موجود ہیں۔"

مسلمانوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان نے پوچھا: "کیا ابو قحافہ کا بیٹا (ابو بکرؓ) تم میں موجود ہیں۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا، اس نے پھر آواز دی۔

کیا تم میں عمرؓ بن خطاب موجود ہیں؟

مگر اس کا بھی کوئی جواب نہیں آیا تو خوش ہو کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا: "یہ تینوں تو رخصت ہوئے اگر ان میں سے کوئی زندہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ سے ضبط نہیں ہو سکا۔ انہوں نے کڑک کر جواب دیا:

"اے خدا کے دشمن! جن لوگوں کا تو نے ذکر کیا وہ سب زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تیرے رنج و الم کا سامان ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ ابوسفیان نے یہ سن کر نعرہ لگایا "اعلیٰ ھُبُل" اے ھبل تو اونچا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ ہی سب سے اعلیٰ اور بزرگ و برتر ہیں۔

ابو سفیان واپس جاتے ہوئے کہنے لگا آئندہ سال بدر میں پھر تم لوگوں سے مقابلہ ہو گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابیؓ سے ارشاد فرمایا

"کہہ دو ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔"

غزوہ احد میں تیر اندازوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو شکست ہوئی تھی اسکی وجہ سے مشرکین اور منافقین کی ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ہم مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ مدینہ پہنچی تو وہاں سے حضرت سیدہ فاطمہؓ اور متعدد خواتین بے تاب ہو کر احد کی طرف چل پڑیں۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے پیارے ابا جان کو زندہ سلامت دیکھا تو دوڑ کر گلے لگ گئیں۔ پھر علاج معالجے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ حضرت علیؓ پانی لائے اور زخموں پر ڈالنا شروع کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے ہاتھوں سے زخم دھوئے، صاف کیے۔ مگر خون نہیں رکا۔ آخر حضرت فاطمہؓ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اسکی راکھ زخموں پر چپکا دی۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور خون نکلنا بند ہو گیا۔

شہداء اور زخمیوں کی خبر گیری

مشرکین کے واپس چلے جانے کے بعد مسلمانوں کو حکم ملا کہ اپنے تمام شہدا اور زخمیوں کی خبر گیری کی جائے۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ ان کی تدفین کی گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، رزق پاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں۔ اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

(سورۃ آل عمران۔ آیت 169 تا 170)

یہودیوں کا پروپیگنڈہ

جنگ احد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کے باعث یہودیوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہودیوں نے لوگوں سے کہا اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے تو انہیں شکست نہیں ہوتی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ مرعوب ہوئے اور اللہ صبر کرنیوالوں کو چاہتا ہے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 146)

اہمیت و نتائج

ا۔ یہ جنگ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل سبق کی حیثیت رکھتی ہے۔ غزوہ احد میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے کثرت تعداد اور اسباب کے بھروسہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واضح رائے کے برعکس مشورہ کیا اور مالِ غنیمت کی محبت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واضح فرمان کی حکم عدولی کر کے فتح کو وقتی شکست میں بدل دیا۔ یہ لمحہ فکر و عمل ہے۔

۲۔ مشرکین کو اس امر کا پورا موقع حاصل ہو گیا تھا کہ احد میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں، کیونکہ مسلمان بے بس ہو کر، انکے گھیرے میں آ چکے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین کے حلقے کو توڑ ڈالا اور اپنی نوّے فیصد فوج کو صحیح سلامت بچا لائے اور مشرکین کچھ نہیں کر سکے یہ انکی بہت بڑی شکست ہے۔

۳۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کسی لشکر کو شکست ہوئی تو فاتح لشکر مفتوح کے فوجی کیمپ پر ضرور قابض ہوا۔ جبکہ یہاں ایسی کوئی صورت نہیں تھی۔ مشرکین کا لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض نہیں ہو سکا۔

۴۔ مشرکین اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن کسی مسلمان کو قیدی نہ بنا سکے اور نہ ہی مشرکین مسلمانوں سے کسی قسم کا بھی مالِ غنیمت حاصل کر سکے جو کہ بصورتِ فتح لازمی امر ہے۔

۵۔ غزوہ احد نے مسلمانوں کے انفرادی کردار کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس والہانہ محبت و عقیدت کا مظاہرہ کیا اور جس شادمانی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لئے موت کی آغوش کو پسند کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر اسے تاریخ کا زرّیں باب کہیں تو بجا ہے۔ جس پر اُمّت بجا طور پر رہتی دنیا تک فخر کرتی رہے تو کم ہے۔

غزوۂ خندق

غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد مشرکین دشمنی میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ اس پس منظر میں مشرکین نے عرب کے مختلف قبائل سے اتحاد کیا اور دوسری جانب مدینہ سے جلا وطن یہودیوں نے مکہ مکرمہ میں غلاف کعبہ پکڑ کر مکہ کے سردار ابوسفیان سے عہد و پیمان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیں اور دورانِ جنگ وہ ہر طرح سے مدد کریں گے۔ اس طرح قریش عرب قبائل اور یہود پر مشتمل دس ہزار افراد کا ایک لشکر بن گیا جس کا سردار ابوسفیان تھا۔ اس لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اُونٹ شامل تھے۔

خندق کی کھدائی

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب دشمنان اسلام کی روانگی اور حملے کی اطلاعات ملیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے ایران میں رائج طریقہ جنگ پر خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ خندق کے لغوی معنی گڑھا یا کھائی ہیں۔ شہروں کے دفاع کا یہ طریقہ فارس (ایران) میں رائج تھا۔ مگر اہلِ عرب خندق سے نا آشنا تھے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور میدان جنگ کی مناسبت سے خندق کھودی گئی۔ اس جنگ کو غزوہ خندق کا نام دیا جاتا ہے۔ غزوہ خندق کا شمار دنیا کی مشہور ترین لڑائیوں میں ہوتا ہے۔

مورخین کا خیال ہے کہ

"یہ لڑائی اسلام کی ترقی کی راہ میں آخری رکاوٹ تھی۔"

کیونکہ مسلمان اس لڑائی تک کشمکش میں مبتلا رہے اور ترقی کے منصوبوں کی طرف پورا دھیان نہیں دے سکے۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ قریش مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔ اس وقت مدینہ منورہ تین اطراف میں دشوار گزار پہاڑیوں اور باغات سے گھرا ہوا تھا اور شمال کی طرف میدان تھا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رُخ پر مشرق سے مغرب تک نیم دائرہ کی شکل میں خندق کا نشان لگایا۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ خندق پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی اور تقریباً ساڑھے تین میل لمبی تھی۔

گودام میں ذخیرہ

مدینے کے مضافات میں پھیلے ہوئے کھیت اور باغات کی پیداوار گوداموں میں ذخیرہ کر دی گئی۔ بچوں اور عورتوں کو قلعوں میں بھیج دیا گیا۔ خندق کے قریب کے گھروں کو خالی کروا دیا گیا۔ خندق کیلئے ہر دس آدمیوں کے ذمہ چالیس گز زمین کھودنا متعین ہوا۔ مدینے کا ہر مرد، ہر عورت حتیٰ کہ جوان سال لڑکے اور لڑکیاں اور جو بھی بیلچہ اور کدال اٹھانے کے قابل تھے خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ خندق کھودنے کیلئے مسلمانوں نے روزوشب محنت کر کے ایثار و وفاداری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دن رات کام کیا اور بنفس نفیس صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس کھدائی میں حصہ لیا۔ کبھی کدال چلاتے اور کبھی مٹی اٹھانے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ مسلمان دس دس افراد کی ٹولیوں میں شریک ہوئے اور وہ اپنا مقررہ کام قبل از وقت مکمل کر لیتے تو رضاکارانہ طور پر دوسروں کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان دنوں شدید سردی تھی۔ صحابہ کرامؓ سخت سردی کے موسم میں سنگلاخ زمین پر خندق کی کھدائی کرتے اور شدید محنت و مشقت سے مٹی باہر نکالتے۔ اس مظاہرہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رجزیہ اشعار پڑھ کر صحابہ کرامؓ کو حوصلہ دیا اور ان کے جذبہ کی تعریف فرمائی۔

الٰہی برکت

خندق کی کھدائی کے دوران اعجازِ نبوت کے کئی واقعات رونما ہوئے۔

* حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے بکری ذبح کی اور ڈھائی کلو آٹا گوندکر اس کی روٹیاں پکائیں پھر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "تھوڑا سا کھانا تیار کرایا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے چلیں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ خندق کو پکارا اور فرمایا۔

"جابرؓ نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے، سب آجاؤ۔"

ایک ہزار افراد پہنچ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہنڈیا اور روٹیوں پر کپڑا ڈھک دیا۔ دس دس افراد کی جماعت دستر خوان پر آتی اور شکم سیر ہو کر اُٹھ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک ہزار افراد نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا۔

* ایک روز حضرت بشیرؓ بن سعد کی بیٹی کو اس کی ماں نے کھجوریں دے کر کہا کہ یہ کھجوریں اپنے باپ اور ماموں کو دے آؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور پوچھا کیوں آئی ہو؟۔۔۔لڑکی نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اماں نے میرے والد اور میرے ماموں کیلئے کھجوریں بھیجی ہیں۔"

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ لڑکی سے کھجوریں لے کر دستر خوان پر رکھ دیں۔ اہلِ خندق کو کھانے کیلئے بلایا گیا اور ارشاد ہوا کہ کھانے کیلئے ایک ایک جماعت آئے۔ جماعت در جماعت اہل خندق دستر خوان پر جمع ہوتے رہے اور سب نے خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔

* خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آگئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بسم اللہ پڑھ کر چٹان پر کدال ماری تو ایک شعلہ نکلا اور ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔"

پھر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری بار کدال ماری تو چٹان کا ایک تہائی حصہ اور ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی ایک اور شعلہ نکلا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے فارس کی چابیاں دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری بار چٹان پر کدال ماری۔ ایک اور شعلہ نمودار ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔"

حضرت سلمان فارسیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب کھڑے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا:

"اے سلمانؓ! میری امت شام، فارس اور یمن کو فتح کرے گی۔"

بنو قریظہ کی غداری

بنو قریظہ، یہودیوں کا ایک مالدار قبیلہ تھا، جو مدینہ منورہ کے نواح میں بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ بیرونی حملے کی صورت میں ہم دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ مگر بنو نضیر کے ایک سردار حی ابن اخطب نے بنو قریظہ کے سردار کعب ابن اسد سے خفیہ ملاقات کی اور اسے تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ کعب نے جواب دیا کہ ہم نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) وعدوں کی پاسداری کرنے والے ایک سچے انسان ہیں، اسلئے میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ کئے گئے معاہدے کو توڑ نہیں سکتا۔ ابن اخطب حی نے کہا۔۔۔" شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس مرتبہ اتنا بڑا لشکر لے آیا ہوں کہ اس کا مقابلہ ممکن نہیں اور ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اس کے ساتھیوں کا مکمل خاتمہ نہیں ہو جاتا، ہم لڑائی سے ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔ یہ قومی مفاد کا معاملہ ہے، اگر ہم کامیاب رہے تو عزت اور شان و شوکت کی زندگی گزاریں گے اور اگر تمہارے انکار کی وجہ سے ناکام ہو گئے تو ہمیشہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا غلام اور دست نگر رہنا پڑے گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس دفعہ مسلمانوں کا قطعی طور پر خاتمہ ہو جائے گا تاہم تمہیں پھر بھی ہماری کامیابی میں شک ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ناکامی کی صورت میں واپس نہیں جاؤں گا، بلکہ تمہارے پاس آجاؤں گا اور معاہدہ توڑنے کی تمہیں جو بھی سزا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے ملے گی، اس میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک رہوں گا۔" یہ سن کر کعب کو یقین ہو گیا کہ اس دفعہ واقعی مسلمانوں کا صفایا ہو جائے گا، اس لئے وہ بے خوف و خطر ہو گیا۔ دیگر رؤسا بنی قریظہ کو بلا کر صورتحال بتائی اور کہا کہ ہمیں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دینا چاہیے۔ انہوں نے بھی تائید کی اور پھر سب کے سامنے معاہدے کی دستاویز کو پھاڑ دیا۔

یاد دہانی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حقیقت معلوم کرنے کے لئے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بنو قریظہ کی طرف روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "اگر معاہدہ توڑنے کی خبر سچ ہوئی تو اس خبر کو واپس آکر مبہم الفاظ میں بیان کرنا۔ تاکہ فوج میں بد دلی نہ پھیلے اور اگر یہ افواہ غلط ثابت ہوئی تو اعلانیہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" یہ دونوں صحابہؓ بنو قریظہ کے پاس گئے ان لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان یاد دلائے۔ یہ سن کر قبیلہ بنو قریظہ نے کہا "ہم نہیں جانتے معاہدہ کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کون ہیں؟" صحابہ کرامؓ واپس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بنو قریظہ کی عہد شکنی کی تصدیق کر دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر فرمایا:

"ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔" (سورۃ آلِ عمران۔ آیت 173)

کفار کا لشکر

خندق مدینے کے شمال کی جانب کھودی گئی تھی۔ قریش اپنے اتحادیوں کے ہمراہ مدینے پہنچ گئے تھے۔ سبقت کے زُعم میں مبتلا منکرین اونٹ اور گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے مدینے کی حدود میں پہنچے تو حیرت و استعجاب کی تصویر بن گئے۔۔۔ دفاع کا یہ حیرت انگیز طریقہ اس سے پہلے نہ انہوں نے دیکھا تھا اور نہ سنا تھا۔ جنگی ساز و سامان سے لیس لشکر خندق کے پار پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ اتحادی یہ سوچ کر آئے تھے کہ ایک ہی روز میں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر کے فتح حاصل کر لیں گے۔ مگر اہلِ مدینہ اور ان کے درمیان حائل خندق نے انہیں بے بس کر دیا۔ جس وقت مشرکین کی فوج مدینے پہنچی، موسم بدل رہا تھا۔ سپاہیوں کو خیموں میں سردی لگ رہی تھی۔ فوج کو محاصرہ کرنا پڑا جس کے لیے وہ پہلے سے تیار نہیں تھے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خندق کے سامنے موجود تھے۔ مشرک سردار روزانہ خندق تک آتے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوڑے دوڑاتے تھے۔ مگر خندق پار کرنے کا کوئی راستہ اُنہیں نہیں ملتا تھا۔ غیض و غضب کے عالم میں وہ مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے، جواب میں مسلمان تیر انداز ان پر تیر برساتے تھے۔

کفار کا پروپیگنڈہ

لشکر اسلام میں موجود منافقین نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی مہم شروع کر دی۔

انہوں نے مسلمانوں سے کہا:

محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ ہم لوگ قیصر و کسریٰ کو فتح کریں گے ان کے خزانے ہمیں ملیں گے جب کہ صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ لاچار، کمزور اور مجبور ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ وقت سخت آزمائش کا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کو اخلاص کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا تھا۔ یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل آیت نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیئے گئے۔ اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکہ فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔'' (سورۃ الاحزاب۔ آیت 11 تا 12)

منافقوں کے پروپیگنڈے اور بنو قریظہ کی جانب سے عہد توڑنے کی خبر سے مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں دست بستہ عرض کیا کہ ہمیں منافقوں کی ریشہ دوانیوں اور یہود کی بد عہدی کا خطرہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی سکون اور یقین سے فرمایا:

''مشرکوں کو یہودیوں کی کُمک پر بھروسہ ہے جبکہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھتا ہوں۔ یقین رکھو اللہ تعالیٰ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان سے مسلمانوں میں نیا حوصلہ پیدا ہو گیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا یقین ہو گیا۔

مومنین اور منافقین کی دلی کیفیت

اسلامی فوج میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی۔ جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ لیکن موسم کی سختی، رسد (راشن) کی قلت، راتوں کی بے خوابی، دشمن کی بڑی تعداد، ایسے واقعات تھے جنھوں نے پردہ فاش کر دیا۔ منافقین نے مختلف حیلے بہانے شروع کر دیئے، کہنے لگے:

"یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہمارے گھر بالکل خالی ہیں اور گھر کی دیواریں چھوٹی ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں اور دشمن کی زد میں ہیں۔ ہماری عورتیں اور بچے غیر محفوظ ہیں۔ اسلئے ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم واپس جا کر ان کی حفاظت کر سکیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب ان میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اے مدینہ والو! تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں، چلو لوٹ چلو اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبیؐ سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ (کھلے ہوئے) غیر محفوظ نہیں تھے (لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 13)

دوسری طرف مومنوں کے دل اخلاص، یقین، ایمان اور جان نثاری کے جذبہ سے لبریز تھے۔ ان کے دلوں کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

"اور ایمان داروں نے جب لشکر کو دیکھا تو (بے ساختہ) کہہ اُٹھے! کہ اس ہی کا وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اور اسکے رسول نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے سچ فرمایا اور اس سے ان کے ایمان میں فرماں برداری کا اور اضافہ ہو گیا۔"

(سورۃ الاحزاب۔ آیت 22)

خندق کے پار

خندق کے پار مشرکین کی دس ہزار فوج دو ہفتے سے سردی میں ٹھٹھر رہی تھی اور جب غذا اور مویشیوں کی خوراک کا مسئلہ ہوا تو فوج کا سپہ سالار بغاوت کے خطرے سے پریشان ہو گیا۔ دس ہزار فوج جمع کرنے والے قریش، یہودی اور انکے اتحادی قبائل بے بسی کے عالم میں خندق کے پار مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ اکثر نڈر اور جانباز گھڑ سوار خندق پار کرتے ہوئے خندق میں گر کر ہلاک ہو گئے اور اگر کوئی خندق عبور کر گیا تو مجاہدین نے اسکا کام تمام کر دیا۔ مسلمان تیر اندازوں نے انہیں خندق سے دور رکھا۔ کفار مکہ کے جرنیلوں نے اپنی اپنی مقررہ باری پر حتی المقدور کوشش کرنے کے باوجود خندق عبور کرنے میں ناکامی کا سامنا کیا۔ ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے مشہور اور بہادر پہلوان عمرو چند نوجوانوں کے ساتھ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں کو مقابلے کیلئے للکارا۔ عمرو تنہا ایک ہزار سوار کے برابر بہادر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ شیر خدا نے ایک وار میں اس کے دو ٹکڑے کر کے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو عمرو کے ساتھی بھی

فرار ہوگئے۔ نوفل بن عبد اللہ گھوڑے پر سوار بھاگ کر خندق کو پھلانگنا چاہتا تھا مگر خندق میں سر کے بل گرا اور گردن ٹوٹنے سے جاں بحق ہوگیا۔ نوفل بن عبد اللہ کی لاش حاصل کرنے کے لئے مشرکین نے دس ہزار درہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"نہ ہمیں دس ہزار درہم کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی لاش کی" اور یوں بغیر کسی معاوضہ کے نوفل بن عبد اللہ کی لاش مشرکین کے حوالے کر دی گئی۔

اس روز پورے دن یہ سلسلہ جاری رہا اور مسلمان ہر جانب سے مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس دوران نماز ظہر، عصر اور مغرب قضا ہوئیں جنہیں بعد میں ادا کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے دفاع میں یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری سے جب خطرہ ہوا تو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو تین سو افراد کے ہمراہ مدینے کے مکانات اور گھروں کے دفاع کے لئے روانہ فرمایا جہاں خواتین اور بچے قیام پذیر تھے۔

حضرت صفیہؓ کی بہادری

جب خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی تھی اور مشرکین کی فوج مدینہ کے قریب پہنچ گئی تو مسلمان خواتین اور بچوں کو حفاظت کے لیے مضبوط قلعوں اور مستحکم عمارتوں میں منتقل کر دیا گیا۔ حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب حضرت حسانؓ کے فارع نامی قلعے میں تھیں۔ یہ قلعہ بنو قریظہ کی آبادی سے قریب تھا۔ ابتدائی ایام میں تو بنو قریظہ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھی تھے اس لئے مستورات کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ اہل عرب ایفائے عہد کے لئے ضرب المثال تھے لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے کعب بن اسد اپنے پورے قبیلہ بنو قریظہ کے ہمراہ عہد سے پھر گیا۔ اس طرح مستورات بھی ان لوگوں کی طرف سے ہوشیار ہوگئیں۔ ایک روز یہودیوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کی ساری فوج تو خندق کی سمت مشرکین سے برسرپیکار ہے۔ قلعہ پر حملے کا منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ اس غرض سے ایک یہودی کو سب سے پہلے حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ کی طرف بھیجا۔ حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب فرماتی ہیں:

"ہمارے پاس سے ایک یہودی گزرا اور قلعہ کے چاروں طرف چکر لگایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے درمیان کوئی نہیں تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔۔۔

اس لئے میں نے کہا:

"اے حسانؓ! یہ یہودی۔۔۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ قلعہ کے چکر لگا رہا ہے اور مجھے اللہ کی قسم اندیشہ ہے کہ یہ باقی یہود کو بھی ہماری کمزوری کے متعلق آگاہ کر دے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ جنگ میں اس طرح مصروف ہیں کہ وہ ہماری مدد کو نہیں آسکتے۔ آپ جایئے اور اس یہودی کو قتل کر دیجئے۔"

حضرت حسانؓ دربار نبویؐ کے شاعر تھے۔ بینائی سے محروم تھے۔

حضرت حسانؓ نے کہا: "اگر میں لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت میدانِ جنگ میں ہوتا۔"

حضرت صفیہؓ کہتی ہیں:

"اب میں نے اپنی کمر باندھی اور لاٹھی لی اور قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور لاٹھی سے مار مار کر اسکا خاتمہ کر دیا۔ اسکے بعد قلعے میں واپس آئی اور حضرت حسانؓ سے کہا: "جایئے! اس کے ہتھیار اتار لیجئے۔"

حضرت حسانؓ نے کہا "مجھے اسکے ہتھیار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔"

مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپی کے اس کارنامے کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس کاروائی سے یہودیوں نے سمجھا کہ ان قلعوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے، یہودیوں کو دوبارہ اس قسم کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ وہ مشرکین کے ساتھ اپنے اتحاد کا عملی ثبوت پیش کرنے کیلئے انہیں مسلسل رسد پہنچاتے رہے۔ مسلمانوں نے ان کے رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ کر لیا۔

کفار کی حوصلہ شکنی

اگرچہ محاصرے کی طوالت میں مسلمان بھی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے لیکن کفار میں ہمت و حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اسی دوران ایک نو مسلم نے خاموشی سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کفار میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت طلب کی۔ یہ نو مسلم نعیمؓ بن مسعود تھے۔ جن کے ایمان سے ابھی تک کفار آگاہ نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے یہود کے باغی قبیلے بنو قریظہ اور قریش مکہ کے لشکر میں موجود بنو غطفان میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ وہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہو گئے۔ کفار کا لشکر حوصلہ ہار رہا تھا۔ ان کی رسد ختم ہو رہی تھی کہ قریش مکہ کوچ کے انتظامات کی فکر ہو گئی۔ موسم کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور سردی بڑھ گئی۔ سپاہی بیمار و ہلاک ہو رہے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ ہم کس طرح واپس ہوں گے؟ مسلمانوں میں موجود منافقوں کی سازش بھی ان کے کسی کام نہیں آئی اور وہ مسلمانوں کے حلیف قبائل کو عہد توڑنے پر رضامند نہیں کر سکے۔

غیبی مدد

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہر و عصر کے دوران مسلسل دعا میں مصروف رہے:

"اے اللہ! آپ قرآن کریم کے نازل فرمانے والے ہیں اور جلد حساب کرنے والے ہیں۔ ان قبیلوں کو شکست دیجئے۔ اے اللہ! ان کو شکست دیجئے اور ان کو لڑکھڑا دیجئے اور ان پر ہماری مدد فرمایئے۔"

باطل پر اتحاد کرنے والے ابھی کسی فیصلے پر متفق نہیں ہوئے تھے کہ رات کو اتنی تیز آندھی آئی کہ خیمے ہوا میں غباروں کی طرح اُڑنے لگے ۔ لشکر میں روشن الاؤ بجھ گیا۔ شدید بارش سے سردی بڑھ گئی۔ بارش، طوفان اور بادلوں کی گرج میں کفار کی مایوس فوج خوف وہراس کا شکار ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آندھی، بارش اور فرشتوں کی جماعت سے مجاہدین کی مدد فرمائی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جب تمہارے پاس لشکر آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جو تمہیں نظر نہیں آتا تھا اور اللہ تعالیٰ دیکھ

رہے تھے جو تم کر رہے تھے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 9)

حضرت حُذیفہؓ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے کفار کے لشکر میں حالات معلوم کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اُکھاڑ دیئے، دیگیں الٹ دیں، گھوڑے بدمست دوڑ رہے تھے اور سنگریزوں کی آوازیں آرہی تھیں جو گھوڑوں کو لگ رہے تھے۔

حضرت حُذیفہؓ فرماتے ہیں:

"جب میں واپس آرہا تھا تو راستہ میں بیس سوار ملے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے آقا کو خبر دے دو کہ حق تعالیٰ نے کفار کے لشکر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نجات دی۔ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی نماز مکمل کر کے تبسم فرمایا اور مجھے بشارت دی۔"

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اور جب دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں، بولے یہ وہی ہیں جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ تعالیٰ نے اور انکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور سچ کہا اللہ تعالیٰ نے اور انکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اور ان کا اور بڑھا یقین اور اطاعت کرنا۔"

(سورۃ الاحزاب۔ آیت 22)

کفار کی ناکامی

جب آندھی، آگ اور بارش کا یہ طوفان، بجلی کی چمک اور کڑک عروج پر پہنچیں اور لشکر تباہ وبرباد ہوتا نظر آیا تو ابوسفیان نے عجلت میں میٹنگ کی، حالات بیان کر کے خود ہی جلدی میں یہ فیصلہ سنایا کہ میں گھر جارہا ہوں تم بھی سفر کرو اور سیدھا اپنے اونٹ کے پاس آیا اور بدحواسی میں اسے مارنا شروع کر دیا کہ وہ اُٹھ کھڑا ہو۔ حالانکہ اس کے گھٹنے بندھے ہوئے تھے اور وہ اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ ایک

دوسرے آدمی نے اونٹ کے گھٹنے کھولے تو وہ اٹھنے کے قابل ہوا۔ اس طرح قریش اور حلیف قبائل واپس لوٹ گئے۔ جب صبح صادق نے رات کا پردہ چاک کیا تو سپاہیوں نے دیکھا کہ میدان جنگ میں دشمن موجود نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراد) لوٹا دیا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا۔ اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے۔‘‘(سورۃ الاحزاب۔ آیت 25)

مسلمان مدینہ منورہ لوٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر فرمایا!

’’اب قریش کی لڑائیاں ختم ہو گئیں آئندہ ہم پیش قدمی کریں گے۔‘‘

ثمامہ کا اسلام

انہی دنوں ثمامہ ابن اثال نامی ایک شخص جو یمامہ کے علاقے کا سردار تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکے سے قتل کرنے کی نیت سے مدینہ میں داخل ہوا اور ناواقفیت کی وجہ سے مدینہ کی گلیوں میں بھٹکنے لگا۔ صحابہ کرامؓ کو اس پر شبہ ہوا اور اسے پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دو۔ یہ شخص تین دن تک مسجد نبوی میں قید رہا۔ اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بہت خاطر مدارت کی اور صبح و شام اپنی خاص اونٹنی کا دودھ اس کے لئے بھیجتے رہے۔ روزانہ اس سے یہ بھی پوچھتے کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

ثمامہ کہتا۔۔’’ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک معزز انسان کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو ایک سپاس گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر میری رہائی کے عوض رقم طلب کریں گے تو مہیا کر دی جائے گی۔‘‘

تیسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسی وقت اس کو رہا کر دیا۔ اب ثمامہ کا جسم مکمل طور پر آزاد تھا، مگر اس کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ سلوک کا اسیر ہو چکا تھا کہ رہائی کے بعد اس نے مسجد سے باہر جا کر غسل کیا اور واپس آ کر بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا الا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ثمامہؓ کی صداقت اور کایا پلٹ سے بہت مسرور ہوئے اور ان کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی خوشخبری دی۔ اس کے بعد حضرت ثمامہؓ نے عمرہ کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ عمرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب وہ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ نے پوچھا:

’’کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟‘‘ (کہ اللہ کو لاشریک کہہ رہے ہو)

انہوں نے کہا۔۔۔ ”نہیں، بے دین نہیں ہوا، بلکہ دیندار ہوا ہوں کیونکہ حضرت محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کا پیروکار بن گیا ہوں اور یاد رکھو کہ آئندہ تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں ملے گا جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم نہیں دیں گے۔“ اہل مکہ کے لیے جو غلہ آتا تھا، وہ یمامہ سے گزر کر آتا تھا۔ حضرت ثمامہؓ نے واپس جا کر حسبِ وعدہ غلہ بند کر دیا اور اہل مکہ بھوک سے بلبلا اُٹھے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا:

”کیا تم اپنے آپ کو رحمت اللعالمین نہیں کہتے ہو؟“

”کہتا ہوں۔“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

”مگر ہمارے ساتھ تمہارا سلوک مختلف ہے۔“ ابوسفیان بولا ”تم نے ہمارے بڑوں کو تلوار سے مار ڈالا اور بچوں کو بھوک سے مار رہے ہو۔ میں تمہیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمارے حال پر رحم کرو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی حالتِ زار پر رحم آگیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ثمامہؓ کو پیغام دیا کہ اہلِ مکہ کی تجارت کے راستے کھول دیئے جائیں۔

صلی اللہ تعالیٰ حبیبہ محمد وسلم

اہمیت ونتائج

ا۔ جزیرۂ عرب کی متعدد اسلام دشمن قوتوں نے اپنی تمام افرادی قوت اور مادی وسائل کو جمع کر کے بڑے جوش وخروش سے مرکز اسلام پر حملہ کیا تھا۔ اس حملہ کے ساتھ انہوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن ان کی یہ متحدہ مہم جس مایوس کن ناکامی سے دوچار ہوئی، اس نے ان کی کمر توڑ دی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اتنی قوت وہ دوبارہ ہرگز جمع نہیں کر سکتے اس لئے اب اس نوخیز اسلامی مملکت اور اس کے دین کو وہ قطعاً کوئی شکست نہیں پہنچا سکیں گے۔

۲۔ یہود جو مدینہ طیبہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے بازاروں اور تجارتی منڈیوں میں ان کو بالادستی حاصل تھی۔ زرعی زمینیں، باغات اور نخلستان ان کی ملکیت تھے۔ باہمی معاہدہ کی وجہ سے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بغض و عناد کے جذبات جوش مارتے رہتے تھے۔ اس غزوہ کے باعث ان کی اسلام دشمنی ظاہر ہو گئی۔ معاہدہ توڑنے میں انہوں نے پہل کی۔ ان سنگین حالات میں ان کی عہد شکنی اور خیانت کرنے کے سبب مسلمان ان کو سزا دینے میں آزاد ہو گئے۔

صلح حدیبیہ

مشرکین کے ظلم وستم سے تنگ آکر مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آباد ہو گئے تھے۔ مگر کفار نے انہیں یہاں بھی آرام کا سانس نہیں لینے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس ناروا سلوک کی مذمت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو کیوں عذاب نہ دیں۔ حالانکہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد الحرام میں آنے سے روک دیا۔" (سورۃ الانفال۔ آیت 34)

ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو خواب سنایا اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ جانے کا ارادہ فرمایا۔ مکہ جانے کی خبر سن کر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ مکہ مہاجرین کا آبائی اور محبوب وطن تھا مدت سے وہ لوگ مکہ نہیں گئے تھے مہاجرین کو اکثر مکہ کی یاد آتی تھی انہیں زیارت کعبہ کی بھی بڑی خواہش تھی۔ مدینہ کے مسلمان بھی بے چینی سے اس وقت کے منتظر تھے جب انھیں بھی اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت نصیب ہو۔

عمرے کے لئے روانگی

ہجرت کے چھٹے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ اس بار مسلمانوں کے قافلے میں کئی سو اونٹ بھی شامل تھے۔ سردارانِ قریش کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا۔ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔ اگر اجازت دے دی جائے کہ مسلمان کئی سو اونٹ کے ساتھ مکہ میں داخل ہو جائیں تو یہ اندیشہ تھا کہ وہ مکہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اگر دو ہزار مسلمان مکہ میں داخل ہو جائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب وہ وہاں سے جائیں گے تو دو ہزار سے زیادہ نہیں ہونگے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خدشات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لئے اپنے سفیر خراشؓ بن اُمیّہ خزاعی کو بھیجا تاکہ قریش کو بتائے کہ مسلمانوں کا مقصد صرف کعبہ کی زیارت کرنا ہے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، اگر مسلمان جنگ کے لئے آتے تو ہتھیار پہن کر آتے۔ لیکن سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفیر مکہ نہیں پہنچ سکا۔ دو سو سواروں کا دستہ جس کی قیادت عکرمہ ابنِ ابو جہل کر رہا تھا، راستہ میں مزاحم ہوا اور قاصد اور اسکے ساتھیوں کو پکڑ لیا۔ انکے جتنے اونٹ تھے انکی ٹانگیں کاٹ دیں۔ مسلمان سفیر اور اسکے ساتھی اونٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد ریگستان میں بھٹک گئے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ مسلمانوں کے قافلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

حدیبیہ

مسلمانوں نے ”ذوالحلیفہ“ کے مقام پر قربانی کے اونٹوں پر نشان لگانے کی رسم ادا کی۔ اس ہی مقام پر عمرہ کیلئے احرام باندھے اور مکہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ذوالحلیفہ کا پہاڑی راستہ اختیار کیا اور مکہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔ ذوالحلیفہ کی سرزمین سے گزرنے کے بعد وہ لوگ ایک انتہائی تنگ اور دشوار پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے جہاں سے اونٹوں کا گزرنا مشکل اور خطرناک تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں مسلمانوں کو سورج کی حدت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح راستہ طے کرلیا اور ایسے علاقے میں داخل ہوگئے جس کا نام ”حدیبیہ“ مشہور تھا۔ حدیبیہ مکہ سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے پورا مکہ نظر آتا ہے۔ مکہ میں رہنے والوں کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ان کا دل تڑپ اٹھا کہ تھوڑی دیر بعد وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو سے جسم و جان معطر ہوجائیں گے۔

دل گرفتہ کیفیت

لیکن ٹھیک ایسے لمحات میں جبکہ مسلمان احترام کے جذبے اور والہانہ عشق سے مکہ پہنچنے کی تمنا کررہے تھے پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اونٹ چلتے چلتے رکا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹ کو اٹھانا چاہا وہ اٹھ گیا لیکن اٹھنے کے بعد دو قدم پیچھے ہٹا اور دوبارہ بیٹھ گیا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ سے اتر آئے اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ ہم اس جگہ قیام کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سن کر سارے مسلمان اونٹوں سے اتر آئے۔ لیکن وہ بہت غمگین اور دل گرفتہ تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ مکہ کی حدود میں داخل ہوکر، مکہ سے باہر ٹھہرنا پڑے گا۔ یہ جگہ حدیبیہ کے علاقے میں تھی۔ موسم بہار میں پانی وافر مقدار میں ہوتا تھا لیکن اس وقت وہاں پانی نہیں تھا۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔ اس کے ارد گرد جو گاؤں آباد تھا وہ بھی اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ اس کا کچھ رقبہ حدود حرم میں ہے اور کچھ حدودِ حرم سے باہر ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے نو میل دور واقع ہے۔

مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا:

”یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہمارے ساتھ کئی سو اونٹ ہیں اور ہم تقریباً دو ہزار افراد ہیں۔ یہاں پانی نہیں ہے۔ ایسے خشک علاقے میں کیسے رہیں گے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں پانی ہو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کیلئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی:

”اے خالق و مالک اللہ تعالیٰ! اگر آپ پانی مہیا نہیں کریں گے تو مسلمان بے اختیار حرم میں داخل ہوجائیں گے۔“

وہاں ایک کنواں تھا جو خشک تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تیر لیا اور تیر کو کنوئیں میں گاڑنے کا حکم دیا۔ کنویں میں جیسے ہی تیر گاڑا گیا پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔

مذاکرات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر سن کر قریش کے لوگ اس الجھن میں گرفتار ہوگئے کہ اگر ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں تو جزیرۃ العرب کے لوگ مخالف ہو جائیں گے۔ عرب قبائل یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں اور حج و عمرہ اور زیارت کعبہ اب قریش کی مرضی سے ہوگا اور اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قافلے کو مکہ میں آنے دیتے ہیں پورے عرب میں شرمندگی ہوگی کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم پر غالب آگئے۔ اس مخدوش صورت حال سے نمٹنے کے لئے انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو سفیر مقرر کیا تاکہ وہ حدیبیہ جاکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مذاکرات کرے۔ عروہ بن مسعود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا:

''تم لوگ کس مقصد سے آئے ہو؟''

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''ہم خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔''

عروہ بن مسعود کو قربانی کے وہ اونٹ دکھائے جن پر قربانی کے نشان لگے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران عروہ نے بڑی بدتمیزی سے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس کو ہاتھ لگایا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے غضب ناک ہوکر تلوار کی نوک اس کے ہاتھ میں چبھوئی اور بولے،

''گستاخی نہیں کر ادب سے بات کر۔''

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عروہ سے کہا،

''اے عروہ! اگر تو سفیر نہیں ہوتا تو ہم تجھے موت کی نیند سلا دیتے۔''

عروہ بن مسعود قریش کے پاس پہنچا تو اس نے قریش کے بزرگوں سے کہا:

''میں نے روم کا دربار اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا دربار دیکھا ہے۔ لیکن جو وفاداری اور جان نثاری مسلمانوں کے دلوں میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کیلئے ہے وہ مجھے قیصر اور نجاشی کے دربار میں نظر نہیں آئی۔''

عروہ بن مسعود کے بعد ایک اور شخص قریش کے سفیر کی حیثیت سے حدیبیہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اونٹ انکے ساتھ ہیں۔ واپس جاکر قریش سے کہا :

”میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ہے۔ جن پر سلیقہ (قربانی کا مخصوص نشان) بنا ہوا تھا۔ اسکے علاوہ میں نے سنا، کہ وہ حج کا مخصوص ورد پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں اور میرے خیال میں ان کے اوپر پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔“لیکن قریش مطمئن نہیں ہوئے۔ انہوں نے حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔ حلیس جب وہاں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”قریش کے نمائندے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ جہاں جانا چاہے، جائے۔ جس سے چاہے ملاقات کرے اور جو چاہے دیکھے۔“

حلیس بن علقمہ نے بھی یہی دیکھا کہ سارے مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے لئے اپنے ساتھ اونٹ لائے ہیں۔ حلیس کو کہیں بھی ہتھیار نظر نہیں آئے۔ حلیس تیزی سے مکہ پہنچا اور قریش کے سامنے اپنے تاثرات بیان کیے:

”اے مکہ کے سردارو! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ انکی نیت میں کھوٹ نہیں ہے۔ میرے خیال میں انہیں مکہ آنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ ہر شخص کو خانہ کعبہ کی زیارت کا حق ہے۔ خانہ کعبہ پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔“ قریش کے سردار مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ پر رضامند نہیں ہوئے۔ تو حلیس ناراض ہو گیا۔ اور کہا:

”اگر تم نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیروکاروں کو مکہ میں آنے اور کعبہ کی زیارت سے روکا تو میں تم لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور تم بھی آج کے بعد سے مجھے اپنا اتحادی نہیں سمجھنا۔“

مسلمانوں کے سفیر، حضرت عثمانؓ

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جب قریش سے ملاقات کی تو اہل مکہ نے کہا: ”آپؓ ہمارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپؓ کو اجازت دیتے ہیں کعبہ کا طواف کریں اور عمرہ ادا کریں لیکن محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔“ کور چشم قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہو گئی اور اس دوران مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت الرضوان

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے کہ آخری دم تک وفادار رہے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ فرمایا اور اپنے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی۔

سورۃ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔" (سورۃ الفتح آیت۔10)

کفار کا سفیر

"بیعت رضوان" کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر درست نہیں تھی۔ دو دن دو رات کے مذاکرات کے بعد قریش نے "سہیل بن عمرو" کو سفیر بنا کر ایک وفد کے ساتھ حدیبیہ بھیجا تاکہ وہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضروری مذاکرات کرے۔ تاکہ "عدم جارحیت" کا معاہدہ طے پایا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ معاہدے کی دستاویز تیار کریں۔ حضرت علیؓ نے لکھنا شروع کیا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم "

سہیل بن عمرو نے فوراً ٹوکا اور بولا :

"ہم رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے، علی کو "باسمک اللّٰھم" لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ قدیم زمانے سے ہم عربوں کے تمام معاہدے اسی نام سے شروع ہوتے ہیں۔"

حضرت علیؓ نے اگلا فقرہ لکھا:

یہ معاہدہ ہوا ہے محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور سہیل بن عمرو کے درمیان۔" لیکن سہیل بن عمرو نے ایک بار پھر اعتراض کیا اور کہا:" اس طرح نہ لکھو کیونکہ ہم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خدا کا رسول نہیں مانتے اور اگر مانتے تو مکہ میں آنے سے کیوں روکتے؟ لہٰذا اس معاہدے کا آغاز اس طرح ہونا چاہیئے " : یہ معاہدہ ہے محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان۔"

حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا۔۔۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"یا علی! وہی لکھو جو سہیل کہتا ہے تاکہ اس کی رضامندی حاصل رہے۔ "

صلح نامہ

معاہدے کے الفاظ یہ ہیں:

"باسمک اللّٰھم۔ یہ معاہدہ طے ہوتا ہے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اور اس معاہدے کی رو سے قریش یہ منظور کرتے ہیں کہ

۱۔ آئندہ دس سال تک مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان جنگ نہیں ہوگی اور اگر ان دس سالوں میں کوئی شخص قریش کی اجازت کے بغیر مسلمانوں سے آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسے قریش کے حوالے کر دیں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کے حوالے نہیں کریں گے۔

۲۔ دس سالوں میں کوئی فریق دوسرے کی جان اور مال کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

۳۔ دس سالہ مدت میں قریش کو اجازت ہوگی کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں آزادانہ معاہدہ کریں اور اپنی مرضی سے راہ و رسم بڑھائیں۔

۴۔ مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے اور کعبہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی لیکن اگلے سال وہ کعبہ کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔ تاہم شرط یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہریں گے اور تلوار کے علاوہ کوئی دوسرا ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔" یہ معاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش مکہ کے درمیان ہوا۔ مسلمان قریش کی طرف سے لگائی ہوئی پابندی پر دل گرفتہ تھے اور اسے اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "تم انشاءاللہ مکہ ضرور جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کرو گے۔"
حضرت ابو جندلؓ کی واپسی معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہونے کے بعد حضرت ابو جندلؓ مکہ سے فرار ہوگئے اور حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں سے آملے۔ حضرت ابو جندلؓ کے حدیبیہ پہنچتے ہی سہیل بن عمرو بھی وہاں آگیا اور اس نے کہا:

"ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدے کی رو سے اگر کوئی شخص فرار ہو جائے اور تمہاری پناہ میں آجائے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو۔ لہٰذا میرے لڑکے ابو جندل کو میرے حوالے کیا جائے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو جندلؓ کو ان کے باپ کے حوالے کر دیا۔

حضرت ابو جندلؓ نے عرض کیا، "یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا،

"ابو جندل ڈرو نہیں! اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کریں گے۔"

لیکن اس واقعہ سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور کعبہ کی زیارت سے محروم ہونے کے بعد ان کے اعصاب پر یہ دوسری کاری ضرب تھی۔ لیکن بیعت رضوان نے انہیں بے قابو نہیں ہونے دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ عام مسلمان بہت رنجیدہ ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں جمع کر کے سورۃ الفتح یہ آیتیں سنائیں:

''اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا اُن پر چین اور انعام دی اُن کو ایک فتح نزدیک۔ ''

(سورۃ الفتح۔ آیت 18)

صلح نامہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو اور سر منڈوا کر احرام کھول دو۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ حکم دیا مگر صحابہ کرامؓ اس قدر شکستہ دل اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع پر بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اُمُّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ سے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کیا: '' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا اونٹ ذبح کر کے سر منڈوا لیں مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کریں گے۔ ''سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قربانی کر کے سر منڈوا لیا تو صحابہ کرامؓ نے قربانیاں دیں اور سر منڈوا لیا اور احرام سے باہر آ گئے۔

اسلامی فوج

عام مسلمان معاہدے کے دیرپا اثرات کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ جب وہ اپنے سر منڈوانے اور احرام سے نکلنے کے بعد مدینہ روانہ ہوئے تو وہ بہت غم زدہ اور دل گرفتہ تھے۔ ایسی حالت میں جبکہ مسلمان دلوں میں درد چھپائے مدینہ کی جانب گامزن تھے۔ راستے میں ایک اور مسلمان حضرت ابو بصیرؓ نے جو مکہ سے بھاگ نکلے تھے، مسلمانوں سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت ابو بصیرؓ ابھی اطمینان کا سانس نہیں لینے پائے تھے کہ قریش کے دو افراد بھی وہاں پہنچ گئے اور مطالبہ کیا''یا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! معاہدے کی رو سے ابو بصیرؓ کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ ''

حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا

''یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اس مرتبہ اس شخص کو واپس نہ بھیجیں۔ یہ ہم سے پناہ مانگنے آیا ہے اگر ہماری جان بھی چلی جائے تو اسے قریش کو نہیں دیں گے۔ ''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: '' ہم ایفائے عہد کے پابند ہیں۔ ''

یہ جواب سن کر مکہ سے آنے والے دو آدمیوں نے مسلمانوں کے سامنے حضرت ابو بصیرؓ کو اونٹ کی پیٹھ پر باندھا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بصیرؓ نے راستہ میں اپنی رسیاں توڑ ڈالیں اور آزاد ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت ابو بصیرؓ نے دو میں سے ایک شخص

کو موت کی نیند سلادیا جبکہ دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ حضرت ابو بصیرؓ دوبارہ مسلمانوں سے آملے اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔ اگلے روز زندہ بچ جانے والا شخص مسلمانوں کے قافلے تک پہنچ گیا اور ابو بصیرؓ کا مطالبہ کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ حضرت ابو بصیرؓ کو اس شخص کے حوالے کر دیا جائے لیکن اس سے پہلے کہ قریش کا نمائندہ حضرت ابو بصیرؓ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے وہ فرار ہو گئے۔ حضرت ابو بصیرؓ نے مکہ جانے کے بجائے ریگستان میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔

حضرت ابو بصیرؓ ذوالمروہ کے مقام پر پناہ گزین ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت ابو جندلؓ بھی مکہ سے فرار ہو کر ذوالمروہ پہنچ گئے اور حضرت ابو بصیرؓ سے آملے پھر رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان بھی مکہ سے نکل کر ذوالمروہ پہنچنا شروع ہوگئے اور ایک گروہ تشکیل پا گیا۔ حدیبیہ کا معاہدہ ہوئے ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ ذوالمروہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ ایک فوج بن گئی۔ وہ مکہ جانے والے کاروانوں کا راستہ روک کر مال غنیمت حاصل کرنے لگے۔ ذوالمروہ کے مسلمانوں نے قریش کو اس طرح سے ناک چنے چبوا دیئے کہ انہوں نے عاجز و لاچار ہو کر خود ہی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ وہ ذوالمروہ میں جمع ہونے والے مسلمانوں کو مدینہ بلوالیں۔ اس طرح ذوالمروہ کے مسلمان مدینے آگئے۔

جنگ خیبر

"خیبر" ایک بڑی آبادی یا شہر کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں نے کئی مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ یہ نہایت ہی زرخیز علاقہ ہے۔ کھیتی باڑی اور اجناس خورد و نوش اس جگہ کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس علاقے کی آب و ہوا قدرے غیر صحت مند ہے۔ خیبر سرزمین عرب پر یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اہلِ حق نے جب یہودیوں کو بد عہدی، جھوٹ اور فریب کے جرم میں مدینہ سے جلاوطن کیا تو قبیلہ بنو نضیر خیبر میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ خیبر کے یہودی بہادر اور طاقت ور تھے، مسلّح تھے، دولت مند تھے۔ خیبر کی سونا اُگلتی زمینوں اور سرسبز و شاداب نخلستانوں کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت اچھی تھی، آمدنی (income) وافر تھی۔ آمدنی کا اکثر حصہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کی سازشوں میں خرچ ہوتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیبیہ کے سفر سے ذوالحجہ ۶ھ میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ یہاں آکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیبر کے یہودیوں کی سازشوں کے بارے میں آگاہی ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے باوجود انہوں نے اپنی عداوت کے طور طریقے نہیں بدلے۔ وہ لوگ بدستور مسلمانوں کے تجارتی قافلوں کو خیبر کے مضافات سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ تاکہ مسلمان شمالی ملکوں سے اقتصادی رابطہ قائم نہ کر سکیں۔ یہود کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے کے لئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ خیبر کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ لہٰذا مدینہ طیبہ میں بیس پچیس روز قیام کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد سولہ سو (۱۶۰۰) تھی جن میں سے چودہ سو پیدل اور دو سو گھوڑے سوار تھے۔

خواتین کی شرکت

غزوہ خیبر میں کچھ خواتین بھی شریک سفر ہوئیں۔ چند خواتین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ خیبر میں یہودیوں کے خلاف جنگ کے لئے تشریف لے جارہے ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے جائیں تاکہ ہم میدان جنگ میں زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کر سکیں۔ انہیں وقت پر دوا اور پانی دے سکیں۔ ہم لڑائی کے دوران تیر اُٹھا اُٹھا کر لائیں گی اور مجاہدین کو دیں گی۔ اس طرح ہم سپاہیوں کی مدد کریں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا یہ جوش اور جذبہ دیکھتے ہوئے اجازت عطا فرمادی۔

جائے قیام کا انتخاب

خیبر سے تھوڑے فاصلے پر بنو غطفان کے قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل یہودیوں کے معاون اور مددگار تھے۔ غزوہ خندق میں بھی یہ مسلمانوں کے خلاف رہے تھے۔ جب بنو غطفان کو اطلاع ملی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے جنگجو جوانوں کو جمع کیا تاکہ اہل خیبر کی مدد کے لئے روانہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلیٰ حربی بصیرت سے کام لیتے ہوئے لشکر گاہ کے لئے ایسی جگہ منتخب فرمائی کہ خیبر اور غطفان کا درمیانی راستہ کاٹ ڈالا تاکہ بنو غطفان ، اہل خیبر کی مدد نہیں کر سکیں۔ دوسری جانب بنو غطفان خیبر کی طرف ایک منزل طے کر چکے تو انہیں شور سنائی دیا وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیا ہے۔ اس خیال سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لیے آگے بڑھنے کے بجائے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا

دوران سفر ایک دن صحابہ کرامؓ نے جوش میں آکر نہایت بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کرنے شروع کر دیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

"آہستہ۔۔۔ تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو، نہ غائب کو۔ تم جسے پکار رہے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے۔"

جب یہ کاروان حدود خیبر میں داخل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کاروان کو قیام کا حکم دیا، سب ٹھہر گئے اور یہ دعا فرمائی:

"یا اللہ! آسمانوں اور جن چیزوں پر آپ سایہ فگن ہیں ان کے رب۔ اے سات آسمانوں اور جو انہوں نے اوپر اٹھایا ہوا ہے۔ ان سب کے رب! ہواؤں اور جن کو وہ اُڑا رہی ہے ان کے رب! ہم آپ سے ان کے اس گاؤں کی خیر اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم اس گاؤں کے شر اور اس کے رہنے والوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔"

پھر فرمایا:

"اقدموا بسم اللّٰہ"

اللّٰہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

خیبر کا محل وقوع

خیبر کا قلعہ بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم تھا اور ہر حصہ متعدد قلعوں پر مشتمل تھا۔

ا۔ حصون النطاۃ۔۔۔اس حصہ میں تین قلعے تھے:

الف۔ الناعم ب۔ الصعب ج۔ قلۃ زبیر

۲۔ حصون الشق۔۔۔اس حصے میں دو قلعے تھے۔

الف۔ حصن ابی ب۔ حصن براء۔ اس قلعہ کو البرید بھی کہا جاتا تھا۔

۳۔ حصون الکتیبہ۔۔۔اس حصے میں تین قلعے تھے۔

الف۔ حصن القموص ب۔ الوطیح ج۔

سلالم

یہودی اپنے اپنے قلعوں میں مورچہ بند ہوگئے۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال کو "الکتیبہ کے قلعے" میں ٹھہرا دیا۔ اسی قلعے میں مال و اسباب کو بھی محفوظ کر دیا۔ غلّے کے انبار اور اسلحہ کے ذخائر "قلعہ الناعم" میں جمع کر دیئے گئے۔

جنگ کا آغاز

سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نطاۃ کے قلعوں کو فتح کرنے کا عزم فرمایا اور نطاۃ کے قلعوں میں سب سے پہلے قلعہ الناعم کا محاصرہ کیا اور جلد ہی الناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی فتح ہوگئے۔ البتہ القموص نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا اس کو فتح کرنا ایک مسئلہ بن گیا۔ ہر صبح مسلمان اس قلعے پر حملہ کرتے اور شام کو واپس آجاتے۔ کئی دن تک اس کا محاصرہ جاری رہا۔ خیبر کی مضر آب و ہوا کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوگئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا پرچم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو عطا فرما دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فوج کی کمان سنبھال لی اور قلعہ پر حملہ کیا لیکن شدید مزاحمت کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی۔ خراب موسم کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ بیمار ہوگئے۔ دوسرے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی جگہ حضرت عمرؓ کو فوج کی قیادت سونپ دی اور پرچم ان کے حوالے کر دیا۔ مگر مضبوط قلعوں پر کوئی ضرب نہیں پڑ سکی۔

فاتح خیبر

یہ صورت حال جب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے عرض کی گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
"کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس قلعے کو فتح فرمادیں گے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی سب مجاہدین نے سن لیا۔ انکی یہ رات پیچ و تاب میں گزری۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کو نصیب ہو۔ جب صبح ہوئی تو سارے مجاہدین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ وہ یہ جاننے کیلئے از حد بے قرار تھے کہ وہ کون خوش نصیب ہے جس کو آج پرچم عطا کیا جائے گا؟ آشوبِ چشم کی وجہ سے حضرت علیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے تو حضرت علیؓ نے سوچا "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاد پر تشریف لے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" چنانچہ حضرت علیؓ خیبر تشریف لے آئے اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جمعہ ادا فرما چکے تو جھنڈا منگوایا اور پوچھا:

"علیؓ کہاں ہے؟"

عرض کیا:" ان کی دونوں آنکھیں دُکھ رہی ہیں اس لیے یہاں موجود نہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بلایا۔ جب حضرت علیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تشریف لائے تو عرض کیا :"مجھے نظر نہیں آتا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میرے نزدیک آجاؤ۔"

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا سر اپنی گود میں رکھا اور لعاب دہن میری آنکھوں پر لگایا، تو اسی وقت میری آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ اور مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا پرچم عطا فرما دیا اور ہدایت فرمائی کہ پہلے دشمنوں کو اسلام کی دعوت دینا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق سے آگاہ کرنا اگر تمہاری تبلیغ سے کوئی ایک آدمی بھی راہِ راست پر آ گیا تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ حضرت علیؓ رخصت ہو کر قلعے کے سامنے تشریف لے گئے اور جاکر اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔ ایک یہودی نے اس قلعے کی چھت سے جھانکا اور پوچھا:"آپ کون ہیں؟" حضرت علیؓ نے فرمایا:"میں علی ہوں۔" یہودی کے منہ سے نکلا:"اس خدا کی قسم! جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل کی آپ یہودیوں پر غالب آجائیں گے۔"

مبارزت

یہودیوں نے حضرت علیؓ کی دعوت اسلام کو مسترد کر دیا اور لڑائی کیلئے مدمقابل آ گئے اور اپنا جنگجو آگے بھیجا۔ حضرت علیؓ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے آگے بڑھے اور پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کی طرف سے کئی جانباز جنگجو آئے اور کوئی

بھی کامیاب نہیں ہوا۔ جنگ خیبر کے دوران حضرت علیؓ نے دس دن میں چار قلعوں کو فتح کیا۔ جبکہ بقیہ قلعوں میں رہنے والوں نے خود ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

"اور اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا وہ علاقہ دیا جہاں تم نے کبھی پیر بھی نہیں رکھا تھا وارث بنادیا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ "(سورۃ الاحزاب۔ آیت 27)

فتح خیبر کے بعد

فتح خیبر کے بعد پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کے ساتھ مہربانی اور عفو و در گزر فرمایا۔ انہیں اجازت دے دی گئی کہ وہ خیبر چھوڑ کر چلے جائیں اور ساتھ گھریلو سامان لے جاسکتے ہیں۔ کھجوریں، مویشی اور غلہ اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جو یہودی خیبر چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے انہیں وہاں رہنے کی اجازت مل گئی اور یہ رعایت بھی حاصل ہو گئی کہ وہ اپنا کاروبار کر سکتے ہیں۔ یہودیوں کی تمام مقدس کتابیں اور دوسرے اہم کاغذات بھی لوٹا دیئے گئے۔

اہمیت و نتائج

۱۔ خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے۔ مشرکین اور یہود۔ اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔ یہودیوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر اکسایا تھا۔ جس کا پہلا مظہر خندق کا معرکہ تھا۔ لیکن خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔

۲۔ غزوہ خیبر سے پہلے تمام جنگیں دفاعی ہوئیں۔ یہ پہلی اقدامی جنگ تھی۔ یہ پہلا علاقہ ہے جسے فتح کر کے اسلامی ریاست میں شامل کیا گیا۔

۳۔ فتح خیبر کے بعد اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ جب چاہیں جس وقت چاہیں یہود کو یہاں سے نکال سکتے ہیں۔ اس لئے یہود اپنی شرارتوں سے باز آ گئے۔

۴۔ فتح خیبر کے بعد اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے تو عرب کے جنگی دستور کے مطابق یہودیوں کو قتل کرواسکتے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ اس حسن سلوک سے بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔

معرکہ موتہ

۱۔ جزیرہ عرب کے مشرق اور مغرب میں دو عالمی قوتیں، ایران اور روم موجود تھیں۔ جنھوں نے تقریباً ساری دنیا کو اپنے قبضے میں لیا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں صدائے "لا الہ الا اللہ" بلند ہوئی اور حق کو فتح نصیب ہوئی۔ اسلام کی پے در پے فتوحات نے دشمنانِ اسلام کو چونکا دیا۔ قیصر روم کو جب اسلامی فتوحات کا علم ہوا تو اس نے مسلمانوں سے مقابلے کیلئے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصریٰ کے گورنر کو گرامی نامہ تحریر فرمایا، گورنر کا نام حارث بن ابی شمر الغسانی تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا کہ تم اسلام قبول کر لو۔ یہ گرامی نامہ حضرت حارث بن عمیر الازدیؓ لے کر گئے۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کے ایک رئیس شرجیل بن عمرو الغسانی نے پوچھا:

”آپ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ کیا آپ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قاصد ہیں؟“

حضرت حارثؓ نے فرمایا:

”ہاں میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاصد ہوں۔“

یہ سنتے ہی اس نے حضرت حارثؓ کو رسیوں سے باندھ دیا اور پھر ان کا سر قلم کر دیا۔

اس زمانے میں قاصد یا سفیر کا قتل ایک بدترین اور ناقابل معافی جرم تھا اور اس سے قبل کسی نے بھی سفیر کو کبھی قتل نہیں کیا تھا۔ یہ جرم اعلانِ جنگ سمجھا جاتا تھا۔ آج بھی اسے سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔

لشکر اسلام کو ہدایت

جب یہ المناک خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شہید صحابیؓ کا انتقام لینے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ مجاہدین مدینہ طیبہ سے تین میل دور جرف کے مقام پر جمع ہوئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لائے اور ظہر کی نماز قائم کی۔ نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا:

”اس لشکر کا سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ کو مقرر کرتا ہوں اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب اس لشکر کی کمان سنبھالیں گے۔ اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ مجاہدین کے سپہ سالار ہوں گے اور اگر یہ بھی راہِ حق میں شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں۔“

حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت جعفرؓ طیار حضرت علیؓ کے بھائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاص مصاحب تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے حضرت زیدؓ کو علم عطا فرمایا۔ علم سفید رنگ کا تھا۔ مجاہدین کو تاکید فرمائی:

”سب سے پہلے حارثؓ بن عمیر شہید کی قبر پر حاضری دیں اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو بہت اچھا ہے اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کریں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدین اسلام کو رخصت کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی۔

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور جو مسلمان تمہارے ہم سفر ہیں ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے منکر لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ کسی کو دھوکا نہ دینا۔ بد دیانتی نہ کرنا۔ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ کسی بوڑھے کو اور خانقاہوں میں گوشہ نشیں رہنے والوں کو قید نہ کرنا۔ کسی درخت کو نقصان نہ پہنچانا اور نہ اس کو کاٹنا اور کسی مکان کو منہدم نہ کرنا۔"

لشکر اسلام کی روانگی

جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں تین ہزار سپاہیوں کی اسلامی فوج موتہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اسلامی فوج نے جب مدینہ طیبہ سے کوچ کیا تو شرجیل بن عمر الغسانی کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی تو اس نے بھی جنگ کے لئے ایک لاکھ فوج روانہ کر دی۔ اسلام کے جانباز مدینہ طیبہ سے جب ملک شام کے "معان" نامی قصبے میں پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ شرجیل کی فوج کے علاوہ ہرقل بھی ایک لاکھ فوج کے ساتھ "بلقاء" میں خیمہ زن ہو گیا ہے۔

شہادت

جب اسلامی لشکر بلقاء (شام) پہنچا تو رومی لشکر سے آمنا سامنا ہوا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا فرمایا ہوا علم حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپؓ کی تلوار موت بن کر دشمنوں کی صفوں پر قیامت برپا کر رہی تھی۔ بالآخر ایک دشمن نے نیزہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے سینے میں اتار دیا اور حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ اسلام کا پرچم ان کے ہاتھ سے زمین پر گرتا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آگے بڑھے اور پرچم اُٹھالیا۔ کفار کے تیر اور تلواروں نے آپؓ کو شدید زخمی کر دیا۔ لیکن حضرت جعفرؓ آخر دم تک دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ اسی دوران ایک رومی نے اپنی تلوار سے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے جھنڈا اُٹھالیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔۔۔ اس کے بعد حضرت ثابتؓ بن قیس آگے بڑھے اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھالیا اور بلند آواز میں مجاہدین سے کہا:

"اے اسلام کے سرفروشو! اب ایسا آدمی منتخب کر لو جو اسلامی علم کو بلند رکھ سکے۔"

لوگوں نے کہا: "ہم تمہیں اپنا علمبردار بناتے ہیں۔"

حضرت ثابتؓ بن قیس نے کہا: "میں اس کے لائق نہیں۔"

سامنے حضرت خالدؓ بن ولید کھڑے تھے، حضرت ثابتؓ بن قیس نے حاضرین سے پوچھا: "کیا تم خالدؓ کو قائد لشکر منتخب کرنے پر رضامند ہو؟

سب نے بیک آواز کہا: "ہم رضامند ہیں۔"

حکمت عملی

حضرت خالدؓ نے وہ علم پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے جس وقت جام شہادت نوش کیا مغرب کا وقت تھا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی چھاؤنیوں میں واپس آ گئے۔ اگلے روز حضرت خالدؓ کی جنگی حکمت عملی سامنے آئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اسلامی لشکر کی ترتیب بدل دی اور لشکر کی نئے طریقے سے صف بندی کی۔ میسرہ کے فوجیوں کو میمنہ پر اور میمنہ کے فوجیوں کو میسرہ پر صف آرا کر دیا۔ دشمن کے سپاہی جب آمنے سامنے ہوئے تو دیکھے ہوئے چہروں کے بجائے انہیں اجنبی چہرے نظر آئے۔ انہوں نے سمجھا کہ اسلامی لشکر میں نئی فوج شامل ہو گئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی دشمن کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے دشمن کی نفسیاتی بے چینی اور اضطراب کو محسوس کر لیا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن کے بے شمار نوجوان موت کے گھاٹ اتر گئے اور بہت سے دشمنوں نے خوفزدہ ہو کر میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کر لی اور مسلمانوں کو بہت سامال غنیمت حاصل ہوا۔

حضرت خالدؓ نے بہادری سے جنگ کی اور وہ مسلمانوں کو کفار کے بے شمار لشکر کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ دورانِ جنگ حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ سات دن جنگ جاری رہی۔ فرزندانِ توحید عقابوں کی طرح رومی لشکر پر جھپٹے اور ان کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید خداداد جنگی صلاحیت کی بنا پر اسلامی لشکر کو اپنے سے ساٹھ گنا زیادہ دشمنوں کے حصار سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان جنگ کا حال بتایا

احادیث میں ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ مقام موتہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظروں کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براہِ راست میدان جنگ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ گویا خود میدان جنگ میں موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اہل حق اور رومیوں کے درمیان جنگ شروع ہے۔ زیدؓ کفار کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔۔۔۔۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ اب جعفرؓ معرکہ آزما ہیں۔۔۔۔۔ وہ بھی شہادت پا گئے۔ اب عبداللہؓ نے علم اُٹھایا ہے۔۔۔۔۔ وہ بھی راہِ خدا میں نثار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاروں کی حالت بتانے کے بعد غم زدہ ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ کچھ دیر سکوت کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ اب خالدؓ نے کمان سنبھال لی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بہترین بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمادی ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

"یااللہ! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ پس تو اسکی مدد فرما۔"

اس روز سے حضرت خالدؓ بن ولید "سیف اللہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

خیر مقدم

مسلمان بڑے اطمینان سے اپنے مرکز مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینے کے قریب پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دیگر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ خیر مقدم کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے آئے اور اسلامی لشکر کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں جو بچے شامل تھے وہ ایک ہجوم کی طرح آگے آگے دوڑ رہے تھے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی سواری پر تشریف لا رہے تھے۔ بچوں کی طرف دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ان بچوں کو سواریوں پر بٹھا دو اور جعفرؓ کے بیٹے کو مجھے دے دو۔" چنانچہ حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ بن جعفرؓ کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ کو اُٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔ جب وہ لشکر سامنے آیا تو کچھ لوگوں نے ان کا استقبال طعنوں سے کیا

"یافرار فررتم فی سبیل اللّٰہ"

"اے بھگوڑو! تم راہِ خدا میں جہاد کرنے سے بھاگ آئے ہو اس زندگی سے میدان جہاد میں شہید ہونا تمہارے لیے باعث عزت تھا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جملے سنے تو فوراً ارشاد فرمایا:

"انشاء اللہ یہ بھاگنے والے نہیں ہیں یہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں۔"

یہ روح پرور ارشاد سن کر مسلمانوں کی پریشانی دور ہو گئی۔

اہمیت و نتائج

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ یہی لوگ جو غزوہ موتہ میں رومیوں کے خلاف اسلامی فوج کا حصہ ہونے کی شکل میں ٹکرائے تھے اور بظاہر اس جنگ کا کوئی حتمی فتح یا شکست کی صورت میں نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ "کہ یہ بھاگنے والے نہیں ہیں بلکہ یہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں۔" کچھ ہی عرصہ کے بعد حرف بحرف سچ ثابت ہوئے اور مسلمانوں نے قلیل عرصے میں رومیوں اور ایرانیوں کو بڑے بڑے معرکوں میں شکست فاش دینے کے بعد سارا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا اور یوں قیصر و کسریٰ جیسی یہ عظیم حکومتیں اور ان کے رہنے والے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر دین و دنیا کی بے پناہ دولت سے سرفراز ہوئے اور اسلام کے لئے ان لوگوں نے بہت سے لازوال کارنامے انجام دیئے۔

باب 6

فتح مبین (فتح مکہ)

حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو شرطیں یہ بھی تھیں:

۱۔ فریقین دس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔

۲۔ عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ ہر قبیلہ نے اپنی مرضی سے جس فریق کے ساتھ اپنا مستقبل محفوظ سمجھا اس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔

مکہ کے گردونواح میں جو قبائل آباد تھے، ان میں سے دو قبیلے ایسے تھے جن کی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ ایک قبیلہ بنو بکر کہلاتا تھا اور دوسرا خزاعہ۔ بنو بکر نے قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا۔ معاہدہ کے بعد امن و صلح کا دور شروع ہو گیا اور تمام فریق ہنسی خوشی وقت گزارنے لگے۔ اس دوران مسلمانوں سے ربط کی وجہ سے خزاعہ کے بیشتر افراد مسلمان ہو گئے، مگر بنو بکر قریش کے ساتھ تعلق کی وجہ سے کفر پر قائم رہے۔

کفار کی عہد شکنی

کافی عرصے تک دونوں قبیلے صلح حدیبیہ کے پابند رہے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتے رہے۔ پھر اچانک بنو بکر نے خزاعہ کے ساتھ قدیم دشمنی کو یاد کر کے خزاعہ پر حملہ کرنے اور انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور ایک رات بغیر کسی سبب کے خزاعہ کی کسی بستی پر چڑھائی کر دی۔ خزاعہ بے خبر تھے۔ ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ رات کے اس پہر دشمن کوئی کاروائی کر سکتے ہیں اس لیے بے خبری میں مارے گئے اور پہلے ہی حملے میں ان کا ایک آدمی قتل اور متعدد زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی جو رات بھر جاری رہی۔ بنو بکر چونکہ قریش کے حلیف تھے اس لئے اس لڑائی میں قریش کے سرداروں نے ان کی بھرپور مدد کی۔ ان کا خیال تھا کہ رات کے اندھیرے میں ہمیں کوئی نہیں پہچان سکے گا اور کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ ہم نے بنو بکر کی مدد کی ہے۔۔۔ بنو خزاعہ نے جان بچانے کے لئے حرم میں پناہ لی۔ اُنہیں امید تھی کہ یہاں ان کو امان مل جائے گی لیکن دشمن نے حدود حرم کا بھی پاس نہیں کیا اور ان کو قتل کرتے رہے۔

ان حملہ آوروں میں سے چند آدمیوں نے اپنے سردار نوفل بن معاویہ کو پکار کر کہا کہ "اے نوفل! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ دیکھتے نہیں کہ تم حرم میں داخل ہو گئے ہو اور پھر بھی قتل کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔"

(نعوذ باللہ) اس وقت اس نے ایسا جملہ زبان سے نکالا کہ زمین بھی لرز اٹھی۔

اس نے کہا: "آج کوئی خدا نہیں۔ آج دشمن سے انتقام لینے کا موقع ہے۔ خبر دار! آج کوئی شخص انتقام لینے میں سستی نہ کرے۔ دشمن جہاں ملے اسے قتل کر دو۔"

بہر حال بنو بکر کو چونکہ قریش کی مدد حاصل تھی، اس لئے لڑائی میں ان کا پلہ بھاری رہا اور انہوں نے خزاعہ کے تیئس آدمی مار ڈالے۔ صبح کی روشنی پھیلنے لگی تو قریش کے سردار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور بنو بکر اپنی بستی کی طرف لوٹ گئے۔

قریش کے سردار جو اسلام کی عداوت میں اندھے ہو چکے تھے، وہ اپنی غلطی پر پچھتائے اور دور اندیش لوگوں نے ملامت کی۔ حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا:

"اے صفوان اور عکرمہ تم نے معاہدے کو توڑ دیا ہے، یہ معاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ طے پایا تھا۔ اس عہد شکنی کے نتائج بھگتنے کیلئے اب تیار ہو جاؤ۔"

بنو خزاعہ بارگاہِ رسالتؐ میں

بنو خزاعہ قبیلہ کے چالیس افراد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ جب بنو خزاعہ کے وفد نے بارگاہِ رسالتؐ میں اپنی داستان بیان کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت رنج ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "بنو بکر۔"

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"بنو بکر تو بہت بڑا قبیلہ ہے ان میں سے کن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کی:

"بنو نفاثہ نے اور ان کی قیادت نوفل بن معاویہ کر رہا تھا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"یہ بنو بکر کا ایک خاندان ہے۔ میں حالات معلوم کرنے کیلئے ایک قاصد بھیجتا ہوں جو ان کے سامنے تجاویز پیش کرے گا۔ ان میں سے جس تجویز کو وہ چاہیں پسند کر لیں۔"

تین تجاویز

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قاصد مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ صحیح مجرم کا پتہ لگائیں اور ان کے سامنے یہ تجاویز پیش کریں: قاصد نے مکہ پہنچ کر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام سنایا:

"میں اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاصد ہوں اور تمہارے سامنے یہ تجاویز پیش کرتا ہوں۔"

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت (خون بہا) ادا کریں۔

۲۔ قریش، بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

اہل مکہ کا حتمی فیصلہ

ان تجاویز کو سننے کے بعد قریش نے باہم مشورہ کیا۔

قرظہ بن عمر جو نابینا تھا اس نے کہا:

"اگر ہم خزاعہ کے مقتولوں کی دیت دیں گے تو ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں بچے گی۔ اس لیے پہلی تجویز ہمارے لیے قابل قبول نہیں دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم بنو بکر سے دوستی کا معاہدہ توڑ دیں، یہ بھی ہمارے لیے ناقابلِ قبول ہے کیونکہ بنو بکر عرب کے تمام قبیلوں میں کعبہ شریف کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں البتہ تیسری تجویز ہمیں منظور ہے۔ ہم اعلانیہ صلح حدیبیہ کو ختم کرتے ہیں۔"

اہل مکہ کی پشیمانی

یہ فیصلہ سن کر قاصد مدینہ واپس آ گئے۔ قاصد کی واپسی کے بعد اہل مکہ کی آنکھیں کھلیں اور اس کے خوف ناک نتائج نے ان کو پریشان کر دیا۔

ابو سفیان کی تگ ودو

اس کے بعد ابو سفیان بن حرب مدینے آیا۔ اس کی ایک بیٹی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں تھیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچا تو سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کے گھر گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے جب بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو اُم المومنینؓ نے فوراً وہ بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ ابو سفیان نے کہا:

"میری بچی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اس پر بیٹھوں۔"

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے والد کو جواب دیا کہ

''یہ بستر اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور تم مشرک ہو۔ اس لئے میں نہیں برداشت کر سکتی کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک بستر پر بیٹھو۔''

ابوسفیان اپنی بیٹی کے اس رویہ سے مایوس ہو کر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے عرض کیا:

''جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا تھا تو میں وہاں نہیں تھا۔ اب میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاہدے کی تجدید فرمائیں اور معاہدے کی مدت میں اضافہ کر دیں۔''

لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مایوس ہو کر وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا:

''میری پناہ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پناہ کے تابع ہے۔ میں الگ سے کوئی پناہ دینے کا مجاز نہیں ہوں۔''

وہاں سے ناکام ہو کر حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی ابوسفیان کو دوٹوک جواب دے دیا۔

پھر ابوسفیان حضرت عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمائے تھے۔

وہاں سے اٹھ کر سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے فرمایا:

''اے ابوسفیان! تیرا بھلا ہو۔ بخدا جب اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بات کا عزم فرما لیتے ہیں تو ہماری یہ مجال نہیں ہوتی کہ ہم اس میں مداخلت کریں۔''

ابوسفیان وہاں سے چلا گیا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا:
''اے اللہ ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے اور ہماری کوئی اطلاع قریش کو نہیں ملے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر حملہ کر دیں۔''

جب مکہ والوں کو ابوسفیان کی واپسی کی خبر ہوئی تو اس کے پاس جمع ہو گئے اور ابوسفیان سے پوچھا:

''تم کیا کر کے آئے ہو؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی تحریر تمہیں دی ہے یا معاہدہ کی مدت میں توسیع کا وعدہ کیا ہے۔''
ابوسفیان نے کہا:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

اہلِ مکہ کی جانب حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا خط

حضرت حاطبؓ ایک معزز صحابی تھے۔ آپؓ کا تعلق مکہ سے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حملہ کی تیاری مکمل کرلی تو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے اہلِ مکہ کو ایک مخفی خط لکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادہ سے انہیں مطلع کیا اور خط ایک عورت کو دیا کہ وہ اسے بڑی احتیاط سے اہلِ مکہ تک پہنچادے۔ حضرت حاطبؓ کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمادیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور مقدادؓ بن اسود کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً روانہ ہوجاؤ۔ راستے میں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کی تلاشی لینا۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لینا۔

یہ حضرات تیزی سے اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہوگئے اور اس کو پکڑلیا۔ وہ اونٹ پر سوار تھی، اسے اُتارا اور اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن خط نہیں نکلا۔ حضرت علیؓ نے اس عورت کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا" :اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نبی نے ہرگز غلط بیانی نہیں فرمائی، تمہارے پاس یقیناً وہ خط ہے۔ بہتر ہے کہ وہ خط تم ہمارے حوالے کردو۔" جب اس عورت کو یقین ہوگیا کہ معاملہ اب سنگین ہوگیا ہے تو اس نے اپنی چوٹی کھولی اور اس میں جو خط اس نے چھپا کر رکھا تھا، نکالا اور دے دیا۔ حضرت علیؓ نے وہ خط بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حاطبؓ کو طلب فرمایا، اور ان سے پوچھا" :اے حاطبؓ! یہ تم نے کیا کیا؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! بخدا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر میرا پختہ ایمان ہے، میں ہرگز مرتد نہیں ہوا۔ میرا مکہ میں کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا جو ان حالات میں میرے اہل وعیال کی خبرگیری کرتا۔ میں نے یہ خط لکھ کر ان پر ایک احسان کیا ہے تاکہ وہ اس احسان کے بدلے میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں۔"

حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاطبؓ کا یہ عذر سن کر فرمایا:

"حاطبؓ نے سچی بات بتادی ہے۔"

اس موقع پر حضرت حاطبؓ کو ان کی اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست مت بناؤ، جو میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔"(سورۃ الممتحنہ۔ آیت 1)

پہلی قیادت

۱۰ رمضان المبارک آٹھ ہجری کو اسلامی لشکر مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ جب رات ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ سب لوگ الگ الگ الاؤ روشن کریں۔

اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ اندھیرے میں دور سے دیکھنے پر بہت بڑا لشکر نظر آئے اور دشمنوں کے دلوں پر رعب اور ہیبت طاری ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کیا اور وسیع و عریض میدان میں دس بارہ ہزار الاؤ روشن کر دیئے۔ دور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے لاکھوں کا لشکر خیمہ زن ہے۔

ابوسفیان بن حرب کی گرفتاری

اہل مکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عظیم الشان لشکر کے ہمراہ مکہ کے قریب آ پہنچے ہیں، اس لئے تین آدمی۔۔۔ ابوسفیان بن حرب، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مکہ سے نکلے۔ نگہبانی پر مامور دستے کی ان پر نظر پڑی تو، انہوں نے ان تینوں کو گرفتار کر لیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے گئے۔ راستے میں حضرت عباسؓ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت عباسؓ اور ابوسفیان کے مکہ میں بہت اچھے تعلقات رہے تھے، اس لئے انہوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے جانے لگے۔ جب حضرت عمرؓ کے الاؤ کے پاس سے گزرے اور حضرت عمرؓ کی ابوسفیان پر نظر پڑی تو ان کے غصے کی انتہا نہیں رہی۔ کیونکہ مسلمانوں کی بیشتر مشکلات کا سبب یہی شخص تھا۔ چنانچہ اس کو دیکھتے ہی بآوازِ بلند گویا ہوئے "یہ رہا اللہ کا دشمن ابوسفیان۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے قابو میں دے دیا ہے؛ جبکہ ہمارا نہ اس کے ساتھ کوئی پیمان ہے، نہ کوئی معاہدہ۔"

حضرت عمرؓ اُٹھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے گئے۔ حضرت عباسؓ نے یہ دیکھ کر اپنی رفتار بھی تیز کر دی اور حضرت عمرؓ سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچ گئے۔ اسی دوران حضرت عمرؓ بھی آ پہنچے اور عرض کیا" یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اللہ تعالیٰ نے دشمنِ خدا ابوسفیان کو ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کر دوں۔"

حضرت عباسؓ نے کہا۔۔۔" یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں اس کو پناہ دے چکا ہوں۔"

مگر حضرت عمرؓ نے اپنی بات پر اصرار جاری رکھا، آخر حضرت عباسؓ کو غصہ آ گیا اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر گویا ہوئے "ابوسفیان میرے قبیلے کا آدمی ہے، اس لئے تم بڑھ چڑھ کر بول رہے ہو۔ اگر تمہارے قبیلے بنی عدی کا فرد ہوتا تو یوں باتیں نہ کرتے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔"نہیں عباس! یہ بات نہیں ہے۔ خدا کی قسم! جس دن آپؓ اسلام لائے تھے، اس روز مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا اور اسلام لاتا، تب بھی اتنی مسرت نہ ہوتی اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس قدر آپؓ کے اسلام لانے سے خوشی حاصل ہوئی تھی، اتنی مسرت میرے والد کے ایمان لانے پر نہ ہوتی۔"

بہر حال حضرت عباسؓ چونکہ ابوسفیان کو پناہ دے چکے تھے، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عباسؓ کی اس بات کو قبول کر لیا اور فرمایا۔۔۔"فی الحال تو ابوسفیان کو لے جائیں اور اپنی تحویل میں رکھیں۔ صبح میرے پاس دوبارہ حاضر ہوں۔"

صبح ہوئی اور لوگ نماز کے لئے بیدار ہونے لگے تو ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کیا کرنے لگے ہیں؟

حضرت عباسؓ نے بتایا کہ نماز ادا کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ ابوسفیان نے لوگوں کو انتہائی نظم وضبط سے اُٹھ کر وضو کرتے اور باجماعت نماز ادا کرتے دیکھا تو بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا:

"عجیب اطاعت کا مظاہرہ ہے، محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جس کام کا بھی حکم دیتے ہیں، سب بلاچون وچرا اس پر عمل کرنے لگتے ہیں! اطاعت کا ایسا منظر تو میں نے کسی بڑے سے بڑے شاہی دربار میں نہیں دیکھا۔"

پیشی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان اور دوسرے دو قیدی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رُوبرو پیش کئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے پوچھا۔۔۔"کیا ابھی وہ لمحہ نہیں آیا کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟"

سب نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ کیا شک رہ گیا ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔"یہ بھی گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" ابوسفیان نے پورا کلمہ شہادت پڑھ لیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

دارالامان

اسلام لانے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے پوچھا۔۔۔"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اگر قریش آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل نہ آئیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں تو ان کو امان مل جائے گی؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔"ہاں! جو شخص مزاحم نہ ہو اس کے لئے امان ہے۔"

حضرت عباسؓ نے سرگوشی کی۔۔۔"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ابوسفیان جاہ پسند آدمی ہے، اگر اس موقع پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی کچھ عزت افزائی فرمادیں تو خوش ہو جائے گا۔" دریائے رحمت جوش میں آیا اور فرمایا۔۔۔" جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے بھی امان ہے۔"

مکہ میں داخل ہونے کا منظر

دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ میں داخل ہونے کے لئے کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ جس پہاڑی کے سامنے سے لشکر گزرے گا، اس پر آپؓ ابوسفیانؓ کو لے کر کھڑے ہو جائیں تاکہ ابوسفیانؓ اسلامی لشکر کے جاہ وجلال اور شان وشوکت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا اور بلندی پر کھڑے ہو کر حضرت ابوسفیانؓ کو یہ عظیم الشان منظر دکھایا۔ یہ عجیب روح پرور اور دلکش نظارا تھا۔ بہت بڑا لشکر تھا۔ مختلف قبائل کے لوگ تھے۔ ہر قبیلہ اپنی نمایاں علامت کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا۔

جب یہ قبائل مرکزی کمان کے احکام کے مطابق ایک خاص ترتیب و تنظیم سے یکے بعد دیگر مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو ان کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ رجزیہ اشعار پڑھتے، نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ترانے گاتے ہوئے جب یہ لوگ ابوسفیانؓ کے سامنے سے گزرے تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔

مکہ میں داخل ہونے والے پہلے دستے کی قیادت حضرت علیؓ نے کی۔ ان کے ہاتھوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مخصوص پرچم لہرا رہا تھا۔ دوسرا دستہ حضرت زبیرؓ بن عوام کی قیادت میں مغرب کی جانب سے مکہ میں داخل ہوا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری مشرق کی طرف سے مکہ میں داخل ہونے والے تیسرے دستے کی سربراہی کر رہے تھے۔ چوتھے دستے کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید نے کی جو جنوب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ جب مکے میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے اختیار یہ اعلان کیا۔ ’’آج کا دن حملے کا دن ہے اور آج حرمت ختم ہو گئی۔‘‘

جب یہ خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

’’سعدؓ بن عبادہ نے غلط کہا ہے آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے۔‘‘ اور سعدؓ بن عبادہ کو دستے کی سربراہی سے ہٹا کر ان کے بیٹے حضرت قیسؓ بن سعد کو دستے کی سپہ سالاری کے فرائض سونپ دیئے۔

امان

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ اشد ضرورت کے بغیر قطعاً کسی کا خون نہیں بہایا جائے۔ جو لوگ دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں۔۔۔

یا مسجد حرام میں داخل ہو جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور سامنے نہ آئیں، یا سامنے آئیں مگر غیر مسلح ہوں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان سب کے لئے۔۔۔ امان ہے۔

مزاحمت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ میں داخل ہوتے وقت کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا البتہ حضرت خالدؓ بن ولید کو بعض ناعاقبت اندیش جوانوں نے روکنے کی کوشش کی اور حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے پر تیر برسائے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مجبور ہو کر دفاعی حملہ کیا مشرکین کے تیرہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور باقی لوگ بھاگ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چونکہ خونریزی سے منع فرمایا تھا، اس لئے حضرت خالدؓ بن ولید کو بلا کر فرمایا کہ تم نے میرے منع کرنے کے باوجود اتنے آدمیوں کو کیوں قتل کر دیا؟۔۔۔

حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔۔۔" یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! لڑائی کا آغاز میں نے نہیں کیا تھا۔ میں تو تصادم سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا، مگر جب وہ لوگ ہتھیار اُٹھا کر مقابلے پر آگئے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ان کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔" چونکہ امان صرف ان لوگوں کے لئے تھی جو غیر مسلح ہوں، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خالدؓ کے اس جواب سے مطمئن ہوگئے اور فرمایا:

"اللہ کا فیصلہ ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"

طواف

مکہ مکرمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایک مناسب مقام پر خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہونے کے بعد اس میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر آرام فرمایا، پھر غسل کیا اور تیار ہو کر باہر تشریف لائے۔ دروازے کے سامنے ہزاروں جاں نثار باادب اور خاموش کھڑے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے خیمے کے بالکل قریب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخصوص اونٹنی بٹھا رکھی تھی۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سوار ہوگئے۔ حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے مہار پکڑ لی اور سوئے کعبہ چل پڑے۔ پیچھے پیچھے ہزاروں افراد کا لہریں لیتا ہوا دریا بھی رواں ہو گیا اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ہمراہ طواف شروع کیا تو سب خوشی سے از خود رفتہ ہوگئے۔۔۔ اور کیوں نہ ہوتے۔۔۔؟ کہ یہ دن تھا ہی بے پایاں مسرت کا۔۔۔! پورے عرب کا مرکزی مقام مکہ مکرمہ آج اہل اسلام کے تصرف میں آچکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے جس گھر کے گرد طواف کرنے کے لئے انہیں مشرکین مکہ سے اجازت لینی پڑتی تھی، آج اس کا طواف کرنے میں رکاوٹ ڈالنا تو درکنار، کسی کو ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں تھی۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں کئی سال تک شبانہ روز جدوجہد کرنی پڑی تھی، تب کہیں برتر و بالا خداوند نے ان پر اتنا بڑا اکرم کیا تھا۔ ان کے دل جذباتِ تشکر سے معمور تھے اور زبانیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان کر رہی تھیں:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

خطاب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمانؓ بن طلحہ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کا دروازہ کھول دے۔ اس روز پانچ مسلمان خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۔ حضرت علیؓ

۳۔ حضرت اسامہؓ بن زید

۴۔ حضرت بلالؓ

۵۔ کعبہ کے کلید بردار عثمانؓ بن طلحہ

فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل نے مٹ جانا ہی تھا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 81)

کا ورد کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے سب سے بڑے بُت کی طرف اشارہ کیا وہ گر گیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے خانہ کعبہ سے 360 بُت نکال کر باہر پھینک دیئے گئے۔ اہل مکہ خوف و ہراس کے عالم میں تھے ان کے دل پریشان تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو فاتح فوج مغلوب عوام کے ساتھ کرتی ہے۔ خون سے گلیاں بھر جائیں گی۔ آہ و بکا سے فضا لرز جائے گی۔ لوگ گھر سے بے گھر ہو جائیں گے۔ خواتین بے پردہ ہو جائیں گی۔ بچے یتیم ہو جائیں گے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے مکہ کے باشندو! تم لوگ جنگ کے قانون سے آگاہ ہو اور جانتے ہو کہ عہد شکنی کی سزا کیا ہے، اب جبکہ تم ہمارے مغلوب ہو مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تم سب کو تہہ تیغ کردیں یا اپنا غلام بنالیں۔ لیکن آج میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی چنانچہ تم لوگ آزاد ہو۔۔۔ اور تمہاری جان و مال پر کوئی تعرض نہیں ہے۔۔۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے انہیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں۔ مگر تقویٰ میں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں سارے انسان برابر ہیں۔ لہٰذا دورِ جاہلیت کے وہ تمام اعزازات جو حسب و نسب اور قبیلہ اور منصب کی بالادستی پر قائم تھے آج منسوخ کیے جاتے ہیں۔"

فتح مکہ کے بعد احکامات

فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اور اسلام کے سخت دشمنوں کے مقابلے میں انتہائی نرمی اور فراخدلی کا مظاہرہ فرمایا اور انہیں عفو و بخشش سے نوازا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخص عکرمہ بن ابو جہل تھا جو مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی جان کے خوف سے بھاگ گیا تھا۔ عکرمہ کی بیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے لئے امان طلب کی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عکرمہ کی جان بخش دی۔ اسلام کا ایک بڑا دشمن عفوان بن امیہ بھی عفو و درگزر سے بہرہ ور ہوا۔ فتح مکہ کے تیسرے دن سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ مسلمانوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ مکے کے مضافات میں جائیں اور جہاں بھی بت نظر آئیں انہیں توڑ دیں۔ انہی لوگوں میں خالدؓ بن ولید بھی شامل تھے۔ جنہیں یہ حکم ملا کہ نخلہ جا کر وہاں کے بتوں کو توڑ دیں۔

عورتوں کی بیعت

فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں سے بیعت لی۔ بیعت ہونے والوں میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی۔ ایک عورت بہت سی عورتوں کے جھرمٹ میں نقاب اوڑھے ہوئے آئی اور کہنے لگی" الحمدللہ، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین کو غلبہ عطا فرمایا۔ یا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! مجھے یقین ہے کہ میں بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت سے حصہ پاؤں گی، کیونکہ میں اللہ پر ایمان لانے والی اور تصدیق کرنے والی عورت ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے نقاب اُٹھادیا اور کہا "میں ہندہ ہوں، عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان بن حرب کی بیوی۔" یہ وہی ہندہ ہے جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ ہندہ جب ایمان لے آئی تو رحمت اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سارے قصور معاف کر دیئے اور جبینِ انور پر کوئی شکن لائے بغیر نہایت فراخ دلی سے فرمایا "خوش آمدید"۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہندہ اور اس کے ساتھ آئی ہوئی عورتوں کو بیعت کیا اور ان سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد لیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ترجمانی کر رہے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔" اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا"!

ہندہ نے کہا۔۔۔" اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو کیا آج ہمارے کام نہیں آتا؟"!

حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔"چوری نہیں کرنا"!

ہندہ نے کہا۔۔۔"یارسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! میرا خاوند ابوسفیان بہت کنجوس آدمی ہے، کیا اس کے علم میں لائے بغیر میں اس کی اولاد پر کچھ خرچ کر سکتی ہوں؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ہاں، ضرورت کے مطابق لے سکتی ہو۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔"زِنا نہیں کرنا۔"

ہندہ نے کہا۔۔۔"کیا آزاد عورتوں نے بھی کبھی زِنا کیا ہے؟"

حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔" اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا۔"

ہندہ نے کہا۔۔۔" ہم نے تو پال پوس کر ان کو بڑا کیا تھا، مگر آپ نے میدانِ بدر میں ان کو مار ڈالا۔"

یہ دلچسپ جملہ سن کر حضرت عمرؓ کافی دیر تک مسکراتے رہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔"رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جن اچھے کاموں کا حکم دیں، ان پر عمل کرنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی نہیں کرنا۔"

ہندہ نے کہا۔۔۔" یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃوالسلام !میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ کیسی عمدہ اور اعلیٰ بات حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے ہم کو سکھائی ہے۔"

فتح مکہ کے نتائج

جب مکہ فتح ہوا۔لوگوں نے جوق در جوق اسلام قبول کرلیا۔

"جب آجائے مدد اللہ تعالیٰ کی اور فتح نصیب ہوجائے اور دیکھ لو اے نبی (علیہ الصلوٰۃوالسلام)!لوگوں کو کہ داخل ہورہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج۔ تو تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش مانگو اس سے بے شک وہی ہیں توبہ قبول کرنے والے۔"(سورۃ النصر)

فتح مکہ کے متعلق مؤرخین نے اعتراف کیا ہے،"تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کوئی فتح خون بہائے بغیر ہوئی ہو۔ قدیم و جدید دنیا کی تاریخ میں مفتوحین کو اس طرح کی عام معافی کبھی نہیں دی گئی اور دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ فاتح نے عام معافی دی ہو۔"

غزوۂ حنین

مکہ مکرمہ سے جانب شمال مشرق چودہ پندرہ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے جو حنین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے لکھا ہے کہ ایک چشمہ کا نام حنین تھا جس کی وجہ سے یہ ساری وادی حنین کہلائی۔ یہاں قبیلہ ہوازن آباد تھا۔ اس قبیلہ کو اپنی افرادی کثرت، اپنے نوجوانوں کی شجاعت وبساطت اور فنون سپہ گری خصوصاً تیر اندازی میں ان کی بے نظیر مہارت کے باعث تمام عرب قبائل میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ اس وادی میں ایک جگہ کا نام اوطاس تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں لشکر اسلام سے ان کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی۔ سیرت کی کتابوں میں یہ غزوہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ اوطاس کے نام سے مشہور ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو فتح کرلیا اور قبائل قریش کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا تو جزیرۃ العرب کے بیشتر قبائل بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے لگے لیکن قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کا معاملہ اس کے برعکس تھا اسلام کا غلبہ دیکھ کر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف مضطرب ہوگئے کہ اب ان کی باری ہے لشکر اسلام اب ان پر حملہ کرے گا اور ان کی ریاست اور حکمرانی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ قبیلہ ہوازن کے رئیس مالک بن عوف النصری نے اور قبیلہ ثقیف کے امیر کنانہ بن عبد یالیل نے اس صورتحال سے نپٹنے کے لیے باہمی مشورے کئے۔ مجلس مشاورت میں دونوں قبیلوں کے اہل الرائے کو بھی مدعو کیا گیا۔ سب نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ اگر ہم نے کوئی قدم اُٹھانے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو مسلمان ہم پر حملہ کردیں گے۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ پہل کریں ہمیں فوری قدم اُٹھانا چاہیئے اور مسلمانوں پر حملہ کردینا چاہیے۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن، اور قبیلہ ثقیف کے تمام لوگ اس مہم میں شرکت کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس غزوے میں تقریباً بارہ ہزار مسلمان شامل تھے، جبکہ دشمن کی تعداد بیس ہزار تھی۔

ہوازن اور ثقیف کا اجتماع

مالک بن عوف اس فوج کا قائد تھا۔ اس کی عمر تیس سال تھی وہ بہت ہی جوشیلا جوان تھا۔ اس نے طے کیا کہ عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو بھی میدان جنگ میں لے جائیں، تاکہ لڑنے والوں کے ذہن میں رہے کہ شکست کی صورت میں ہمارے اہل و عیال اور مویشی بھی دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے، اس طرح ہر آدمی مرتے مر جائے گا مگر پیچھے ہٹنے کی نہیں سوچے گا۔ جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ہوازن اپنے قبیلے کے ایک ضعیف العمر مشیر درید بن الصمہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

مشورہ

میدان جنگ میں پہنچ کر درید نے پوچھا۔۔" یہ بچوں، عورتوں اور جانوروں کی ملی جلی آوازیں کہاں سے آرہی ہیں؟" مالک بن عوف نے بتایا" یہ ہماری عورتیں، بچے اور مویشی ہیں۔" "ہم ان کو اس لئے ساتھ لائے ہیں کہ ہر لڑنے والا جان لے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔"" یہ تو بہت غلط کام کیا ہے تم لوگوں نے!" درید نے کہا"کیونکہ جب شکست ہوتی ہے تو بھاگنے والوں کو کوئی شئے نہیں روک سکتی۔ اس لئے میری بات مانو، عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دو۔ اگر تمہیں فتح ہو گئی تو خواتین خود ہی تم سے آملیں گی اور اگر شکست ہو گئی تو کم از کم تمہارے اہل و عیال تو دشمن سے محفوظ رہیں گے۔" مالک کو درید کے مشورے پر سخت غصہ آیا اس نے کہا" میں جو فیصلہ کر چکا ہوں، اس پر بہر صورت عمل کروں گا۔

روانگی

چھ شوال ۸ ہجری کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لشکر کی قیادت کرتے ہوئے حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر میں دس ہزار تو وہی خوش نصیب تھے جو مدینہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آئے تھے اور فتح مکہ میں شامل ہوئے تھے۔ دو ہزار کے قریب مکہ کے نو مسلم تھے۔ علاوہ ازیں جو لوگ ابھی تک مشرک تھے، ان میں سے بھی اسّی افراد شامل تھے۔

آگہی

حنین کے قریب پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کے ساز و سامان اور پلان وغیرہ سے آگہی حاصل کرنے کے لئے حضرت عبد اللہ ابی حدرد اسلمیؓ کو بھیجا۔ حضرت عبد اللہ ابی حدرد اسلمیؓ کو کسی نے نہیں پہچانا اور وہ ان میں گھل مل گئے۔ اس طرح انہوں نے تمام ضروری معلومات حاصل کر لیں اور واپس آکر بتایا کہ وہ لوگ تو عورتوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مویشی بھی ساتھ لائے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کل انشاء اللہ یہ تمام چیزیں مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گی۔"

دوسری طرف مالک ابن عوف نے بھی تین آدمیوں کو معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا، مگر وہ تینوں جلد ہی ہانپتے کانپتے واپس چلے آئے خوف سے ان کا برا حال تھا۔

مالک نے ان سے پوچھا۔۔۔!" تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

انہوں نے کہا:

"ہم نے گورے چٹے آدمیوں کو دیکھا، جو سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہیں دیکھ کر خوف سے ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہمارا یہ مشورہ ہے کہ اس جنگ سے باز آ جاؤ کیونکہ ہم زمین والوں سے تو لڑ سکتے ہیں، لیکن آسمانی مخلوق سے لڑنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ "
یہ سن کر مالک کو غصہ آ گیا اور ان کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔۔۔"تم لوگوں نے یہ کیا کہانیاں شروع کر دیں ہیں۔۔۔!! یہ سب تمہاری بزدلی اور کم ہمتی کا شاخسانہ ہے۔" مالک کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر یہ خبر مشہور ہو گئی تو لشکر میں خوف پھیل جائے گا۔ اس لئے اس نے ان تینوں کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔

لشکر اسلام کی جنگی ترتیب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کے بعد اپنے صحابہؓ کو صفیں درست کرنے کا حکم فرمایا اور مختلف دستوں کے سالاروں کو پرچم تقسیم کئے۔ مہاجرین کا ایک جھنڈا حضرت عمر فاروقؓ کو دوسرا حضرت علیؓ ابی طالب کو تیسرا حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مرحمت فرمایا۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت اسیدؓ بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خبابؓ بن منذر کو عطا فرمایا۔

معرکہ آرائی

جس دن لڑائی ہونی تھی اس سے پہلی رات مالک ابن عوف نے قبیلہ ہوازن و قبیلہ ثقیف کے ماہر تیر اندازوں کو مناسب مقامات پر بٹھا دیا اور کہا کہ جب جنگ شروع ہو جائے تو تم سب یکبار حملہ کر دینا اور تیروں کی بارش کر دینا۔ ابتدا میں مسلمانوں کو خاصی کامیابی ہوئی دشمن پسپا ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ بعض صحابہؓ نے مسلمانوں کی کثیر تعداد دیکھ کر کہا" آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔۔۔؟ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ "اور حنین کے دن، جب تمہاری کثرت نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا، مگر یہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آ سکی اور زمین باوجود فراخ ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی۔ اور تم بھاگ گئے۔"(سورۃ التوبہ۔ آیت 25)

اسلامی لشکر جب وادی حنین کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا دشمن کی گھاٹیوں میں پہنچا تو گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دشمن کے تیر اندازوں نے ان پر تیر برسائے۔ بنو سلیم کے نوجوانوں کو اس کا گمان بھی نہیں تھا۔ ان کے قدم اس طرح اکھڑے کہ پھر وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور جان بچانے کیلئے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ ان کے پیچھے اسلامی لشکر کے سپاہی شکست کھا کر بھاگنے لگے۔ تیر مسلسل برس رہے تھے اور تیر انداز کمین گاہوں میں چھپے ہوئے اور محفوظ تھے۔ جب دشمن نظر ہی نہ آ رہا ہو تو۔۔۔ مقابلہ کس سے کیا جائے اور کیسے کیا جائے؟ مگر اس افراتفری اور ہنگامۂ محشر میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑے پر سوار مسلسل آگے بڑھ رہے تھے اور اعلان فرما

رہے تھے کہ "میں نبی ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔" حضرت عباسؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں تیزی سے آگے بڑھتے دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کی لگام تھام لی، حضرت ابو سفیانؓ ابن حرث (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی) نے رکاب تھام لی اور دونوں مل کر گھوڑے کو روکنے کی کوشش کرنے لگے، کیونکہ تیروں کی برسات میں آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمارہے تھے لوگو!" میرے پاس آؤ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، محمد بن عبداللہ ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آس پاس چند جاں نثار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا فرمائی:

"یااللہ! آپ ہی تعریف کے لائق ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ آپ ازل سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ یااللہ! آپ نے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے یااللہ! میں اس کو پورے کرنے کی تمنا رکھتا ہوں۔"

منظم فوج

دعا کے بعد حضرت عباسؓ سے فرمایا

"کہاں چلے گئے ہیں سب۔۔۔ ذرا انہیں پکاریئے"!

حضرت عباسؓ کی آواز نہایت بلند تھی۔ انہوں نے پوری قوت سے پکارا "اے گروہِ انصار! بیعت کرنے والو"! یہ صدا سنتے ہی ہر شخص لبیک لبیک کہتے ہوئے اس آواز کی طرف دوڑا چلا گیا۔ اس طرح منتشر لشکر چند لمحوں میں پھر سے منظم ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر دوبارہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمانوں کے اس حملے سے پانسہ پلٹ گیا اور شکست فتح میں بدل گئی۔ جنگ حنین میں چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔ چالیس ہزار بکریاں علاوہ ازیں چاندی اور دیگر ساز و سامان بھی بھاری مقدار میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

اہمیت و نتائج

اس معرکہ کے دور رس نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ تھا کہ دیہاتوں میں رہنے والے عرب اور وہ قبائل عرب جو اس معرکہ کے آخری انجام کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اسلام سے متعلق اپنے آخری موقف کا اعلان کریں، اُن سب نے ہوازن کی اس بدترین شکست کے بعد اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا اور طائف اور اس کے مضافات میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

غزوہ تبوک

رجب ۹ ہجری کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے۔ تبوک اس راستے پر واقع تھا جو اس زمانے میں مدینہ منورہ سے شام کی طرف جاتا تھا۔ اس غزوے کا سبب یہ بنا کہ شام سے آنے والے تاجروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر شام میں جمع ہو رہا ہے اور وہ لوگ سلطنتِ اسلامیہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ فرمایا کہ رومیوں کے لشکر کو اسلامی حدود میں داخل نہیں ہونے دیا جائے۔ یہ بہت طویل سفر تھا اور شدید گرمی کا موسم تھا۔ ان دنوں پورا عرب قحط کی لپیٹ میں تھا، اس لئے اہلِ مدینہ تقریباً تہی دست تھے، اسی بنا پر اس کو "غزوۃُ العُسرۃ" بھی کہا جاتا ہے، یعنی تنگدستی والا غزوہ۔ ظاہر ہے کہ ایسی بے سروسامانی کے عالم میں آگ کی طرح تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کرنا آسان کام نہیں تھا۔ منافقین سخت گھبرائے ہوئے تھے اور اہلِ ایمان کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے کہتے پھرتے تھے کہ اس گرمی میں جنگ نہیں کرنی چاہیئے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ آپ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں بیٹھے رہو۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت 83)

حضرت عثمانؓ کا عطیہ

یہ سفر چونکہ طویل تھا اور مشکل حالات میں پیش آرہا تھا، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح اعلان فرما دیا تھا کہ تبوک جانا ہے، تاکہ ہر شخص اس فاصلے کو مدِ نظر رکھ کر تیاری کرے۔ اس غزوے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ ثروت کو تنگ دستوں کی تیاری کی ترغیب دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان سن کر حضرت عثمانؓ گھر تشریف لے گئے اور ایک ہزار دینار لا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایثار

جو لوگ عطیہ دے رہے تھے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جہاد کے لئے بھی جانا تھا، اس لئے سب نے اس بات کا خیال رکھا کہ عطیہ دینے کے بعد گھر میں کم از کم اتنا بچ جائے کہ ہماری غیر موجودگی میں گھر والوں کو فاقے نہ کرنے پڑیں، مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ ان سوچوں سے ماورا تھے اور ان کا اندازِ فکر سب سے نرالا تھا۔ آپؓ کے گھر میں جو کچھ تھا سب کا سب اُٹھا لائے۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا۔۔۔ "ابو بکرؓ! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟" تو انہوں نے بصد اعتماد جواب دیا۔۔۔ "ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ آیا ہوں۔"

اہل خیر

حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ بھی تمام اہلِ خیر نے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حسبِ استطاعت مجاہدین کے لئے امداد فراہم کی۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنا نصف مال لے کر آئے۔ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ ایک سو اوقیہ سونا لے کر آئے ۔ مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات پیش کر دیئے۔ کسی صحابہؓ نے سواری کے لئے اونٹ فراہم کئے اور کسی نے گھوڑے۔ کوئی صاحب غلّہ لے آئے اور کسی نے ہتھیار دیئے۔

روانگی

شب و روز کی مسلسل جدوجہد اور تیاریوں کے بعد آخر کار تیس ہزار افراد پر مشتمل عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ ثنیۃ الوداع کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لشکر کا آخری معائنہ کیا اور قبائل کو احکامات صادر فرمائے۔ علقمہ خزاعی اور ان کے والد کو راستہ بتانے کے لئے ساتھ لیا اور رجب ۹ ہجری کو بروز جمعرات تبوک کی جانب روانہ ہوئے۔

جنگ میں شرکت سے معذرت کرنے والے

بہت سے لوگ روانگی کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمرکاب نہیں ہو سکے اور پیچھے رہ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد تو منافقین کی تھی، جنہوں نے مختلف قسم کے حیلے بہانے کر کے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کو مسترد کر دیا اور ایسے لوگوں کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی آپ (علیہ الصلوٰۃ السلام) سے یہ درخواست نہیں کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں رکھتے جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک میں پریشان ہو رہے ہیں۔“ (سورۃ التوبہ۔ آیت 44 تا 45)

لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو بعض مجبوریوں کی بنا پر ساتھ تو نہیں نکل سکے تھے مگر بعد میں لشکر کے ساتھ جا ملے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ بھی ایسے لوگوں میں شامل تھے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کا اُونٹ بیمار تھا۔ اس لئے وہ بھی ساتھ نہیں جا سکے اور اُونٹ کے علاج معالجے میں مصروف رہے۔ خیال تھا کہ اُونٹ صحت یاب ہو گیا تو بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جا ملوں گا۔ چند دن بعد اُونٹ تندرست ہو گیا تو حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اس پر سامان لادا اور سوار ہو کر چل پڑے، مگر راستے میں اُونٹ پھر بیمار ہو گیا اور چلنے کے قابل نہیں رہا۔ اب مزید تاخیر نا قابلِ برداشت تھی، اس لئے انہوں نے سامان اُتار کر اپنے کندھوں پر رکھا اور اُونٹ کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اس شدید گرمی میں اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر صحرا میں تنہا سفر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر عشق کا جذبہ موجزن ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں معلوم ہوتی۔ طویل صحرا نوردی کے بعد آخر کار وہ لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے حیرت سے کہا

”یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام!ایک آدمی تنِ تنہا اور پیادہ چلا آرہا ہے“!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔” اس کو ابوذر غفاریؓ ہونا چاہئیے۔“

چند لمحوں بعد سب نے تصدیق کر دی کہ واقعی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔” اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، یہ تنہا جئے گا، تنہا مرے گا اور تنہا اُٹھایا جائے گا۔“ جب ابوذر غفاریؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو پیاس سے بے حال تھے۔ پانی پی کر حواس بحال ہوئے تو اپنی داستان بیان کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔” ابوذر غفاریؓ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہر قدم کے عوض تمہارا ایک گناہ معاف فرمایا ہے اور ایک درجہ بلند کیا۔ یہ مژدہ جانفزا (خوشخبری) سن کر حضرت ابوذر غفاریؓ ہشاش بشاش ہو گئے۔

قوم ثمود

لشکر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سربراہی میں تبوک کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں مقام حجر سے لشکر کا گزر ہوا۔ جہاں قوم ثمود نے اپنے مکانات تراش کر بنائے تھے چونکہ اس مقام پر عذابِ الٰہی نازل ہو چکا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام کرے نہ پانی پئے۔

طلبِ بارش

سفر کے دوران ایک دفعہ پانی ختم ہو گیا اور لوگ پیاس کی شدت اور گرمی کی حدت سے بے چین ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا۔۔” یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے ہم پر برکتیں نازل فرمائی ہیں، آج بھی دعا فرما دیجئے۔“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیئے بادل گھِر آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ چند ہی لمحوں میں جل تھل ہو گیا اور خشک ندی نالوں میں پانی رواں ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے جی بھر کر پانی پیا اور پانی سے برتن بھر لئے۔ ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ بارش صرف اس حصے میں ہوئی تھی جہاں لشکر مقیم تھا۔ باقی سارا صحرا بدستور خشک تھا۔ اس قدر گرم موسم میں اتنا طویل سفر بذاتِ خود ایک مسئلہ تھا، پھر سامان خورد و نوش کی کمی نے مزید مسائل پیدا کر رکھے تھے۔ کبھی غلہ ختم ہو جاتا تھا، کبھی پانی، مگر قربان جائیں ان حوصلہ شکن حالات میں بھی ان نفوسِ قدسیہ کے صبر و ثبات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بالآخر یہ کاروان عزم و ہمت مصائب و مشکلات کی گھاٹیاں عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور منزلِ مقصود کے قریب جا پہنچا۔

تبوک میں قیام اور واپسی

تبوک جانے کا مقصد رومیوں سے جہاد کرنا تھا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تھی کہ انہوں نے اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش قدمی کرتے ہوئے خود ہی سرحد پر

جا پہنچے تو رومیوں پر ہیبت چھا گئی اور ان کو سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک میں پندرہ بیس دن قیام فرمایا۔ اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارد گرد آباد مختلف قبیلوں کے سرداروں سے ملاقاتیں کیں اور صلح کے معاہدے کئے۔ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی سے بہت متاثر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بہت سے تحائف پیش کئے۔

اس غزوے میں اگرچہ لڑائی تو نہیں ہوئی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء کی شجاعت و بہادری کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی اور پھر زندگی بھر کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اہمیت و نتائج

تبوک کا سفر مسلمانوں کے لئے بے حد فوائد اور حکمتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

۱۔ غزوہ تبوک کے موقعہ پر جب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو صحابہ کرامؓ اپنی استطاعت کے مطابق مال لے کر حاضر خدمت ہوگئے۔ اس طرح مالدار لوگوں کو اجر عظیم جنت کی بشارت اور اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ جبکہ فقرا اور غریب صحابہ کرامؓ کی دستگیری ہوئی اور یوں لشکر اسلام تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ اتنی کثیر تعداد میں جمع ہوا۔

۲۔ اس موقعہ پر منافقین جو کہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے اور خود کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا جاں نثار کہتے تھے۔ ان کا راز فاش ہو گیا۔

"جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کو معاف کرو سو ان کی طرف توجہ نہ کرنا یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں ان کے بدلے کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت 95)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا رعب اور دبدبہ ڈال دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے اور یوں دشمن کا ٹڈی دل لشکر میدان سے فرار ہو کر روم کے شہروں میں بکھر گیا۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عمل مبارک سے یہ ظاہر فرمادیا کہ جب اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تو سب کام چھوڑ کر دین حنیف کی عظمت کے لئے دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا چاہیئے اور ایسے وقت قوم کے قائد کو لشکر کے ساتھ پیش پیش رہنا چاہیئے۔ اس غزوہ کے بعد عرب کے اندر اور باہر موجود کفار کو پھر ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آتے۔

۵۔ اس غزوہ میں عیسائی حکمرانوں میں سے ایلاء کا حاکم یوحنا نہ صرف جزیہ دینے پر رضامند ہو گیا بلکہ اس نے مال کثیر بھی پیش کیا اس کے علاوہ جرباء اور اذرح کے باشندوں نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کو ایک امان نامہ لکھوا کر دیا۔

۶۔ مذکورہ حالات کو دیکھ کر جزیرہ نما عرب کے اندر اور باہر جو قبائل ابھی تک اس امید پر زندہ تھے کہ مسلمان گو پورا عرب فتح کر چکے ہیں مگر رومی وہ طاقت ہے جو مسلمانوں کو شکست دے دیں گے۔ وہ لوگ رومیوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ غزوہ تبوک میں رومیوں کے بھاگ جانے سے اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اب مسلمانوں کی عظیم روحانی اور اجتماعی قوت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اس لئے انہوں نے پرانے دوستوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا اور مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی سرحدیں وسیع ہو گئیں۔

حجۃ الوداع

ہجرت کے بعد دس سال میں پیغمبرِ اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جزیرۃ العرب میں روزانہ ۸۲۲ مربع کلو میٹر پیش قدمی فرمائی ہے۔ اسلام کے آغاز میں مسلمان اتنے تہی دست اور غریب تھے کہ پہلی تین جنگوں میں دو سپاہیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ لیکن بعد میں مسلمان اتنے طاقتور ہو گئے کہ جنگ حنین میں ان کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے اور جنگ تبوک میں اسلامی لشکر کے پاس دس ہزار گھوڑے تھے۔

۔۔۔پہلی لڑائی میں مسلمانوں کے پاس چند افراد تھے۔ یہ لڑائی نخلہ کے مقام پر ہوئی۔

۔۔۔دوسری لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

۔۔۔جنگ احد میں سات سو مسلمان تھے۔

۔۔۔جنگ تبوک میں مسلمانوں کے پاس تیس ہزار سپاہی تھے۔

بعض جنگوں میں مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا اور بعض میں انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۹ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہو گئے اور مدینے میں قیام پذیر رہے۔ اس سال سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفیروں اور آنے والے قبائل کے نمائندوں سے ملاقات فرمائی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے جزیرۃ العرب کے مذہبی، سیاسی اور عسکری پیشوا تھے۔

سفر حج

تاریخ شاہد ہے کہ ہجرت کے دسویں سال سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چودہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ حج کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

اس حج کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حجۃ الوداع، حجۃ التمام، حجۃ البلاغہ اور حجۃ الاسلام۔

ہجرت کے دسویں سال اعلان کیا گیا کہ اس سال حجاج کرام کا جو قافلہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے مکہ جائے گا اس قافلہ کے سالار رحمت اللعالمین، محبوب رب العالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہوں گے۔ جیسے جیسے حج کا مہینہ قریب آرہا تھا، قافلے مدینہ پہنچنے

لگے۔ ذی القعد کی پچیس تاریخ تھی، ہفتہ کا دن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو دجانہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، ازواج مطہراتؓ کو اس سفر میں ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔

احرام کی نیت

جب ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو سب کو قیام کرنے کا حکم ملا۔ ذوالحلیفہ ایک چشمے کا نام ہے جو مدینہ سے پانچ یا چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ظہر کی نماز سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احرام کے لئے غسل فرمایا، سر مبارک میں تیل لگایا، کنگھی کی اور خوشبو لگائی، پھر احرام کی باندھا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر تلبیہ فرمائی۔

تلبیہ کے کلمات یہ ہیں:

لبیک اللّٰھم لبیک

حاضر ہوں میں اے اللہ تعالیٰ، حاضر ہوں

لبیک لا شریک لک لبیک

حاضر ہوں میں، آپ کا کوئی شریک نہیں میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں

ان الحمد والنعمۃ

ساری تعریفیں آپ کے لیے اور ساری نعمتیں آپ نے عطا فرمائی ہیں

لک والملک لا شریک لک

آپ سارے ملکوں کے بادشاہ ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ یہ سفر جاری رکھا اور یہ قافلہ اس وقت مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام ذو طویٰ تھا۔ رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گاؤں میں قیام فرمایا۔ تا کہ رات بھر آرام کرنے سے سفر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لئے مکہ میں داخل ہوں تو تازہ دم ہو کر آگے بڑھیں۔ فجر کی نماز ذو طویٰ میں ادا کی پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر کو طے کرنے کے لئے مسلمانوں نے آٹھ رات دن راستے میں گزاریں۔

طواف

ذوالحج کی چار تاریخ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اہلِ مکہ بے تابی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منتظر تھے۔ اور بنی ہاشم کے معصوم بچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نظر پڑی تو سب کے چہرے دمک اُٹھے۔ خصوصاً بچوں کی خوشی اور مسرت تو دیکھنے کے قابل تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خوشیوں اور مسرتوں کو دوبالا کر دیا بچوں کو پیار کیا۔ کسی بچے کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ کسی سے ہاتھ ملایا اور دعائیں دیں۔

باب بنی شیبہ کی جانب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم میں تشریف لائے۔

جب کعبہ پر نظر پڑی تو ان الفاظ میں بارگاہ رب العزت میں التجا کی :

”اے اللہ! اپنے گھر کے شرف کو، اس کی عظمت کو، اس کی عزت کو اور زیادہ بڑھا۔“

ایک اور روایت میں یوں مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کعبہ شریف کی زیارت کرتے تو ان الفاظ میں التجا کرتے :

”اے اللہ! آپ ہی سلام ہیں۔ آپ ہی میں سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی سے زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کے شرف اور عزت اور تکریم اور رعب میں اضافہ فرما۔“ پھر حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم پر تشریف لائے، دو رکعت نفل ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

”مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو۔“ (سورۃ البقرہ۔ آیت 125)

طواف سے فارغ ہونے کے بعد صفا و مروہ کی طرف تشریف لے گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

”بے شک صفا مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور خوب جاننے والا ہے۔“ (سورۃ البقرہ۔ آیت 158)

سات چکر پورے کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احرام نہیں کھولا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہمراہ قربانی کے جانور لائے تھے۔ آٹھ ذوالحج تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے۔ آٹھ تاریخ کو مکہ سے منیٰ تشریف لے آئے۔

میدانِ عرفات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء منیٰ میں ادا کیں اور رات کو وہاں قیام کیا۔

سورج طلوع ہونے کے بعد ۹ ذوالحج کو وہاں سے عرفات تشریف لے گئے۔ مسجد نمرہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ جگہ میدان عرفات کے مشرقی جانب ہے۔ ۹ ذوالحج سن ۱۰ھ کو جب سورج ڈھل گیا تو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر وادیٔ نمرہ میں "جبل الرحمت" پر جلوہ افروز ہوئے۔

خاتم الانبیاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری خطبہ

خطبہ حجۃ الوداع اسلام کا اساسی دستور اور بنیادی اصول کی حیثیت کا حامل ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ حجۃ الوداع وفات سے تقریباً اسّی روز قبل فرمایا:

"لوگو! میری باتیں غور سے سنو!

کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم لوگوں سے نہ مل سکوں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اسی لئے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اسی طرح کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اے لوگو!

ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تم دنیا کا بوجھ سمیٹ کر اپنی گردن پر رکھے ہوئے آؤ اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لائیں۔ اگر ایسا کیا تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ آج کا دن اور اس مہینہ کی تم جس طرح حرمت کرتے ہو اس طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور کسی کا مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ تمہارے سب کاموں کا حساب لیں گے۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔

یاد رکھو!

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ وہ عورتیں تم پر حلال ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان پر تم نے تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔

غلاموں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ جیسا تم کھاتے ہو ویسا ان کو کھلانا۔ جیسے تم کپڑے پہنتے ہو ویسے ہی ان کو کپڑے پہنانا۔ اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے اور تم معاف نہ کر سکو تو ان کو جدا کر دینا کیونکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت برتاؤ نہیں کرنا۔

لوگو!میری بات غور سے سنو!

خوب سمجھواور آگاہ ہوجاؤ!

جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔سب مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہوگئے ہیں۔تمہارے بھائی کی چیز تم پر اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ تمہیں خوشی سے نہ دے۔

خبر دار!۔۔۔۔۔۔۔۔زمانۂ جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے کچل دی گئی ہیں۔زمانہ جہالت کے تمام خون معاف ہیں۔

خبر دار!۔۔۔۔۔۔۔۔ناانصافی کو پاس نہ آنے دینا۔میں نے تمھارے لئے ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رہوگے اور اس پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔وہ چیز اللہ کی کتاب ہے۔میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں۔

خبر دار!۔۔۔۔۔۔۔۔اپنے رب کی عبادت کرتے رہو،صلوٰۃ قائم کرو۔ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔اپنے اموال کی خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو۔

مذہب میں غلو اور مبالغے سے بچو،کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی عمل سے برباد ہوچکی ہیں۔

خبر دار!۔۔۔۔۔۔میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔

اگر کوئی حبشی غلام تمہارا امیر ہو اور وہ تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو!

عمل میں اخلاص،مسلمانوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتفاق کی یہ باتیں سینے کو صاف رکھتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ۹ ذوالحج کو زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی امت کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے اپنے رحیم و کریم رب کی بارگاہ میں انتہائی عجز و نیاز سے دعا فرماتے رہے۔یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا،تاریکی پھیل گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مزدلفہ کی طرف تشریف لے گئے۔حضرت اسامہؓ بن زید کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کیا۔

جب صبح صادق طلوع ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا کی۔

پھر حضرت فضلؓ بن عباس کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار کیا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بطن محسر سے گزرے تو انہوں نے اونٹنی کی رفتار تیز کردی۔

"یہ وہ وادی ہے جہاں ابرھہ کے ہاتھیوں کے لشکر پر اللہ تعالیٰ نے ابابیل کا لشکر بھیج کر تباہ و برباد کیا تھا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منیٰ پہنچے۔ سب سے پہلے جمرۃ عقبہ تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے کنکریاں ماریں۔

پھر وہاں سے واپس منیٰ تشریف لے گئے اور حاضرین کو اپنے دوسرے خطبے سے مشرف فرمایا۔ سرورِ عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی القعد، ذوالحج، محرم اور رجب) ان مہینوں میں جنگ و جدال جائز نہیں۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ آج کا دن اور اس مہینہ کی تم جس طرح حرمت کرتے ہو اس طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور کسی کا مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تمہارے سب کاموں کا حساب لیں گے۔

خبردار!۔۔۔۔۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔

خبردار!۔۔۔۔۔ جو حاضر ہیں وہ یہ کلام ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں نہیں ہیں خواہ وہ اس وقت موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہونگے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو میرا یہ پیغام پہنچے گا سنانے والوں سے زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔"

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔"

اے لوگو!۔۔۔۔۔ تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"ہم گواہی دیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہمیں پہنچادیا ہے اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔"

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا۔

"یا اللہ تو گواہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے ساتھ ہی دین مکمل ہو گیا اور جبریل امین یہ مژدہ جانفزا لے کر نازل ہوئے۔

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 3)

فریضۂ نحر

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منیٰ کے اس مقام پر پہنچے جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قربانی کیلئے سو اونٹ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ سرکار دوعالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے۔ بقیہ سینتیس اونٹ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل میں ذبح کیے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ اونٹوں کا گوشت، کھال اور سامان غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور حکم دیا کہ قربانی کا گوشت اجرت میں نہ دیا جائے۔

حلق

قربانی سے فارغ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرِ انور سے بال اُتروائے بال اتارنے کی سعادت حضرت معمر بن عبداللہؓ کو حاصل ہوئی۔

حلق کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناخن کٹوائے اور خوشبو لگائی، پھر دعا فرمائی۔

طوافِ اضافہ

ظہر سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانۂ کعبہ تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف اضافہ کیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آبِ زم زم نوش فرمایا۔

طواف اضافہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منیٰ تشریف لے آئے اور وہاں نماز ظہر ادا کی۔

مقام عقبہ

گیارہ ذوالحج کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنی پر سوار ہو کر عقبہ تشریف لے گئے۔ اس وقت رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

طواف الوداع

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد رحمت عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ ظہر اور عصر کی نماز ابطح میں ادا کیں۔ کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے اور مکہ مکرمہ جا کر سحری کے وقت طواف الوداع کیا۔ اس طواف میں رمل نہیں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جتنے صحابہ کرامؓ تھے ان سب نے نماز فجر سے پہلے طواف الوداع کیا۔ واپسی کے وقت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی اور مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

جب ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے وہاں رات بسر کی۔ فجر کی نماز وادی کے نشیب میں ادا کی۔ نماز کے بعد پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مدینہ نظر آیا تو تین بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکبیر کہی اور فرمایا:

"کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اللہ کے جو یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اس کی ہے، سب تعریفیں اس کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم مڑ کر آنے والے ہیں، ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، ہم عبادت کرنے والے ہیں، ہم سجدے کرنے والے ہیں، ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔"

یا اللہ! رفیق اعلیٰ سے ملا دے

پورے ۲۳ برس کے وحی و نبوت کے بعد دین الٰہی مکمل ہو گیا اور تمام پاک مسرتوں کا راستہ کھل گیا ایسی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس فانی دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف فرمایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سال دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کرایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

"شاید میں اس سال کے بعد اس مقام پر تم لوگوں سے نہیں مل سکوں۔۔۔؟"

جمرۂ عقبہ کے پاس فرمایا:

"مجھ سے تم اپنے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہیں کرا سکوں گا۔"

شہدائے احد

ایک روز رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احد کے مقام پر تشریف لے گئے۔ کافی دیر تک ان شہدا کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

"میں تمہارا پیش رو ہوں یعنی تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ تمہاری اور میری ملاقات حوض کوثر پر ہو گی اور میں حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور مجھے تمہارے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے۔ جس طرح سے تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی تھیں۔" (صحیح بخاری۔ جلد دوئم۔۔ حدیث 585)

حضرت عباسؓ کا خواب

مرض سے پہلے جس طرح خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے وصال کا علم ہو گیا تھا، اسی طرح بعض صحابہؓ کو بھی خوابوں کے ذریعے پتا چل گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں:

"میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ زمین مضبوط رسوں سے بندھی آسمان کی طرف کھِچی چلی جا رہی ہے۔" میں نے یہ خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو فرمایا:

"یہ آپؓ کے بھتیجے کی موت ہے۔" (خصائص)

حضرت عائشہؓ کا خواب

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا آپؓ فرماتی ہیں

"میں نے دیکھا کہ میرے حجرہ میں تین چاند اُتر آئے ہیں۔ میں فوراً اپنے والد ابو بکرؓ کے پاس گئی اور خواب بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا "یہ تیرا سب سے اچھا چاند تھا۔" (ابن سعد)

پھر خود حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دفن ہوئے اس طرح اسلام کے تین چاند حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تاباں ہو گئے اور ان کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

اہل بقیع

۲۸ صفر کو آدھی رات گزرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی:

"اے قبروں میں رہنے والو! تم پر سلام۔ لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابلے میں تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ تاریک رات کی طرح فتنے ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے سے زیادہ بُرا ہے۔"

اس کے بعد اہل قبور سے فرمایا "ہم بھی تم سے ملنے آ رہے ہیں۔"

مرض کی ابتدا

جنت البقیع سے واپسی کے بعد اگلے روز صبح سے سر میں درد شروع ہوا۔ حرارت بڑھ گئی جو سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام 13 یا 14 دن علیل رہے۔ روز بروز طبیعت ناساز ہو رہی تھی۔

ازواج مطہراتؓ کی اجازت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہؓ کے گھر میں منتقل ہو گئے اور وصال تک حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہی قیام فرمایا۔

انصار سے محبت

انصار سے ان کے اخلاص، محبت، پاک دلی اور فدائیت کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد محبت تھی۔ یہ محبت ہمیشہ بڑھتی ہی رہی۔ دورانِ مرض بھی بار بار ان کا ذکر خیر فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دن باہر تشریف لائے تو دروازے پر انصاری مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم دیکھا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری سے سخت مضطرب تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے معصوم اور اداس چہرے دیکھ کر بے چین ہو گئے اور فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اے انصار! میں تم سے بڑی ہی محبت کرتا ہوں۔“

پھر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

”انصاریوں نے تو وہ سب پورا کر دیا جو ان کے ذمہ تھا، لیکن تمہارے ذمہ ان کے تمام حقوق باقی ہیں۔ دیکھو ان کے نیکوں سے نیکی کرنا اور بروں سے در گزر کرنا۔“

ایک موقع پر انصار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کا حال سن کر مسجد میں جوق در جوق جمع ہو گئے اور کسی نے آکر خبر دی کہ انصار مسجد میں جمع ہیں اور رو رہے ہیں۔

فرمایا۔۔۔”کیوں روتے ہیں؟“

بتایا گیا۔۔۔”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے خائف ہیں۔“

اسی اثنا میں حضرت عباسؓ آ گئے اور عرض کیا:

”مسجد میں انصار جمع ہیں۔“

پھر حضرت فضلؓ ابن عباس یہی خبر لائے۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی آکر یہی کہا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے چین ہو گئے۔ سر میں درد بہت تھا۔ نقاہت اتنی تھی کہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر اُٹھے اور حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ کے سہارے سے مسجد تشریف لے گئے۔ مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو دوڑ پڑے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا:

”لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات سے بہت خائف ہو۔ لیکن کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی اپنی امت میں ہمیشہ زندہ رہا ہے کہ میں تم میں ہمیشہ جیتا رہوں؟ لوگو، سنو! میں اپنے رب سے جلد مل جانے والا ہوں اور تم سب بھی اس کے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں

تمہیں مہاجرین اولین سے اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔خود مہاجر کو میری وصیت یہ ہے کہ آپس میں نیک سلوک کرتے رہیں۔کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

"قسم ہے زمانہ کی، انسان خسارہ میں ہے بجز ان کے جو ایمان لائے، نیک کام کئے اور باہم حق و صبر کی وصیت کی۔"(سورۃ العصر)

"اے لوگو! میں تمہیں انصار سے مہربانی کی وصیت کرتا ہوں۔یہ وہی ہیں جو تم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔کیا انہوں نے اپنے رزق میں سے تمھیں حصہ نہیں دیا؟ کیا انہوں نے تمہیں اپنی آدھی روزی بانٹ نہیں دی؟ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لئے جگہ نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے خود تکلیف نہیں جھیلی اور اپنے اوپر تمہیں ترجیح دے کر آرام نہیں پہنچایا؟

پس سنو! جس کی دو آدمیوں پر بھی حکومت کا کوئی اختیار حاصل ہو، اسے چاہیئے کہ ان کے نیکوں کی نیکی قبول کرے اور ان کے بروں سے در گزر کرے۔ خبر دار ان کے مقابلے میں خود غرضی نہ کرنا۔ سنو! میں تمہارے آگے پیش خیمہ ہوں اور تم میرے پیچھے آنے والے ہو۔ تم سے ملاقات کا وعدہ حوض پر ہے۔"

"سنو! تم میں سے جو چاہتا ہے کہ کل حوض پر مجھ سے آملے تو اسے چاہیئے کہ اپنی زبان اور ہاتھ روکے اور انہی کاموں میں انہیں استعمال کرے جن میں استعمال کرنا مناسب ہے۔"

"اے لوگو! گناہ نعمتوں کو بدل ڈالتے ہیں اور قسمتوں کو پلٹ دیتے ہیں۔ اگر لوگ نیک رہیں گے تو اپنے حکام کو بھی نیک پائیں گے، اگر بگڑ جائیں گے تو حکام بھی ان سے بدی کریں گے۔"(المواھب)" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔اس روز بھی مغرب کی نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے پڑھائی اور اس میں سورۃ المرسلات عرفا پڑھی۔"

(صحیح بخاری، عن ام الفضل، باب مرض النبیؐ۔ حدیث 637)

لیکن عشاء کے وقت مرض کی شدت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہیں رہی۔

حضرت ابو بکرؓ کی امامت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز قائم کر لی؟

عرض کیا:"ابھی نہیں یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:" میرے لئے لگن میں پانی رکھو۔" ہم نے ایسا ہی کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اٹھنا چاہا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نڈھال ہو گئے۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پیغام دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(مشکوٰۃ۔ جلد اول۔ حدیث 102)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

میں نے عرض کیا۔۔۔ "یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ابو بکرؓ رقیق القلب اور کمزور آواز کے آدمی ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں تو گریہ طاری ہو جاتا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور دوبارہ فرمایا:

"ابو بکر سے کہو، نماز پڑھائیں۔"

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ امامت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر جب قرأت شروع کی، گریہ ان پر غالب آ گیا اور زاروقطار رونے لگے۔ یہی حال مقتدیوں کا ہوا۔ ہچکی بندھ گئی، کیونکہ وہ آج محراب کو اپنے نبیؐ سے خالی دیکھ رہے تھے۔ (ابن سعد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طبیعت میں قدرے بہتری محسوس کی، چنانچہ دو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری پر پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پیچھے نہیں ہٹیں، بلکہ مجھے ان کے برابر میں بٹھادو۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے برابر میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور صحابہ کرامؓ کو تکبیر سنا رہے تھے۔ (صحیح بخاری۔ جلد اول۔ حدیث 99,98)

بے مثال خطبہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرض کی شدت اور سخت نقاہت کے عالم میں ایک دن حضرت فضلؓ ابن عباسؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

"اب تم سے میری جدائی نزدیک آ پہنچی ہے۔ میں بھی ایک آدمی ہوں، جس آدمی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، وہ آئے اور بدلہ لے لے، جس کسی کے جسم کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہ میرا جسم موجود ہے، آئے اور قصاص لے لے، جس کسی کے مال کو مجھ سے کچھ نقصان پہنچا ہو تو وہ لے لے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لو، تم میں میرا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہے، جس کا اس قسم کا کوئی حق مجھ پر ہو اور وہ مجھ سے وصول کر لے، یا معاف کر دے۔ تاکہ تمام مطالبوں سے آزاد ہو کر میں اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچوں۔

دیکھو! کوئی یہ خیال نہ کرے کہ۔۔۔" میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغض و عداوت سے ڈرتا ہوں"۔۔۔ یہ دونوں باتیں نہ میرا مزاج ہیں اور نہ میری عادت میں شامل۔ جو شخص کسی بات میں بھی اپنے نفس سے مغلوب ہو گیا، وہ بھی آئے اور مجھ سے مدد مانگے، تاکہ میں اس کے حق میں دعا کر دوں۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ سے محبت

مرض الموت میں ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو یاد فرمایا، وہ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سو رہے تھے۔ وہ جھک کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چشمِ مبارک کھول دیں اور انہیں سینہ سے لگالیا۔

معوذات

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بیمار ہوتے تھے تو سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی سورتیں پڑھ کر دست مبارک پر پھونک مارتے پھر دست مبارک اپنے سارے جسم پر پھیرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری علالت میں یہ آیتیں پڑھ کر، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دم کرتی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ مبارک پکڑ کر ان کے جسم پر پھیرتی تھی۔"

بخار میں شدت آگئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مختلف کنوؤں کا پانی میرے اوپر بہاؤ۔"

اس ارشاد کی تکمیل کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرارت میں کمی محسوس فرمائی اور مسجد تشریف لے گئے۔ اس حال میں کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ وہاں صحابہؓ جمع تھے۔

فرمایا:

"بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت کو قبول کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ ہے اسے قبول کرے اور اللہ تعالیٰ کے اِس بندے نے اللہ کے پاس والی چیزوں کو قبول کر لیا۔"

یہ ارشاد سن کر حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ رونے لگے۔ باقی صحابہ کرامؓ اس بات کو بعد میں سمجھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر آخرت کو پسند فرمالیا ہے۔

پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ سے محبت

ایک روز تمام ازواج مطہراتؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ آرہی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اے میری بیٹی! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور ان سے سرگوشی فرمائی۔ حضرت فاطمہؓ زاروقطار رونے لگیں ۔پھر حضرت فاطمہؓ کے کان میں کچھ فرمایا اور حضرت فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔

تھوڑی دیر جب آپؓ واپس جانے لگیں تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپؓ سے کیا سرگوشی کی ہے؟“

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا،

”میں اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راز کو افشا نہیں کرسکتی۔“

جب کائنات کے سردار، رحمت اللعالمین، اللہ کے محبوب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا:

”رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپؓ کے کان میں کیا فرمایا تھا۔“

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا،

”رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے جو سرگوشی فرمائی تھی اب میں بتاسکتی ہوں۔“

حضرت فاطمہؓ نے بتایا:

”رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اے فاطمہ! میرے وصال کی گھڑی قریب آگئی ہے۔

اے میری نورِ نظر!

اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور اس مصیبت پر صبر کرنا، میں تمہارے لیے بہترین پیش رو ہوں اور اے فاطمہ! تم میرے تمام اہل بیت سے پہلے مجھ سے ملوگی اور میں تمہارے لیے بہترین رہنما ہوں۔“

فراق کی خبر سن کر میں رونے لگی۔ میرے ابا نے میرے کان میں دوبارہ فرمایا:

”اے فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو تمام صاحبِ ایمان خواتین کی سردار بن جائے۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”اے فاطمہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے امت کی تمام خواتین کی سردار بنادیا ہے“۔

یہ مژدۂ جانفزا سن کر حضرت فاطمہؓ ہنس پڑیں۔

وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرمادیئے۔

طہارت کا اہتمام

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عبدالرحمنؓ بن ابی بکر، حجرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ سبز مسواک تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسواک کو دیکھا۔ میں سمجھ گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے چاہتے ہیں۔

میں نے کہا۔۔۔”کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ مسواک لیں گے؟“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ سے جواب دیا۔۔۔”ہاں“۔

میں نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسواک استعمال کی۔ پاس ہی پانی سے لبریز پیالہ رکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے، چہرۂ مبارک تر کرتے تھے اور فرماتے تھے۔۔۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتُ۔“

ذرا دیر بعد مسواک انگلیوں میں بھاری ہوگئی۔ مجھے دینے لگے تو چھوٹ کر گر گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلی چھت کی طرف اُٹھی اور فرمایا:

فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلَی، فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلَی، اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی مِنَ الْجَنَّةِ رفیق اعلیٰ میں، رفیق اعلیٰ میں، رفیق اعلیٰ میں، یااللہ اعلیٰ مجھے جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملادے۔

وصال

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں چند لمحوں بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جنبش ہوئی اور آنکھیں کھول دیں، پھر سر مبارک اچانک جھک گیا۔ میں فوراً جھکی نظریں نیچی کر کے چہرۂ مبارک دیکھا اور غور سے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہی آہستہ آہستہ فرما رہے ہیں:

"اَللّٰہُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَالْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔"

یااللہ! میری مغفرت فرما، اور پھر مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

مسلمانوں کو جب علم ہوا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا تو لوگوں میں کہرام مچ گیا اور سب لوگ بے اختیار ہو کر رونے لگے۔

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ رو رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا:

"کیوں روتے ہو؟"

پھر انہوں نے میان سے اپنی تلوار نکال لی اور بولے!

"جو کوئی یہ کہے گا سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انتقال فرما گئے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں اور جلد ہی واپس آ جائیں گے۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا صبر و استقامت

یہ مکالمہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے، "یا عمرؓ خاموش رہو اور اپنی تلوار میان میں رکھ لو۔"

پھر انہوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:

"اے لوگو! تم میں سے جو حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے قائم ہیں اور ہمیشہ قائم رہیں گے۔"

پھر سورۃ آل عمران کی یہ آیات تلاوت فرمائی:

”اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اجر دیں گے۔“ (سورۃ آل عمران۔ آیت 144)

قرآن پاک کی ان آیات کو سن کر صحابہ کرامؓ کو حوصلہ ملا اور انہوں نے محسوس کیا کہ جیسے یہ آیات آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ آیات تقریباً سات سال پہلے غزوہ احد میں نازل ہوئی تھیں۔

غسل مبارک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد مبارک کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت نے غسل دیا۔

غسل دینے والوں میں درج ذیل افراد موجود تھے:

۱۔ حضرت علیؓ ۲۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں بیٹے

۳۔ حضرت فضلؓ ۴۔ حضرت قاسمؓ

حضرت علیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے سینے سے لگا کر غسل دے رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا، کیونکہ حکم یہی تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تین چادروں میں دفنایا گیا۔ دو سفید کپڑے تھے اور ایک یمنی چادر تھی۔

لحد شریف

غسل کے بعد قبر شریف کھودنے کا سوال اٹھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

”میں نے یہ ارشاد کئی بار سنا ہے کہ نبی جہاں وفات پاتے ہیں انہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔“

چنانچہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قبر بنانے کا فیصلہ ہوا۔ جب جنازہ تیار ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچھونے کے ارد گرد زمین پر ایک نشان کھینچا گیا اور نشان کے اندر حضرت ابو طلحہؓ نے قبر کھود دی۔

نمازِ جنازہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق پہلے اہل بیت نے نماز جنازہ ادا کی۔ پھر مردوں نے نماز جنازہ ادا کی، اس کے بعد عورتوں نے اور آخر میں بچوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد مبارک جہاں رکھا تھا، وہاں جگہ تنگ تھی۔ نماز جنازہ اس طرح ادا کی گئی کہ دس افراد کی جماعت آتی اور نماز جنازہ ادا کرتی اور چلی جاتی۔

اس طرح نماز جنازہ ادا کرنے کی تجویز حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پیش کی تھی۔ اس کی تائید علی المرتضیٰؓ نے کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ میں کوئی امام نہیں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ پڑھنے کا کام دن رات جاری رہا اور منگل اور بدھ کی درمیانی رات کو تدفین کی گئی۔

حُلیۂ مبارک

سر مبارک

سر مبارک گول اور پیشانی کشادہ۔ باعثِ تخلیقِ کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک گھنے اور مضبوط، رنگ سیاہ۔ بالوں میں ایسی عجیب و غریب چمک جو دیکھنے میں نہیں آئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رنگ کھلتا ہوا گندمی، بھنویں گھنی اور ایک دوسرے سے ملی ہوئی۔

چشم مبارک

آنکھیں روشن اور بڑی۔ نہ بہت چھوٹی نہ بہت بڑی۔ بہت حسین اتنی خوبصورت کہ بے مثال۔ خاص بات جو آنکھوں میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آنکھ کا ڈیلا سفید چمک دار اور پتلی کا رنگ کالا لیکن گہرائی میں نیلا۔ پتلی کے چاروں طرف ڈورے اس طرح جیسے سورج کے چاروں طرف شعاعیں پھوٹتی ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ شعاعیں یا لہریں براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ پر جا کر ٹھہرتی ہیں۔

پلکیں مبارک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پلکیں گھنی اور سیاہ ہیں۔

ناک مبارک

ناک مبارک لمبی اور نیچے سے چوڑی ہے۔

دہانہ مبارک

اوپر کا ہونٹ پتلا اور نیچے کا ہونٹ قدرے موٹا۔ دہانہ نسبتاً بڑا اور انتہائی خوبصورت۔

دندان مبارک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک سیدھے اور نمایاں۔ دانتوں کے درمیان خلا ہے۔ دانتوں میں ایسی چمک ہے کہ نظر خیرہ ہو جائے۔ مسکراہٹ دل آویز۔ ہنستے وقت دندان مبارک ظاہر نہیں ہوتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہیں تو آنکھیں بھی مسکراتی ہیں۔

ڈاڑھی مبارک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک گھنی اور گول ہے۔

گردن مبارک

گردن مبارک بھری ہوئی۔ قدرے لمبی نہ زیادہ چھوٹی۔

سینہ مبارک

سینہ مبارک اُبھرا ہوا۔ سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک لمبی لکیر نظر آتی ہے جیسے الف بنا ہوا ہے۔

کمر مبارک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت مبارک سیدھی اور چوڑی ہے۔ شانے قدرے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔

پیر مبارک

پنڈلی میں گوشت بھرا ہوا ہے۔ لیکن پیر کے جوڑ سے اوپر پتلی اور بالکل سیدھی ہے۔ پیر مبارک کا اوپر کا حصہ اٹھا ہوا ہے۔ اوپر کا حصہ اٹھا ہوا ہونے کی وجہ سے پیر کے نیچے تلووں میں خلا ہے۔ خلا اتنا گہرا ہے کہ پانی نیچے سے گزر جائے تو تلوے بھیگتے نہیں۔

مہرِ نبوت

مہرِ نبوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمر مبارک پر سیدھے کندھے اور گردن کے درمیان ایک گول دائرہ نشان کی صورت میں ہے۔ گول دائرے کے اندر گوشت یا کھال سُرخ رنگ کی ہے اور گوشت عام جسم سے قدرے اُبھرا ہوا ہے اور اس دائرے کے اندر نہایت لطیف و نرم

پروں کی مانند رُواں ہے۔ روئیں کا رنگ سفید بھورا ہے اور یہ روٗاں اتنا خوشنما اور دیدہ زیب ہے جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا۔ دائرہ کا قطر تقریباًروپے کے برابر ہے۔

مدینہ میں اسلامی ریاست سیاسی نظام

اسلامی ریاست کے تین بنیادی اصول ہیں۔

۱۔اقتدار اعلیٰ

۲۔رئیس مملکت

۳۔ مجلس شوریٰ

اقتدر اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ لاطینی لفظ(Suparanus) سے اخذ ہے اس کے معانی برتر و اعلیٰ (Supereme) کے ہیں۔

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا منصب اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔اسلامی نظریہ ریاست میں طاقت کا سرچشمہ اللہ رب العزت کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے الٰہی اقتدار اور حاکمیت کا نظریہ پیش کیااور اسے اسلامی ریاست میں بتمام و کمال نافذ فرمایاہے۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ ہر قسم کی حاکیت کا مبدا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہت ہے، کوئی الہٰ اس کے سوا نہیں، پھر تم کدھر پھرے جا رہے ہو۔“(سورۃ الزمر۔ آیت 6)

رئیس مملکت

ریاست نبویؐ میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت کے دروبست مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ خلیفہ الارض حضرت آدمؑ کی وساطت سے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی ذات گرامی حاکم اعلیٰ کے نائب اور خلیفہ کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا اسوہ حسنہ شہادت فراہم کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی جدوجہد کا محور یہ ہے کہ دنیا میں کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود کو دوسرے انسانوں سے افضل سمجھے۔ اقتدار اعلیٰ صرف مالک اور خالق اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی تمام تر کوششیں ریاست میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی برتری کو قائم کرنے کیلئے وقف تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے قانون کا نفاذ ہے۔

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نوع انسانی کے لئے سرچشمہ ہدایت اور شارح کتاب اللہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے مہبط وحی اور شارح کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے قائم کردہ عمل سے اپنے آپ کو کبھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"میں نے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کو دیکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام اپنی ذات سے بھی قصاص لیتے تھے۔" (سنن ابن داؤد، جلد سوم، حدیث 1117)

یہ کسی معمولی کردار کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ اسلامی ریاست میں قانون الٰہی کی بالادستی و حکمرانی کو پوری قوت کے ساتھ نافذ فرمادیا اور اپنے وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام جن مذہبی، سیاسی اور اجتماعی احکام پر عمل پیرا ہوئے وہ سب آنے والے زمانوں کے لئے نظیر بن گئے۔

قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ کے لئے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃوالسلام کی اطاعت ضروری اور واجب ہے ۔لیکن یہ عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام کا فیصلہ مانا جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام بحیثیت سربراہ اسلامی مملکت ریاست کی سب سے زیادہ ذمہ دار شخصیت تھے۔ تمام داخلی وخارجی معاملات کے نگران اور دینی و مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی اُمور کے بھی سربراہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام شارح قانون، سپہ سالار افواج اور قاضی القضات ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامیہ، مقنّنہ (قانون سازی) اور عدلیہ تمام شعبوں کے سربراہ تھے۔

شُوریٰ

اسلام میں حاکم قرآن و سنت کا پابند ہوتا ہے، اسے ایمان والوں سے مشورہ کا پابند بھی کیا گیا ہے۔ سورۃ شُوریٰ میں ان مومنین و صادقین کی تعریف کی گئی ہے جن کے لئے آخرت کی کامیابی مقدر ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں۔" (سورہ شوریٰ۔ آیت 37 تا 38)

یہ صادق الایمان اور اعلیٰ کردار سے آراستہ افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام کی دعوت کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور اپنی ساری کوششوں کو اتباع میں لگادیتے ہیں۔ یہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں یعنی ان کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ ہوتا ہے، ان کی دوسری نمایاں ترین صفت یہ ہے کہ

"ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔" (سورۃ الشوریٰ۔ آیت 38)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ملکی، بنیادی مسائل اور اہم معاملات باہمی مشورے سے طے فرماتے تھے اور بعض اوقات گفتگو صرف مہاجرین وانصار تک محدود رہتی تھی۔ عام اور اہم معاملات میں بالعموم پہلی صورت اختیار کی جاتی تھی۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ استصواب رائے کی صورت میں حق رائے دہی کیلئے صرف دو شرائط ہیں۔ اسلام اور اسلامی شعور۔ اس صورت میں مرد عورتیں، بوڑھے، بچے، شہری دیہاتی اور مسافر سب رائے دینے کا حق رکھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں:

''میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ مشورہ کرنے والا انسان نہیں دیکھا۔''

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہؑ میں شوریٰ کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اذان کے سلسلے میں شوریٰ کا اجتماع سن 1ھ میں ہوا۔

۲۔ غزوہ بدر کے موقع پر 2ھ میں معرکہ بدر سے متعلق شوریٰ کا انعقاد ہوا۔

۳۔ میدان بدر میں پڑاؤ کی جگہ کو بھی حضرت خبابؓ بن منذر کے مشورہ سے تبدیل کر دیا گیا۔

۴۔ شوریٰ برائے اسیران بدر 2ھ۔

۵۔ غزوہ احد سے پہلے 3ھ میں محاذ جنگ کے تعین کے لئے اجتماعی شوریٰ منعقد ہوا۔

۶۔ غزوہ خندق پر 5ھ میں جنگ کی تیاریوں کے سلسلے میں مشورہ۔

۷۔ صلح حدیبیہ سے پہلے دوران سفر 6ھ میں مشاورت کی گئی۔

۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 10ھ میں حضرت معاذؓ بن جبل کو والی یمن مقرر کرنے کے لئے شوریٰ طلب فرمایا۔

تنظیمی ڈھانچہ

عہد نبویؐ میں اگرچہ تمام اختیارات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں مرکوز تھے، تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظم ونسق کو چلانے کے لئے مختلف لوگوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحیثیت حکمران حکومت کے عہدوں پر ایسے خدا ترس، باصلاحیت، بے لوث، پاکیزہ کردار اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو اسلام کی روح سے واقف، دین کے مزاج شناس، تجربہ کار اور تربیت یافتہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ حکومت کے عہدے حصول عزت و دولت اور کسب دنیا کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔

ان صاحبان کے عہدوں اور ان کے فرائض کی مختصراً تفصیل یہ ہے:

۱۔ نائبین رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کسی کو اپنا نائب مقرر فرماتے تھے۔ یہ نائب نماز کے لئے ہوتے تھے اور سربراہ مملکت کی حیثیت سے نائب و خلیفہ ہوتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں مدینہ میں مقیم امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے کاموں اور ریاست کے امور کی نگرانی کے ذمہ دار بھی تھے۔

۲۔ صوبائی منتظم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی ریاست میں شامل ہونے والے علاقوں کے انتظام، دیکھ بھال اور لوگوں کے امور کے فیصلوں کے لئے مختلف افسران کا تقرر فرمایا۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفیروں کو اور امراکو مقرر فرماتے تھے۔" (بخاری جلد 2۔ صفحہ 1078)

حاکم کو روانہ کرتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصی ہدایات بھی ارشاد فرماتے تھے۔ دس ہجری میں حضرت معاذؓ بن جبل کو بالائی یمن اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو زیریں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو جاتے وقت ان دونوں کو درج ذیل ہدایت فرمائی۔

"لوگوں پر آسانی کروگے، نرمی کا رویہ اختیار کروگے اور سختی نہیں کروگے، اسلام پر عمل کرنے والوں کو بشارت دیتے رہو اور ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو جس سے لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں۔"

(بخاری جلد 2 صفحہ 662)

۳۔ دو مشہور سیاسی و معاشرتی ادارے

عہد جاہلیت کے سماجی اداروں کے ضمن میں "عرافہ اور نقابہ" کا ذکر ملتا ہے۔ یہ دونوں قدیم ادارے تھے عرب معاشرہ میں ان اداروں کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہ ادارے حکومت اور عوام میں واسطہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے علاقے کے سیاسی و سماجی حالات سے حکومت کو آگاہ کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عہد جاہلیت کی تمام چیزوں کو مسترد نہیں فرمایا تھا بلکہ جو ادارے معاشرتی بہبود کیلئے موزوں تھے انہیں قائم رکھا اور ان کی مزید آبیاری کی۔ ایسے اداروں میں عرافہ اور نقابہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

الف۔ عرافہ

عریف ایک چھوٹے حلقے کا نمائندہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے محلے یا علاقے کے افراد کے حقوق و فرائض کی نگہبانی کرتا تھا۔ ہر قبیلہ میں دس دس افراد پر ایک عریف مقرر ہوتا تھا۔ قبیلہ میں ذہین، تجربہ کار اور دیانت دار شخص کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ عہد نبوی میں اس ادارے کے وجود کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں جنگ حنین ہوئی۔ اس میں قبیلہ ہوازن و ثقیف کے بہت

سے لوگ قید ہوگئے۔ اختتام جنگ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں سے فرمایا کہ میں ان قیدیوں کو واپس کرنا چاہتا ہوں، تم میں سے جو شخص خوشی سے آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم بخوشی آزاد کرتے ہیں، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تم میں سے کون بخوشی اجازت دیتا ہے اور کون نہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے عریفوں کے ذریعے اس معاملے کو پیش کرو۔

یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے جب ریاست پوری طرح وجود میں آچکی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سیاسی و سماجی ادارے کو باقی رکھا اور ان کے عرفا کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کیا۔

ب۔ نقابہ

عریف کا دائرہ کار محدود ہوتا تھا۔ اس کے برعکس نقیب کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی تھیں۔ وہ ملکی اور قومی سطح پر نمائندگی کرتا تھا۔ اسلام کی تاریخ میں بیعت عقبہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس موقع پر اہل مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار سے تکمیل بیعت کے بعد فرمایا تھا۔

تم لوگ اپنے قبیلے میں سے بارہ افراد پیش کرو، جو نقیب کے فرائض انجام دیں گے، تاکہ اختلاف کی صورت میں یہ لوگ حاکم ہوں۔ چنانچہ انہوں نے بارہ افراد کا انتخاب کیا۔ 9 خزرج میں تھے اور 3 قبیلہ اوس میں سے تھے۔

۴۔ شعبہ فرامین

۱۔ اس شعبے کے تحت مقدمات و معاملات کے فیصلے لکھے جاتے تھے۔

۲۔ ہر قسم کی دستاویزات، معاہدہ اور شرائط معاملات کی کتابت ہوتی تھی۔

۳۔ قبیلوں کا ریکارڈ ان کے چشموں کی تفصیل، مردم شماری، عمال اور محصولین (Tax Payee) کے لئے تحریری فرامین کا اِجرا ہوتا تھا اور قبیلوں کو سرکاری ہدایات بھیجنا بھی اسی شعبہ کا کام تھا۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام لوگوں کے ادھار قرض، لین دین کے معاملات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل عرب کے مابین خط و کتابت، نیز اموال صدقات اور کھجور کے درختوں سے آمدنی کا تخمینہ ضبط تحریر میں لانا اسی شعبہ توقیعات کے ذمہ تھا۔
۵۔ حضرت بلالؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سیکرٹری (secretary) اور خزانچی کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت بلالؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام گھریلو امور، قرضوں کی فراہمی اور ادائیگی کے انتظامات، مہمانوں کی آسائش اور دیگر متعدد کاموں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

۵ ۔شعبہ عسکری(فوجی کمانڈر)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی ریاست کے دفاع اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے فوج کے قیام اس کی تنظیم اور اس کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ باقاعدہ فوجی افسران کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ فوج کے کمانڈر انچیف اور سربراہ کی حیثیت خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔

٦۔بازاروں کی نگرانی کرنے والا عملہ

بازاروں اور مارکیٹ کی قیمتوں کے توازن اور استحکام کی ذمہ داری بھی ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ذمہ داری پر نگران مقرر فرمائے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام دینے کے علاوہ خود بھی بازاروں کا دورہ (Visit) فرماتے اور بے ایمان تاجروں کا محاسبہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلے کے ایک تاجر کی سرزنش کی جس نے سوکھے غلّے کے نیچے وزن بڑھانے کے لئے گیلا غلّہ چھپا کر رکھا تھا۔ اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے کو ''المحتسب''(حساب لینے والا) کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان عہدوں پر مامور حاکموں کا بھی محاسبہ فرماتے تھے۔

٧۔شعبہ تعلقات خارجہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت اسلام کے لئے مختلف ممالک میں سفرا کو بھیجا، قیصر و کسریٰ کی جانب سفارتیں روانہ کی گئیں۔

٨۔شعبہ امور داخلہ

شعبہ امور داخلہ کے زیر نگرانی درج ذیل ذمہ داریاں تھیں:

الف۔ استقبال و مہمانداری

ب۔ بیماروں کی عیادت

ج۔ جاسوسی اور پولیس کا انتظام

الف۔ استقبال و مہمانداری

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنی نجی یا سرکاری حیثیت سے حاضر ہوتے تھے ان کے حسبِ حیثیت استقبال اور قیام و طعام کے لئے ایک منتظم کا باقاعدہ تقرر کیا جاتا تھا۔ استقبال و مہمانداری کے سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام افراد یا وفود کی آمد پر بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے تھے ان کی خاطر مدارات میں حصہ لیتے

اور پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ استقبال فرماتے تھے۔ کبھی مسجد نبوی میں خیمے نصب کرا کر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا اور میزبانی کے لئے حسب ضرورت مختلف صحابہؓ کو متعین کر دیا جاتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی نہ صرف یہ کہ تواضع فرماتے بلکہ ان کی واپسی کے وقت زادِ سفر اخراجات اور وظائف کا بھی انتظام فرمایا کرتے تھے۔

ب۔ مریضوں کی عیادت

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق کی فہرست میں مریض کی عیادت اور مسلمانوں کے انتقال کی صورت میں تجہیز و تکفین کو بھی شامل فرمایا۔ عیادت کرنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے تمام امتیازات کو نظر انداز فرما دیا حتیٰ کہ مشرکین تک کی عیادت کرنے میں کوئی تامل نہیں فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی کسی مریض کی تیمارداری فرماتے اسے ہمت و حوصلے کی تلقین کرتے تھے اور دعا فرماتے تھے "انشاء اللہ جلد ہی اچھے ہو جاؤ گے"۔

کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا تو جنازے میں شرکت فرماتے اور میت کے پسماندگان کو صبر کی تلقین فرماتے تھے۔

ج۔ پولیس

ملک میں امن و امان قائم رکھنے، نظم و ضبط برقرار رکھنے اور اسے سیاسی و معاشرتی انتشار سے بچانے کے لئے پولیس کا انتظام کیا گیا تھا۔ قیام مدینہ کے بالکل آغاز ہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منشور مدینہ کے ذریعہ مدینہ کو حرم قرار دے دیا تھا۔ حرم کا مطلب یہ ہے کہ متعینہ علاقے میں لڑائی جھگڑا، خون خرابہ، قتل و غارت گری اور بدامنی پھیلانا حرام ہے اور اس طرح مدینہ کو امن و سلامتی کی دولتِ بے بہا مل گئی۔

لیکن بہر حال امن و امان کی صورت حال کو خراب کرنے والوں کی تنبیہہ کے لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باقاعدہ انتظام فرمایا تھا۔ اس غرض سے نہ صرف یہ کہ پولیس کا محکمہ موجود تھا۔ بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ذاتی طور پر اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطرے کو محسوس کر کے اسکی تحقیق کیلئے راتوں میں خود بھی گشت فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ رات کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لئے مدینہ میں ایک "صاحب العسس" بھی مقرر فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے، آواز لگائے اور مشکوک افراد کا پیچھا کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے کسی بھی شخص کے ذاتی معاملات میں تجسس کو منع کیا ہے۔ لیکن سیاسی مصلحت اور معاشرتی ضرورتوں کے تحت تحقیق و تفتیش اور تلاش و تجسس کی اجازت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہر حال وقت اور حالات کے تحت مخبری اور جاسوسی کے ضروری انتظامات فرمائے اور ایک متجسس کا تقرر فرمایا۔ اس عہدے دار کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے۔

ریاست میں امن و امان کی فضا قائم کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھرپور کوششیں فرمائیں، اور اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنے کامیاب ہوئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد حکومت میں امن و امان کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ عہد نبویؐ کے اس سیاسی نظام کا یہ مختصر خاکہ ہے جس کی مستحکم بنیادوں پر آئندہ اسلام کی وسیع ترین اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ جس نے تہذیب و تمدن کے نئے چراغ روشن کئے، عدل و انصاف کے اعلیٰ معیارات قائم کئے اور دنیا کے نقشے پر ایک ایسی عظیم ریاست وجود میں آئی جو اپنی مثال آپ ہے۔

تعلیمی نظام

جب آدم کو پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا۔۔۔

"میں دنیا میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 30)

نائب کا مطلب ہے کہ ایسا بندہ جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات استعمال کرے۔ فرشتوں نے یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے کہا۔۔۔

"اے ہمارے رب! یہ شخص زمین میں فساد برپا کرے گا اور زمین میں ہر طرف خون پھیلائے گا۔ اے پروردگار! ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت 30)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو کائناتی رموز سکھا کر فرشتوں سے پوچھا۔۔۔ اگر تم اس علم سے واقف ہو تو بیان کرو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ آدم نے علوم بیان کیے تو فرشتوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جو علوم سکھا دیئے ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ اور انہوں نے آدم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو قبول کر لیا۔ سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ قرآن کریم میں آپؑ کی تخلیق اور خلافت کا ذکر علم کے ساتھ ہوا ہے۔ معلم حقیقی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء عطا کیا تو انسان کا شرف "علم" بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف اس لئے فرمایا ہے کہ سمٰوٰت، زمین اور دونوں کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب انسان کے تابع ہے۔ کائناتی تزئین و آرائش کے روشن وسائل سورج، چاند، ستارے سب انسان کے محکوم ہیں اور یہ حاکمیت اس علم کی بنیاد پر ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیا ہے۔

اقرا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو معلم کے منصب پر فائز کر دیا۔ روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علم کا پرچار کرتے رہے۔ نبوت کا اختتام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جس اولین وحی سے ہوا وہ بھی علم سے متعلق ہے۔

"پڑھ، اپنے رب کے نام سے، جو خالق ہے کائنات اور انسان کا، جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ آپ کا رب بہت کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا، سکھایا آدمی کو جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔"(سورۃ العلق۔ آیت 1 تا 5)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والی پہلی وحی اسلامی نظام تعلیم کا سنگ بنیاد ہے۔ بعثت کے چند سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے رشتے داروں اور دیگر اہل مکہ تک پہنچادیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں سخت مخالفتوں کے باوجود مکہ معظمہ میں تبلیغ فرمائی۔

پہلی تربیت گاہ

حضرت خدیجہؓ کا مکان جو ''داب الحجر'' میں واقع تھا، پہلی تربیت گاہ تھی۔

پہلا مدرسہ

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا پہلا مکتب ''دار الارقم'' تھا۔ یہ مکان ارقم بن ارقم کا تھا جو کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین سال تک یہاں اسلام کی اشاعت اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام فرماتے رہے۔

مدینے میں پہلے معلم

ہجرت مدینہ سے پہلے جب مدینہ منورہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے تو اہل مدینہ نے درخواست کی کہ انہیں قرآن کی تعلیم دینے کے لئے کوئی معلم بھیجا جائے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ پہلے مسلمان تھے جو مکہ معظمہ سے باہر اسلامی معلم کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے۔ ان کی کوشش کی بدولت قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ مسلمان ہوگئے اور اسلام مدینہ میں پھیل گیا۔

صفہ (Residential University)

معلم اعظم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند برسوں کے اندر مدینے میں ایسا علمی ماحول قائم کیا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کی تربیت اس طرح فرمائی کہ ان کا باطن منور ہوگیا۔

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلا کام عبادت گاہ کی تعمیر کے سلسلے میں کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبا پہنچے تو یہاں ایک مسجد بنائی گئی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنو نجار کے علاقے میں پہنچے تو وہاں پر مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس مسجد کا ایک حصہ تعلیم گاہ کے طور پر مخصوص کر دیا گیا اس مقام کو ہم ''صُفہ'' کے نام سے جانتے ہیں۔ صفہ پلیٹ فارم، ڈائس یا بلند مقام کو کہتے ہیں یہ مقام اس غرض کے لئے مخصوص کیا گیا کہ دن کو درسگاہ کا کام کرے اور رات کو ان طالب علموں کی اقامت گاہ یعنی ہاسٹل کا کام انجام دے سکے۔

یعنی صفہ ایک Residential University تھی، وہاں طلبا کی رہائش اور تعلیم و تربیت کے انتظامات تھے۔ صفہ میں تعلیم پانے والے طالب علم دو قسم کے تھے کچھ تو وہ تھے جو شہر میں رہتے تھے اور پڑھ کر چلے جاتے تھے لیکن کچھ ایسے تھے جن کا کوئی گھر نہیں تھا یا پھر وہ دور دراز ممالک سے اکتساب علم کے لئے آتے تھے۔

نصاب تعلیم

صُفَّہ کا نصاب (Syllabus) قرآن حکیم تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بہ نفس نفیس تعلیم دیا کرتے تھے۔ صُفَّہ میں دوسرے صحابہ کرامؓ بھی تعلیم دینے کے لئے مقرر تھے۔ علوم کے سرچشمہ قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار علوم ہیں۔ قرآن حکیم میں صرف دین و عقائد، عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے۔ اس میں ان علوم کا بھی ذکر ہے جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں۔

قاضی ابو بکر بن عربیؒ اپنی کتاب قانون التاویل میں لکھتے ہیں کہ ” قرآنی علوم کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس(77450) ہے۔“

مضامین کے اعتبار سے قرآن حکیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱ ---شریعت

۲ ---تاریخ

۳---معاد

شریعت

شریعت اس امر سے متعلق قوانین ہیں کہ مسلمان اپنی زندگی کیسے گزاریں۔ کاروبار کس طرح کریں۔ والدین اور بیوی بچوں کے حقوق کیسے ادا کریں۔ قوم اور ملک کے حقوق کیا ہیں۔

مسلمانوں کی معاشرت کیسی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کے پورے قوانین بیان کیے ہیں۔

تاریخ

قرآن پاک کا ایک حصہ تاریخ ہے۔ جتنے بھی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ السلام تشریف لائے ان کی اقوام اور ادوار کا تذکرہ اس میں شامل ہے۔

* حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دور میں جادو کا تذکرہ۔

* حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے دور میں خواب کی زندگی کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ۔

* حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے دور میں زمان و مکان سے آزاد Timelessness (لازمانیت) کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ۔

* حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں Preservation اور Refrigeration کا مکمل قانون اور فارمولا۔

معاد

قرآن پاک کا تیسرا حصہ معاد سے متعلق ہے۔

* انسان اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا؟

* اس دنیا میں کیوں آیا؟

* ہر پیدا ہونے والا انسان اس دنیا سے کہاں چلا جاتا ہے؟

اس Cycle کے بہت سے ادوار ہیں۔ اگر اس کا مختصراً تذکرہ کیا جائے تو ترتیب یہ بنتی ہے۔

انسان عالم ارواح میں تھا۔

عالم ارواح کے بعد کتاب المبین میں

کتاب المبین کے بعد لوح محفوظ میں

لوح محفوظ کے بعد بیت المعمور میں

بیت المعمور کے بعد عالم برزخ میں

اور

عالم برزخ کے بعد وہ عالم ناسوت میں آ گیا۔

عالم ناسوت سے عالم اعراف میں

عالم اعراف سے نفخ صور میں

عالم نفخ صور سے عالم حشر و نشر میں

عالم حشر و نشر سے یوم میزان میں (یوم الحساب)

یوم الحساب سے جنت یا دوزخ میں

اور

پھر ابد اور ابد الآباد ہے۔

یہ سارے علوم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو دوسری زبانیں جانتے ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس غیر زبانوں میں بھی خطوط آتے تھے جنہیں غیر مسلموں اور بالخصوص یہودیوں کی مدد سے پڑھوایا جاتا تھا ان خطوط میں بعض معاملات مخفی ہوتے تھے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ضرورت محسوس کی کہ قابلِ اعتماد صحابہؓ ان غیر زبانوں کی تعلیم حاصل کریں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" میرے پاس مختلف خطوط آتے رہتے ہیں اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا ہوں کہ ان خطوط کو ہر کوئی پڑھے۔ تو کیا تم عبرانی زبان کا لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے ہو" میں نے عرض کیا: "جی" (سیکھ سکتا ہوں) چنانچہ میں نے سترہ دن میں وہ زبان سیکھ لی۔"

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد 4۔ حدیث 588)

مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے صرف عبرانی اور سریانی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں بلکہ انہیں غیر زبانوں کو جلد سیکھنے میں مہارت حاصل تھی۔ وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ان زبانوں کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، انہوں نے یہ زبانیں ان آزاد کردہ غلاموں سے سیکھی تھیں جو ایسی قوموں سے متعلق تھے اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت مختلف زبانیں جاننے کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آنے والے خطوط کے ترجمان تھے اور کاتب وحی بھی تھے۔ حضرت عبد اللہؓ بن زبیر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی بہت سی زبانیں جانتے تھے۔

خط پر مہر

عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا۔

طرز تحریر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے کیا جاسکتا ہے

، حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے :

"کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریت ڈال کر خشک کر لو۔" (کتانی، 1/129)

" "س" کے تینوں شوشے برابر لکھا کرو۔" (کتانی، 1/125)

جنگی قیدیوں کی علمی خدمات

جنگ بدر کی فتح کے موقع پر قریش کے ستر (70) افراد گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں سے کچھ قیدی ایسے بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس موقع پر ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ اگر ان میں ہر قیدی دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے تو وہ رہا کر دیا جائے گا۔

مسجدیں تعلیم کا مرکز

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہیں تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبویؐ میں بن گئی تھیں اور ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ والوں کے لئے درس گاہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد قبا میں وقتاً فوقتاً تشریف لے جاتے اور وہاں مسجد کی درسگاہ کی نگرانی فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد نبویؐ کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرمادیا کرتے تھے۔

مبلغین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جب بھی کوئی قبیلہ تعلیم وتربیت کے سلسلے میں عرض کرتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ہمراہ بھیجتے تھے۔ رفتہ رفتہ اسلامی مملکت جو ابتدا میں ایک شہر مدینہ کے کچھ حصہ پر مشتمل تھی، پھیلتی گئی یا ورنہ صرف خانہ بدوش بدوی بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

اسلامی حکومت وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے باوجود قرآن کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیج دیئے جاتے تھے اور کچھ صوبہ دار گورنر کے فرائض منصبی میں یہ امر شامل کر دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔ یمن کے گورنر عمرو ابن حزم کے نام جو طویل تقررنامہ یا

ہدایت نامہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا تھا۔ اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

طریقہ تعلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور درسگاہ کے دیگر معلّمین کا طریقۂ تعلیم نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے عمدہ اور مؤثر تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت آسان اور دل نشین انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جو باتیں ضروری اور اہم ہوتی تھیں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دفعہ دہراتے تھے تاکہ ایک کم فہم انسان بھی انہیں اچھی طرح سمجھ سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور عقل ودانش کے مطابق تعلیم دیتے تھے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معلّموں کو بار بار یہ ہدایت فرماتے تھے۔

"تم لوگوں سے ان کی ذہنی استطاعت کے مطابق بات کیا کرو۔"

اسی اصول کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت آسان زبان میں مختصر گفتگو فرماتے تھے سمجھانے کے لئے اگر مثالوں کی ضرورت ہوتی تھی تو ان سے بھی کام لیتے تھے اور جو باتیں اہم اور ضروری ہوتی تھیں ان کو بار بار دہراتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں اکثر جاہل اور عرب بدو آیا کرتے تھے اور وہ اکثر آداب محفل کا لحاظ کئے بغیر ناشائستہ طور پر گفتگو کرتے تھے اور سوالات کرتے تھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سوالات کو نہایت نرمی اور توجہ سے سنتے اور ان کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

خواتین کی تعلیم

قرآن کریم اور احادیثِ نبوی میں علم کو خواتین کے لئے بھی اسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کے لئے ضروری ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

مسجد نبویؐ مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ تھی جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے تھے۔

مسلم خواتین بھی کثیر تعداد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجالس میں حاضر ہوتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے مستفید ہوتی تھیں۔ خواتین کو تعلیم دینے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہراتؓ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریک رہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ نہ صرف خود تعلیم حاصل کریں بلکہ دیگر مسلم خواتین کو بھی تعلیم دیں۔

ان تمام سہولتوں کے باوجود مسلم خواتین نے یہ محسوس کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کے لئے مخصوص کرالینا چاہیے چنانچہ ان کی درخواست پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہفتہ میں ایک دن صرف خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔

امہات المومنینؓ کی تعلیمی خدمات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امہات المومنینؓ کی تعلیم کے لئے انتظام فرمایا حضرت شفاؓ بنت عبداللہ عدویہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ ازواج مطہراتؓ کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ علم حدیث میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ حج کے ایام میں پہاڑوں کے دامن میں حضرت عائشہؓ کا خیمہ نصب ہوتا اور دور دراز سے آنے والی خواتین آپؓ سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، نیز ادب، شاعری اور طب میں عبور حاصل تھا۔ قرآن نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔

"یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 34)

بچوں کی تعلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

"والد کی طرف سے اولاد کے لئے بہترین تحفہ علم سکھانا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ اگرچہ اسلام سے پہلے بھی مدینہ منورہ میں یہود نے بچوں کے اسکول قائم کر رکھے تھے، جن میں تجربہ کار اساتذہ متعین تھے۔ بشر بن عبدالملک السکونی، ابی قیس بن عبد مناف بن زہرہ اور عمرو بن زرارہ المعروف "الکاتب" جیسے مشہور اساتذہ تعلیم پر مامور تھے۔ مدینہ منورہ میں واقع 9 مساجد میں بچوں کے لئے تعلیمی درسگاہیں تھیں، جن میں قرآن کریم کی تعلیم کے علاوہ لکھنے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی اور لکھائی کی مشق کرنے کے لئے تختی استعمال کی جا تی تھی۔

روایت ہے کہ سیدہ ام الدرداءؓ تختی لکھا کرتی تھیں۔

حضرت انس بن مالکؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آنے سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ دس سال کی عمر میں ان کی والدہ سیدہ ام سلیمؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا: "یہ میرا بیٹا ہے اور یہ لکھنا پڑھنا جانتا ہے۔"

مسلسل دس سال تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت و تربیت میں گھر کے ایک فرد کی طرح رہے۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ " جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خوش خبری بھی سنائی گئی کہ اس بچہ کو قرآن حکیم کی سولہ سورتیں یاد ہیں۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے قرآن کریم سنا اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

انقلابی نتائج

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی تعلیمات سے مسلمان صحرا نشینوں کی زندگی بدل دی۔ عربوں پر علم و دانش آشکار ہوگئی اور جب مسلمان علم کی تلاش میں صف بستہ ہوگئے تو انہوں نے علم کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا، جو ان کی تحقیقات سے تشنہ رہا ہو۔ ان کی تحقیقات پوری امت مسلمہ کے لئے سبق آموز ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ مغربی ممالک کی لائبریریز آج بھی مسلمان اسلاف کی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ انہوں نے تحقیق و تلاش کے بعد سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔

عربوں سے پہلے یورپ، ایران، روم، مصر اور ایشیائی ممالک چین، ہندوستان اور جاپان وغیرہ میں سائنس کا عمل دخل نہیں تھا۔ علمی تحقیقات کی طرف رغبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ قرآن کے علم اور قرآن کے بتائے ہوئے روشن راستے پر چل کر پچاس سال کی مختصر مدت میں مسلمانوں نے آدھے سے زیادہ دنیا فتح کرلی تھا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں مسلمانوں کے قدموں پر جھک گئیں۔ قرآنی آیات کے انوار سے روشن دل مسلمانوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور دنیا کو ایک نئی تہذیب و تمدن سے آراستہ کر دیا۔

قرآنی نظریہ کے مطابق مسلم اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں کے ترجمے ہوئے تو ان تحریروں کو یورپ میں اتنی زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ وہاں یونیورسٹیاں قائم ہوگئیں۔ مختلف علوم سائنس و فلکیات اور ریاضی پر لکھی ہوئی کتابیں چار سو سال تک وہاں کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل رہیں۔ یورپ کے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ عرب نہ ہوتے تو یورپ علم کی روشنی سے محروم رہ جاتا۔

معاشی نظام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاشی اصلاحات کے سلسلے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام مشکلات پر قابو پا کر پوری دنیا میں معاشی انقلاب برپا کر دیا اور نوع انسانی کو معیشت کے ایک وسیع، جامع اور خدمت خلق کی بنیادوں پر قائم نظام سے متعارف کرایا۔

۱۔رشتہ مواخات

جب مسلمان مکہ سے مدینہ پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار اور مہاجرین میں مواخات کا رشتہ قائم فرمایا۔اس طرح اکثر انصار نے اپنی تمام جائیداد مہاجرین میں برابر کی بنیاد پر تقسیم کرلی۔یہ زمین پر ہونے والے اس بھائی چارے کی عظیم مثال ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سحر انگیز شخصیت کی بدولت ہوئی۔

۲۔سود خوری کی ممانعت

سود کو سختی سے منع کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے بیع (تجارت) کو حلال کیا ہے اور سود حرام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے لوگو!جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو،اگر واقعی تم ایمان لائے ہو،لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا،تو آگاہ ہو جا�ؤ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تمھارے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

(سورۃ البقرہ۔آیت 278 تا 279)

سود کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔عوام کی قوت خرید روز بروز کم ہوتی رہتی ہے۔صنعت،تجارت اور زراعت میں کساد بازاری (بازار میں خرید و فروخت کا نہ ہونا) واقع ہوتی ہے اور آخر کار خود سرمایہ داروں کے لئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا موقع باقی نہیں رہتا۔اس کے برخلاف زکوٰۃ،صدقات کا حکم اس لیے دیا گیا کہ قوم کے تمام افراد میں دولت تقسیم ہوتی رہے۔ہر شخص میں قوت خرید موجود رہے، صنعت ترقی ہو،کھیتیاں سرسبز ہوں،تجارت کو خوب فروغ حاصل ہو۔

۳۔گداگری کا خاتمہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں میں محنت کا جذبہ ابھارا۔گداگری کو ختم کر دیا،کاروبار کرنے کی طرف رغبت دلائی حصول رزق کے مختلف ذرائع تلاش کرنے کے لئے متوجہ کیا۔تجارت کی جانب ترغیب دلائی۔

۴۔بنجر زمین کی کاشت

جن لوگوں کی ملکیت میں ایسی زمینیں تھیں جو وہ خود کاشت نہیں کرسکتے تھے تو ایسی زمینیں ان سے لے کر ایسے کاشت کاروں میں مفت تقسیم کردیں جو زمین کی ملکیت سے محروم تھے اور حکم دیا کہ جو کسی بنجر زمین پر محنت کرکے قابل کاشت بنائے وہ اس کا مالک ہے۔

۵۔ کاروباری اصطلاحات

ا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ " مزدور سے کام لینے سے پہلے مزدوری طے کرلی جائے اور کام کرنے کے فوراً بعد پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت ادا کر دی جائے۔ " (سنن ابن ماجہ۔ جلد 2۔ حدیث 600)

۲۔ لوگوں میں امانت داری کا جذبہ پیدا کیا۔ قرض اور ادھار وقت مقررہ پر ادا کرنے کی ترغیب فرمائی۔ معاملات میں نرمی برتنے کا حکم دیا اور وعدوں کی پابندی کو تجارت کا لازمی جزو قرار دیا۔

۳۔ تجارت کے معاملات میں سچ بولنے کا حکم دیا اور سکھایا کہ معاملہ خواہ مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے ہو ایماندار رہو اور وعدہ پورا کرو۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذخیرہ اندوزی، اناج میں ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کو منع فرمایا ہے۔ فرمایا کہ ذخیرہ اندوز کے اناج سے صدقہ قبول نہیں اور ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں۔

٦۔ محنت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں میں علم و حکمت اور معیشت کی اہمیت کا شعور پیدا کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔"

(مشکوٰۃ شریف جلد 3۔ حدیث 2)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! اپنی حلال کمائی میں سے خرچ کرو۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 267)

ایک مرتبہ ایک بے روزگار صحابیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " تمہارے پاس کسی قسم کی کوئی چیز ہے"، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک کمبل ہے، نیز ایک پیالہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے پاس لے آؤ۔ کسی صحابی نے ان چیزوں کے دو درہم دام لگائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں چیزیں ان کے حوالے کر دیں اور دو درہم اس بے روزگار صحابی کو دے دیئے اور ارشاد فرمایا کہ ایک کلہاڑی خرید کر لاؤ اور فرمایا کہ جاؤ اس کلہاڑی سے جنگل جا کر لکڑیاں کاٹو۔۔۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور پندرہویں دن حاضر خدمت ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا حال ہے؟۔۔۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس عرصہ میں دس درہم کی آمدنی ہوئی جن میں سے چند درہم کے میں نے کپڑے خریدے اور چند درہم کا اناج!۔۔۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تم کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت کے دن ذلّت اٹھاؤ۔ "

(ابو داؤد ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۷۔ گردش دولت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زکوٰۃ کا نظام نافذ فرمایا۔اس نظام میں اپنی آمدنی میں سے مخصوص حصہ غربا و مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس طرح معاشرتی ناہمواری کا تدارک کیا گیا۔اس کے علاوہ جزیہ، غنیمت کا خمس، صدقات، ہنگامی چندہ، قرض حسنہ اور وقف املاک سے حاصل ہونے والی آمدنی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امور سلطنت چلانے اور غریب لوگوں کی معاشی بحالی کے لئے استعمال کیا۔اس طرح لوگوں میں عزت نفس کی بحالی کے بعد مملکت کی تعمیری ترقی میں حصہ لینے کی قوت پیدا کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند ہاتھوں میں دولت مرکوز ہونے کا تدارک فرمایا۔

۸۔ صدقہ جاریہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحب حیثیت لوگوں میں غریبوں کو فیاضی سے صدقہ دینے کا جذبہ پیدا کیا اور حکم دیا کہ کھانے سے پہلے دیکھ لو کہ ہمسائے میں کوئی بھوکا تو نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جذبہ ایثار اور سخاوت سے لوگوں کو معاشی عدل کے لئے تیار کیا اور قرض خواہوں کو غریب قرضداروں کے قرضے معاف کرنے کی ترغیب فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحب حیثیت لوگوں کو صدقہ جاریہ کی تلبیغ کی۔ چنانچہ صاحب ثروت افراد نے اپنی جائیداد کو عوام الناس کے لئے وقف کرنا شروع کر دیا جس سے معاشرے میں محروم اور معذور افراد کی مدد و کفالت کا بندوبست ہو گیا۔

۹۔ وراثت کا قانون

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وراثت کے قوانین میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ ورثہ، بیٹوں، بیٹیوں، ماں اور بیوی میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ان انقلابی اقدام کے باعث دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا ہے کہ عورتیں بھی وراثت میں حصہ دار بن گئیں۔ صاحب جائیداد نے ملک کی معاشی ترقی میں خود محنت کر کے حصہ لینا شروع کر دیا۔اس طرح اسلام نے عورتوں کو معاشی استحصال سے نجات دلا کر معاشرے کا فعال رکن بنا دیا۔

۱۰۔ میانہ روی کی تلقین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو سکھایا کہ میانہ روی نصف معیشت ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

”وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل کرتے ہیں، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال

پر

قائم رہتا ہے۔"(سورۃ الفرقان۔ آیت 67)

یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو اپنے زمانے کے لحاظ سے اور آج تک انتہائی اہم اور انقلابی نوعیت کی ہے اس سے پہلے جہالت کے باعث لوگ اس کی اہمیت وضرورت سے ناواقف تھے۔

ذرائع وسائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ ریاست کیلئے بھی محاصل ناگزیر تھے۔ان محاصل کے مداخل ومخارج پر گفتگو سے پہلے یہ بتادیناضروری ہے کہ ریاست کی آمدنی واخراجات وغیرہ کی تنظیم وترتیب کیلئے ایک باقاعدہ شعبہ ء محاصل قائم تھا۔اس شعبہ کے تحت ریاست کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھا جاتا تھااور پھر اس کا احتساب بھی ہوتا تھا۔یہ شعبہ خود مختلف شاخوں میں تقسیم تھااور ہر شاخ کے ذمہ دار اور ہر محاصل کے افسران الگ الگ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شعبہ کی بہتر کارکردگی کی طرف پوری توجہ دی اور ایسے لوگوں کو ذمہ داریاں سپرد کیں جو اس کے اہل تھے اور اخلاق وکردار، علمِ دین ودنیا، حساب کتاب اور انشاء وکتابت میں مہارت رکھتے تھے۔

الف۔غنیمت

مال غنیمت دراصل ایک اتفاقی آمدنی ہے جو میدان جنگ میں بزور حاصل ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدر کی غنیمت کو تمام مسلمانوں میں تقسیم کردیا تھا۔لیکن جنگ بدر کے بعد قرآن کے حکم کی تعمیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پانچ حصے کرتے تھے۔اس میں سے چار حصے تو شرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیتے تھے اور ایک حصہ بیت المال کے لئے محفوظ رکھا کرتے تھے۔جسے اصطلاحاً خمس کہتے ہیں۔ خمس کے مصارف کو قرآن نے متعین کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور تمھیں معلوم ہے کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

(سورۃ انفال۔ آیت 41)

اس امر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پہلے پہل جب بیت المال قائم ہوا تو ابتدائی آمدنی کے وقت سے ہی غریب ومسکین اور نادار لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المال کے خمس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ قوم کی فلاح اور ضرورت مندوں کی امداد پر صرف ہوتا تھا۔

ب۔ فَے

ریاست نبوی کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ فَے بھی تھا۔ محدود معنوں میں فَے سے مراد وہ مفتوحہ زمینیں ہیں جو بغیر جنگ و فوج کشی کے براہِ راست ریاست کی ملکیت میں آتی تھیں۔ مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۴ھ میں بنو نظیر کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں کے باغات اور کھیت اسلامی ریاست کے قبضے میں آ گئے۔ اسی طرح بعد میں بنو قریظہ کا مال و اسباب اور علاقہ ملا نیز خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ کے اسلامی ریاست کو مل گئے۔ چونکہ یہ مال غنیمت سے بالکل الگ نوعیت کا تھا اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے قرآن کی روشنی میں سرکاری قرار دیا۔

ج۔ خراج

یہ وہ محصول اراضی ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح خیبر کے وقت چونکہ ایک طرف خود مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ بآسانی کرا سکیں دوسری طرف

یہود نے یہ پیش کش کی تھی کہ وہ ریاست نبوی کے اسامی کی حیثیت سے اس زمین پر کاشت کریں گے۔ خراج مجاہدین کی تنخواہوں اور دوسری قومی ضروریات پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اسلام سے قبل مصر، ایران، روم وغیرہ کی سلطنتوں میں خراج اور جزیہ کے محصولوں کا رواج موجود تھا۔

د۔ جزیہ

جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلمین سے انکی جان، مال آبرو کی حفاظت اور عقائد کی آزادی اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ نیز جزیہ غیر مسلموں میں سے صرف آزاد مردوں پر واجب تھا۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر نہیں۔

اسی طرح غریب، معذور اور راہب بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔

ہ۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا ایک بنیادی رکن، ایک اہم فرض اور مالی عبادت ہے۔ اقتصادی پالیسی کے ذیل میں یہ گویا ایک قسم کا محصول تھا جو صرف مسلمانوں پر واجب الادا تھا اور صرف ان لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جو بالغ، خود کفیل اور صاحب نصاب ہوں۔ زکوٰۃ کی حقیقی غرض وغایت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں یہ تھی: ''زکوٰۃ مالداروں سے لی جائے اور ناداروں میں تقسیم کی جائے۔ ''

(جامع ترمذی۔ جلد 1 حدیث 626، سنن ابو داؤد۔ جلد 1 حدیث 1570)

فقہا کے بیان کے مطابق زکوٰۃ ہر اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے بڑھایا جاسکتا ہو تا کہ صاحب مال پاک ہو جائے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو۔

۱۔ نقدی (سونا اور چاندی)

۲۔ پھل اور زرعی پیداوار

۳۔ مویشی

۴۔ اسبابِ تجارت

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے زکوٰۃ کو فقرا اور مساکین، عاملین صدقات، قرابت داروں، فی سبیل اللہ اور مسافروں پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

و۔ صدقات

زکوٰۃ اور صدقات میں فرق صرف یہ ہے کہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہے جبکہ صدقات مسلمان اپنی خوشی سے ریاست کو دیا کرتے تھے۔ البتہ کچھ ان میں ضروری بھی تھے۔ مثلاً صدقۃ الفطر۔ قرآن کی رو سے صدقات کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور زکوٰۃ کی طرح اس کی وصولی کا انتظام بھی ریاست نبوی میں سرکاری طور پر ہوتا تھا۔

عدالتی نظام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے بھی قوانین تھے وہ سب علاقائی تھے۔ بین الاقوامی نہ تھے۔ عدالتی نظام کی کوئی وضاحت نہیں تھی۔ نہ ہی گواہوں کا کوئی معیار مقرر تھا۔ منصف حضرات غصہ کی حالت میں سخت حکم جاری کر دیتے اور کسی کے لئے بلاوجہ نرمی اختیار کر لیتے تھے اور پھر ایسا بھی زمانہ گزرا جب بادشاہ کا حکم ہی قانون کا دوسرا نام بن گیا اور قانون کے معاملے میں "خدا خوفی" کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اقوام جن کے پاس الہامی کتب نہیں تھیں وہ جنگل کے قانون کی پابند تھیں۔ اس طرح دنیا لاقانونیت کا شکار ہو چکی تھی۔ ایسے بگڑے ہوئے ناقابل اصلاح معاشرے کے لئے ضروری تھا کہ ایسا قانون نافذ ہو جو منصفانہ بھی ہو اور ساتھ ہی رحمت سے پُر ہو۔ یعنی دونوں چیزیں اس میں موجود ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ایک ایسا زبردست اصلاحی قانون نافذ فرمایا جس نے بدامنی سے پُر زمانے کو امن و امان اور انصاف کے بہترین دور میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ چند دہائیوں میں دنیا کی کایا پلٹ گئی اور ہر مسلم و غیر مسلم اس قانون کی موجودگی میں خود کو محفوظ سمجھنے لگا۔

اسلام کے اوّلین قانون ساز

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کے اولین قانون ساز ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے اس ضمن میں تمام انسانوں کی رہنمائی کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا۔۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے قانونی ملفوظات پر تمام اسلامی آئین کی بنیادیں قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ احکام بھی نافذ ہیں کہ تمام مسلمان فرمان رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام کی پیروی کریں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"جو کچھ رسول تم کو دے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے اسے ترک کردو۔" (سورۃ الحشر۔ آیت 7)

"جس نے رسول کی اطاعت کی، فی الحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 80)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منصف و قاضی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطورِ منصف انسانیت کیلئے عظیم اسوہ (نمونہ) چھوڑا ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اس نے نبی کو منصف مقرر کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرنے پر منجانب اللہ مامور تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر برحق کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کے محافظ و نگہبان ہے پس آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) لوگوں کے درمیان جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق حکم کیا کریں اور جو (دین) حق آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 48)

"قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک تنازعات میں آپ کو حکم و منصف نہ مان لیں۔" (سورۃ النساء۔ آیت 65)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کریں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔" (سورۃ احزاب۔ آیت 36)

مدینہ منورہ میں تمام مقدمات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدالت میں پیش ہوتے تھے اور بالعموم مسجد نبوی کو ہی ایوانِ عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کسی معاملہ کا قرآن پاک میں حکم موجود نہ ہوتا تو حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بصیرت واجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے یا صحابہؓ سے مشورہ فرما کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے اور پھر وہی فیصلہ اسلام کا قانون اور حکم بن جاتا تھا۔

صوبائی سطح پر عدالتی نظام

مدینے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود منصف کے منصب پر فائز تھے لیکن اس کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاضیوں کا تقرر کیا اور عدالت وقضا کی ذمہ داریاں بھی بالعموم صوبائی سربراہوں کے سپرد کیں۔ حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا حاکم اور عتابؓ بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا۔ یہ حضرات حکومت عامہ کے ساتھ ساتھ عدالت کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ حاکموں کے انتخاب کے سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پالیسی قرآن پاک کی اس آیت کی تعبیر تھی۔۔۔

"اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل امانت کے سپرد کرو۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 58)

کتانی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ میں سے جن لوگوں کو قاضی کے منصب پر سرفراز فرمایا تھا ان میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبدؓاللہ بن مسعود، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ شامل تھے۔

قاضی کے فرائض

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاضی کے لئے عملی رہنمائی کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں۔

* حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حاکم بنا کر یمن بھیجا۔ میں نے عرض کیا" یا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ مجھے حاکم بنا کر یمن بھیج رہے ہیں۔ میں نوجوان ہوں اور حکومت کرنے کے طریقہ سے ناواقف ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی رہنمائی کریں گے اور تمھاری زبان کو محکم رکھیں گے۔" پھر فرمایا"جب دو افراد کوئی معاملہ لے کر تمھارے پاس آئیں تو پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہیں کرنا جب تک دوسرے کا بیان نہ سن لو کیونکہ اس کا بیان تمہیں فیصلہ کرنے میں مدد دے گا۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی کسی معاملے میں فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا۔

(ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی، 3/618)

* قاضی کے لئے اصل چیز اس کا اخلاص ہے۔ اخلاص کی صورت میں اس کے فیصلوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

٭ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قاضی کو غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

(صحیح مسلم۔ جلد2۔ حدیث1996)

٭ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ قاضیوں کو اپنی تنخواہوں سے زیادہ کچھ نہیں لینا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر نظام عدل مستحکم نہیں رہ سکتا۔

"حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کے کام کی اجرت معین کر دی۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ لے گا تو یہ خیانت ہے۔"

(ابو داؤد۔ کتاب الامارۃ والخراج۔ 3/353)

"٭ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جو شخص کسی حاکم سے کسی کی سفارش کرے اور پھر اس حاکم کو ہدیہ بھیجے اور وہ اس ہدیہ کو قبول کرلے تو اس کا یہ فعل ایسا ہے گویا کہ وہ سود کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہو گیا ہے۔"

(ابو داؤد، کتاب البیوع والاجارات۔ 3/810)

٭ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھوٹے دعووں، غلط شہادتوں اور غلط بیانی سے مقاصد حاصل کرنے کو منع فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقدمہ بازی کی عادت کو بھی ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین شخص وہ ہے جو ناحق بہت زیادہ جھگڑنے والا ہو۔"

(بخاری، کتاب الاحکام، 3/117)

مقدمات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں پیش کئے جانے والے مقدمات میں سے چند مقدمات اور ان کے فیصلے مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

سرقہ (چوری)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ قریش ایک عورت کے معاملہ میں بہت فکر مند تھے جس نے عہد نبویؐ میں فتح مکہ کے موقعہ پر چوری کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسکی سفارش کون کرے گا؟ بعض لوگوں نے کہا حضرت اسامہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب ہیں وہی یہ جرأت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سفارش کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔" حضرت اسامہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے۔ جب شام ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی حمد

وثنا کی۔ پھر فرمایا" تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی صاحب حیثیت آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔"(بخاری۔کتاب الحدود،8/16)

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا جس نے چوری کی تھی۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

"اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے۔"(سورۃ المائدہ۔ آیت 38)

نکاح

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "ایک لڑکی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اسکے باپ نے اسکی مرضی کے خلاف نکاح کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اختیار دے دیا" کہ چاہے تو اپنا نکاح باقی رکھے۔ چاہے تو توڑ دے"۔ (ابو داؤد۔ کتاب النکاح۔2/313)

خُلع

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کی زوجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب جوئی نہیں کرتی۔ البتہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کی فرماں برداری نہیں کر سکوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کیا تو اس کا باغ اس کو لوٹا دے گی؟ کہنے لگی ہاں۔ چنانچہ اس نے باغ لوٹا دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی علیحدگی کا فیصلہ فرما دیا۔"(بخاری، کتاب الطلاق۔41-6/170)

معاشرتی نظام

معاشرتی زندگی میں اصل مسئلہ انسان کا وہ طرزِ عمل ہے جو اپنے گھر، اقربا، ہمسائے اور مخلوق میں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشرتی دائرے میں بالعموم انسانی عظمت، میاں بیوی کے حقوق، والدین کے حقوق، اولاد کی تربیت، ہمسایوں سے حسن سلوک، مخلوق سے ہمدردانہ رویہ زیر بحث آتے ہیں۔

انسان کی عظمت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے وقت لوگ نسلی، لسانی اور مفاداتی گروہوں میں تقسیم تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کے ارشادات کی روشنی میں انسانوں کے درمیان مساویانہ حقوق کا درس دیا۔

"اور ہم نے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو گا۔"

(سورۃ الحجرات۔ آیت 13)

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور عمدہ چیزیں ان کو عطا کیں۔" (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 70)

"ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔" (سورۃ التین۔ آیت 4)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قطع رحم سے ڈرو۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 1)

حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر سوائے تقویٰ کے۔"

"اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جہالت کے غرور اور آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا۔ لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متعلق فرمایا:

"میری تعریف میں اسی طرح کا غلو نہ کرنا جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی تعریف میں نصاریٰ نے کیا میں صرف اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔" (بخاری، باب الانبیاء، باب واذکر...142/4)

حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ کو معاشرے میں مساوی درجہ پر رکھنا اور اپنے ساتھ ملانا ایک ایسا انقلابی اقدام تھا جس کی پیروی کے لئے آج بھی انسان محتاج ہے۔ کوئی شخص خاندانی اور نسلی وقار کی بنیاد پر ترجیحی سلوک کا مستحق

نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان اپنی صلاحیتوں کی بنا پر قابل قدر ہے۔ لیکن ایسی رعایت کسی شخص کو نہیں ملے گی جو بنیادی انسانی شرف کو مجروح کرے۔

حقوق کا تعین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاندان کی بنیاد کو نئی قوت بخشی۔ باپ کو گھر کا سربراہ بنایا۔۔۔ ساتھ ہی گھر کے اندر ماں کو باپ کے مقابلے میں تین گنا درجہ دے دیا۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی سے ترجیحی سلوک کا حکم دیا گیا۔ بیٹے اور بیٹی دونوں کی تربیت دینے کا حکم صادر ہوا۔ مرد اور عورت کے لئے ان کی فطرت کے مطابق علیحدہ علیحدہ اخلاقی معیار مقرر ہوئے۔

یتیم، غربا، بیواؤں کے حقوق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرے میں یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کی نگہداشت کی خصوصی تعلیم دی ہے اور زکوٰۃ میں ان کی امداد کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں یتیم کی اچھی طرح پرورش کی جائے اور ایسا شخص مجاہد کی طرح ہے جو محنت کرے اور پھر اس سے یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرے۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص ہدایت فرمائی کہ "بیواؤں کی شادی جلد از جلد کروادینی چاہیئے۔"

* ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بہت سے غلام آئے۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ہاتھ دکھائے اور فرمایا کہ گھر کے کاموں کے لئے ان میں سے ایک خادم عنایت فرمایئے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"بدر کے یتیم تم سے زیادہ مستحق ہیں۔"(سنن ابن داؤد۔ جلد2۔ حدیث 1213)

اولاد کے قتل کی ممانعت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کے قتل، بچوں کو زندہ دفن کرنا اور انسانوں کو منت کے پورا کرنے یا کوئی مراد مانگنے کی خاطر بتوں کے سامنے ذبح کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو اس میں بچوں کو قتل نہ کرنے کی شرط بھی ہوتی تھی۔

ظہار کی ممانعت

بعض لوگ غصے کی حالت میں اپنی بیوی سے ظہار کر لیتے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اسے اپنی ماں کہہ کر اس سے ہمیشہ کے لئے ازدواجی تعلقات ختم کر لیتے اور پھر اس پر قائم رہتے تھے۔ اس سے سوسائٹی میں بے شمار پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رسم کو حرام قرار دے دیا اور اس کا کفارہ مقرر کر دیا اور مردوں کو آئندہ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

"جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہو گا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اسکے دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔

(سورۃ المجادلہ۔ آیت 3 تا 4)

مشرکین سے حسن سلوک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی مرتبہ معاشرے کو نظم وضبط کا پابند کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرے میں اچھائی اور برائی کا تعین کر کے لوگوں میں شعور پیدا کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کو پہلی مرتبہ اس بات کا سبق دیا کہ اگر ایک معاشرے میں مختلف عقائد کے لوگ بستے ہوں تو ان کو کس طرح آپس میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ظرف پیدا کرنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے رسم ورواج اور عقائد کا احترام کرنا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس یہود یا مشرکین میں سے کوئی ملنے آتا تھا تو احترام کے ساتھ خاطر تواضع فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ ان کے جو رشتہ دار ابھی تک مشرک ہیں ان سے حسن سلوک کیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین مکہ کی امداد کے لئے قحط کے دوران مالی امداد بھی ارسال فرمائی۔ یہی رواداری مسلمانوں کے لئے آئندہ مشعل راہ بنی اور سلمانوں نے دنیا کے تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اندر قبول کر کے حسن اخلاق سے ان کو گرویدہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ کا کنبہ مخلوق

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا!

* تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا وہ شخص ہے جو اپنے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔ (مشکوٰۃ شریف۔ جلد 2 حدیث 444)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا!

* سارے مومنین ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔(مشکوٰۃ شریف۔ جلد4۔ حدیث880)

باب 8

اسوۂ حسنہ اور اس کے عالمگیر اثرات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یقیناً اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمہارے لئے بہترین مثال ہیں۔"

(سورۃ الاحزاب۔ آیت 21)

اسلامی نظریہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکؐ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکؐ کسی خاص جماعت، کسی خاص قوم، کسی خاص ملک اور کسی خاص زمانے کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے کامل نمونہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے تمام پہلو ہمارے سامنے ہوں اور ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ عمل پر عمل کریں اور ناپسندیدہ عمل پر عمل نہ کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ عالم کے صفحات پر موجود ہے۔ گھر کے فرد سے خاندان کے سربراہ۔۔۔ قریبی دوست سے دور کی قرابت داری۔۔۔ معاش وروزگار میں معمولی مزدور سے آجر (اُجرت پر کام لینے والا)۔۔۔ محکوم سے حاکم غرض انسانی معاشرے کا کوئی بھی فرد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہؐ سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

آیئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارک کے بے شمار روشن پہلوؤں میں سے چند کا مطالعہ کریں۔

گفتگو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو نہایت دل آویز تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فصیح و بلیغ آواز میں لوگوں کو مخاطب فرماتے تو حاضرین مسحور ہو جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات مختصر لیکن جامع ہوتی تھی۔ الفاظ کے درمیان میں معمولی سا وقفہ ہوتا تھا تاکہ ذہن نشین ہو جائے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ام معبدؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شیریں کلام اور واضح بیان تھے۔ نہ بہت کم گو تھے کہ ضروری بات میں بھی سکوت فرمائیں اور نہ زیادہ گو تھے کہ غیر ضروری امور میں مشغول ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو ایسی تھی جیسے موتی کے دانے پرو دیئے گئے ہوں۔ (نشر الطیب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ غور وفکر میں محو رہتے تھے۔ اشارہ پورے ہاتھ سے فرماتے تھے۔ تعجب کے اظہار کے وقت ہاتھ پلٹ دیتے تھے۔(شمائل ترمذی عن ہند بن ابی ہالہ)

چلنے کا انداز

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوقار اور درمیانہ رفتار کے حامل تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ سفر کے دوران اِدھر اُدھر توجہ نہیں فرماتے تھے۔(طبقات ابن سعد جلد2۔ ص389)

حضرت امام حسن مجتبیٰؓ ہند بن ابی ہالہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب پیدل چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بلندی سے اتر رہے ہیں اور جب کسی طرف متوجہ ہوتے تھے تو جسم اطہر ادھر کر لیتے تھے (محض چہرہ مبارک اور آنکھوں کو ادھر ادھر نہیں کرتے تھے)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظریں بالعموم نیچی رہتیں اور آسمان کی طرف اُٹھنے کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ سبک رفتار کسی کو نہیں دیکھا گویا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے زمین لپیٹ دی گئی ہے۔ ہم بڑی کوشش سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچتے، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے اطمینان و وقار کے ساتھ چلتے تھے جتنا سفر دوسرے لوگ بہت کوشش سے طے کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بغیر کوشش کے بآسانی طے کر لیتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی رفتار سے چلتے تھے کہ اس میں جلدی ہوتی تھی نہ سُستی۔

(ابن عساکر)

پاکیزگی اور طہارت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچپن سے انتہائی صفائی پسند تھے۔ جسم مبارک نہ صرف پاک وصاف ہوتا تھا بلکہ اس سے انتہائی اچھی خوشبو آتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشبو کا استعمال بھی باقاعدگی سے فرماتے تھے اور بال سلجھا کر رکھتے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ لگاتے، دن میں کئی بار مسواک فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دانتوں سے روشنی نکلتی محسوس ہوتی تھی اور جلد میں ایک خاص چمک و حسن تھا جو ہر انسان سے مختلف اور خوب تر تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے عربوں میں صفائی اور طہارت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اہل عرب بیت الخلا کے تصور سے آگاہ نہ تھے۔ صرف مکّے والوں کا ہی یہ حال نہیں تھا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف

لائے اس وقت مدینہ بیماریوں کا گھر تھا۔ وہاں کی آب و ہوا بدبو دار تھی۔ اہل عرب پانی کی کمی کی وجہ سے نہاتے کم تھے۔ ایک ہی لباس کو ہفتوں پہنے رہتے تھے۔ وہ لوگ کثافت اور گندگی میں رہنے کے عادی ہو چکے تھے۔

ان حالات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل عرب کو جسمانی اور روحانی پاکیزگی سے روشناس کرایا اور پوری نوع انسانی کو طہارت و پاکیزگی کا ایک اعلیٰ معیار عطا فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو اور غسل کے آداب سکھائے۔ لوگوں کو جسمانی صفائی کے ساتھ ساتھ گھروں کی صفائی کا حکم دیا۔ علاقے کو صاف کرایا۔ مسجدیں بنا کر وہاں وضو خانے تعمیر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پانی کی فراوانی کیلئے کنویں کھدوائے۔ گھروں میں غسل خانے اور بیت الخلا تعمیر کرائے۔ عربوں کا معمول تھا کہ راستے میں رفع حاجت کر دیا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ناپسندیدہ عمل سے منع فرمایا اور اہل عرب کو پاک و صاف رہنے کا سلیقہ سکھا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طہارت و پاکیزگی مسلمانوں کی پہچان بن گئی۔

جو صحابہ کرامؓ طہارت کا اہتمام کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا ہے۔

"اس مسجد میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک و صاف رہیں اور اللہ تعالیٰ پاک و صاف رہنے والوں کو پیار کرتا ہے۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت 108)

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آسمانوں کے بارے میں دریافت کرنے لگا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور آسمانوں کی خبریں دریافت کرنے لگتا ہے۔ مگر اس کو اپنے سامنے کی چیزیں نظر نہیں آتیں یعنی اس کے ناخن پرندوں کے پنجوں کی طرح بڑھے ہوئے ہیں۔ جن میں میل بھرا ہوتا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

"جو شخص کھانا کھانے سے پہلے وضو کرے اس کی عمر بڑھ جاتی ہے اور اس کا بدن بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

"ٹوٹے ہوئے گلاس سے پانی نہ پیو کیونکہ اس میں جراثیم ہوتے ہیں۔"

خوش مزاجی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا۔ کچھ کنیزیں بیٹھی اشعار گا رہی تھیں کہ اسی دوران حضرت ابو بکرؓ تشریف لے آئے۔ اور کہا: "نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں یہ گانا بجانا کیسا؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ابو بکرؓ! رہنے دیجئے۔ ہر قوم کے لئے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج عید ہے۔"

ایک مرتبہ تہوار کے دن کچھ حبشی بازیگر کرتب دکھا رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کرتب خود بھی دیکھے اور حضرت عائشہؓ کو بھی دکھائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان بازیگروں کو شاباشی بھی دی۔ (بخاری)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز صحابہ کرامؓ کے ساتھ کھجوریں نوش فرمارہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر حاضرین کھجوریں کھا کھا کر گٹھلیاں حضرت علیؓ کے آگے رکھتے جا رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "گٹھلیاں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ کھجوریں علیؓ نے کھائی ہیں۔" حضرت علیؓ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے۔ انہوں نے برجستہ عرض کیا کہ دیکھنے والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں نے گٹھلیاں چھوڑ دی ہیں۔ جن کے سامنے گٹھلیاں نہیں ہیں وہ شاید کھجوریں گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ کرامؓ اس حاضر جوابی سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

حضرت صہیبؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت صہیبؓ بھی کھجوریں کھانے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"آنکھ آئی ہوئی ہے اور کھجوریں کھا رہے ہو۔"

حضرت صہیبؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں اچھی آنکھ والی طرف سے کھا رہا ہوں۔"

اس حاضر جوابی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا دیئے۔

گھریلو کام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی سادہ زندگی بسر کی۔ ہمیشہ اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دی۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ غریب سے غریب بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتے تھے۔

ازواج مطہراتؓ کے کام میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہاتھ بٹاتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے۔ ڈول درست کرتے۔ اونٹ کو باندھ دیتے۔ نیز غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھ دیتے تھے۔ (بخاری)

صحابہ کرامؓ مل کر کوئی کام کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور مزدور کی طرح کام کرتے تھے مسجد نبوی کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بہ نفس نفیس کام کیا۔ خود اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرامؓ کسی کام میں عاجز ہو جاتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعاون حاصل کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک سخت چٹان کو توڑنا ناممکن ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین ضربات سے اسے توڑ دیا۔ (واقدی۔ المغازی جلد دوم۔ صفحہ 450-451)

صبر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سراپا صبر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں حق و صداقت کا پیغام دیا جس کو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے وہاں کے اوباش لڑکوں کو لگا دیا۔ آوارہ لڑکوں نے اتنے پتھر مارے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوتے خون سے بھر گئے۔

حضرت جبرائیل امینؑ حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اجازت دیں تو بستی والوں پر پہاڑ الٹ دیئے جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔

"میں مخلوق کے لئے زحمت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج میں مبتلا کرنے کے لئے ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں۔ ابو لہب کی دونوں بہوئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیاں تھیں۔ ابو لہب نے انہیں طلاق دلوا کر باپ کے گھر بھیج دیا اور پیغام بھیجا کہ ابو لہب کے بیٹوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کی بیویاں "محمد" جیسے شخص کی بیٹیاں ہوں۔ کیونکہ آج "محمد" تمام لوگوں کی نفرت کا شکار ہے اور ایسے شخص سے تعلقات رکھنا مکہ میں شرم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس واقعہ سے بہت غمگین ہوئیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین فرمائی۔

ایفائے عہد

معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانا بھی اسلامی تعلیمات میں بہت اہم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابرؓ سے کچھ ادھار لیا اور وعدہ کے مطابق نہ صرف ادھار لوٹا دیا بلکہ کچھ زیادہ بھی عطا کیا۔ (ابو داؤد جلد 3۔ حدیث 642)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صاحب کو ایک کم عمر اونٹ کے بدلے پوری عمر کا جوان اونٹ واپس دیا اور فرمایا "لوگوں میں سب سے اچھا وہی ہے جو دوسروں کو ادائیگیاں اچھی طرح کرتا ہو۔

(ابو داؤد۔ جلد 3۔ حدیث 642 2346, نیز مسلم ترمذی)

اہل مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت، خوش معاملگی اور امانت و دیانت پر بعثت سے پہلے بھی یقین رکھتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صادق اور امین کہتے تھے ۔ ہجرت کے وقت بھی بہت سے لوگوں کی امانتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تھیں۔ جن کی واپسی کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو ذمہ داری عطا کی۔

جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی اور مسلمانوں کیلئے ایک ایک آدمی کی شدید ضرورت و اہمیت تھی۔ اس موقع پر دو صحابی حذیفہ بن یمانؓ اور ابو حسیلؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔۔۔ یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم مکہ سے آرہے ہیں۔ راستے میں کفار نے ہمیں گرفتار کر لیا تھا اور ہمیں اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ نہیں دیں لیکن یہ مجبوری کا عہد تھا۔ ہم ضرور کافروں کے خلاف لڑیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر طرح ساتھ دیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”نہیں! تم اپنا وعدہ پورا کرو اور میدانِ جنگ سے چلے جاؤ۔ مسلمان ہر حال میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔“

پردہ پوشی اور عدم تجسس

دوسروں کے خفیہ معاملات کی ٹوہ لگانے کے بجائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ پردہ پوشی کا حکم فرمایا۔

”جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے وہ گویا کسی زندہ دفن کی جانے والی بچی کو زندگی بخشتا ہے۔“ (باب داؤد 200-5 حدیث 4891)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائیں گے۔ (مسلم۔ البر حدیث 2580 / ترمذی)

عیبوں کو کریدنا بدترین، تباہ کن اور اخلاق سوز عیب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر تشریف فرما کر حاضرین کو بلند آواز میں تنبیہہ فرمائی :

”مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے عیوب کے درپے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چھپے ہوئے عیوب کو طشت از بام کر دیتے ہیں اور جس کے عیب افشا کرنے پر اللہ تعالیٰ متوجہ ہو جائے تو اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑتے ہیں اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر چھپ کر ہی بیٹھ جائے۔“ (ترمذی)

مہمان نوازی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی میں ہمیں مہمان نوازی کا روشن پہلو ملتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفسِ نفیس خود مہمانوں کی خاطر تواضع فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مہمان کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے اور اس کی ہر طرح سے خاطر مدارت کرتے تھے، کھانے کیلئے بار بار اصرار فرماتے تھے۔ جب مہمان خوب اچھی طرح کھا ہی لیتا تھا، اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطمئن ہوتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالی اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ مہمان کی خاطر تواضع کرے۔ مہمان سے خندہ پیشانی سے ملے۔ مکان میں ٹھہرائے، جس قدر ہو سکے عمدہ کھانے کھلائے، حال احوال پوچھے۔

مہمان داری کا تین دن تک حق ہے اس سے زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس مزید اجر ہے۔"

طائف سے بنو ثقیف کا وفد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بنفسِ نفیس اس وفد کے تمام لوگوں کی خاطر تواضع کی حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا۔

۹ھ ہجری میں نجران سے ساٹھ آدمیوں پر مشتمل عیسائیوں کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور انہیں اپنے طریقہ کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

طیور اور حیوانات پر شفقت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت و شفقت صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ چرند، پرند، نباتات، جمادات، جنات پر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت محیط ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کو جانوروں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ بدحال جانوروں کو دیکھ کر اشارہ فرماتے کہ ان بے زبانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو۔ ان پر سواری بھی اچھی طرح سے کرو اور ان کو چارا وغیرہ بھی اچھی طرح کھلایا کرو۔

(ابوداؤد۔49-3 حدیث2548)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جانوروں کے منہ پر داغ لگانے اور ان کی شکلیں بگاڑنے سے منع فرماتے تھے۔(ابوداؤد57-3

حدیث2546)

پرندوں کے انڈے چرانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرماتے تھے۔ اسی طرح ان کے گھونسلوں سے چھوٹے بچے اٹھانے سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے۔

(ابو داؤد۔ 469-3۔ حدیث 3089)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک صحابیؓ حاضر ہوئے۔ ان کے پاس چادر میں چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم ان پرندوں کو کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟

صحابیؓ نے عرض کیا کہ ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی۔ جا کر دیکھا تو ایک پرندے کے خوبصورت بچے تھے۔ میں نے ان کو گھونسلہ سے نکال لیا۔ جیسے ہی ان بچوں کی ماں کو خبر ہوئی تو وہ وہاں پہنچ گئی اور میرے ارد گرد چکر کاٹنے لگی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراض ہو کر فرمایا۔

”فوراً جاؤ اور بچوں کو دوبارہ احتیاط کے ساتھ گھونسلہ میں رکھ آؤ تاکہ ان بچوں کی ماں کو قرار آئے۔“

مذہبی رواداری

مذہب۔۔۔ اپنے پیروکاروں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ مذہب۔۔۔ تمام احساسات، خیالات، تصورات اور زندگی کے اعمال و حرکات کو ایک قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔

رواداری۔۔۔ کے لغوی معنی رعایت، حلم، منظور کرنا اور ماننا ہیں۔ مذہبی رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ ” تمام مذاہب کے پیروکاروں میں باہمی احترام و محبت اور رواداری کا جذبہ ہو اور ہر فرد دوسرے مذہب اور عقائد کا احترام کرے بلا تفریق مذہب، رنگ و نسل اور ذات برادری ایک دوسرے کی عزت و جان کا احترام کریں۔“

میثاق مدینہ اور رواداری

پوری انسانی تاریخ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رواداری کے سب سے بڑے علم بردار ہیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ ”میثاق مدینہ“ کیا جو غیر مسلم رعایا کے ساتھ پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا معاہدہ ہے۔ یہ معاہدہ مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے جس پر دنیا فخر کرتی ہے۔ ”میثاق مدینہ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی اور تاریخی شاہکار ہے۔ جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد، مثالی مذہبی رواداری، قیام امن اور انسانی اقدار کے تحفظ میں بھرپور مدد ملی۔ ایک عظیم الشان ریاست کی بنیاد اور تنظیم و تدبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کارنامہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

اس تاریخی معاہدہ کی بدولت غیر مسلمین اور مختلف مذاہب کے افراد و اقوام کے حقوق و فرائض اور مذہبی رواداری کا اصول واضح ہوا، چنانچہ یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری پر مبنی اس تاریخی صحیفہ کی بدولت مندرجہ ذیل حقوق و مراعات حاصل ہوئیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و ضمانت ہر فریق کو حاصل ہے۔

۲۔ مدینے کے غیر مسلم افراد کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ مدینے کے ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔

۳۔ اسلام کے دشمنوں سے مسلم اور غیر مسلم دونوں مل کر جنگ کریں گے اور مشترکہ طور پر جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے۔

۴۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمسائے میں یہودی رہتے تھے اگر ان کے یہاں کوئی بچہ بیمار ہو جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

بنو عریض نامی ایک یہودی قبیلہ مدینہ میں رہتا تھا اس کی کسی بات سے خوش ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے کچھ سالانہ وظیفہ مقرر فرمادیا۔ غیر مسلم کا جنازہ بھی شہر کی گلیوں سے گزرتا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں موجود ہوتے تو جنازہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو جاتے تھے۔

انسانیت کے تاجدار اور حقوق انسانی کے علمبردار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ میں مذہبی رواداری کے ثمرات کی شاہد عہد نبویؐ کی وہ جنگیں ہیں جو مشرکین مکہ، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ہوئیں۔ مذہبی رواداری کا عنصر ان فتوحات و عسکری محاذوں پر ہمیشہ غالب رہا۔ عہد نبویؐ کی جنگیں انسانی تاریخ میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں اس لیے کہ اکثر دوگنی اور بعض اوقات دس گنا طاقت سے مقابلہ ہوا اور فتح حاصل ہوئی۔ عہد نبویؐ کی مملکت ابتدا میں ایک مختصر مملکت تھی جو شہر کے ایک حصہ میں قائم کی گئی تھی۔۔۔ لیکن اس کی توسیع بڑی تیزی سے ہوئی۔ اس توسیع کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دس سال بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا اس وقت مدینہ ایک شہری مملکت نہیں بلکہ ایک وسیع مملکت کا دارالسلطنت تھا، تاریخی شواہد کی رو سے دس سال تک روزانہ تقریباً ۸۲۲ مربع کلومیٹر کا علاقہ اسلامی ریاست میں شامل ہوتا رہا۔

مکتوبات اور رواداری

۷ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایران، روم، مصر اور حبش کے دیگر حکمرانوں کے نام جو تبلیغی خطوط لکھے اس میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت لکھی گئی تھی:

"آپ کہہ دیں! اے الہامی کتاب کے ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں۔ اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو اس پر سر تسلیم خم کر چکے۔" (سورۃ آلِ عمران۔ آیت 64)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نفسیاتی حقیقت کا اپنے طرزِ عمل میں ہمیشہ خیال رکھا کہ کسی غیر مسلم کو برا کہنے سے اس میں ضد پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اس سے گریز کیا اور وہ طرز عمل اپنایا جس سے اس کی اصلاح ہو سکے اور وہ سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔

"یہ لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کو پکارتے ہیں انھیں برا نہ کہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کیلئے اس کے عمل کو خوش نما بنا دیا ہے پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

(سورۃ انعام۔ آیت 108)

صلح، رواداری اور انتہائی وسعت قلبی کی اس تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی، عیسائی اور صابی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذاہب کو ترک کریں بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب ہی کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں یعنی اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننا، مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین کرنا اور زندگی بھر عمل صالح کرنا۔ حقیقت میں یہ ایک طرح سے ایک بنیادی مذہب مرتب کرنا تھا۔

"آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیا کو اللہ کی طرف سے دیا گیا، ان سب پر ایمان لائے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 83 تا 85)

تمام انبیا پر نازل کردہ تعلیمات پر ایمان رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ سب دین اسلام کے داعی ہیں۔

فرامین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رواداری

اسلام سارے طبقات انسانی کے لیے رحمت بن کر آیا ہے، اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور ان کو اتنے حقوق دیے جس کی نظیر نہیں ملتی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قریب قریب پورا جزیرہ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا۔ غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا۔ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حقوق دیے وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

اس معاہدہ کی رو سے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں:

۱۔ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۲۔ان کی زمین' جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے گا۔

۳۔ان کی کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدہ پر برقرار رہیں گے۔

۴۔ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ان سے فوجی خدمت نہیں لی جائے گی۔

۶۔اور نہ ہی پیداوار کا عُشر لیا جائے گا۔

۷۔ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔

۸۔اگر ان پر حملہ ہوا تو دفاع کیا جائے گا۔

۹۔ان کے معاملات و مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

۱۰۔ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہو گا۔

۱۱۔سود خوری کی اجازت نہیں ہو گی۔

۱۲۔کوئی ناکردہ گناہ کا مجرم بدلہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔

۱۳۔اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

اسی زمانہ کے لگ بھگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ سنائی کے قریب واقع راہب خانہ سینٹ کتھرین کے راہبوں کو بلکہ سارے عیسائیوں کو ایک سند نامہ حقوق (Charter) عطا فرمایا جس کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا کہ دنیا کی تاریخ روشن خیالی اور رواداری کی جو اعلیٰ ترین یادگاریں پیش کر سکتی ہے یہ ان میں سے ایک ہے۔یہ دستاویز جسے مورخین اسلام نے حرف بحرف قلم بند کیا ہے۔ وسعت نظری، رواداری اور آزاد خیالی کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔اس دستاویز کی رو سے عیسائیوں کو ایسی استثنائی مراعات حاصل ہوئیں۔۔۔ جو انھیں اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے تحت بھی نصیب نہ ہوئی تھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمادیا کہ اس دستاویز میں جو احکام درج ہیں، اگر کوئی مسلمان ان کی خلاف ورزی کرے گا یا ان سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اس کے دین کی تذلیل کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیوں کی حفاظت، ان کے گرجاؤں اور ان کے پادریوں کے مکانوں کی پاسبانی اور انھیں ہر طرح کی تکلیف سے بچانے کی ذمہ داری سب پر عائد کی ہے۔

عیسائیوں سے یہ وعدہ کیا گیا کہ

۱۔ ان پر کوئی ناجائز ٹیکس نہیں لگائے جائیں گے۔

۲۔ ان کا کوئی پادری اپنے علاقے سے نکالا نہیں جائے گا۔

۳۔ کسی عیسائی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ کسی راہب کو اس کے راہب خانے سے خارج نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ کسی زائر کو سفر زیارت سے نہیں روکا جائے گا۔

۶۔ ان کو اس کی بھی ضمانت دی گئی کہ مسجدیں یا مسلمانوں کے رہنے کے مکان بنانے کے لیے کوئی گرجا مسمار نہیں کیا جائے گا

۷۔ جن عیسائی عورتوں نے مسلمانوں سے شادی کر رکھی تھی ان کو یقین دلایا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کی مجاز ہوں گی اور اس بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کے لیے یا اپنے مذہب کے کسی اور امر کے بارے میں امداد کی ضرورت ہو گی تو مسلمان انہیں امداد دیں گے۔

۹۔ اس امداد کو ان کے مذہب میں شریک ہونے سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسے حاجت مندوں کی حاجت بر آری اور اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان احکامات کی اطاعت سمجھا جائے گا جو عیسائیوں کے حق میں صادر کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے بر سر جنگ ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود کے اندر رہنے والے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کی بنا پر حقارت کا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نا فرمانی کا مرتکب تصور ہو گا۔

فتح مکہ اور رواداری

عہد رسالت ؐمیں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا حریف اور دشمن گروہ مشرکین مکہ کا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحم و کرم عفو و در گزر اور مذہبی رواداری کے حوالہ سے فتح مکہ ۱۰ رمضان ۸ھ ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے کہ جس کی نظیر مذاہب عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

اس موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا!

"تم پر کوئی ملامت نہیں۔۔۔تم سب آزاد ہو"

صرف یہی نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رواداری اور عام معافی کے اس مثالی اعلان کے ساتھ امن کے قیام اور استحکام کے لیے مندرجہ ذیل ہدایات جاری فرمائیں۔

۱۔ جو ہتھیار پھینک دے..........اسے امان ہے۔

۲۔ جو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جائے........اسے امان ہے۔

۳۔ جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے........اسے امان ہے۔

۴۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے........اسے امان ہے۔

۵۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۶۔ اور جو سامنے آئیں یا سامنے نہ آئیں مگر غیر مسلح ہوں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں.......ان سب کے لیے امان ہے
۔

خطبہ حجۃ الوداع اور رواداری

حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں اور پوری انسانیت بحیثیت مجموعی آپس میں بہن بھائی کے رشتے میں منسلک ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آخری خطبے میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اس لیے کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں، اسی طرح کالے کو گورے اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اے لوگو! آج کا دن اور اس مہینہ کی تم جس طرح حرمت کرتے ہو اس طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور کسی کا مال لینا تم پر حرام ہے۔

طریق دعوت

ہر قوم کا ایک نظریہ ہوتا ہے اور اسی نظریہ پر وہ قوم زندہ رہتی ہے۔ جس قوم کا نظریہ مردہ ہو جاتا ہے پھر وہ قوم، قوم نہیں رہتی۔۔۔ انسانوں کا ہجوم بن کر رہ جاتی ہے۔ ہجوم اور قوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ ہجوم محض پیٹ بھرنے کے لئے

زندہ ہوتا ہے۔ ان کا بنیادی مقصد پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔ کوئی خاص نظریہ نہیں۔۔۔ جبکہ قوم کا مقصد محض پیٹ پوجا نہیں ایک نظریہ حیات ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اپنے قبیلے، شہر، قوم یا ملک کو ہی اسلام کی دعوت نہیں دی بلکہ بنی نوع انسان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کس طرح کیا اور تبلیغ اسلام کے لئے کیا طریقہ کار اپنایا؟

”تفصیلات“

تبلیغ کی اہمیت

قرآن پاک میں تبلیغ کے ضمن میں دو طرح کے ارشادات ہیں۔

۱۔ ایک وہ جن میں فریضۂ تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۲۔ اور دوسرے وہ جن میں طریقہ کار بیان کیا گیا ہے۔

”اے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔“ (سورۃ المائدہ۔ آیت 67)

”اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔“

(سورۃ المائدہ۔ آیت 92)

”اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبی، ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ آپ کی ذمہ داری صرف بات پہنچا دینا ہے۔“ (سورۃ الشوریٰ۔ آیت 48)

”اے نبی! جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔ بس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہہ سے ڈرے۔“ (سورۃ ق۔ آیت 45)

”اچھا (اے نبی) آپ نصیحت کرتے رہیں، آپ بس نصیحت کرنے والے ہیں۔“

(الغاشیہ۔ آیت 21)

آغاز دعوت

نبوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام تین سال تک خفیہ تبلیغ فرماتے رہے۔ دعوت عام کی بجائے خفیہ تبلیغ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے صرف ان لوگوں کو حق کی طرف بلایا جن پر حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کو اعتماد تھا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی نظر میں حق بات سننے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ جن کو سمجھایا جاسکتا تھا اور جن میں شرک چھوڑنے اور حق کی طرف آنے کی صلاحیت تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں عقل تھی، باشعور تھے۔ آباؤ اجداد کے فرسودہ طریقۂ عبادت سے تنگ تھے۔ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہوئے ندامت محسوس کرتے تھے اور خدائے واحد کی تلاش میں تھے۔

تعلیمی مرکز

جب حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے خفیہ تبلیغ شروع کی تو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے حضرت ارقمؓ کے گھر کو تعلیم کا مرکز قرار دیا۔ یہ شعب ابی طالب کی محصوری تک قائم رہا۔ خفیہ تبلیغ کے دوران ایک روایت کے مطابق (133) افراد حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام پر ایمان لے آئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے دست راست تھے۔ ان ہی کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت عمارؓ، حضرت ارقمؓ، حضرت عمرؓ بن عتبہ اور ابوذر غفاریؓ جیسے لوگوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں پہل کی۔

حضرت ارقمؓ کا گھر تبلیغ کا مرکز تھا۔ یہاں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا گیا اور یہاں اسلام میں داخل ہونے والوں کو اسلام کے اصول اور آداب سکھائے جاتے تھے۔

عزیز واقارب کو دعوت

بعثت نبوی کے تین سال تک تبلیغ اسلام کا کام خفیہ رکھا گیا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ اسلام کا دائرہ اپنے رشتہ داروں تک بڑھاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشتہ داروں کی دعوت کی۔۔۔ انہیں کھانے پر بلایا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے ان کے سامنے تقریر فرمائی۔ ”میں تم سب کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، دنیا میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں۔ لیکن حاضرین نے سنی ان سنی کر دی۔

اہل مکہ کو دعوت

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل مکہ کو دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور اہل مکہ کو آواز دی۔ جب تمام قبائل اکٹھے ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا "اگر تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور تمہاری سفارش اور شفاعت کروں گا۔

اے قوم قریش! اگر تم نے کلمہ توحید قبول کر لیا تو تمام عرب تمہارا دین اختیار کرے گا اور تمہارے طریقے کی پیروی کرے گا۔ اس کے علاوہ تمام عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا"۔ (طبقات ابن سعد)

باقی تمام مجمع تو خاموش رہا لیکن ابو لہب نے شدید غصے کا اظہار کیا۔

اس کے بعد تبلیغ حق کی خاطر مکہ میں عکاظ، ذوالجنہ اور ذوالمجاز کی منڈیوں میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کا سفر کیا۔ اس کے بعد کئی اور قبائل کے پاس گئے اور انہیں حق کی طرف بلایا۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات

بعثت کے بعد سے ہجرت تک مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام تیرہ سال تک رہا۔ تیرہ سال کی اس مدت میں مشرکین کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جس طرح عرصہ زیست تنگ کیا گیا۔ وہ ایک دل گداز اور لمبی داستان ہے۔ یہ ساری مدت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ گزاری۔ تیرہ سال میں قرآن کریم کا بیشتر حصہ مکہ میں نازل ہوا۔

قرآن پاک کی وہ سورتیں جو ابتدا میں نازل ہوئیں اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں۔

"سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام عالمین کا رب ہے۔" (سورۃ فاتحہ۔ آیت 1)

"مشرق و مغرب کا رب وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو۔"

(سورۃ المزمل۔ آیت 9)

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔" (سورۃ العلق

۔ آیت 1 تا 2)

"جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔" (سورۃ العلق۔ آیت 4)

"ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔" (سورۃ المدثر۔ آیت 38)

"اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی اور یہ کہ بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی

جائے گی۔"(سورۃ النجم۔ آیت 39 تا40)

"یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں کہو "یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا

ہے۔"(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 85)

اہل مکہ کا ردّ عمل

قریش یہ ساری باتیں سنتے تھے اور پوری شدت ور عونت کے ساتھ ان سچی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔ جو شخص ان

کے سامنے آیات قرآنی تلاوت کرتا تھا۔ اس کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تلاوت کرتے

تھے تو وہ لوگ فقرے کسا کرتے تھے۔ وہ یہ مطالبہ بھی کرتے تھے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی سچے ہیں تو اپنے سچ پر کو

ئی مستند دلیل لائیے۔ اس مطالبے کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کی وہ آیات تلاوت فرماتے تھے جن میں

اس تمسخر کا شافی جواب تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمسخر کرنے والوں سے فرماتے تھے کہ اگر ان کے بس میں ہے تو

اس قرآن کا جواب لائیں مشرکین قرآن کا مثل پیش کرنے سے قاصر تھے اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ یہ کلام واقعی کسی

انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت اچھی طرح بہت واضح طور پر واشگاف الفاظ میں بیان کر

دیے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم دیا۔ یہ حکم اس وقت ملا جب حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام راہ حق و صداقت میں ہر تکلیف برداشت کر چکے تھے۔

طریقہ تعلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یثرب تشریف لائے تو یثرب میں زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اسلام کی ترویج کا نیا راستہ کھل

گیا

۔یہاں مختلف طرح کے لوگ تھے۔ ہجرت سے پہلے بھی یثرب میں مسلمان موجود تھے۔ یثرب میں مشرکین بھی تھے ان

کے قلوب اسلام سے نا آشنا تھے اور انہی کی کثرت تھی۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق

عطا فرمائی۔

ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے کفر کو چھپایا اور منافقت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہا

ں

یہود بھی تھے جو اپنے دین و مذہب کے علمبر دار تھے اور اب وہ اپنے اندر اتنی لچک پیدا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یثرب

کی

اس نئی زندگی سے جس حد تک ممکن ہو موافقت پیدا کر لیں اور یہاں جو مختلف گروہ آباد تھے ان سے منافقانہ تعلقات قائم

رکھیں۔

یثرب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کسی معنی میں بھی حیات مکہ سے سہل اور آسان نہیں تھی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راضی بہ رضا صبر اور شکر کے ساتھ حالات کو قبول کیا۔ یثرب میں بہر حال مکے کے مقابلے میں امن تھا۔

یثرب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین مکہ اور انصار یثرب کے مابین مواخات (برادری) کا رشتہ قائم کیا۔ وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتا لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اس طرح صحابہؓ کی تعلیم و تربیت ہو رہی تھی۔

یثرب میں مسجد نبویؐ کی تعمیر ہوئی اس مسجد میں خدائے بزرگ و برتر کی عبادت ہوتی تھی۔ یہاں مہاجر و انصار کی مجلسیں ہو تی تھی اور ان مجالس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضرین کو اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔

طریقہ تربیت

”اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو۔ مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ “

(سورۃ المزمل۔ آیت 1 تا 4)

"درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔"(سورۃ المز مل۔ آیت 6)

"اپنے رب کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے رہو۔"(سورۃ المزمل۔ آیت 8)

"اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ۔"

(سورۃ المزمل۔ آیت 10)

"اے نبی!(علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔ بشارت دے دواُن لوگوں کو جو (تم پر) ایمان لائے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ اور ہر گز نہ دبو کفار و منافقین سے، کوئی پروانہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ کر لو اللہ پر، اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔"(سورۃ احزاب۔ آیت 45 تا 48)

"اے نبی!(علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

(سورۃ النحل۔ آیت 125)

تبلیغی اور تربیتی اصول

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن انتہائی تکلیف دہ حالات بھی اس تبلیغ کو نہ روک سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ دین میں بڑا منظم طریقہ اختیار فرمایا ہے اور درج ذیل اصولوں کا خاص خیال رکھا۔

اعلیٰ کردار کے ذریعے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی شہادت فراہم کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کا کام انفرادی کردار سے انجام دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا حکم ربی کے مطابق فرمایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ ارشاد فرمایا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اعلیٰ سیرت اور حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔ دشمن دوست بنتے چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ عفوودرگزر سے کام لیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خندہ جبیں، نرم خو اور مہربان تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔“ حضرت زیدؓ بن حارث کئی سال گھر سے دور رہے۔ جب والد اور چچا لینے آئے تو آپؓ نے جانے سے انکار کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہوں گا۔ یمامہ کے سردار ثمامہ کا واقعہ گواہ ہے کہ وہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔

فتح مکہ کے موقع پر اور اسکے بعد لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ میں آئے۔

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن سلوک کا معجزہ تھا کہ فتح مکہ کے دو سال کے اندر پورا عرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا متبع ہو گیا۔

اللہ پر بھروسہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اسلام پر غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین کیا ہے۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی مایوس نہیں ہوئے۔ طائف کا واقعہ گواہ ہے کہ اذیتوں کے بعد بھی مایوس نہیں ہوئے۔ بد دعا کے بجائے دعا فرمائی۔ یقین تھا کہ ان کی نسلوں سے لوگ مسلمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا یہ عالم تھا کہ حالات کیسے بھی ناساز گار ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مایوس نہیں ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر حال میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا کیونکہ دل میں اطمینان اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا مکمل یقین تھا۔

حضرت ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں ”جان پدر، اس کام سے ہاتھ کھینچ لو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا چچا جان! آپ میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیر تک بے کس و تنہا نہیں رہے گا۔ ایک دن عرب اور عجم اس کے ساتھ ہوں گے۔

ہجرت کی رات کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں کوئی خوف نہ تھا۔ غار ثور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ”اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے“ کہہ کر تسلی فرمائی۔ احد اور حنین کی جنگوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک لمحے کے لئے بھی مایوس نہیں ہوئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کا ثمر تھا۔

ارتقائی مراحل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت و تبلیغ کے وقت انسانی نفسیات، ذہنیت، سمجھ بوجھ اور حالت کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ یک لخت کسی پر بوجھ نہیں ڈالا۔ قوم کو آہستہ آہستہ اس لافانی پیغام کے لئے تیار کیا۔ ان لوگوں کو سوچنے کا موقع دیا۔ دین اسلام کے لئے ان کے دلوں میں جگہ بنائی۔ اپنے کردار، عمل اور حسن سلوک سے اپنے آپ کو پہلے صادق اور امین کے طور پر پیش کیا اور پھر اسلام کی طرف بلایا۔

بر محل گفتگو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ موقع و محل کو مدنظر رکھ کر گفتگو فرماتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ بھی خلوص اور احترام سے بات فرماتے تھے ان کے دلائل حوصلے سے سنتے تھے اور ایسے جواب دیتے کہ وہ تفکر کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لمبی چوڑی تقریر سے اجتناب فرماتے۔ محل اور موقعہ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے اور دوران گفتگو مخالف کی ذہنی استطاعت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

محبت و شفقت کا جذبہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک کے لیے دل میں محبت، ہمدردی، دل سوزی اور شفقت کا جذبہ رکھتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو مصیبت میں دیکھ کر مضطرب ہو جایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "ایک شخص نے الاؤ جلایا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر پروانے اس پر ٹوٹ پڑے اس شخص نے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں بچانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر پروانے تھے کہ اندھا دھند اس الاؤ میں گر رہے تھے۔ یہی مثال میری ہے میں تمہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر تم ہو کہ اس آگ میں چھلانگ لگانے پر تلے ہوئے ہو۔"

عقلی دلائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم کا حقیقی درد رکھنے کے باوجود جذباتی نہیں ہوتے تھے۔ مخالفین کے اعتراضات صبر و تحمل سے سنتے تھے اور پھر ان کو دلائل کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ جذبات کا اثر فوراً ہوتا ہے اور جب تک جذبات میں تلاطم رہتا ہے، اثر قائم رہتا ہے۔ جونہی جذبات ٹھنڈے پڑتے ہیں اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دلائل سے سمجھائی ہوئی بات کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ جو فیصلہ انسان سوچ سمجھ کر کرے اس پر قائم رہتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو تفکر پر مجبور کر دیتے تھے۔ فکر و تدبر کے لئے تیار کرتے تاکہ سچائی کو شعوری طور پر تسلیم کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اسلام کے اصول و ضوابط سمجھانے کے لئے، توحید و رسالت کا قائل کرنے کے لئے بھی عقلی اور مشاہداتی دلائل سے کام لیتے تھے۔

مناظرہ سے پرہیز

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ مناظرہ اور بحث مباحثے سے پرہیز فرمایا کیونکہ اکثر اوقات مناظرہ اور بحث مباحثہ سچائی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مخالف بات سمجھنے کے بجائے اپنی ساری توانائی، اور صلاحیت مخالف کے دلائل کو رد کرنے میں صرف کر دینا ہے۔ فتح و شکست کو وہ انا کا مسئلہ بنالیتا ہے۔ اصل مقصد سے ہٹ کر مخالف کو نیچا کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔

عملی مظاہرہ

داعی کے قول و فعل میں مطابقت از حد ضروری ہے۔ اگر اس کے قول اور عمل میں تضاد ہو گا تو اس کا پیغام قابل قبول نہیں ہو گا۔ وہ اپنا اثر کھودے گا وہ قوت جو انقلاب برپا کر دیتی ہے وہ ہے قول و فعل میں یہ آہنگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بھی کیا وحی الٰہی کے عین مطابق کیا اور جو کہا اس پر پوری طرح عمل بھی کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔

مشعل راہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہر دور، ہر زمانے، ہر ملک کے اہل ایمان کے لئے مثال ہے۔ دوسرے تمام پہلوؤں کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داعیانہ زندگی بھی دعوت و تبلیغ کا علم ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی کو سامنے رکھے۔ اس پر عمل کرکے لوگوں کے پاس جائے۔ جو طریقے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنائے تھے ان پر عمل کرے۔ جن چیزوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجتناب فرمایا ان سے رُک جائے۔ تاکہ اس کی ذات اور دعوت و تبلیغ کا کام مذاق بن کر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس میں وہی اثر ہو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تھا۔

جو لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لے آیا۔ جس نے تاریخ اور تہذیب کا رخ موڑ دیا۔

ذہنی سطح میں مطابقت

ہر شخص کی ذہنی سطح میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاعدہ تھا کہ وہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ہر شخص کی ذہنی سطح کا پورا پورا خیال رکھتے اور لوگوں سے ان کے انداز و معیار کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، جو سیاہ رنگ کا ہے۔ میں نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ ہم میاں بیوی میں کوئی سیاہ رنگ کا نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی سمجھ اور پیشہ کے مطابق جواب مرحمت فرمایا۔ اس سے پوچھا۔

کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟

اس نے کہا۔ ”جی ہاں“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر دریافت فرمایا۔ ”وہ کس رنگ کے ہیں“؟

اُس نے کہا ”سرخ رنگ کے“۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر سوال کیا کہ ”کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا یا کم سیاہ رنگ کا کوئی اونٹ بھی ہے؟“

اس نے کہا۔" جی ہاں ہے"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔" اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ سیاہی کیسے آگئی۔"

اس نے جواب میں کہا۔"ممکن ہے اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور اسکی جھلک ہو۔"

جب بات یہاں تک پہنچ چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر اس کے شبہ کو دور کر دیا:

"کہ یہاں بھی معاملہ ایسا ہو سکتا ہے کہ نسب کا کرشمہ کارفرما ہو اور اس میں تمھاری بیوی کا کوئی قصور نہ ہو۔"

آسان راستہ

آسان راستہ بھی ایک اصول تھا، جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام وعبادات میں خصوصیت سے مد نظر رکھتے تھے۔ لو

گو

ں کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ احکام و مسائل میں مشکلات یا

تنگی سے کام نہ لیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لوگوں کو تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو اور مشکلات سے پرہیز کرو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے:

"تمہارے دین کا وہ حصہ بہتر ہے جو زیادہ آسان اور سہل ہو اور بہترین عبادت احکام کی سمجھ بوجھ ہے۔"

کامیاب مبلغ

پوری دنیا پر عیاں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور معلم و مبلغ سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات میں ہی اسلام پورے عرب میں پھیل گیا تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ کی تعلیم وتربیت فرمائی جو بلند اخلاق، پختہ ایمان والے اور اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب کو اسلام کا معلم و مبلغ بنا دیا۔

سفارتی حکمت

سفارت

سفارت کے ذریعے مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات، دوطرفہ معاہدے اور تجارتی امور پر رابطے قائم کیے جاتے تھے جو آج بھی کئے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں سفارت خانے نہیں ہوتے تھے لیکن سیاسی طور پر اُسے مقام حاصل تھا۔ جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ایسے افراد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جو زیر غور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو۔ ذہین اور سمجھدار ہو اپنی بات کو موثر انداز میں پیش کر سکے اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکے۔

قبل اسلام سفارتی سرگرمیاں

ا۔ مدینے میں دو قبائل اوس اور خزرج کے درمیان اختلافات پیدا ہوتے رہتے تھے۔ جس کے سبب وہ آپس میں جنگ کرتے رہے ان کے درمیان ہونے والی "جنگ بعاث" میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابوالحیس کی سربراہی میں قریش کے پاس بھیجا تھا۔ اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی تھے قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لئے قائم کیا تھا کہ قریش کو اپنا حلیف بنالیں اور جنگ میں ان سے خزرج کے خلاف مدد حاصل کریں۔

۲۔ مکہ میں سفارت کا ادارہ قبیل�ۂ عدی کے پاس تھا اور بعثت کے وقت حضرت عمر فاروقؓ سفیر کے عہدے پر فائز تھے۔

بعثت کے بعد سفارت

ا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو قریش نے یہودی علماء سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی محیط کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ یہودی علماء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کے بارے میں مشورہ کریں کیا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) واقعی نبی ہیں؟

۲۔ مشرکین کے ظلم و ستم سے تنگ آکر چند مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کرلی تھی۔ اہلِ مکہ نے اس موقع پر حبشہ کے بادشاہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ بادشاہ کو قائل کر سکیں کہ وہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو ان کے حوالہ کردے یا اپنی مملکت سے انہیں نکال دے۔ قریش کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید نے انجام دیئے۔ حبشہ کے بادشاہ نے دربار میں قریش کے ان سفیروں کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندوں کو بھی بلالیا۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے ان قریشی سفیروں کی باتوں اور ان کے اعتراضات کا بہت موثر انداز میں جواب دیا۔

حضرت جعفر طیارؓ کی موثر گفتگو نے حبشہ کے بادشاہ کو متاثر کیا اور اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔ مکہ کی سفارت ان بے خانماں مہاجرین کے مقابلہ میں ناکام ہوگئی مسلمان مہاجرین کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سفارتی رابطے صرف اس وقت قائم کئے جاتے تھے جب دفاعی معاہدات طے کرنے ہوں یا کوئی مشکل درپیش ہو، بعض اوقات محض سیاسی تعلقات بنانے کیلئے بھی رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ادارہ کو فعال اور منظم بنایا اور اس کے فرائض میں سب سے اہم ذمہ داری توحید کے فروغ کو قرار دیا اسلام ایک آفاقی دین ہے، جس نے زمان و مکان کی حدود قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی فلاح کے لئے ایک جامع نظامِ حیات پیش کیا۔ اس نظام میں دعوتِ دین یا نظریہ حیات کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُفَرا کے فرائض میں دعوت دین کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

سُفَرا کی خصوصیات

اسلامی مملکت بنیادی طور پر ایک نظریاتی مملکت ہے۔ نظریہ کی اشاعت اور دنیا بھر میں پیغام حق اور اس کے قیام کے لئے جدوجہد مملکت اور ملت کا اہم ترین فریضہ ہے، مملکت کے سُفَرا کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن افراد کو یہ منصب عنایت فرماتے تھے وہ باعمل ہوتے تھے۔ عملی زندگی کے ساتھ ساتھ اور صفات بھی دیکھی جاتی تھیں مثلاً وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ملکہ حاصل ہو اور اپنی بات کو مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جا رہے ہیں، وہاں کے حالات اور اُن کی زبان سمجھتے ہوں۔

۶ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفارتی وفود کثرت سے روانہ ہوئے صلح حدیبیہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں کے پاس خطوط لکھ کر سفیروں کو روانہ کیا، ایک دن میں چھ وفود مختلف ممالک کے حکمرانوں کے پاس روانہ ہوئے، ان میں سے ہر فرد اس قوم کی زبان جانتا تھا جس قوم میں اسے بھیجا گیا تھا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبرانی زبان سیکھنے کا اسی لئے حکم دیا تھا کہ وہ یہودیوں کے ساتھ مذاکرات اور سفارتی سرگرمیوں میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ سفیر کی اہلیت کے بارے میں عبد الحئی کتانی نے اپنی مشہور کتاب التراتیب الاداریہ میں درج ذیل صفات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ اعلیٰ فراست اور ذہانت

۲۔ عمدہ زبان

۳۔ طرز ادا

۴۔ جاذب نظر شخصیت

۵۔ علاقہ تقرری (کس علاقے پر مقرر کیا گیا)

۶۔ طرز استدلال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سُفرا کی روانگی سے قبل انہیں ہدایت فرماتے تھے۔

۱۔ نرم اور اچھی گفتگو کریں۔

۲۔ رحم اور نرم دلی کا مظاہرہ کریں۔

۳۔ سختی اور سخت روی سے پرہیز کریں آسانی پیدا کریں۔

۴۔ اختلافات اور تصادم سے گریز کریں۔

۵۔ خوشخبری سنائیں نفرت و عداوت سے اجتناب کریں۔

۶۔ رحمت اور اتفاق کا رویہ اپنائیں۔

مدینہ میں پہلا مسلمان سفیر

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف حکمرانوں اور سرداروں کے پاس سفیر نہیں بھیجے بلکہ عام لوگوں سے بھی رابطہ رکھا۔ سفیر نبویؐ عام لوگوں میں جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرتے تھے۔ بیعت عقبہ کے ساتھ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اپنا نمائندہ بنا کر قبائل اوس و خزرج کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں میں دعوت دین اور اشاعت حق کا فریضہ انجام دیں اور جو لوگ دین اسلام کو قبول کرلیں ان کا تزکیہ نفس اور تربیت کریں تاکہ تقویٰ اور مکارم اخلاق کی بنیاد پر امت مسلمہ کے مہذب معاشرہ کی تشکیل ہو۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینے میں پہلے مسلمان سفیر کی حیثیت سے گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کا انداز دعوت بہت اچھا تھا وہ نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے دلائل کے ساتھ مخاطب کو قائل کرتے تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اوس اور خزرج کے سرداروں کو بھی جو مکمل سیادت و اقتدار کے مالک تھے، دائرہ اسلام میں داخل کرلیا۔ اوس اور خزرج کے سرداروں اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ کے قبول اسلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی مدینہ منورہ کے ان دو عظیم قبائل کے تقریباً تمام افراد مسلمان ہوگئے۔

مدینے میں سفارتی ادارہ

مدینے میں جب باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہو چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ادارہ کو خاص طور پر متحرک بنایا اور دین اسلام کی اشاعت، امن و سلامتی کے قیام اور انسانیت کی فلاح کے لئے اپنے سُفرا کے ذریعہ اس وقت کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمرانوں، ریاستوں کے امرا اور قبائل کے سرداروں کے ساتھ سفارتی رابطے قائم کئے اور انہیں دین کے پیغام سے آگاہ کیا اور یہ بات واضح کردی گئی کہ ان کی اور ساری انسانیت کی سلامتی کا راستہ صرف دینِ اسلام ہے۔

سفارتی رابطوں کے اثرات

مختلف ممالک کے حکمرانوں کے ساتھ سفارتی رابطہ قائم کرنے اور ان میں دعوت دین کے لئے کام کرنے کے بہت دوررس نتائج بر آمد ہوئے۔ ا۔ حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور دعوت اسلام میں بھی شریک ہوگئے۔ ۲۔ معاشرہ کے ان اثرورسوخ رکھنے والے طبقات کے اسلام قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی رعایا اور ان کے زیر اثر لوگ بھی دلچسپی اور جستجو کے ساتھ اسلام کی طرف متوجہ ہوگئے اور تھوڑے عرصے میں یہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے مثال عزم و استقامت نے ان حکمرانوں کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، مستقبل میں یہ دین ضرور غالب و کامیاب ہو گا انہی وجوہات کی بنا پر بہت سے حکمرانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان سُفَرا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تحائف بھیجے تاکہ دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔

۴۔ سفارتی رابطوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ حکمرانوں کے جوابات اور ان کے رد عمل نے ان کے مقاصد اور سیاسی رجحانات کو واضح کر دیا جس کی روشنی میں مملکت اسلامیہ کے لئے ان کے ساتھ مستقبل کی پالیسی مرتب کرنا اور آئندہ تعلقات کی نوعیت متعین کرنا آسان ہوگیا۔

سفیروں کی قدرومنزلت

زمانہ جاہلیت میں بھی یہ قانون موجود تھا کہ سفیروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور بدسلوکی اور ایذا رسانی سے اجتناب کیا جائے لیکن اس قانون پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک، انہیں یرغمال بنانے اور قتل کرنے کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں اور خود مسلمان سفیروں کے ساتھ بعض حکمرانوں نے ناروا سلوک رکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا۔۔۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفارتی آداب کی تعلیم دی اور سفیروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ جن سُفرا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف حکمرانوں یا قبائلی سرداروں کے پاس بھیجا تھا، انہیں تربیت دی گئی تھی کہ وہ لوگ اپنے مشن میں سفارتی آداب کا پورا خیال رکھیں۔

مدینہ منورہ میں آنے والے سُفرا اور وفود کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ اس رواداری کا مظاہرہ فرماتے تھے ان کی بہت سی نازیبا گفتگو اور نازیبا حرکات کو بھی نظر انداز فرمادیتے تھے۔

عرب کے وفود

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں جاکر اسلام قبول کیا ارباب سیر "وفود" کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔

ابن سعد میں ستر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی، بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہوگئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازداور طے تھے۔ ان قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں۔ جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام قبول کر لیں۔ یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ اور ۹ھ میں آئے۔

نجران کا وفد

نجران کا ایک بہت بڑا وفد مدینہ منورہ آیا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور اس کی قیادت عبدالمسیح کر رہا تھا، یہ لوگ مسجد نبوی میں ٹھہرے۔ جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا چاہی یہ لوگ عیسائی تھے اور بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے مطابق اور اپنے قبلہ کی جانب منہ کر کے ہماری مسجد میں نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں روکنا چاہا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو منع فرمادیا اور ان مہمانوں کو اپنے مسلک کے مطابق نماز قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ انہوں نے مسجد نبوی میں عیسائی طریقے کے مطابق نماز ادا کی۔

ثقیف کا وفد

طائف سے قبیلہ بنو ثقیف کا وفد آیا تو اسے بڑے عزت و احترام کے ساتھ مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور خاص طور پر ان کے لئے خیمے لگوائے ان لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض فرمائشیں کیں اور عرض کیا کہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ کر دیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کر دیا اور فرمایا اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

مزینہ کا وفد

اس قبیلے کے چار سو افراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا مدینہ منورہ میں آنے والے سُفَرا اور وفود کے پاس اگر سفر خرچ نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا انتظام فرمادیتے تھے۔ قبیلہ مزینہ کا وفد واپس جانے لگا تو ان کے پاس زادِ راہ نہیں تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لئے خورد نوش کا انتظام کر دیا جائے۔

بنو تمیم کا وفد

بنو تمیم کے وفود بڑی شان و شوکت سے آئے' قبیلہ کے بڑے بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

بنو سعد کا وفد

بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا وہ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں آئے اور سفارت ادا کی اس سے عرب کی آزادروی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے ایک شخص اونٹنی پر سوار آیا اور مسجد کے صحن میں آکر اونٹنی سے اُترا۔ حاضرین سے پوچھا "محمد کس کا نام ہے۔۔۔؟ "

لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "سامنے جو گورے رنگ کے بزرگ بیٹھے ہیں یہ محمد ہیں ۔"اس شخص نے قریب آکر کہا "اے عبد المطلب کے بیٹے! میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال پوچھنے کی اجازت عطا فرمائی۔

وہ شخص بولا کہ " اپنے خدا کی قسم کھا کر کہیں، کیا خدا نے آپ کو دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔"ہاں"

اس شخص نے کہا آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خدا نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا ہے؟ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر ہاں فرماتے رہے۔ جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا ہوں مجھے میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جا کر اپنی قوم کو یہ سب بتادوں گا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔

اشعریین کا وفد

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی خبر سنی تو 53 افراد نے ہجرت کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفود آیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہارے یہاں یمن سے لوگ آئے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔

دوس کا وفد

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیلؓ بن عمرو تھے۔ آپؓ ہجرت نبویؐ سے پہلے مکہ گئے۔ قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نہ جائیں لیکن ایک مرتبہ حرم میں گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز قائم کر رہے تھے۔ قر� آن کریم سن کر متاثر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مجھے اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مذہب اسلام کی آگہی دی اور قرآن کریم کی آیتیں سنائیں۔ حضرت طفیلؓ نے نہایت خلوص سے اسلام قبول کر لیا اور وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے ٹال مٹول سے کام لیا۔

حضرت طفیلؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی کہ "یا اللہ تعالیٰ' دوس کو ہدایت دے۔" پھر حضرت طفیلؓ کی ترغیب سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسّی (80) خاندان جن میں ابوہریرہؓ بھی تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

حارث بن کعب کا وفد

یہ نجران کا نہایت معزز خاندان تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے نہایت خلوص کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کو مدینہ بلایا۔ چنانچہ قیس ابن الحصین و یزید بن عبد المدان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ وہ اکثر معرکوں میں عرب قبائل پر غالب رہے تھے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ " تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے ؟" انہوں نے جواب دیا ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیس کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔

عدی بن حاتم کا وفد

عدی مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے عیسائی سردار تھے۔ جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بڑی عزت و احترام سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں اور ان سے کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

بنو فزارہ کا وفد

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عیینہ بن حصین اسی قبیلہ سے تھا۔ اس قبیلہ نے رمضان ۹ھ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے' اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔

حمیر کی سفارت

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ خود نہیں آئے۔ لیکن قاصد بھیجے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سفیروں کے تحفظ اور ان کے اعزاز و احترام کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خیال تھا کہ اپنے آخری ایام میں جو وصیت فرمائی تھی اس میں بھی سفیروں کے ساتھ باعزت سلوک کرنے کا حکم دیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " سفیروں کی عزت و مدارت اسی طرح کرتے رہنا جس طرح میں کرتا ہوں۔"

خطوطِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

"فتح" کے لغوی معنی "کامیابی" ہیں اور مبین کے معنی "روشن اور کھلا ہوا" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنا خاص لطف و کرم فرماتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے۔ قیصر خط پڑھ کر خاموش رہا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اسے بیت المقدس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ اس موقع پر جب قیصر کی خدمت میں ہر طرف سے مدحت نامے پیش ہو رہے تھے، یہ خط اپنے مضمون کے لحاظ سے انوکھا تھا اور اس کا اندازِ تخاطب بھی رسمی اور مؤدبانہ نہیں تھا۔ اس پر ہرقل کو برافروختہ ہو جانا چاہیئے تھا مگر اس کے برعکس اس کا تحمل اور سکوت معنی خیز تھا۔ اس نے روم میں ایک مسیحی عالم و پیشوا کے پاس قاصد کے ساتھ اس خط کو بھیج کر رائے طلب کی۔ جب وہ بیت المقدس میں تھا تو اسے عالم کا جواب مل گیا تھا، جس میں اس نے مبعوث ہونے والے رسول کی نشانیاں لکھیں تھیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں رسول مبعوث ہو گا۔۔۔

بیت المقدس میں جشنِ فتح کے بعد قیصر کے دربار خاص میں جب نامۂ مبارک سنایا گیا تو وہاں قریش کا ایک سردار ابوسفیان بھی موجود تھا خط پڑھنے کے بعد قیصر نے ابوسفیان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دریافت کیا اور ابوسفیان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صدق بیانی اور دیانت داری کا اقرار کرنا پڑا۔ اس پر قیصر نے کہا:

"نبوت کے مدعی کے متعلق تم نے جن باتوں کی تصدیق کی ہے بلاشبہ وہ ایک رسول کی صفات ہیں۔"

قیصر کے دربار کے اس مشہور مکالمے کی تفصیل مسلمان ہونے کے بعد خود حضرت ابوسفیانؓ نے بیان کی ہے۔ تاریخ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس مکالمے کے بعد ہرقل تذبذب میں مبتلا ہو گیا کیوں کہ تمام آثار و قرائن سے یہی گمان ہوتا تھا کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوے میں سچے ہیں اور یہی وہ رسول ہیں جن کی بشارت آسمانی صحیفوں میں دی گئی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ قیصر نے اس جشن کے موقع پر اعلیٰ سطح کی ایک مذہبی مشاورت بھی منعقد کی تھی، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے دروازے بند کرا دیئے اور ان کے سامنے نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا۔ روم کے اس مذہبی عالم کا خط بھی ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا:

"اگر یہ نشانیاں مدعی نبوت پر صادق آتی ہیں تو کیا ہمیں ان کی رسالت کی تصدیق کر لینی چاہیئے؟"

علمائے کلیسا کے درمیان اس مکالمہ کی وجہ سے، جو دربارِ خاص میں ابوسفیان سے ہوا تھا، پہلے ہی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ اب جو ہرقل نے اس طرح کی بات کی تو وہ سب برافروختہ ہو گئے اور بُڑبُڑاتے ہوئے مجلس سے اٹھ گئے۔ مگر چونکہ دروازے بند تھے اس لئے باہر نہیں جا سکے۔ ہرقل نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق اس نے فوراً دوسرا رُخ اختیار کر لیا اور کہا:

"میں نے یہ بات آپ لوگوں کی آزمائش کے لئے کہی تھی اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ حضرات دینِ مسیحی کے لئے کس درجہ غیرت اور حمیت رکھتے ہیں۔"

پھر اس نے عیسائیت کو پیش آنے والے خطرات سے مقابلے کیلئے اپنے عزائم کا اظہار کیا اور جوشیلی تقریر سے سب کو اپنے بارے میں مطمئن کر دیا۔ پھر اس نے ان کو اور ان کی عبادت گاہوں کو بیش قیمت تحفے اور نذرانے دے کر رخصت کیا اور قیصر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد سے کہا:

"مجھے اپنی سلطنت کے چھن جانے کا خوف ہے۔"

اور پھر اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خط میں لکھا کہ

"میں مسلمان ہو گیا ہوں۔"

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خط پڑھا تو فرمایا:

"دشمن خدا جھوٹا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا نصرانیت پر قائم ہے۔"

قیصر نے خط کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دینار کا نذرانہ بھی بھجوایا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ دینار لوگوں میں تقسیم کرا دیئے۔

خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

ایران روم کی طرح قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا۔ ایران وسط ایشیا کا تاریخی اور مشہور ملک ہے۔ عراق اور عرب کے اکثر علاقے یعنی یمن، بحرین اور عمان بھی ایران کے زیر اقتدار تھے۔ روم اور ایران کی یہ حکومتیں صدیوں سے چلی آرہی تھیں۔ ایران (فارس) کے شہنشاہ خسرو پرویز کو رومیوں نے ۶۲۷ء میں نینوا پر شکست فاش دی اور اسے دجلہ کے دوسرے کنارے پر دھکیل دیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ہجرت مدینہ کو پانچ سال ہو گئے تھے، ہجرت کے چھٹے سال قریش سے صلح حدیبیہ پر معاہدہ ہو گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلاطینِ عالم کے نام تبلیغی خطوط تحریر فرمائے۔ ان خطوط میں ایک خط خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کے نام بھی تھا۔ یہ خط لے جانے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی تھے۔ وہ اس نامۂ مبارک کو لے کر شہنشاہِ کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔

خسرو ان دنوں سخت پریشان تھا۔ اس کے غم و غصہ کا شکار امرائے دربار اور سردارانِ فوج بنے ہوئے تھے، کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ انہی امیروں اور سرداروں کی غفلت، بزدلی اور غداری کی بدولت اسے ہر قل روم کے مقابلے میں شکست ہوئی ہے۔ اب وہ ان کو قرار واقعی سزا دینا چاہتا تھا۔ اس وقت پورے ایران میں خوف و دہشت کی فضا تھی۔ آئے دن کسی نہ کسی امیر کے قید ہونے، کسی وزیر کے پھانسی پر چڑھنے اور کسی سالارِ لشکر کے فرار ہونے کی خبریں پھیل رہی تھیں۔ بادشاہ شدید غصے میں تھا اور شکست خوردہ قوم خوف و مایوسی کے عالم میں دم بخود تھی۔

اس پس منظر میں ایک اجنبی شخص سادہ لباس پہنے ہوئے محل میں داخل ہونے کیلئے اصرار کر رہا تھا۔ محل کے چوکیداروں نے اسے محل کے اندر داخل نہیں ہونے دیا مگر ایک دن جب خسرو اپنے مشیروں سے عرب قبائل کے رویے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا ،ایک امیر نے موقع پاکر اسے اطلاع دی کہ ایک شخص بارگاہِ سلطانی پر کئی دنوں سے حاضری دے رہا ہے اور خود کو مدینہ کا سفیر بتاتا ہے۔ خسرو نے اسی وقت اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور قاصدِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عبداللہؓ بن حذافہ حاضر ہو گئے۔

اہلِ دربار نے جب اس کملی پوش کو بے خوفی اور شانِ استغنا سے آتے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ کیسا نڈر آدمی ہے۔ جس بارگاہ میں بڑے بڑے بادشاہ بھی سر بسجود داخل ہوتے ہیں، وہ اس طرح چلا آرہا ہے جیسے یہ دربارِ شاہی نہیں بلکہ کارواں ہے۔ چوب داروں نے اسے سجدہ کرنے کیلئے کہا۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا:

"ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

یہ سن کر خسرو غصہ میں لال ہو گیا اور بولا:

"اس وحشی کی یہ مجال کہ شہنشاہ فارس کی توہین کرے۔"

دربار میں موجود لوگ خسرو کے جلال اور غصہ سے کانپنے لگے۔ مگر نووارد پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے اپنی آستین میں سے خط نکال کر اسی بے خوفی کے ساتھ خسرو کے آگے بڑھا دیا۔ حاجب خط لے کر بادشاہ کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے خط پڑھ کر بلند آواز میں سنایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔

سلامتی اس شخص کیلئے جو ہدایت کی پیروی کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ لاشریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ انسان کو آگاہ کر دوں اور اللہ کا خوف دلاؤں۔ تم بھی اسلام قبول کر لو اور سلامتی کو پالو۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمام مجوسی قوم (کی گمراہی) کا وبال بھی تمہارے سر پر ہو گا۔"

خسرو پرویز نے نامۂ مبارک کا مضمون جب سنا مشتعل ہو گیا۔ القاب و خطاب اس طرح کے تھے جیسے کوئی مقتدر حاکم اپنے ماتحت سے مخاطب ہو۔ عربوں کے بارے میں بادشاہ کا تصور تھا کہ ایک طفیلی قوم ہے جو لوٹ مار کرتی ہے۔

شہنشاہ نے تقریباً چیختے ہوئے کہا:

''اُس کی کیا مجال کہ اس نے اپنا نام مجھ سے پہلے لکھا؟''

پھر وہ اس سفیر کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت برہمی سے پوچھا:

''تم نے ہماری بارگاہ میں سجدہ کیوں نہیں کیا؟''

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ نے بڑے تحمل اور وقار کے ساتھ اللہ کی توحید پر ایک مختصر سی تقریر کی اور بتایا:

''ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔''

خسرو نے بگڑ کر کہا:

''اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہارے قتل کا حکم دے دیتا۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا اور حکم دیا:

''اس قاصد کو دریا کے پار دھکیل دو۔ دوبارہ ہماری سرحد میں داخل نہ ہو۔''

جب عبداللہؓ بن حذافہ مدینہ پہنچے تو ساری روداد سنائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بتایا کہ کسریٰ نے نامۂ مبارک کے پُرزے کر کے ہوا میں اُڑا دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''عنقریب اس کی حکومت بھی اسی طرح ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔''

کسریٰ کے حکم پر کچھ فوجی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گرفتار کرنے کے لیے مدینہ آئے۔

چند ہی دنوں میں عرب، یمن، شام، ہر جگہ لوگوں نے یہ خبر سنی کہ فارس میں بغاوت ہو گئی ہے۔ باغیوں نے خسرو پرویز کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے شیرویہ کو تخت نشین کر دیا۔

مقوقس مصر کے نام

براعظم افریقہ کے شمال میں واقع ملک مِصر تاریخ عالم کی ابتدا سے ہی تہذیب و تمدّن اور سیاسی عظمت کا حامل ہے۔ مصر کے حکمران فرعون تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ مِصر پر حکمرانی کرنے والے حاکموں کو فرعون کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثتِ مبارک کے وقت مِصر میں دو قومیں یعنی قبطی اور بازنطینی (رومی) آباد تھے۔ قبطی قوم مِصر کے اصل باشندے تھے جن کا ذِکر ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعات میں بھی ملتا ہے اور یہ رومی (بازنطینی) وہ قوم تھی جس نے قوت بازو سے اہل مصر یعنی

قبطیوں پر قابو پانے کے بعد مصر کو اپنی نو آبادی بنایا ہوا تھا۔ مقوقس بازنطینی حکومت کی طرف سے مصر میں بطور نائب السّلطنت مقرر تھا۔ یہ شخص نہایت ہی دور اندیش، عاقل اور بہت بڑا عالم تھا۔

ہجرت کے ساتویں سال مدینے کے قاصد حاطبؓ بن ابی بلتعہ قدیم مصر کے قلعہ بابلیون میں داخل ہوئے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامۂ مبارک، مقوقس کے نام پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عظیم القبط مقوقس مصر کے نام سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ اس کا دگنا اجر عطا فرمائیں گے۔ اور اگر انکار کیا تو اہلِ قبط کے گناہ کا وبال تمہارے سر ہو گا۔ اے اہلِ کتاب! اس بات کی طرف آجاؤ جو ہم دونوں کیلئے یکساں تسلیم شدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے ایسا برتاؤ کرے گویا اللہ کو چھوڑ کر اسے اپنا رب بنا لیا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کرے تو آگاہ کیا جاتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ماننے والے ہیں (اور اسکی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں)۔"

حاکم مصر مقوقس نے جب یہ خط سنا تو وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے قاصد سے کہا کہ جواب کے لئے انتظار کرے اور بابلیون میں مہمان بن کر رہے۔ خط کے مضمون نے بن یامن کے دل میں ہلچل مچا دی۔ یہ بہت پاکیزہ اور سیدھی بات تھی۔ مقوقس گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے سوچا" کیا واقعی محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ مگر یروشلم کے بجائے مکے میں کیسے پیدا ہو گئے؟" رات ہوئی تو اس نے قاصد کو رازدارانہ طور پر اپنے پاس بلایا اور تخلیہ میں اس سے کہا:

"مجھے اس شخص کے متعلق بتاؤ جس نے میرے پاس خط بھیجا ہے۔ ان کی شکل و صورت کیسی ہے؟ حسب نسب میں، گفتگو میں چلنے پھرنے میں محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہیں؟ وہ کیا دعوت دیتے ہیں؟ ان کے قبیلے اور انکے درمیان کیا معاملہ پیش آیا؟"

خوش گفتار قاصد نے، جو مصر کی زبان بڑی روانی سے بول رہا تھا، وہ سب کچھ بتا دیا جو مدینہ اور مکہ میں پیش آیا تھا۔ حرا کی خلوت، نزولِ وحی، صفا کا وعظ، قریش کی مخالفت، مکہ سے جلاوطنی اور ہجرت، پھر بدر و احد اور خندق کے معرکے اور توحید، آخرت، اخوت و مساوات کی وہ انقلاب انگیز دعوت، جس نے فکر و نظر کے زاویے بدل دیئے اور دلوں کی دنیا بدل دی۔ یہ سن کر حاکم مصر نے کہا!

"میں جانتا تھا کہ خداوند کے آخری پیغمبر کو ابھی آنا ہے مگر خیال تھا کہ وہ شام میں ظہور کرے گا۔ کیونکہ اس سے پہلے تمام پیغمبر وہیں مبعوث ہوئے۔ مگر وہ رسول سرزمین عرب میں ظاہر ہوا ہے۔"

وہ کچھ دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا، پھر بولا:

"مگر اے نووارد مہمان! میری قوم کے لوگ میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ اے ابن ابی بلتعہ! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلبہ اس ملک پر ہو جائیگا۔"

اس گفتگو کے بعد جب حضرت حاطبؓ رخصت ہوئے اور قصر بابلیون کے زینے سے اترے تو بن یامن نے اپنا ہاتھ حضرت حاطبؓ کے کندھے پر رکھا اور دھیمے لہجے میں کہا:

"میں قبطیوں سے اس معاملے میں ایک حرف بھی نہیں کہوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری اور تمہاری گفتگو کا انہیں علم ہو۔ ہاں، جب تم اپنے ملک جاؤ تو محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ضرور بتا دینا جو میں نے تم سے کہا ہے۔"

حاکم مصر مقوقس کا جواب

دوسرے دن بابلیون کے دربار میں رات والا بن یامن نہیں بلکہ دن والا عظیم القبط مقوقسِ مصر مدینہ سے آئے ہوئے خط کا جواب عربی ترجمان سے لکھوا رہا تھا۔

"عبداللہ کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام عظیم القبط مقوقس کا سلام،

میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں تحریر فرمایا ہے اور جس بات کی طرف دعوت دی ہے اسے سمجھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک پیغمبر کو ابھی آنا ہے، مگر میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظہور کرے گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا احترام کیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام ہو۔"

جہاں تک بن یامن کے خط کا معاملہ ہے، تو وہ ایک محتاط مدبر کا جواب تھا۔ کیونکہ اس میں نہ تو رسالت کا انکار ہے نہ اقرار۔ تاہم قاصد کا احترام اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر و منزلت تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بن یامن کو لکھا تھا کہ اگر تم نے اسلام کی دعوت قبول کر لی تو تم سلامت رہوگے۔ بن یامن نے چونکہ رسالت کا اقرار نہیں کیا تھا، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پانچ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رومیوں نے فوج کشی کر کے بابلیون پر قبضہ کر لیا اور بن یامن وہاں سے فرار ہو کر نیل کے بالائی حصہ کی طرف صحرا میں گم ہو گیا۔

گورنر یمن باذان کے نام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کے نام جب خط بھیجا تو اس نے بے ادبی سے چاک کر دیا اور مدینے کے سفیر کو دربار سے نکلوا دیا۔ گورنر باذان اس زمانہ میں بڑا پریشان تھا کیونکہ چند ماہ پہلے قیصر روم نے نینوا کے مقام پر کسریٰ خسرو پرویز کو شکست فاش دی تھی۔ ایران کی اس شکست کی خبر جب یمن پہنچی تو وہاں کے قبائل جو ایرانیوں کے تسلط سے بیزار ہو چکے تھے اپنے حکمرانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور دوسری جانب نجران کی عیسائی ریاست جو قیصر روم کی طرف دار تھی یمن کے قبائل کو گورنر باذان کے خلاف

برابر اکسار ہی تھی۔ اور پھر حبشہ کی حکومت تھی جس کا حکمران نجاشی مسلمان ہوگیا تھا۔ رومیوں کی بڑھتی ہوئی فتوحات سے بھی اندیشہ تھا کہ کہیں ادھر کا رخ نہ ہو جائے۔ ادھر ایران سے کسی قسم کی مدد کی توقع نہیں تھی، کیونکہ خسرو کے خلاف پورے ایران میں غم وغصہ پھیلا ہوا تھا اور درباری سازشوں نے خسرو کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔

اس وقت حاکم باذان بے یار و مددگار تھا۔ یمن میں بغاوت کا آتش فشاں جو اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ ان حالات میں خسرو کا حکم نامہ باذان کو ملا جس میں تحریر تھا کہ " ایک عرب نے جو کہ نبوت کا مدعی ہے ہمارے پاس ایک خط بھیجا ہے جس میں ہماری سخت توہین کی گئی ہے اس شخص کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے دربار میں حاضر کرو۔" حاکم باذان ذاتی طور پر خسرو کی اس کاروائی کو دوراندیشی اور مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔ کیونکہ رومیوں کے مقابلے میں عربوں میں اپنی دوستی بڑھانے کے بجائے ان کو دشمن بنالینا عقلمندی نہیں تھی۔ دوسری طرف حبشہ سے تعلقات مزید خراب نہ ہونے کیلئے بھی ضروری تھا کہ اسلام کے بارے میں بظاہر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

باذان نے یہ سب کچھ سوچا۔۔ مگر وہ شہنشاہِ ایران کا نائب تھا اور ایرانی فوج کے افسروں کے ہوتے ہوئے اس کے حکم کی سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ ناچار اس نے اپنے ایک درباری بابویہ اور ایک فوجی سردار خرخسرو کو مدینے کی طرف بھیج دیا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ دونوں سردار ایک مختصر سی جمعیت کے ساتھ مدینے میں داخل ہوئے۔ وہ طائف کے راستے سے آئے تھے۔ سردارانِ طائف اور قریش مکہ کو جب یہ اطلاع ملی یہ شہنشاہِ ایران کے فرستادہ ہیں اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گرفتار کرنے آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ایرانیوں کی خوب آؤ بھگت کی۔ ان کو پہلی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مسلمانوں اور انکے دین سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں اور وہ واقعات بھی معلوم ہوئے جو بعثت سے صلح حدیبیہ تک پیش آئے تھے۔ اگرچہ ان کو یہ سب کچھ اسلام کے مخالفین سے معلوم ہوا تھا، تاہم ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کو ہم گرفتار کرنے آئے ہیں، وہ غیر معمولی شخصیت ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئے چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ وہ کس طرح کسریٰ کے حکم کی تعمیل کریں گے؟

مدینہ پہنچنے کے بعد جب انہوں نے لوگوں کے رہن سہن اور عقیدے کو دیکھا تو انہیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ جو کام ان کے سپرد کیا گیا ہے، اس کو انجام دینے کی وہ قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ انہوں نے گرفتار کر کے لے جانے کا خیال قطعاً ترک کر دیا اور صرف شہنشاہِ ایران کا پیغام پہنچانے پر قناعت کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور عرض کیا:

"ہمارے بادشاہ نے آپ کی گرفتاری کا حکم دیا ہے اور حاکم باذان نے ہم کو اس کام پر مامور کیا ہے لہٰذا مناسب ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اسی میں آپ کی اور آپ کی قوم کی بھلائی ہے۔ اگر آپ انکار کریں گے تو یہ آپ کے حق میں بُرا ہو گا۔

آپ کی قوم تباہ کر دی جائے گی اور آپ کا ملک لوٹ لیا جائے گا۔"

یہ پیغام انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈرتے ڈرتے سنایا۔ ان کا خیال تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مشتعل ہو جائیں گے اور کوئی سخت جواب دے کر ہمیں رخصت کر دیں گے۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ معاملہ رفع دفع ہو جائے اور وہ صحیح سلامت یمن لوٹ جائیں۔

مگر وہ حیران ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر اس پیغام کا کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاصدوں کو بے قراری کے عالم میں پہلو بدلتے دیکھا تو صحابہؓ کو ان کے قیام وطعام اور مہمانداری کے لئے ہدایات دیں اور جواب کے لئے اگلا دن مقرر فرمایا۔

دوسرے دن جب بابویہ اور خسرو بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو ان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایک ایسی اطلاع دی جس کو سن کر وہ خوف زدہ ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کسریٰ کو کل رات قتل کر دیا گیا ہے۔"

دونوں کچھ دیر تک بدحواس رہے، پھر اس گمان میں کہ ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے، انہوں نے کہا:

"اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا اور ہمارا شہنشاہ تم کو اور تمہاری قوم کو تباہ کر دے گا اور اس سرزمین کی خاک کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ مبارک کو دیکھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ مبارک پر سکون اور مطمئن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی شانِ بے نیازی سے فرمایا:

"تم اس فکر میں نہیں پڑو اور جاؤ حاکم باذان کو اس واقعے سے مطلع کر دو اور میری طرف سے اس سے کہہ دو کہ میری حکومت اور میرا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے۔ اگر حاکم باذان اسلام لے آئے تو میں اسکو اسی زمین پر جس پر وہ حاکم ہے، میں بحال رکھوں گا اور وہ قوم کا سردار رہے گا۔"

دونوں قاصد خسرو اور بابویہ یہ پیغام لے کر یمن واپس ہوئے اور باذان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس نے پوچھا: "تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا؟"

بابویہ نے کہا: "میں نے بڑے بڑے امرا و سلاطین کے ساتھ گفتگو کی ہے اور کھانا کھایا ہے، لیکن محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا۔"

باذان نے دریافت کیا: "کیا ان کے ساتھ جاں نثاروں کا فوجی دستہ بھی رہتا ہے؟"

بابویہ نے کہا: "نہیں۔"

باذان یہ سب کچھ سُن کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا:

"یہ کلام معمولی آدمی کا نہیں۔ یہ باتیں نبیوں کی ہیں۔ تاہم ہم انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جو کچھ کسریٰ کے بارے میں پیش گوئی کی ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

قاصدوں نے جب کسریٰ کے قتل کی تفصیل بیان کی تو بابویہ اور خسر ونے کہا:

”خدا کی قسم! کسریٰ کے قتل کی رات وہی ہے جس کا ذکر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کیا تھا۔“

یہ سن کر لوگ حیرت کرنے لگے کہ جس رات کسریٰ کا قتل ہوا ہے اس کی خبر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کیسے ہو گئی؟ جبکہ ہمارے پاس یہ خبر آج آئی ہے اور ہم اس سے بے خبر تھے۔ باذان نے کہا: ”بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، ان کے پاس خبریں اللہ کے پاس سے آتی ہیں۔“

پھر اس نے اعلان کیا: ”میں آج سے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں اور انکی اطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔“

پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا ”کیا ان ظالم و قاتل بادشاہوں کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے ایک سچے رسول کی اطاعت بہتر نہیں ہے؟“

باذان کے ساتھ اس کے بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے۔ اس نے قاصد کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ اپنے کسی نمائندے کو یمن بھیج دیں، جو یہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور دین کی باتیں سکھائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذؓ بن جبل کو اس خدمت کیلئے منتخب فرمایا اور وہ حاکم باذان کے نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نامۂ مبارک لے کر یمن روانہ ہوئے۔

حاکم شاہان حمیر کے نام

ملک یمن کے حاکم باذان کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمن کے قدیم شاہی خاندان کے نام لیوا شاہانِ حمیر کے نام بھی خط بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیاشؓ بن ربیعہ مخزومی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا ان میں شاہان حمیر کے خط کا یہ مضمون ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حارث حمیری کے نام آپ لوگوں پر اس وقت تک سلامتی ہے جب تک آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو معجزات دے کر بھیجا اور عیسیٰؑ کو اپنے کلمہ سے پیدا کیا۔ مگر یہود کہتے ہیں عُزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے ہیں عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں اور تین میں سے ایک ہیں۔“

حاکم بحرین مُنذر بن ساویٰ کے نام

بحرین عرب کا ہی حصہ ہے۔ اس وقت بحرین پر مُنذر بن ساویٰ العبدی حکمران تھا۔ مُنذر بن ساویٰ غیور، منصف مزاج اور نیک نفس آدمی تھا۔ وہ ایران کے تسلط سے سخت بیزار تھا مگر خسرو کی شکست کے بعد خود کو بے سہارا محسوس کررہا تھا۔ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ اسلام کی اطلاع مل چکی تھی۔ نجاشی کے قبول اسلام کی خبریں بھی اس نے سنی تھیں۔ حجاز سے آنے والے قافلوں کی زبانی قریش مقابلے میں مسلمانوں کی روز افزوں کامیابیوں کی بھی اطلاعات اسے پہنچ رہی تھیں، اس نے ٹھیک اندازہ لگالیا تھا کہ یہ نئی ابھرتی ہوئی تحریک کسی نہ کسی وقت ایک فیصلہ کن طاقت بن جائیگی۔ مُنذر دراصل ایک ایسی متحدہ عربی طاقت کا آرزومند تھا جو ان دو جابر قوتوں، رومیوں اور ایرانیوں کو چیلنج کرسکے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی بنیاد اس کے ہاتھوں رکھی جائے۔ مُنذر بن ساویٰ اسی کش مکش میں تھا کہ اسے ہادیٔ دوجہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اس دینِ حق کا پیغام پہنچا جو نہ صرف قبائل عرب بلکہ پوری نوعِ انسانی کو امن واخوت کے رشتے سے منسلک کردینے کا ضامن ہے۔

یہ نامۂ مبارک حضرت علاءؓ بن الحضرمی کے ہاتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس موقع پر حضوراکرم علیہ الصلوٰۃوالسلام نے قاصد کو ہدایت فرمائی:

"اگر وہ خاطر خواہ جواب دیں تو وہاں قیام کرنا حتیٰ کے میرا حکم تم تک پہنچ جائے اور اس دوران وہاں کے مالداروں سے صدقہ وصول کرکے وہیں کے غریبوں میں تقسیم کرتے رہنا۔"

مُنذر کے نام جو نامۂ مبارک لکھوایا، اس کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مُنذر بن ساویٰ کے نام،

سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، بعد ازاں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام قبول کرلو تو سلامت رہوگے اور جو کچھ تمہارے ماتحت ہے اس کو اللہ تمہارے سپرد کردے گا اور جان لو کہ دین اسلام عنقریب اس انتہا تک غالب آجائے گا جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔"

مُنذر بن ساویٰ نے اسلام قبول کرلیا اور رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام کے قاصد نے جب اس کی اطلاع مدینہ میں بھیجی تو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے ایک اور خط ارسال فرمایا۔ جس کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مُنذر بن ساویٰ کے نام

تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی کی شہادت دیتا ہوں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ بعد ازاں میں تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ (سنو) جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کی ہدایت پر عمل کرے گا اس نے حقیقت میں میری اطاعت کی اور جس نے ان کے ساتھ نیکی کی اس نے میرے ساتھ نیکی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہارے طرزِ عمل کی بے حد تعریف کی ہے اور تم نے جو سفارش کی ہے۔ وہ منظور ہے۔ پس مسلمانوں کے اس مال کو چھوڑ دو جس کے ساتھ وہ ایمان لائے۔ میں قصورواروں کو معاف کرتا ہوں پس تم بھی ان سے درگزر کرو۔ تم جب تک صالح رہو گے، تمہارے منصب سے تمہیں الگ نہیں کیا جائے گا اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہے ان پر جزیہ واجب ہے۔“

اس خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط مُنذر کے کسی خط کا جواب ہے۔ اسلام قبول کرنے سے متعلق خطوط کا تبادلہ اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ نامۂ مبارک کا انداز ایک حاکمانہ فرمان جیسا ہے۔ جس میں مُنذر کو اس کے عہدے یعنی ولایت بحرین پر بحال رہنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ دوسرے اہل مذاہب سے کیا سلوک کیا جائے؟

مُنذر بن ساویٰ نے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام ایک اور مکتوب بھیجا، جس میں پہلے نامۂ مبارک کی وضاحت طلب کی گئی کہ مسلمین میں کون لوگ شمار ہونگے اور جو اس سے باہر رہے گا، ان سے کتنا جزیہ لیا جائے۔ اس کا متن یہ ہے:

”امابعد یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط پڑھا جو اہل بحرین سے متعلق ہے، اہل بحرین میں سے بعض لوگوں نے اسلام کو پسند کیا اور اس میں داخل ہوگئے اور میرے ملک میں مجوسی اور یہودی بھی ہیں۔ تو اس معاملے میں وضاحت فرمادیجئے کہ ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا جائے۔“

اس خط کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُنذر بن ساویٰ کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے المُنذر بن ساویٰ کے نام۔

میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ تمہارا خط میرے پاس آیا، میں نے اس کے مضمون کو سنا۔ پس جو نماز قائم کرے اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہی مسلمان ہے۔ اس کے حقوق وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ اس پر فرائض وہی ہیں جو ہم پر ہیں اور جو ایسا نہ کرے اس پر ایک دینار (سالانہ) جزیہ ہے۔

جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک جانے کا ارادہ فرمارہے تھے تو مدینہ سے حضرت ابوہریرہؓ کو مُنذر کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہاں سے جمع شدہ جزیہ کی رقم لے کر آئیں۔اس موقع پر ایک اور مسلمان حاکم کو حکم دیا گیا کہ وہ جمع شدہ جزیہ حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعے بھجوادے۔یہ ساری رقم تبوک کی جنگ کے اخراجات میں صرف ہوئی تھی۔

مُنذر بن ساویٰ آخر تک مخلص اور وفادار مسلمان رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں ہی ان کا انتقال ہوا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

نامۂ مبارک شاہ دمشق کے نام

شام کا علاقہ زمانہ قدیم سے رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان متنازعہ رہا ہے۔ان دونوں سلطنتوں کے مابین تقریباً تمام بڑی لڑائیوں کا نقطۂ آغاز یہی سرزمین رہی ہے۔وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ تجارتی شاہراہوں کا مرکز تھا۔جو طاقت بھی اس پر قابض ہوجاتی تھی وہ مصر، روم، عرب، ایران سب پر فوقیت حاصل کرلیتی تھی۔ برّی اور بحری تجارت کے راستے اس کے زیرِ اثر آجاتے تھے اور اس کو سیاسی واقتصادی غلبہ حاصل ہوجاتا تھا۔یہ سارا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا۔اس کی اراضیات سے حکمرانوں کے خزانوں میں کثیر محاصل جمع ہوتے تھے۔عراق اور روم کی سرحد کے درمیان بہت سے قبیلے آباد تھے اور دو تین قبائلی ریاستیں بھی موجود تھیں۔ان میں سب سے زیادہ طاقت ور بنوغسان تھے۔دمشق ان کا دارالحکومت تھا۔عراق و شام کے قبائل کی باہمی رقابتوں سے ایرانیوں اور رومیوں نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا اور وہ ان کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتے رہے۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ایران و روم کی مملکتوں کے درمیان طاقت کا توازن یہی قبائل تھے، وہ جس کے ساتھ ہوجاتے تھے اس کا پلہ اپنے فریق کے مقابلے میں بھاری ہوجاتا تھا۔اس لئے دونوں ملک ہمیشہ ان قبائل کی تالیفِ قلب کیلئے کوشاں رہتے تھے۔

ان قبائل کے حکمرانوں کو اپنی اس اہمیت اور حیثیت کا بخوبی احساس تھا اس لئے وہ ان دونوں طاقتور مملکتوں سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔جب دونوں میں لڑائی چھڑ جاتی اور کوئی ایک دوسرے پر غالب آجاتا، تو یہ قبیلے فاتح ملک کی اطاعت قبول کرلیتے تھے۔مجموعی طور پر عراق اور شام کے ان عرب قبائل کی اکثریت عیسوی مذہب کی پیروکار تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی کو نامہ اقدس دے کر بطور سفیر روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے۔اللہ تعالیٰ پر ایمان

لائے اور سچ جانے۔ میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ آپ کا ملک آپ کے پاس رہے گا۔"

خواتین سے حسن سلوک

کسی قوم کی تہذیب و تمدن اور ترقی کا حال معلوم کرنا ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کے معاشرے میں عورت کا درجہ کیا ہے؟ یہی بہترین معیار ہے۔ جس زمانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے۔ عورت ساری دنیا میں محکوم تھی اور کمتر سمجھی جاتی تھی، وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی۔ وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس وقت جن مذاہب و قوانین کا دور دورہ تھا ان کی رو سے عورت مردوں کی اس قدر محکوم تھی کہ مذہبی امور میں بھی حصہ لینا اس کے لئے ممنوع تھا۔ عورت ان کے نزدیک سرچشمۂ گناہ تھی۔ عرب کی عورتوں کا کام صرف یہ تھا کہ قبیلے کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے جفاکش سپاہی پیدا کرتی رہیں۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج بھی غرور کے اسی جھوٹے تصور کا پیدا کردہ تھا۔ ان گنت بیویاں رکھنا بھی عام تھا۔ وہ کسی جائیداد کی وارث نہیں ہوسکتی تھیں، بلکہ وہ خود بھی جائیداد کا ایک حصہ تھیں کہ جب اس کا شوہر مر جاتا تو وہ شوہر کے بیٹے اور جانشین کے حصہ میں جائیداد کی طرح منتقل ہو جاتی تھی۔

مرد اور عورت

عورت اور مرد دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں مگر ہزاروں سال سے زمین پر صرف مردوں کی حاکمیت ہے۔ عورت کو صنف نازک کہا جاتا ہے۔ صنفِ نازک کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ عورت وہ کام نہیں کر سکتی جو کام مرد کرلیتا ہے۔ عورت کو ناقص العقل بھی کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں تفکر ہمارے اوپر یہ حقائق منکشف کرتا ہے کہ مرد اور عورتیں دونوں تخلیقی راز و نیاز ہیں۔ دونوں میں صلاحیتیں موجود ہیں اگر مرد کسی صلاحیت میں عورت سے قدرے زیادہ ہے تو مرد بھی کئی صلاحیتوں میں عورتوں سے کم ہے۔ جب ہم لفظ انسان بولتے ہیں تو اس سے مراد عورت اور مرد دونوں ہیں۔ عورت بھی مکمل انسان ہے۔ اس میں بھی نوع انسانی کی ہر صلاحیت موجود ہے۔ قرآن حکیم نے واضح طور سے اعلان کیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں "نفس واحدہ" سے پیدا کئے گئے ہیں۔ " اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور قبیلے بنادیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ دانا اور باخبر ہے۔" (سورۃ الحجرات۔ آیت 13)

"اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے ہی بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔" (سورۃ النحل۔ آیت 72)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں عورت اور مرد قطعی مساوی سطح پر ہیں، نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کی جزا اور انعام کے معاملہ میں بھی۔ قرآن حکیم میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے۔

"جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن صاحبِ ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔" (سورۃ النحل۔ آیت 97)

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ ان (سب) کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 35)

فرات سے عرفات تک

ہارون الرشید کی بیگم ملکہ زبیدہ جب حج کرنے گئی تو اس نے دیکھا کہ مکہ میں پانی کی قلت ہے۔ حج سے واپس آ کر اس نے انجینئیرز کے ساتھ میٹنگ کی۔ ان کو حکم دیا کہ دریائے فرات سے عرفات تک نہر کھود دی جائے۔ انجینئیرز نے سروے کے بعد رپورٹ پیش کی کہ منصوبہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ راستے میں پہاڑ، ٹیلے، صحرا اور سخت زمین ہے۔

ملکہ زبیدہ نے کہا:

"یہ منصوبہ پورا ہو گا۔ اگر کدال کی ایک ضرب پر ایک اشرفی خرچ ہو تو میں ادا کروں گی۔"

ملکہ زبیدہ کا عزم اتنا پختہ تھا کہ "نہر زبیدہ" بن گئی اور آج بھی اس نہر سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

مرد کی برتری

اسلام نے مرد کو جو برتری دی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ مرد کو خاندان کا سربراہ و کفیل بنایا گیا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جسمانی طور پر عورتوں سے زیادہ طاقت دی ہے۔ لیکن بہت سے حالات میں عورت وہ کچھ کرتی ہے جو مرد نہیں کر سکتا۔ مثلاً نو مہینے بچے کو پیٹ میں غذا فراہم کرنا۔ پیدائش کے بعد سوا دو سال تک دودھ پلانا۔ بزرگ خواتین و حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ ایک بچے کا کام چار بڑے آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔

"اور ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں تاکید کی کہ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا، کمزوری پر کمزوری برداشت کی اور دو برس بعد دودھ چھڑایا۔ یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ آخر مجھ ہی تک آنا ہے۔" (سورۃ لقمان۔ آیت 14)

ملازمت اور کاروبار

اسلام نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ انفرادی طور پر کاروبار اور معاشرتی روابط قائم کر سکتی ہے۔ جائیداد رکھ سکتی ہے۔ صحابیاتؓ اور دیگر معروف مسلمان خواتین کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ملازمت، کاروبار، زراعت، تبلیغ، طب، فوج اور دیگر تمام شعبوں میں آزادانہ کام کیا ہے۔

وراثت میں حصہ

وراثت کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کا یہ قانون ہے کہ عورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔ قرآن حکیم میں یہ آیت ہے:

”اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو۔ اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کی تکمیل کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون سے تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔“(سورۃ النساء۔ آیت 11)

اسلام نے مرنے والے مسلمان کی جائیداد میں اسکی بیوی اور بیٹیوں کا متعین حصہ رکھا ہے اور یہ انتظام کیا ہے کہ اگر جائیداد میں کسی قسم کا تصرف بھی ہو تو یہ اپنے قانونی حصوں سے محروم نہ ہونے پائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ چیز قلیل ہو یا کثیر اور یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔“(سورۃ النساء۔ آیت 7)

ماں کا درجہ

ماں کا رشتہ اولاد کے ساتھ باپ کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔ ماں کے وجود کے اندر رحم میں چھپ کر نو مہینے تک پرورش پانے والے بچے کا تعلق تخلیق کے ہر مرحلے میں ماں کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ رحم کے اندر بچے پر آنے والی مصیبت ماں کے ذہن کو اس حد

تک پریشان کر دیتی ہے کہ وہ ہر لمحہ اس کی صحیح نشوونما کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے عورت کو ماں کی حیثیت سے اتنا بلند درجہ دیا کہ فرمایا:

"ماں کے قدموں میں جنت ہے۔"

جو اولاد ماں کی خدمت کرتی ہے، ماں کی عزت کرتی ہے، ماں کو اپنا سرمایہ آخرت سمجھتی ہے، ماں کو اپنا سرپرست سمجھتی ہے اس کے لئے ماں جنت کا نعم البدل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی سعید اولادوں کو جنت عطا فرمائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ماں کی نافرمانی پر جنت حرام کر دی گئی ہے۔"

روایت ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ واجب الاحترام اور حسن سلوک کا حق دار کون ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: "تمہاری ماں۔"

صحابیؓ نے پوچھا: "ماں کے بعد؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر یہی فرمایا کہ "تمہاری ماں"

حتیٰ کہ تیسری مرتبہ کے بعد چوتھی بار جب صحابی نے یہی سوال کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "تمہارا باپ۔" (صحیح بخاری جلد 2، کتاب الادب)

بیٹیوں کے حقوق

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا وہ رواج جو اسلام سے پہلے تھا اس کی سخت مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنی بیٹیوں سے محبت کریں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔" (سورۃ التکویر۔ آیت 8 تا 9)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے ہاں فرشتے بھیجتا ہے جو کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ ایک ناتواں جان ہے جو ایک ناتواں کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس بچی کی پرورش کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ رہے گی۔"

(حضرت بنیطؓ بن شریط۔ طبرانی الصغیر۔ 1/161۔ ح70۔ ض62)

"جو شخص لڑکیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذرا بھی آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔"

(حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ ح1418)

"جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی اور ان کی پرورش کے سلسلے میں دکھ وتکلیف پر صبر کیا اور انہیں اپنے مال میں سے کپڑے پہنائے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔"

(حضرت عامرؓ بن عقبہ۔ الادب المفرد۔ باب 41، ح76)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص کی بیٹی ہو اور وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس لڑکی پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔"

(حضرت عبداللہ ابن عباس۔ ابی داؤد النوم۔ ح5132)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹیوں سے ترجیحی سلوک کی ہدایت فرمائی ہے:\

"جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیونکہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے بولنے اور گفتگو کرنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بی بی فاطمہؓ سے بڑھ کر مشابہت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بیٹی کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، اسے بوسہ دیتے اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر انہیں بٹھاتے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتیں۔

(حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ ح5203)

دور جاہلیت میں عورت کو کمزور، لاغر، بیوقوف اور ناقص العقل کہا جاتا تھا اور شادی کے معاملے میں والدین یا ولی کی رضامندی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

اسلام نے جہاں ماں باپ کی وراثت اور زندگی کے دیگر شعبوں میں عورت کے حقوق متعین کئے ہیں وہاں شادی جیسے اہم مسئلے پر بھی اس کی رائے اور رضامندی کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ایک عاقل اور بالغ لڑکی برضا و رغبت شادی کے لئے رضامند نہ ہو تو شادی نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کنواری عورت سے نکاح کے معاملے میں اجازت حاصل کی جائے اگر دریافت کرنے پر وہ خاموش رہے تو اسی کو اس کی اجازت سمجھا جائے اور اگر انکار کرے تو اس پر جبر نہیں کرنا چاہیئے۔"

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

حضرت خنساء بنتِ خذامؓ فرماتی ہیں کہ وہ بیوہ تھیں ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا وہ اس نکاح سے ناخوش تھیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ نکاح رد کر دیا۔ (بخاری)

بیوی کے حقوق

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔" (سورۃ النساء۔ آیت 19)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔" (سورۃ الروم۔ آیت 21)

اسلام نے جہاں عورت کو دیگر بے شمار حقوق سے نوازا وہاں اس کے ایک حق، حق مہر کے لئے بھی باضابطہ قانون بنایا۔ اس قانون کی رو سے حق مہر کا بنیادی مقصد بیوی کو تحفظ دینا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شوہر کو ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کپڑا اور کھانا مہیا کرے۔ اس سے محبت کا بہترین سلوک کرے۔ بلاوجہ طلاق کی دھمکی نہ دے، نہ مارے پیٹے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیوی کو شوہر کے ترکہ سے حصہ دلایا۔ اگر شوہر تنگ کرے تو بیوی کو طلاق لینے کا حق دیا۔ عورتوں کو کام کرنے اور اپنے مال کو اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا حق دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو کمائی مرد کرے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور جو کمائی عورتیں کریں وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔'' (سورۃ النساء۔ آیت 32)

بے سہارا خواتین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکے کی غریب اور بے سہارا بیوہ عورتوں کا سودا سلف خرید کر اپنے کندھے پر اٹھا کر ان کے گھروں میں پہنچاتے تھے۔ ایک روز ابوسفیان نے حقارت سے کہا:

''غریب اور چھوٹے لوگوں کا سامان اٹھا اٹھا کر تم نے اپنے خاندان کا نام بدنام کر دیا ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً فرمایا:

''میں ہاشم کا پوتا ہوں۔ جو امیروں اور غریبوں سب کی یکساں مدد کرتا تھا اور اپنے سے کمتر لوگوں کو حقیر نہیں جانتا تھا۔''

رشتہ دار خواتین کا احترام

حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ ایک روز کھجوروں کی پوٹلی سر پر رکھے ہوئے آ رہی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ پر سوار ادھر سے گزرے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ سے اُتر آئے۔ حضرت اسماءؓ کو اونٹ پر سوار کر دیا اور خود پیدل گھر تشریف لے گئے۔

قیدیوں سے حسن سلوک

بعثت نبویؐ سے قبل عرب اسیران جنگ کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا۔ طاقتور ملک اپنے کمزور ہمسایہ ملک پر حملہ کر کے اسے تاراج کر دیتا تھا۔ املاک لوٹ لی جاتی تھیں۔ فاتح تمام زمینوں کے مالک بن جاتے تھے۔ جوانوں کا قتل ہو جاتا تھا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو غلام بنا کر بیگار لی جاتی تھی۔ غلاموں پر نہ صرف یہ کہ تشدد کیا جاتا تھا بلکہ ذرا سی کاہلی پر قتل کر دیئے جاتے تھے۔ جنگ میں قیدی خواتین مردوں کی زیادتی کا نشانہ بنتی تھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید فرمائی کہ اسیران جنگ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ ان کے کھانے پینے اور لباس کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پہننے کے لئے لباس عنایت فرمائے۔ حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزت سے مسجد کے ایک گوشے میں اس کو ٹھہرایا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کا آ جائے تو اس کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد سفر کے سامان کے ساتھ انہیں ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بندگان خاص کے اوصاف بتائے ہیں وہاں فرمایا ہے:

”اور یہ لوگ اللہ کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

(سورۃ الدھر۔ آیت 8)

جنگ بدر کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اسیران بدر کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا ان لوگوں کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم اور قبیلہ سے ہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان سے فدیہ وصول کرنے کے بعد آزاد کر دیا جائے شاید اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائیں اور یہ لوگ اسلام لے آئیں اور پھر یہی لوگ مشرکین کے مقابلہ میں ہمارے معین و مددگار ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔

(صحیح مسلم باب الامداد بالملائکۃ۔ فی غزوۃ بدر و اباحۃ الغنائم)

اسیران بدر سے ان کی حیثیت کے مطابق فدیہ وصول کیا گیا جو ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک تھا۔ حضرت عباسؓ نے (اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا) اپنا اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کیا اور رہائی حاصل کی۔ (صحیح بخاری۔ جلد 1۔ کتاب المغازی) جو لوگ نادار و غریب تھے اور فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ اسیران بدر میں سے جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ ان کا فدیہ یہی ہو گا اس کے بعد وہ آزاد ہیں۔

(مسند ابن حنبل۔ جلد 1۔ صفحہ 200)

حضرت زیدؓ بن ثابت جو کہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے انہوں نے اسی طرح پڑھنا لکھنا سیکھا۔

(طبقات ابن سعد۔ جلد 2۔ صفحہ 14)

غزوہ بدر کے قیدیوں میں ابو عزیز بن عمیر بھی تھے، جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصار کے گھر میں قید تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح و شام جب کھانا لاتے تو پورا کھانا میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ مجھے سخت شرم آتی۔ بار بار اصرار کرتا کہ آپ لوگ بھی روٹی کھائیں لیکن وہ نہیں مانتے تھے اور ہمیشہ ان کا ایک ہی جواب ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ (طبری صفحہ 1338)

ابو العاص جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد تھے اسیران بدر میں شامل تھے ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لخت جگر حضرت زینبؓ زوجہ ابو العاص کو مکہ میں پیغام بھیجا کہ اپنے شوہر کا فدیہ ادا کرنے کیلئے رقم بھیج دیں۔ انہوں نے اپنے نکاح میں ملنے والا جہیز کا وہ ہار جو حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا فدیہ کے طور پر بھیج دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ ہار دیکھا تو پچیس برس پرانا زمانہ یاد آ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے اختیار رو پڑے اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا ”اگر تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار نشانی واپس کر دوں۔“ سب صحابہؓ نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس طرح وہ ہار واپس کر دیا گیا اور ابو العاص کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری صفحہ 1338)

اسیران بدر میں ابوعزہ، عمرو بن عبداللہ بن عثمان نہایت غریب تھے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنی حالت بیان کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اس شرط پر کہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیں گے رہا کر دیا۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد 2 صفحہ 31)

اسیران بدر میں نوفل بن حارث بھی تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فدیہ طلب کیا تو انہوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ میں فدیہ دے سکوں۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو؟''

یہ سن کر نوفل بن حارث نے کہا ''خدا کی قسم! میرے سوا ان نیزوں کا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں۔''

بعد میں نوفل نے وہ نیزے جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ فدیے میں ادا کئے۔

زیر تربیت جماعت پر اثرات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تہذیب، حسن سلوک اور صلہ رحمی مفقود ہو گئی تھی۔ آدمی نے انسانیت کی جگہ حیوانی قدروں کو اپنا لیا تھا۔ اہل مکہ کی ذہنی پستی اور شعوری جہالت کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہاتھ سے تراشے گئے یا رقم سے خریدے گئے بتوں کو خدا مانتے اور پوجتے تھے۔ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر بتوں کی بے حرمتی ہو گئی تو ہمیں نقصان ہو گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اہل عرب خود سر تھے، بے کاری اور کاہلی انکا امتیاز تھا۔ لٹریسی ریٹ اتنا کم تھا کہ اسے اعداو شمار میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چند افراد کے علاوہ اکثر لوگ جاہل تھے۔ یہ تمام صورتحال کسی بھی طرح ایسی نہیں ہے کہ ہم اس قوم کی طرز فکر کو خیر کی طرز فکر کہہ سکیں۔

حضرت آدمؑ کے دور سے مکہ کی معاشرت تک جو عمومی شعور منتقل ہوا اس کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مکہ کے لوگ انسانی شعور کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور شعور انسانی کے ارتقا کی تکمیل کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے فرمایا:

''ہم نے تمھارے درمیان تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمھیں ہماری آیات سناتا ہے، تمھاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''(سورۃ البقرہ۔ آیت 151)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انداز تربیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب میں اہم ذمہ داری نوع انسانی کی انفرادی و اجتماعی تربیت کرنا تھی۔ اجتماعی تربیت کے لئے بالعموم اور فرد کی تربیت کے لئے بالخصوص جو چیز سب سے زیادہ موثر ہے وہ شخصی نمونہ ہے۔ شخصیت کا انداز گفتگو اور عمل و کردار کا اسلوب وہ پہلو ہیں جو تربیت میں نمایاں ترین اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انسانیت کاملہ کا نمونہ اور اسوہ حسنہ کا پیکر بنا کر مبعوث فرمایا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق قرآن ہے۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں صحابہ کرامؓ کی زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارد گرد گزرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔

جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمادیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی مرکزیت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس تھی۔ جب کسی شئے کی مرکزیت قائم ہو جاتی ہے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ جب ہم آسمان اور آسمانی علوم پر تفکر کرتے ہیں تو ہماری مرکزیت آسمانی علوم ہوتے ہیں اور جب ہم زمین پر پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں تو ہمارا ذہن اُن حقائق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جن حقائق میں زمین اور زمین کے معاملات ہیں۔

نورِ نبوتؐ

صحابہ کرامؓ کی مرکزیت نورِ نبوت تھی۔ اس لیے ان کو آسمانی علوم سیکھنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ عالی پر وہ تفکر کرتے تھے اور تفکر کے نتیجے میں علم حاصل ہوتا تھا اور ان کے اوپر حقائق منکشف ہوتے تھے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شب و روز ان کے سامنے تھے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو وہ نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی صحابہ کرامؓ کے سامنے تھی اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان اور عادات پر صدقِ دل سے عمل کرتے تھے۔

آداب تربیت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آداب تربیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔" (سورۃ حم السجدہ۔ آیت 33)

"زمانے کی قسم، انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔" (سورۃ العصر)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ عمل ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔" (الصف۔ آیت 2 تا 3)

جب تک آپ خود کو صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں کریں گے آپ دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ پہلے خود کو اسلام میں پورا پورا داخل کیجئے۔ جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں، پہلے خود اسکی خوبصورت تصویر بن جائیے۔ دین حق کے داعی معجزہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ خود اپنی دعوت کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے عمل اور کردار اس کا شاہد ہوتا ہے۔ جن اعمال وافعال میں وہ نوع انسانی کی بھلائی دیکھتا ہے خود اس پر عمل کرتا ہے۔ الٰہی مشن کی طرف دعوت دینے میں، ہماری بات میں اس وقت اثر پیدا ہوگا جب ہم خود اس دعوت اور تعلیم کا نمونہ ہوں اور ہمارا رابطہ اللہ کے ساتھ ویسا ہی ہو جو ایک حقیقی بندے کا اپنے رب سے ہوتا ہے۔

جب بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوجاتا ہے تو اسے خوف اور غم سے نجات مل جاتی ہے جب وہ مخلصانہ دعوت دیتا ہے تو سعید روحیں اسکی آواز پر لبیک کہتی ہیں۔ جو لوگ اپنی تربیت اور اصلاح کئے بغیر دوسروں کی اصلاح وتربیت کی باتیں کرتے ہیں وہ خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ناکام ہیں اور آخرت میں بھی ناکام رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ جو بات دوسروں کو بتائی جائے اس پر خود عمل نہ کریں۔

"اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمھارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اسکی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔" (سورۃ النحل۔ آیت 25)
قرآن حکیم کی اس آیت سے ہمیں تین اصولی ہدایات ملتی ہیں۔

۱۔ شر سے محفوظ رہنے اور خیر کو اپنانے کے لئے حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے۔

۲۔ نصیحت اسطرح نہ کی جائے جس سے دل آزاری ہو۔ نصیحت کرتے وقت آنکھوں میں محبت اور یگانگت کی چمک ہو، اور دل خلوص سے معمور ہو۔

۳۔ اگر کوئی بات سمجھاتے وقت بحث ومباحثہ کا پہلو نکل آئے تو آواز میں کرختگی نہ آنے دیں۔ تنقید ضروری ہوجائے تو یہ خیال رکھیں کہ تنقید تعمیری ہو، سمجھانے کا انداز ایسا دل نشین ہو کہ مخاطب میں ضد، نفرت تعصب اور جہالت کے جذبات میں اشتعال پیدا نہ ہو اور اگر مخاطب کی طرف سے ضد کا اظہار ہونے لگے تو خاموشی اختیار کرلیجئے۔

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمھاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی پر قائم ہیں۔" (سورۃ العنکبوت۔ آیت 46)

"(اے پیغمبر) یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج ہو۔ ورنہ اگر تم تند خو اور سنگدل ہوتے یہ سب تمہارے گرد وپیش سے دور ہوجاتے ان کے قصور معاف کردو۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان

کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔"

(سورۃ آل عمران۔ آیت159)

"نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں تم بدی کو اس نیکی سے دور کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جن کو عداوت تھی وہ اچھا دوست بن گیا ہے۔"

(سورۃ حم السجدہ۔ آیت34)

مومنین کی جماعت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو پوری زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ اس زمانہ تربیت میں جو رنگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آتا رہا اسی رنگ میں صحابہ کرامؓ بھی رنگے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مومنین کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی۔

۱۔ جو خدا شناس اور سچی خدا پرست تھی۔

۲۔ جو شرک کو چھوڑ کر اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑ چکی تھی۔

۳۔ جس کا پورا بھروسہ اپنے خالق اور مالک پر تھا۔

۴۔ جس کا دل طمع سے پاک اور صرف اپنے خالق کی محبت سے لبریز تھا۔

۵۔ جس کو مخلوق سے محبت تھی، کیونکہ وہ اس کے رب کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہے۔ ہر ایک انسان کا درد اسکے دل میں تھا ، کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔

۶۔ وہ یہ جان گئے تھے کہ مومن کی طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حالت کو چاہے وہ خوشی کی ہو یا غم وہ اعتدال میں رہتا ہے ۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اسی طرح مصائب کا دور آنا بھی ایک ردِ عمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جدو جہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہوتی ہے۔ مومن ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے اور ہر آزمائش میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہے۔

۷۔ صحابہ کرامؓ کو مرتبۂ احسان حاصل تھا۔ ان کے لطائف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے رنگین ہو گئے تھے۔ کیونکہ انکی توجہ زیادہ تر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق غور و فکر میں صرف ہوتی تھی۔

قرآن کریم نے ایسے تربیت یافتہ افراد کا سراپا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”جو لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کی حمایت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

(سورۃ اعراف۔ آیت 157)

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لئے ان کا اجر اور انکا نور ہے۔“

(سورۃ الحدید۔ آیت 19)

”جو لوگ ایمان لاتے ہیں انکا حامی و مدد گار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔“

(سورۃ البقرہ۔ آیت 257)

”جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کرتے ہیں، جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ رزق ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اسکا مقابلہ کرتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں، ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔“

(سورۃ الشوریٰ۔ آیت 37 تا 42)

۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور دعوت کا اثر یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی پوری توجہ اور جذب وشوق کے ساتھ علم حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے۔ جہاں جہاں سے بھی ان کو علم حاصل ہو سکتا تھا انہوں نے حاصل کیا اور علم کی فضیلت نے انہیں علوم وفنون میں کرۂ ارض پر قائد اور رہنما بنادیا۔

۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت سے ایسے افراد تیار ہوئے جو تاریخ انسانی کے مثالی کردار بن گئے اور آج تک روشنی کا ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔“(سورۃ البینۃ۔ آیت 8)

باب 9

معجزاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

لفظ معجزہ کا ماخذ ''عجز'' ہے، مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے سے عاجز ہونا۔ نبوت کی صداقت کے لئے خرق عادت کا ظاہر ہونا معجزہ ہے۔ خرق عادت انبیاء کرام کے علاوہ نوع انسانی کے دیگر افراد سے بھی صادر ہوئی ہیں۔ انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اسکے شاہد ہیں۔ پاک طینت حضرات سے خرق عادات کا اظہار رشد و ہدایت اور تنبیہہ کیلئے ہوتا ہے۔ روحانی سائنس کی پہلی کتاب ''لوح و قلم'' میں ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ لکھتے ہیں۔

تصرف کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ معجزہ

۲۔ کرامات

۳۔ استدراج

استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بری روحوں یا شیطان پرست جنات کے زیر سایہ کسی آدمی میں خاص وجوہات کی بنا پر پرورش پاجاتا ہے۔ صاحب استدراج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ علم استدراج اور علم نبوت میں یہی فرق ہے کہ استدراج کا علم غیب بینی تک محدود رہتا ہے اور علم نبوت انسان کو غیب بینی کی حدود سے گزار کر اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔ علمِ نبوت کے زیر اثر جب کوئی خارقِ عادت نبی سے صادر ہوتی ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ ختمِ نبوت و رسالت کے بعد اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی خارقِ عادت کرامت کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت کا تصرف مستقل ہوتا ہے۔ مستقل سے مراد یہ ہے کہ جب تک صاحبِ تصرف اس چیز کو خود نہ ہٹائے وہ نہیں ہٹے گی۔ استدراج کے زیرِ اثر جو کچھ ہوتا ہے وہ مستقل نہیں ہوتا اور اس کا اثر فضا کے تاثرات بدلنے

سے

خود بخود ضائع ہو جاتا ہے۔ استدراج کے زیرِ اثر جو کچھ ہوتا ہے اس کو جادو کہتے ہیں۔

انبیاء کرام کو عطا کردہ معجزات قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں:

"پھر بچا دیا ہم نے اس کو، اور جہاز والوں کو اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے لئے۔" (سورۃ العنکبوت۔ آیت ۱۵)

"اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔" (سورۃ ھود۔ آیت 64)

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار نے مطالبہ کیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی معجزہ دکھائیں۔ قرآن کریم نے مکہ کے منکرین کا مطالبہ ان الفاظ میں دہرایا ہے۔

وہ (محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لائے ہیں۔

(سورۃ طٰحٰہٰ۔ آیت 133)

اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں؟

(سورۃ العنکبوت۔ آیت 50)

تو انہیں چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے پہلے انبیاء بھیجے گئے تھے۔

(سورۃ الانبیاء۔ آیت 5)

نبی سے ظاہر ہونے والی واضح دلیل کو اور انبیاء کی تعلیمات کو جھٹلانے والے جادو و سحر کہتے تھے۔ قرآن کریم نے خارق عادت کے مطالبے کے جواب میں فرمایا:

"اگر یہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔" (سورۃ القمر۔ آیت 2)

"کہہ دیجئے کہ بلاشبہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔" (سورۃ العنکبوت۔50)

تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء کرامؑ سے معجزات کا ظہور اتمام حجت کیلئے ہوا ہے۔ لیکن ناسعید لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔

"اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سارے۔ پھر ڈبو دیا ان دوسروں کو اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے۔"

(سورۃالشعراء۔ آیت65تا67)

حضرت صالحؑ کی قوم پتھر سے زندہ سلامت اونٹنی نکالنے کا معجزہ دیکھ کر بھی راہ راست پر نہیں آئی تو قانون قدرت نے پکڑ لیا۔

’’حجر کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں ہم نے اپنی آیات ان کے پاس بھیجیں۔ اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں۔ مگر وہ سب کو نظر انداز کرتے رہے۔ وہ پہاڑ تراش تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک زبردست ’’چھنگاڑ‘‘ نے ان کو صبح ہوتے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔‘‘

(سورۃالحجر۔ آیت80تا84)

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر صرف گنتی کے چند لوگ ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات دیکھ کر بھی کفار مکہ کے دلوں میں ایمان کی روشنی داخل نہیں ہوئی۔ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے کا حکم ہوا تو کفار مکہ کے حصے میں رسوائی اور بد بختی آئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے غالب اور فاتح بن کر دوبارہ مکے میں داخل ہوئے۔

پاک باطن نفوس کے لئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس معجزہ ہے۔ انہیں ایمان سے سرفراز ہونے کے لئے کسی مافوق الفطرت واقعہ کی تلاش نہیں ہوتی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے نامور صحابہؓ معجزہ دیکھے بغیر ایمان لائے۔ ہر نبی کو اس دور کے ماحول، قوم کے مزاج، عقل و فہم اور افتادِ طبیعت کی مناسبت سے معجزات سے نوازا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کا دور جادو ٹونہ اور طلسم کے عروج کا زمانہ تھا۔ آپؑ کو ید بیضاء اور عصا کے معجزات عطا فرمائے گئے۔ فرعون کے دربار میں موجود ساحروں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں جو سانپ بن گئیں۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا:

’’ڈال اپنا عصا، پس وہ ان کے فریب کو نگل گیا۔‘‘(سورۃالاعراف۔ آیت117)

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کی سیرابی کے لئے دعا کی تو حکم ہوا۔’’پتھر پر اپنا عصا مار تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔‘‘(سورۃالبقرہ۔ آیت60)

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں علم طب عروج پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا:

’’اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے، پھر دم مارتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے، اور چنگا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا مردے میرے حکم سے۔‘‘(سورۃالمائدہ۔ آیت110)

حضرت صالحؑ کے دور میں مجسمہ سازی اور سنگ تراشی کا فن عروج پر تھا۔ منکرین نے اپنی ذہنی سکت کے مطابق ناممکن چیز کو ظاہر کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت صالحؑ نے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا، چٹان شق ہو گئی اور زندہ سالم اونٹنی اس میں سے نکل آئی اور بچے کو جنم دیا۔

حضرت صالحؑ کی قوم کو تنبیہہ کی گئی:

"یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے واسطے نشانی ہے۔" (سورۃ ھود۔ آیت 64)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد قرآن کریم علی الاعلان کہتا ہے:

"اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند پہنچ چکی ہے۔" (سورۃ النساء۔ آیت 174)

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مقدسہ کا ہر دور سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے اللہتعالیٰ کی نشانی ہے۔ بعثت کے بعد حق و باطل کے مابین تفریق ظاہر ہوگئی۔ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادے سے آنے والے اپنے لاؤلشکر سمیت کھائے ہوئے بھس میں تبدیل ہوگئے۔ برسوں سے خشک سالی کا شکار عرب، باران رحمت سے سرسبز ہوگیا۔

ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی مجوسیوں کی آگ بجھ گئی۔ زلزلہ کی شدت سے کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ ہمدان اور قم کے درمیان چھ میل لمبا چھ میل چوڑا بحیرہ سارہ خشک ہوگیا۔ کوفہ اور شام کے درمیان وادی سماوہ کی خشک ندی میں پانی جاری ہوگیا۔ معجزات اور خارق عادت کا احاطہ کرنا انسانی دسترس سے باہر ہے۔ تاریخ کے حوالے سے حیات طیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جن خارق عادات کا ظہور ہوا ہے زیر نظر صفحات میں بصد احترام وادب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ساتھ ساتھ محض اللہ تعالیٰ کے کرم اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے اس عاجز نے معجزات کی سائنسی توجیہہ کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

آسمانی کتابیں

محمد رسول اللہ، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سراپا اعجاز ہے۔ انبیائے سابقین کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایات ملتی رہتی تھیں۔ چودہ سو سال پہلے حضرت جرائیلؑ جو احکامات لے کر زمین پر اترے وہ آج بھی مِن عَن موجود ہیں۔ قرآن کریم اپنی اصلی حالت میں اس طرح ہے جیسے ۱۴۰۰ سال پہلے تھا۔ اس میں نقطہ اور زیر وزبر کا فرق بھی نہیں ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت عرب فصاحت وبلاغت میں بام عروج پر تھا۔ مکہ کے باشندوں نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والے احکامات میں جب شک کیا اور اس کو کلام الٰہی ماننے میں پس وپیش کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کہتے ہیں کہ یہ بات بنالایا؟ کوئی نہیں! پر ان کو یقین نہیں۔ پھر چاہئیے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی، اگر وہ سچے ہیں۔"(سورۃ الطور۔ آیت 33تا34)

قرآن حکیم کی بے مثال فصاحت وبلاغت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعجاز ہے۔ عرب کے بڑے بڑے نامور دانشور، جب قرآن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے تو کفار مکہ نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس نہ جاؤ، ان کا کلام نہ

سنو ورنہ تم پر بھی ان کی فصاحت و بلاغت کا جادو چل جائے گا۔ لوگ جب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے یا پھر کسی اور ذریعہ سے قرآنی آیت کو سنتے تو کہتے تھے کہ ہم نے شاعروں کاہنوں اور جادو گروں کا کلام سنا ہے لیکن محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کچھ کہتے ہیں وہ ان سب سے اعلیٰ اور ماوراء ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام، سرداروں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا نبی برحق تسلیم کرنا مخبر صادق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے۔ صادق، امین، در یتیم، باعث تخلیق کائنات، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی، معجزات سے معمور ہے۔ روح کی گہرائیوں میں تفکر کیا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری حیات طیبہ معجزہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا میں تشریف لانا اور نبوت سے سرفراز ہونا، حق کا پیغام عام کرنے کے لئے ناقابل برداشت تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرنا بھی معجزے کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو معجزات رونما ہوئے وہ سب تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں اور قرآن کریم نے بھی ان کی شہادت فراہم کی ہے۔

ستارے قریب آ گئے

حضرت عثمانؓ بن العاص کی والدہ فاطمہؓ بنت عبد اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت بی بی آمنہ کے پاس موجود تھیں۔ جس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے انہوں نے دیکھا کہ سارا گھر نور سے معمور ہو گیا اور ستارے اس قدر قریب آ گئے کہ گمان ہوا کہ ستارے زمین پر آ جائیں گے۔

پنگوڑے میں چاند

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب فرماتے ہیں۔ ابتدائی عمر میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پنگوڑے میں انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کرتے تو چاند اسی طرف جھک جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا۔

چاند کے دو ٹکڑے

اعلان نبوت کو آٹھ سال گزر چکے تھے۔ ایک رات ابو جہل ایک بہت بڑے یہودی عالم اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور تلوار لہراتے ہوئے کہا،

"تم سے پہلے نبیوں نے معجزات دکھائے ہیں تم بھی کوئی معجزہ دکھاؤ"۔

یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"کیا تم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آؤ گے۔ تم کیا دیکھنا چاہتے ہو؟"

ابو جہل سوچ میں پڑ گیا تو یہودی عالم نے کہا، آسمان پر جادو نہیں چلتا۔ ابو جہل نے آسمان کی طرف دیکھا۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا۔ ابو جہل نے کہا چاند کے دو ٹکڑے اس طرح کر دو کہ چاند کا ایک ٹکڑا جبل ابو قیس اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر آجائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابو قیس پر اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر نمودار ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگشت شہادت سے دوبارہ اشارہ کیا تو چاند کے دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔ یہودی عالم یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا۔ مگر ابو جہل نے کہا،

"محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے جادو سے ہماری نظر باندھ دی ہے۔"

شق القمر کی گواہی قافلے کے مسافروں نے بھی دی جو مکہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔

***

اجرام فلکی میں سے چاند، زمین سے قریب ترین ہے۔ زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا قطر کم و بیش اکیس سو میل بتایا جاتا ہے۔ چاند کے (Mass) کی مقدار زمین کے (Mass) کی مقدار سے ۸۰ گنا کم بتائی جاتی ہے۔ جبکہ زمین کی کشش ثقل چاند کے مقابلے میں چھ گنا ہے۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ تقریباً پانچ ارب سال پہلے چاند اور زمین ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ شروع میں زمین کو اپنے محور کے گرد گھومنے میں ۴ گھنٹے ۴۵ منٹ کا وقت لگتا تھا، اب زمین ۲۴ گھنٹے میں گھومتی ہے۔

چاند زمین کے گرد گردش کے دوران مختلف مدارج سے گزرتا ہے۔ گردش کے ابتدائی ایام میں چاند کا جتنا حصہ سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے اسے ہلال کہتے ہیں۔ ہر رات اس کے روشن حصہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۴ دنوں میں چاند پورا ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اور بالآخر آسمان پر سے غائب نظر آتا ہے۔ یہ پورا چکر تقریباً ساڑھے ۲۹ دنوں میں پورا ہوتا ہے اور ہر ماہ چاند مغربی افق پر نمودار ہو جاتا ہے۔

چاند کی سطح جو انسانی آنکھ سے اوجھل رہتی ہے، مصنوعی سیاروں کی مدد سے اس کی تصاویر حاصل کی گئی ہیں۔ چاند کی یہ سطح زیادہ تر پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ انسانی آنکھ سے روشن چاند کی سطح پر نظر آنے والے داغ دھبے دراصل ہموار ریگستانی میدان ہیں جو گردو پیش کی اونچائیوں سے نیچی سطح پر واقع ہیں اور روشنی کا انعکاس نہ کرنے کی وجہ سے یہ تاریک نظر آتے ہیں۔

اپالو مشن کی پروازوں کے دوران مئی ۱۹۶۷ء میں Oribiter-4 راکٹ سے چاند کے چھپے ہوئے رخ کی تین ہزار کلو میٹر کی بلندی سے تصاویر لی گئیں۔ ان تصویروں میں ۲۴۰ کلومیٹر طویل اور کئی مقامات پر ۸ کلومیٹر چوڑی دراڑ دیکھی گئی ہے۔ چاند کی کشش سے سمندر کی لہروں میں مدوجزر اٹھتے ہیں۔ چاند، سورج سے ۴۰۰ گنا چھوٹا ہے۔ زمین کے گرد اپنے بیضوی مدار پر گردش کرتے ہوئے چاند جب زمین کے قریب سے گزرتا ہے اور زمین اور سورج کے درمیان میں آجاتا ہے تب سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پاتی، یہ سورج گرہن ہے۔ چاند گرہن کے وقت زمین سورج اور چاند کے درمیان میں آجاتی ہے۔

روحانی آنکھ سے نظر آنے والا چاند اس کے برعکس ہے جو ٹیلی اسکوپ سے نظر آتا ہے۔ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے کہ چاند پر پہاڑ، جھیلیں، تالاب اور ریگستان ہیں۔ تالاب اور جھیلوں کے پانی میں پارے کا عنصر غالب ہے اور یہ پانی پارے کی طرح چمک دار ہے۔ چاند پر جنات کی مخلوق کی آمد ورفت رہتی ہے۔ چاند کی فضا میں گیس کی بُو ایسی ہے جیسے ویلڈنگ کرتے وقت بُو آتی ہے۔ چاند کی زمین پر چہل قدمی کرتے وقت جسم لطیف محسوس ہوتا ہے۔ اتنا لطیف کہ ہوا میں آسانی سے اڑ سکتا ہے۔ لیکن لطیف ہونے کے باوجود جسم ٹھوس ہوتا ہے۔ چاند پر کوئی مستقل آبادی نہیں ہے۔ چاند ایک سیر گاہ ہے جہاں جسم مثالی جاسکتا ہے۔ دنیا کا کوئی فرد اس وقت تک چاند میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک جسم مثالی سے واقف نہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ جسم مثالی سے واقف ہو بلکہ اپنے ارادے اور اختیار سے جسم مثالی کے ساتھ سفر کرسکتا ہو۔

تابع فرمان سورج

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر سے ایک منزل کے فاصلے پر صہبا کے مقام پر حضرت علیؓ کی گود میں سر رکھے آرام فرمارہے تھے۔ آفتاب غروب ہوگیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا،

"اے علیؓ! کیا تم نے نماز عصر قائم کرلی؟"

حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا،

"اے اللہ تعالیٰ! علیؓ آپ کی اطاعت اور آپ کے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا، آپ اس کے لئے سورج کو پھیر دیں۔"

غروب ہونے والا سورج پلٹ آیا اور زمین پر دھوپ پھیل گئی۔

***

قدیم زمانہ میں سورج کی پرستش ہوتی تھی۔ مصریوں نے سورج کو راء، یونانیوں نے ہیلیوس اور رومن قوم نے اسے سول کا نام دیا ہے۔ کہکشاں میں سورج ایک اوسط درجے کا ستارہ ہے۔ جو کہکشاں کے مرکز سے دو تہائی باہر، دو گھومتے ہوئے دائروں کے درمیان واقع ہے۔ ہماری کہکشاں (spiral milky way galaxy) کے ارد گرد بیس (۲۰) کہکشائیں ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کائنات پندرہ یا بیس ارب سال پہلے وجود میں آئی۔ کائنات میں ایک سو ارب کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں ایک سو ارب ستارے ہیں۔ سائنس دان اس پر متفق ہیں کہ کائنات کا تخلیقی مادّہ ہائیڈروجن کے ایٹموں پر مشتمل ہے۔ علم فلکیات کے ماہرین نے کائنات کی وسعت کا اندازہ پندرہ ارب نوری سال لگایا ہے۔ روشنی ایک سیکنڈ میں تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فاصلہ طے کرتی ہے۔ اس رفتار سے ایک سال میں جتنا فاصلہ روشنی طے کرتی ہے وہ نوری سال کہلاتا ہے۔ سورج ملکی وے گلیکسی (Milky Way Galaxy) کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔

قدیم نظریہ کے مطابق زمین کو کائنات کی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اہل بابل کا خیال تھا کہ زمین ایک ٹکیہ کی مانند ہے جو سمندر کے پانی

سے چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور آسمانپیالے کی مانند چپٹی زمین کے اوپر الٹا رکھا ہوا ہے۔ چاند سورج اور دیگر ستارے زمین کے گرد گھومتے ہیں۔
یونانی فلسفیوں کا خیال تھا کہ آسمان نے ایک کھوکھلے گلوب کی مانند زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور ستارے نگینوں کی طرح آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ آسمان محور کے اوپر کھڑا ہے جو زمین کے وسط میں گاڑ دیا گیا ہے۔ آسمان روزانہ مغرب کی طرف حرکت کرتا ہے۔ رومی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں نے اپنے دور میں علم نجوم اور علم ریاضی کو ترقی دی۔ ستاروں کی رفتار کا حساب لگایا، رصد گاہیں قائم کیں۔ لیکن کائنات کے بارے میں قدیم نظریات کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

جدید تحقیقات کی روشنی میں جو کائنات آج ہمارے سامنے ہے وہ پرانے زمانے یا قرون وسطیٰ کی تحقیق سے بہت مختلف ہے۔ چونکہ تحقیق و تلاش اور تفکر کا عمل جاری ہے اس لئے آئندہ کائنات کی تصویر اس سے بالکل مختلف ہوگی جو آج ہمارے سامنے ہے۔ علم فلکیات کی بنیادی معلومات یہ ہیں کہ سیارے، ستاروں کے گرد گردش کرتے ہیں۔ ستارے (Stars) اپنے نور سے منور ہیں اور سیارے (planets) روشنی کے انعکاس کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔

سیاروں کو بحیثیت سرد اجسام کے شناخت کیا گیا ہے۔ سورج اپنے نو(۹) معلوم سیاروں اور ان کے چاندوں، ڈیڑھ ہزار سے زائد سیارچوں (Astroids) ان گنت دم دار تاروں (Comets) اور بے شمار شہابیوں کے ہمراہ ملکی وے گلیکسی کے مرکز کے اطراف گھوم رہا ہے۔ بتایا جاتا ہے ایک چکر مکمل کرنے کے لئے بیس کروڑ سال کا عرصہ لگتا ہے۔ گیسوں کا مرکب ہونے کی وجہ سے سورج کی محوری حرکت یکساں نہیں ہے۔ خط استوا پر اپنے محور پر سورج ۲۷ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔ جبکہ قطبین پر اس کا چکر ۳۴ دن میں پورا ہوتا ہے۔ سورج کے گرد اس کے سیارے بیضوی مدار (Elliptical Orbits) میں حرکت کرتے ہیں۔ سائنسدانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ سورج کی سطح کا قطر آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار میل سے زیادہ ہے۔ درجہ حرارت ۶۰۰۰ درجہ سینٹی گریڈ ہے۔ ٹیلی اسکوپ کی مدد سے سورج کی سطح پر داغ دیکھے گئے ہیں۔ اوسطاً گیارہ سال کے بعد سورج کے دھبے بڑی تعداد میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سورج کے دھبوں کا مرکزی حصہ امبرا کہلاتا ہے۔ یہ چھ ہزار چار سو درجے فارن ہائیٹ درجہء حرارت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے اطراف کا حصہ کم سیاہ نظر آتا ہے۔ یہاں کی سفید گرم گیسوں کی تپش ۱۱۰۰۰ درجے فارن ہائیٹ ہے۔ یہ شدید مقناطیسی طاقت کے مقامات ہیں۔ تین سو ہزار کلومیٹر کی رفتار سے برقیار ذرّوں کی حامل شمسی ہوا زمین کے قطبین کے مابین قائم مقناطیسی میدان میں جب داخل ہوتی ہے تو شمسی ہوا کے برقیار ذرّے زمین کے مقناطیسی میدان میں تعامل کرتے ہیں اور روشنی کی چمکدار لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ جنہیں انوار قطبی یا ارورا (Aurorae) کہتے ہیں۔ نظام شمسی میں گردش کرنے والے اجرام کو سورج کی توانائی (Radiant Energy) منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ماہرین کے معلوم کردہ نو سیارے اپنے چاندوں کے ہمراہ اینٹی کلاک وائز (Anti-Clock Wise) سورج کے گرد اپنے اپنے مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ زمین سورج کے گرد ۳۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ سورج کے اطراف اپنے مدار میں زمین کا ایک چکر، ایک سال میں پورا ہوتا ہے۔ اس گردش سے زمین پر موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ سورج کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ یہ محوری گردش ۲۳ گھنٹے اور ۵۶ منٹ میں مکمل ہوتی ہے۔ محوری گردش

دن کو رات سے بدل دیتی ہے اور رات کو دن میں تبدیل کر دیتی ہے۔ زمین کا جو حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ سائے میں ہوتا ہے وہاں رات کا اندھیرا پھیل جاتا ہے۔

سائنس دانوں کی تحقیق و تلاش اور زمین اور سورج کے بارے میں ان کے نظریات سے اس لئے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ زمانے کی تحقیق و تلاش اور قرون وسطٰی کی تحقیق و تلاش مختلف ہے اور آئندہ اور زیادہ مختلف ہوگی۔ لیکن سائنس نے جتنی تحقیق و تلاش کی ہے اس کا سہرا بلاشبہ سائنسدانوں کے سر پر سجا ہوا ہے۔ سائنس جو کچھ کہتی ہے اس کا تعلق مادّیت کے زیر اثر مشاہدے سے ہے۔ جیسے جیسے تلاش آگے بڑھتی ہے اور اس تلاش میں تفکر گہرا ہوتا ہے تو مشاہدات میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم نظریاتی مشاہدے کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ مادّی وسائل کو بروئے کار لا کر کسی چیز کو سمجھا گیا ہے۔ یعنی جو چیز دیکھی گئی اس کے دیکھنے کے عمل میں مادّیت کا عمل دخل ہے جبکہ مادیت بجائے خود ایک مفروضہ ہے۔ مفروضہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ نتیجہ مرتب ہوتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نتائج میں حقائق کا کتنا عمل دخل ہے اور حقیقت ثابتہ پر سے کتنا پردہ اٹھا ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ لکڑی کو جب سلگایا جاتا ہے تو آگ بن جاتی ہے۔ لیکن جب ہم لکڑی کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ زمین کے اوپر موجود ہر شئے اور لکڑی کی تخلیق میں براہ راست پانی کا غالب عمل دخل ہے۔ پانی جو بجھانے والی شئے سمجھی جاتی ہے اس کے اندر بھی آگ کا عنصر ہے۔

زمانۂ قدیم کے ماہرین فلکیات ہوں یا جدید زمانے کے ماہرین انکا کہنا ہے کہ سورج میں روشنی ہے، تپش ہے۔ علمائے باطن کہتے ہیں کہ سورج میں روشنی نہیں ہے۔ اصل میں زمین روشن ہے۔ زمین محوری اور طولانی حرکت میں گردش کر رہی ہے۔ روشن زمین کا انعکاس سورج کے اوپر ہوتا ہے اور سورج کا یہ انعکاس دھوپ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

”قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب سورج کے پیچھے آئے اور قسم ہے دن کی جب ظاہر کرے اس کو اور رات کی جب ڈھانک لے اس کو۔“

(سورۃ الشمس۔ آیت۔ 1 تا 4)

زمین ایک گلوب ہے جو اپنے مدار پر ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ زمین کے دو وجود ہیں۔ ایک وجود ظاہری ہے اور زمین کا دوسرا وجود باطنی ہے۔ زمین کا باطنی وجود ایسی ماورائی لہروں سے بنا ہوا ہے جو براہ راست نور سے فیڈ ہوتی ہیں۔ یہ روشنیاں ماورائے بنفشی شعاعوں سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ کسی بھی مادی وسیلے سے نظر نہ آنے والی روشنیاں سورج کے اوپر منعکس ہوتی رہتی ہیں۔

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ

شعوری دنیا کے اوپر تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ زمین کی دنیا میں ہر مخلوق دو شعور رکھتی ہے یا دو حواس رکھتی ہے یا زندگی گزارنے کی دو طرزیں متعین ہیں۔ حواس کی ایک قسم یہ ہے کہ آدمی کھلی آنکھوں، حاضر اور غیر حاضر دماغ اور مادّی

وجود کی حرکت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ زندگی گزارنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ ہر مخلوق بند آنکھوں، غیر حاضر دماغ اور جسمانی اعضاء کی حرکت کے بغیر زندگی گزارتی ہے اور ان دونوں زندگیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مخلوق جو زندگی شعور میں گزارتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نہار یا دن کہا ہے اور مخلوق جو زندگی شعور سے باہر ہو کر گزارتی ہے اس کو قرآن کریم نے لیل یا رات کہا ہے۔

باطن الوجود میں ایک ایجنسی ایسی ہے جو اطلاعات کو قبول کرتی ہے، تبدیل کرتی ہے یا رد کر دیتی ہے۔ ایجنسی جس پر اطلاعات میں معانی پہنانے کا دارومدار ہے جب شعوری حواس کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان کی نگاہ دن دیکھتی ہے اور جب معانی پہنانے والی ایجنسی پر شعور کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے اور لاشعوری تحریکات شروع ہو جاتی ہیں تو انسان رات دیکھتا ہے۔ آدمی کسی بھی لمحہ حواس سے آزاد نہیں ہوتا۔ جب شعوری حواس کا غلبہ نہیں رہتا تو لاشعوری حواس غالب ہو جاتے ہیں۔

”ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں۔“

(سورۃ الحج۔ آیت 61)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ رات اور دن دو حواس ہیں یعنی ہماری زندگی دو حواسوں میں سفر کرتی ہے۔ ایک حواس کا نام دن ہے اور دوسرے حواس کا نام رات ہے۔ دن کے حواس میں ہم زمان و مکاں کے پابند ہیں اور رات کے حواس میں ہم زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کائنات پر حاکمیت عطا کی ہے۔ حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ دن، رات، چاند، سورج اور ستاروں پر بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمران ہیں۔

”اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔

اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“ (سورۃ النحل۔ آیت 12)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اسی طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔“ (سورۃ الحج۔ آیت 65)

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر رکھی ہیں اور انسانوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت ہو یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب ہو۔“ (سورۃ لقمان۔ آیت 20)

"وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، سب کچھ اپنے پاس سے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔" (سورۃ الجاثیہ۔ آیت 12 تا 13)

حضرت علیؓ کی نماز قضا ہوئی اور ابو جہل اور یہودی عالم نے شق القمر کے معجزے کے بارے میں کہا تو حاکم کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اختیارات کا استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سورج کو مسخر کرنے، چاند کو مسخر کرنے اور کائنات کو مسخر کرنے کے لئے عطا فرمائے ہیں۔

بادلوں کا سایہ

ایک دوپہر حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے دیکھا کہ بچے دھوپ میں کھیل رہے ہیں۔ آپؓ نے بچوں کو سائے میں کھیلنے کی ہدایت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضاعی بہن نے اپنی والدہ کو بتایا، "اماں جان! میرے قریشی بھائی دھوپ کی تمازت سے محفوظ ہیں۔ بادل آپ پر سایہ کرتا ہے، جب آپ چلتے ہیں تو بادل آپ کے ساتھ چلنے لگتا ہے اور جب آپ ٹھہر جاتے ہیں تو بادل بھی رک جاتا ہے۔ "اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اور انہیں بدلیوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں پر، جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔

(سورۃ الروم۔ آیت 48)

بارش کا وسیلہ

خشک سالی کی وجہ سے جب مکہ میں قحط پڑ گیا تو لوگ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا

"یا ابو طالب! بچے قحط کی وجہ سے بھوک سے رو رہے ہیں، کعبہ میں چل کر دعا کیجئے"۔

حضرت ابو طالب نے کمسن حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کعبہ میں آکر دعا کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش برسی، حضرت ابو طالب نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یہ شعر کہا: "وہ خوبصورت چہرہ جس کے فیضان سے بارش برستی ہے"۔

* * *

انسان کے مادی وجود کے اوپر روشنیوں کے دو غلاف ہیں اور ان دو غلافوں میں بجلی دوڑتی رہتی ہے۔ ایک غلاف میں روشنیاں پازیٹیو اور دوسرے غلاف میں نیگیٹو پازیٹیو ہوتی ہیں۔ ان روشنیوں کے فلو (Flow) سے حواس بنتے ہیں۔ حواس کی دو سطح ہیں۔ ایک سطح فرد کی ذہنی حرکت ہے اور دوسری سطح وہ ہے جو فرد کی ذہنی حرکت کو کائناتی سسٹم سے ملاتی ہے۔ حواس ہمہ وقت تقسیم ہوتے رہتے ہیں۔ حواس کی تقسیم سے ایک طرف اعضائے جسمانی بنتے ہیں اور دوسری طرف اعضائے جسمانی کی صلاحیتیں تخلیق ہوتی ہیں۔ جسمانی فعلیت میں یہی تقسیم کام کرتی ہے۔

آنکھ، ناک، کان، زبان، پیر، حواس کی تقسیم ہیں۔ آنکھ کا دیکھنا، کان کا سننا، پیر کا پیمائش کرنا زبان میں ذائقہ اور ناک میں سونگھنے کی حس جسمانی فعلیت ہے۔ اس کے برعکس حواس میں جو تحریکات ہوتی ہیں وہ ماورائی تحریکات ہیں جو تواتر کے ساتھ قائم رہتی ہیں۔ لمحات بہ یک وقت دو سطحوں میں حرکت کرتے ہیں۔ ایک سطح کی حرکت کائنات کی ہر شئے میں الگ الگ ہے۔ یہ حرکت شعور کی تعمیر کرتی ہے جو شئے کو اس کی منفرد ہستی کے دائرے میں دکھاتی ہے۔

دوسری سطح کی حرکت کائنات کی تمام اشیاء میں بیک وقت جاری ہے اگر کوئی شخص دوسری سطح کا ادراک حاصل کرلے جو ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ کے ذریعہ ممکن ہے تو کائنات کے مخفی گوشے سامنے آنے لگتے ہیں۔

حدیبیہ میں کنواں

صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں نے ایسے پتھریلے علاقہ میں پڑاؤ ڈالا تھا جہاں پانی نہیں تھا۔ البتہ ایک کنواں تھا۔ جو عرصے سے خشک پڑا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تیر حضرت ناجیہؓ کو دیتے ہوئے فرمایا: ”اس خشک کنوئیں میں اترو اور کنوئیں کے بیچ میں یہ تیر گاڑ دو۔“

تیر گاڑتے ہی کنویں میں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔

بنو سعد کا کنواں

بنو سعد بن ہذیم کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تبوک کے مقام پر حاضر ہوا اور عرض کیا،

”یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہمارے کنویں میں پانی بہت کم ہے۔ گرمیوں کا موسم ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارا خاندان پانی کی تلاش میں منتشر ہوجائے گا۔ ہمارے لئے دعا کریں کہ کنوئیں میں پانی پورا ہوجائے“۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریاں طلب کرکے ان کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا،

"یہ کنکریاں بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھ کر ایک ایک کر کے کنویں میں ڈال دینا۔"

بنو سعد بن ہذیم کے وفد کے لوگ کنکریاں لے کر چلے گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق کنکریاں کنویں میں ڈال دیں۔ کنویں میں کنکریوں کا ڈالنا تھا کہ کنویں میں پانی بھر گیا اور پھر پانی کی قلت نہیں ہوئی۔

تبوک کے راستے میں پانی

تبوک کے راستے میں وادی مشقق کی ایک چٹان میں پانی کا چشمہ تھا۔ چشمہ سے پھوٹنے والا پانی اس قدر تھا کہ صرف تین آدمی اس سے سیر ہوسکتے تھے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگے جانے والوں سے فرمادیا تھا کہ وہ چشمہ سے پانی اس وقت تک نہ نکالیں جب تک کہ ہم وہاں پہنچ نہ جائیں۔

منافقوں کا گروہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے وہاں پہنچا اور اس کا سارا پانی نکال کر ضائع کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وہاں پہنچے تو انہیں اس امر کی اطلاع دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری سے اُتر آئے اور چٹان کے نیچے ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی تو چٹان سے پانی فوارے کی طرح ابل پڑا۔

سفر میں پانی

ایک سفر میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا،

"یارسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! پانی نہیں ہے اور بہت پیاس لگ رہی ہے۔"

حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ نے دیکھا کہ ایک عورت پانی سے بھری ہوئی دو مشکیں اونٹ پر لے کر آرہی ہے۔ اس سے پوچھا کہ پانی کا چشمہ یہاں سے کتنی دور ہے۔ اس نے جواب دیا میرے قبیلے اور چشمے کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔ حضرت علیؓ اس عورت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتن منگوا کر ایک مشک میں سے تھوڑا سا پانی انڈیلا اور دعا فرمائی۔ پانی دوبارہ مشک میں ڈال دیا۔ صحابہ کرامؓ نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور برتن پانی سے بھر لئے لیکن مشکیں پانی سے بھری رہیں۔ عورت حیرت و استعجاب کی تصویر بنی یہ سارا ماجرا دیکھ رہی تھی۔ جب سب لوگ پانی پی چکے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اس عورت کو کھجوریں دے کر رخصت کر دو۔

پانی کا شعور

پانی ایسا سیال ہے جو پھیلنے اور سمٹنے کی بدرجۂ اتم صلاحیت رکھتا ہے۔ پانی ایک پیالہ میں ہو، گلاس میں ہو یا مٹکے میں ہو، تالاب، دریا اور سمندر میں ہو جتنا چاہے خود کو پھیلا دیتا ہے اور جتنا چاہے خود کو سمیٹ لیتا ہے۔ پانی کی یہ صلاحیت پانی کا لاشعور ہے۔ ہر زندگی میں پانی کا عمل دخل تین حصے ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ پانی کی فطرت نشیب میں بہنا ہے لیکن اس کے برعکس پانی ۸۰ فٹ ناریل کے اونچے درخت میں سربند پیالے (ڈاب) میں جمع ہو جاتا ہے اور جب نشیب میں طوفانی صورت اختیار کرتا ہے تو پورے پورے شہر روند کر ویران کر دیتا ہے۔

زمین جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک سمندر کئی بار اپنی جگہ بدل چکا ہے، جہاں اب خشکی ہے، کبھی وہاں پانی تھا اور جہاں اب سمندر ہے، وہاں کسی زمانے میں زمین پر آبادی تھی۔ ماہرین کے مطابق دنیا کے بہت سے حصوں میں سمندر خشکی کی طرف بڑھ رہے ہیں، بہت سے جزیرے سمندر میں چھپ گئے ہیں اور سمندر میں غرق خشکی کے حصے دوبارہ نمودار ہو رہے ہیں۔ زمین کی سطح متحرک ہے۔ سطح زمین کے نیچے چٹانیں ہیں۔ سیاہ چٹانوں پر مشتمل مادہ (Matter) بھی سست روی سے متحرک ہے۔ جسکی وجہ سے قشر ارض بڑی بڑی پلیٹوں میں ٹوٹ گیا ہے۔ پلیٹیں جہاں سے کھسک جاتی ہیں، زمین وہاں سے پھٹ جاتی ہے اور کھائیاں اور سمندر بن جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر کھنچاؤ کی وجہ سے سلوٹیں بن جاتی ہیں۔ زمین کی سطح پر نمودار ہونیوالی یہ سلوٹیں پہاڑی سلسلے ہیں۔ زمین پر تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایک خلئے پر مشتمل جاندار سے لے کر بارہ کھرب سیلز سے مرکب آدمی اور عظیم الجثہ حیوانات سب کی زندگی پانی سے شروع ہوئی ہے۔ خشکی پر رہنے والی مخلوق اور پانی میں آباد مخلوق تمام جانداروں کے خون میں سوڈیم، پوٹاشیم اور کیلشیم کی نسبت وہی ہے جس نسبت سے یہ کیمیاوی عناصر سمندر کے پانی میں پائے جاتے ہیں۔ سمندر میں نمک، گھاس پھونس، Sea Food اور دیگر سمندری مخلوق کے علاوہ بیش بہا معدنیات اور کیمیائی اجزا موجود ہیں۔ بتایا جاتا ہے ایک مکعب میل سمندری پانی میں بارہ کروڑ تراسی لاکھ ٹن سادہ نمک، اور ایک کروڑ اسّی لاکھ ٹن میگنیشیم کلورائیڈ، اٹھتّر لاکھ ٹن میگنیشیم سلفیٹ، انسٹھ لاکھ ٹن کیلشیم سلفیٹ اور تین لاکھ ساٹھ ہزار ٹن میگنیشیم برومائیڈ کے علاوہ آیوڈین، لوہا، تانبا، چاندی اور سونا بھی شامل ہے۔

سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے لیکن بعض ساحلوں کے قریب اس میں میٹھے پانی کے چشمے ملتے ہیں۔ سمندروں کی تہہ کے نیچے میٹھے پانی کے چشمے جاری رہتے ہیں۔ میٹھا پانی سمندر کے پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ جہاں کہیں سمندر کی تہہ کو توڑ کر میٹھا پانی باہر نکلتا ہے اور ہلکا ہونے کی وجہ سے اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے ایسی جگہ سمندر کی سطح پر بلبلے بنتے رہتے ہیں۔ سمندر کے پانی میں نمک کی مقدار دیگر کیمیاوی اجزا کی نسبت زیادہ ہے۔ جن مقامات میں دریا میٹھا پانی لے کر سمندر میں آ ملتے ہیں وہاں سمندری پانی میں نمک کم ہے اور جہاں میٹھے پانی کی آمیزش کم ہے یا جہاں جہاں پانی زیادہ مقدار میں بخارات بن کر اڑتا ہے وہاں سمندر کے پانی میں نمک زیادہ ہے۔

سورج کی گرمی سے سمندروں، دریاؤں اور جھیلوں کا پانی بخارات میں تبدیل ہوتا ہے۔ بخارات بادل بن جاتے ہیں اور ہوا بادلوں کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ پہاڑوں اور میدانوں میں بارش برستی ہے۔ فضا میں موجود گیسز اور پہاڑوں سے مختلف عناصر اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ یہ پانی زمین کی مٹی میں نمی پیدا کرتا ہے اور حیاتیاتی پروسس کا لازمی جزو ہے۔ بخارات سے بھری ہوئی ہوا کا درجہ حرارت کسی وجہ سے کم ہوجائے تو بخارات قطروں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ جب یہ قطرے بھاری ہوجاتے ہیں تو بارش کی شکل میں زمین پر گرنے لگتے ہیں۔

بادلوں کے اندر موجود پانی کے ہر قطرے پر مثبت یا منفی چارج موجود ہوتا ہے۔ یہ ذرّات جب آپس میں ٹکراتے ہیں تو بیشتر مثبت چارج بادلوں کے اوپر کے حصے میں اور بیشتر منفی چارج بادلوں کے نچلے حصے میں جمع ہوجاتا ہے۔ اس چارج کی طاقت لاکھوں وولٹ ہوتی ہے۔ ایک بادل کے منفی ذرّات جب دوسرے بادل کے مثبت ذرات سے ٹکراتے ہیں تو بجلی گرنے لگتی ہے۔ بجلی گرنے سے آس پاس کی ہوا شدید گرم ہوجاتی ہے۔ ہوا کا درجہ حرارت تقریباً تینتیس ہزار سنٹی گریڈ تک بڑھ جاتا ہے۔ گرم ہوا تیزی سے پھیلتی ہے اور اردگرد کی سرد ہوا سے ٹکراتی ہے۔ جس سے شدید دھماکہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ گرج اور چمک کا یہ عمل اگرچہ بہ یک وقت واقع ہوتا ہے لیکن آواز کی لہریں روشنی سے کم رفتار ہونے کی وجہ سے گرج، چمک کے بعد سنائی دیتی ہے۔

سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک سیکنڈ میں دنیا بھر میں تقریباً ایک سو اسپارک وجود میں آتے ہیں اور بجلی کے ایک اسپارک میں اتنی توانائی موجود ہوتی ہے جس سے ایک چھوٹے شہر کی سال بھر کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ بجلی کی چمک سے پیدا ہونے والی حرارت اور توانائی سے بادلوں میں پانی کے ذرات شکست و ریخت کے عمل سے گزرتے ہیں اور فضا میں موجود دیگر گیسز کے ساتھ کیمیائی تعامل کرتے ہیں۔ جس سے آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن کی ایسی کیمیائی ترکیب بنتی ہے جس کا اصطلاحی نام امونیم نائٹریٹ ہے۔ یہ ایک بہترین کھاد ہے۔ یہ کھاد پانی میں حل ہوکر جب زمین میں جذب ہوتی ہے تو پودوں اور فصلوں کو نئی زندگی عطا کردیتی ہے۔ ایک مرتبہ کی چمک سے پیدا ہونے والی کھاد ہزاروں لاکھوں ٹن مقدار میں ہوتی ہے۔

سائنسی انکشافات کے مطابق تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار مکعب کلومیٹر پانی بارش کی صورت میں دنیا کے براعظموں کو مہیا ہوتا ہے۔ یہ مقدار سطح زمین پر موجود پانی کا صرف ایک فیصد ہے اور زیر زمین پانی کا ہزارواں حصہ ہے۔ بارش کا پانی ندی، نالوں، جھرنوں، آبشاروں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا سمندر میں مل جاتا ہے۔

بارش کا چار حصے پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے یا بہہ کر سمندر میں چلا جاتا ہے، ایک حصہ پانی زمین میں جذب ہوجاتا ہے۔ زمین کے اندر چٹانوں میں مسام ہوتے ہیں۔ پانی مٹی اور مسام دار چٹانوں سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ پانی کی گزرگاہ میں جہاں غیر مسام دار چٹانوں کی

کوئی تہہ آجاتی ہے، پانی وہیں رک جاتا ہے۔ پانی آگے نہیں بڑھتا اور جمع ہو تا رہتا ہے اور اس طرح مسام دار چٹانوں کے مسام اور دراڑیں پانی سے بھر جاتی ہیں۔

زمین دوز پانی کے ذخائر ہزاروں کلومیٹر سالانہ کی رفتار سے زمین کے اندر سفر کرتے رہتے ہیں۔ زمین کی نچلی تہوں میں ہزاروں سال تک پانی محفوظ رہتا ہے۔ زمین دوز پانی کی بالائی سطح موسم کے ساتھ ساتھ اونچی نیچی ہوتی رہتی ہے۔ خشک موسم میں زمین تھوڑا پانی جذب کرتی ہے اور برسات میں چٹانوں کی دراڑیں اور مسام بالکل بھر جاتے ہیں، جہاں کہیں زیر زمین پانی کی سطح اونچی ہوتی ہے پانی کا چشمہ ابل پڑتا ہے اور جہاں ضرورت ہو کنواں کھود کر زیر زمین پانی کے ذخائر کو استعمال کیا جاتا ہے۔

"لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے بنایا تم کو اور تم سے اگلوں کو شاید تم پرہیز گاری اختیار کرو۔ جس نے بنادیا زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے لئے رزق، پس تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ بناؤ۔ (سورۃ البقرہ۔ آیت 21 تا 22)

"اور جس نے خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا۔ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی دی اسی طرح ایک روز تم زمین سے برآمد کئے جاؤ گے۔"

(سورۃ الزخرف۔ آیت 11)

" اس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اور سورج اور چاند اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ سب ایک وقت مقررہ تک حرکت کرتے ہیں۔ دیکھو وہی غالب بخشنے والا ہے۔"

(سورۃ الزمر۔ آیت 5)

" اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوش خبری لئے ہوئے بھیجتا ہے۔ پھر وہ پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو انہیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر طرح طرح کے پھل نکالتا ہے اور اسی طرح ہم مُردوں کو حالت موت سے نکالتے ہیں شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق حاصل کرو۔ جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس طرح ہم نشانیوں کو بار بار دکھاتے ہیں اس قوم کے لئے جو کہ شکر کرنے والی ہے۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت 57 تا 58)

"اللہ تعالیٰ ہی تو ہیں جو ہواؤں کو چلاتے ہیں تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتے ہیں۔ جس طرح چاہتے ہیں اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتے ہیں پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں

میں سے جن پر چاہتے ہیں برساتے ہیں تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے نزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اثرات کہ مُردہ پڑی ہوئی زمین کو وہ کس طرح زندہ کر دیتے ہیں۔ یقیناً وہ مُردوں کو زندگی بخشنے والے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور اگر ہم ایک ایسی ہوا بھیج دیں جسکے اثرات سے وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں تو وہ کفران نعمت اور ناشکری کرنے لگیں۔"

(سورۃ الروم۔ آیت 48 تا 51)

آیات مقدسہ کے معانی اور مفہوم پر غور کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی کا دار و مدار پانی کے اوپر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم آسمان سے پانی نازل کرتے ہیں اور اس میں سے تمہارے لئے رزق اور پھل پیدا کرتے ہیں اور جب مردہ زمین پر بارش برستی ہے تو اس کے اندر زندگی دوڑ جاتی ہے۔ خشک زمین بظاہر بنجر نظر آتی ہے لیکن زمین کے اندر مخلوق کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ جو سطح زمین پر نظر نہیں آتیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک گرام مٹی میں کھربوں جراثیم ہوتے ہیں۔ جب طویل عرصہ تک بارش نہیں ہوتی تو زمین کے اندر یہ جراثیم بے حرکت ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب بارش برستی ہے تو یہ کھربوں جراثیم زندہ اور متحرک ہو جاتے ہیں۔ بارش کے بعد زمین کے اندر نمو کا یہ عمل ہزاروں جاندار اشیاء کیڑوں، مکوڑوں، درختوں، پودوں اور پھول، پھلواری کی پیداوار کا سبب بنتا ہے۔ بارش کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زیر زمین شہر کے شہر آباد ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ پانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ تخلیقات کے عمل میں پانی کی اہمیت سے کسی بھی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تخلیقی عمل پر غور کیا جائے تو زمین پر تولیدی سلسلہ پانی کے اوپر قائم ہے۔

جب ہم پانی کا تذکرہ کرتے ہیں تو روحانی نقطہ نظر سے دو رُخوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک پانی اور دوسرے پانی کی ماہیت۔ جس طرح ہر انسان میں شعور اور لاشعور کام کر رہے ہیں اور انسان کی ساری زندگی لاشعور سے شعور کے اوپر انفارمیشن پر قائم ہے اسی طرح پانی کی ماہیت اور خاصیت پر پانی کا وجود ہے۔ پانی کا پھیلنا، سمٹنا، زمین کے اندر پانی کا بہنا، چشمے، آبشار، ندی، نالے، دریا، سمندر اور آسمان سے برسنے والا پانی اپنے باطنی وجود (لاشعور) پر قائم اور متحرک ہے۔

باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز کے امین، اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کے اعلیٰ منصب پر فائز، حامل علم لدنی، تخلیقی فارمولوں کے ماہر، بحر و بر، شجر و حجر، سماوات اور زمین کے حاکم ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نیابت کے تحت حاکمیت کے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب چاہا کہ پانی میں اضافہ ہو یا خشک کنویں میں پانی کا چشمہ ابل پڑے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کے باطن (لاشعور) میں تصرف فرمادیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرف سے پانی کے ظاہر میں پھیلنے اور بہنے کی صلاحیت متحرک ہو گئی۔ خشک کنویں سے چشمہ ابل پڑا اور یہی تصرف جب مشک کے پانی پر ہوا تو قانون الٰہی کے تحت آدمیوں کی بہت بڑی تعداد نے پانی پی لیا لیکن مشک خالی نہیں ہوئی۔

''اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (سورۃ النحل۔ آیت 12)

سنگریزوں نے کلمہ پڑھا

ایک دن دوپہر کے وقت حضرت عثمان غنیؓ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی وہاں موجود تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے دریافت فرمایا، ''تمھیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ اور رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی محبت''

اس سے قبل حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استفسار پر یہی جواب دے چکے تھے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات یا نو کنکریاں ہاتھ میں لیں تو ان کنکریوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی جس کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کنکریاں علیحدہ علیحدہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں میں دیں تو کنکریوں نے سب کے ہاتھوں میں تسبیح پڑھی۔

آواز کیا ہے؟

آوازیں ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ آواز آپس میں رابطے کا ذریعہ اور معلومات کے تبادلے کا ایک طریقہ ہے۔ آواز کی بدولت ہم بہت سی چیزوں کو جانتے ہیں اور بہت سی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ درختوں میں بیٹھی چڑیوں کی چہچہاہٹ، پنگوڑے میں کھیلتے بچوں کی کلکاریاں، گلی میں پھیری والے کی صدا، کارخانے میں متحرک مشینوں کی گڑگڑاہٹ اور لاتعداد دوسری آوازیں ہماری سماعت سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی آوازیں ایسی بھی ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں۔ یہ آوازیں ہماری سماعت سے ماورا ہیں۔ پیچیدہ امراض کی تشخیص و علاج، صنعت و حرفت اور تحقیق و تلاش کے لئے الٹرا ساؤنڈ ویوز کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔ صدائے بازگشت کے اصول اور آواز کے ارتعاش کی بنیاد پر لہریں کام کرتی ہیں۔ یہ لہریں مادّے کی مختلف حالتوں کے درمیان امتیاز کر سکتی ہیں۔ سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی سماعت کا دائرہ، بیس ہرٹز (20 Hertz) سے بیس ہزار (20,000 Hertz) ہرٹز فریکوئنسی تک

محدود ہے۔ جبکہ ورائے صوت موجوں کی فریکوئنسی بیس ہزار ہرٹز(Hertz) سے دو کروڑ ہرٹز(Hertz) تک ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمارے کان ان آوازوں کو نہیں سن سکتے۔

موجوں کی دو بڑی اقسام ہیں۔ ایک وہ جن میں ذرات سکڑتے اور پھیلتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے وہ جو آگے بڑھتے ہوئے اوپر نیچے حرکت کرتی ہیں۔ موجوں کی اقسام کی تقسیم فریکوئنسی اور طول موج کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ موج مخصوص فاصلہ کو اوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے طے کرتی ہے۔ یہ اس کا طول موج کہلاتا ہے۔ طول موج میں ایک حرکت اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ایک حرکت نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ اوپر اور ایک مرتبہ نیچے، دونوں حرکتیں مل کر ایک چکر(Cycle) پورا کرتی ہیں اور ایک سیکنڈ میں کسی موج کے جتنے سائیکل گزر جاتے ہیں وہ موج کی فریکوئینسی کہلاتی ہے۔ طول موج زیادہ ہو تو فریکوئنسی کم ہوتی ہے۔ جبکہ طول موج کم ہونے کی صورت میں فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔

ریڈیائی لہریں کم فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں اور ٹی وی نشریات زیادہ فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں۔ برق مقناطیسی لہروں کو آواز کی موجوں کی طرح سفر کرنے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ پانی اور ہوا کے بغیر بھی آگے بڑھتی رہتی ہیں اور خلا میں آگے بڑھنے میں انہیں دقت پیش نہیں آتی۔ فریکوئنسی اگر بہت بڑھ جائے تو موجیں شعاعیں بن جاتی ہیں۔ جو سیدھی چلتی ہیں۔ کم طول موج اور زیادہ فریکوئنسی ہونے کی وجہ سے ان لہروں کی کسی چیز میں سے گزر جانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔
قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز ہماری حمد و ثنا بیان کرتی ہے۔ یعنی کائنات میں موجود ہر شئے بولتی، سنتی ہے۔
"ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔"(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 44)

کائناتی قانون کے مطابق ہر چیز بولتی ہے۔ سنتی ہے اور محسوس کرتی ہے۔ کنکریوں نے جب کلمہ پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کنکریاں اس بات کا شعور رکھتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبیء برحق ہیں اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمین میں موجود ہر شئے کے لئے رحمت ہیں۔ رحمت اللعالمین ہونے کی حیثیت سے کائنات کا ہر ذرہ اس بات سے واقف ہے کہ ہماری بقا کا انحصار سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کے اوپر ہے۔

"اور (اے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"(سورۃ الانبیاء۔ آیت 107)

پہاڑ موم بن گیا

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:

"ایک نجومی حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ نجومی نے عرض کیا:

"اگر آپ(علیہ الصلوٰۃوالسلام) کے پیر کے نیچے پہاڑ موم کی طرح نرم ہوجائے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر، پیر پہاڑ پر رکھا تو پہاڑ نرم ہو گیا۔ نجومی نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایمان لے آیا۔

نجومی نے بتایا:

"آسمان پر ایک ستارہ ایسا ہے کہ جب وہ کسی کے سر پر سایہ فگن ہوتا ہے تو اس شخص کے پیر کے نیچے پہاڑ موم بن جاتا ہے۔ اس مقام تک ستارہ کو پہنچنے میں ایک لاکھ سال کا وقفہ چاہئیے تھا۔ میں نے دیکھا کہ جیسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیر اُٹھا کر پہاڑ پر رکھا ستارہ تیزی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر آ گیا اور واپس چلا گیا۔"

پہاڑ نے حکم مانا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ کوہِ ثبیر پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے۔ کوہ ثبیر ہلنے لگا یہاں تک کہ اس کے پتھر لڑھک کر دامن کوہ میں جا گرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہِ ثبیر کو ٹھوکر لگا کر فرمایا،

"اے ثبیر! ساکن رہ، تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان سنتے ہی کوہ ثبیر ساکت ہو گیا۔

* * *

زمین کی تخلیق سے متعلق دو نظریات ہیں۔

ایک نظریہ کے مطابق کہا جاتا ہے کہ زمین ابتدا میں سورج کا حصہ تھی، جو ایک ٹکڑے کی طرح اچھل کر سورج سے علیحدہ ہو گئی۔ دوسرا نظریہ بگ بینگ(BIG BANG) کی تھیوری ہے۔ دونوں نظریات کے مطابق زمین نے رفتہ رفتہ بیضوی شکل اختیار کر لی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ قطبین اور خطِ استوا پر کرہ ارض کا ڈایا میٹر الگ الگ ہے۔ خطِ استوا پر زمین کا ڈایا میٹر 6378 کلومیٹر ہے اور قطبین پر زمین کا ڈایا میٹر 6356 کلومیٹر ہے۔ زمین 23.5 ڈگری زاویے پر جھکی ہوئی ہے اور تقریباً 24 گھنٹوں میں گھوم جاتی ہے۔ اس گردش سے دن

رات وجود میں آتے ہیں۔ زمین سورج کے گرد ایک چکر ایک سال میں پورا کرتی ہے اور اس حرکت سے موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ زمین کی ساخت، جھکاؤ، پھیلاؤ، گردش اور ترتیب و توازن، قدرت کی معین کردہ مقداروں کا بہترین شاہکار ہے۔ سائنس دانوں کے خیال میں اگر زمین کا جھکاؤ ۲۵ ڈگری پر ہوتا تو قطبین پر جمی ہوئی برف پگھل کر سمندروں میں آجاتی اور اگر جھکاؤ ۲۲ ڈگری پر ہوتا ہے تو یورپ قطب شمالی کی برف سے ڈھک جاتا۔ زمین محوری گردش چوبیس گھنٹے میں پوری کرتی ہے اگر زمین محوری گردش ۳۰ گھنٹوں میں پوری کرتی تو تیز ہوائیں چلتیں اور ان طوفانی ہواؤں سے زمین صحرا میں تبدیل ہو جاتی۔ اگر محوری گردش کا دورانیہ ۲۴ گھنٹوں کے بجائے ۲۰ گھنٹے ہوتا تو زمین خشک اور بنجر بن جاتی۔ زمین کے اندر ایک سیال مادّہ ہے۔ جس کے ارد گرد مختلف اقسام کی ٹھوس تہیں ہیں۔ زمین کے قطر کا اکثر حصہ پگھلی ہوئی دھاتوں اور چٹانوں پر مشتمل ہے۔

زمین اور آسمان میں موجود ہر شئے شعور رکھتی ہے۔ وہ اس بات سے واقف ہے کہ رحمۃ اللعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کائنات کی ہر شئے محکوم ہے۔ پہاڑ کے اوپر جیسے ہی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے تو محکوم پہاڑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جاری و ساری حاکمیت کے رعب سے ہلنے لگا۔ یعنی اس پر زلزلہ آگیا۔ زلزلہ کے معنی ہیں زور سے ہلا دینا۔

"جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی۔" (سورۃ الزلزال۔ آیت 1 تا 2)

"جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا۔ تو کوئی اس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ وہ تہہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی۔ زمین اس وقت یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسے اڑتا ہوا غبار۔" (سورۃ الواقعہ۔ آیت 1 تا 6)

پہاڑ میں شعور

پہاڑ میں شعور ہے۔ قرآن کریم اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔

"اور ہم نے اپنی امانت پیش کی آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر، سموات، ارض اور پہاڑوں نے کہا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 72)

کسی چیز کے بارے میں انکار یا اقرار اس بات کی علامت ہے کہ اس شئے کے اندر شعور ہے۔ جس طرح کوئی فرد اپنے شعور کو نہیں دیکھ سکتا اور شعور کی مزاحمت یا شعور کی پسندیدگی کا وزن محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ہم پہاڑوں کو وزنی اور جما ہوا دیکھتے ہیں۔ "تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔" (سورۃ النمل۔ آیت 88)
یعنی پہاڑ کثیف مادّے پر قائم نہیں ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہاڑ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "ٹھہر جا تجھ پر نبی اور صدیق اور دو

شہید ہیں"

تو پہاڑ نے حکم کی تعمیل کی اور وہ ہلنے اور لرزنے سے رُک گیا۔

حنین جذع کا واقعہ

عربی میں حنین مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں جو محبوب کے فراق میں اس کے منہ سے نکلے اور جذع کھجور کے کٹے ہوئے تنے کو کہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں جمعہ کے روز کھجور کے خشک درخت سے ٹیک لگا کر خطاب فرماتے تھے۔ ایک انصاری صحابیہؓ نے بہترین لکڑی سے منبر تیار کرا کے مسجد نبوی میں بھیجا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ خطبہ کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس منبر پر رونق افروز ہوں۔ جمعہ کے روز جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا تنا رونے لگا۔ اس کا رونا ایسا دردناک تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے سے بچھڑ کر بلکتی ہے، کوئی بچہ اپنی ماں سے جدا ہو کر روتا ہے۔ اس کی فریاد اتنی غم ناک تھی کہ لگتا تھا کہ شدت غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مسجد نبوی میں موجود تمام صحابہؓ نے اس آواز کو سنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اتر آئے، درخت پر اپنا دست شفقت رکھا اور پھر اسے اپنے سینے سے لگایا۔ کھجور کا تنا چپ ہو گیا۔ مگر روتے ہوئے بچے کی طرح ہچکی لگی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا:

اگر تو پسند کرے تو میں تیرے لئے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تجھے جنت الفردوس میں اس مقام پر جگہ دیں جہاں میں ہوں۔ تو وہاں ابد الآباد تک رہے۔ انبیاء اور اولیاء تیرے پھل کھائیں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے جواب میں کھجور کے تنے نے کہا۔

"ایسا ضرور فرمایئے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کے اس تنے کو مسجد میں دفن کرا دیا۔

* * *

نباتات

نباتات زندہ ہونے کے ساتھ ساتھ باشعور بھی ہیں۔ وہ مکمل حواس رکھتی ہیں۔ وہ ہماری محبت اور نفرت کو پہچانتی ہیں اور اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ انتقال خیال کے علوم سے پودے پوری طرح واقف ہیں۔ پودے دیکھتے ہیں، بولتے ہیں، سوچتے ہیں، یاد رکھتے ہیں اور

ہمارے مخفی خیالات پڑھ لیتے ہیں۔ سائنسی تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ پودے شعور رکھتے ہیں اور اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ درخت اور پودے کریم طینت لوگوں کی قربت سے خوش ہوتے ہیں۔ پیچیدہ اور منفی خیالات رکھنے والے افراد کی قربت انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ کرلین فوٹو گرافی کے تجربات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ محبت کا ہاتھ پھیرنے سے پودے خوش ہوتے ہیں اور انکے ارد گرد موجود روشن ہالہ کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ پودوں کیلئے دل میں پیار و محبت کے جذبات رکھنے والا فرد جب پودا لگاتا ہے، اسکی آبیاری اور دیکھ بھال کرتا ہے تو پودوں کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

کیلی فورنیا میں ایک نرسری کے مالک نے برسوں کی محنت سے تھور (Cactus) کی ایک قسم پیدا کی۔ جس پر کانٹے نہیں ہوتے۔ نرسری کے مالک نے پودوں سے مخاطب ہو کر انہیں تسلی دی کہ وہ پودے کی حفاظت کرے گا۔ اس کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھے گا۔ پودے کو اب کانٹے اگانے کی ضرورت نہیں۔ طویل عرصے تک وہ پودے کو یقین دلاتا رہا۔ وہ پودے سے محبت بھرے انداز میں بات کرتا تھا۔ اس کی آبیاری اور صفائی وغیرہ کا خیال رکھتا تھا۔ جب پودے کو یقین و اطمینان ہو گیا تو بغیر کانٹوں والی نئی قسم پیدا ہو گئی۔

کینیڈا کے سائنسدانوں نے اوٹاوا یونیورسٹی میں تجربات کئے کہ اگر گندم کے بیجوں کو 5000 Hertz کی آواز سنائی جائے تو وہ بہت جلد اگتے ہیں۔ پودوں پر موسیقی کے اثرات پر تجربات کئے گئے تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اونچی آواز والی موسیقی سے پودے کو نقصان ہوتا ہے اور پودے ناخوش ہوتے ہیں جبکہ نرم و لطیف موسیقی پودوں میں سرشاری اور مستی کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

پریزیڈینسی کالج کلکتہ میں فزکس کے پروفیسر ریڈیو ریسرچ کے ماہر تھے۔ دھات (مادے کی سخت ترین قسم) اور گوشت پٹھوں (مادے کی نرم قسم) کے تناؤ پر تحقیق کے دوران انہیں پودوں کے Tissue پر تحقیق کرنے کا خیال آیا۔ تحقیق سے انہوں نے ثابت کیا کہ پودے کے ٹشوز پر بھی تناؤ کھنچاؤ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پودے کلوروفام کی بدبو سے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور تازہ ہوا انہیں ہوش میں لے آتی ہے۔ پودے چھیڑ چھاڑ سے تھکن محسوس کرتے ہیں۔ قازقستان یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے جب دھاتوں کی تلاش کے لئے پودوں سے تعاون چاہا تو انہیں ہدایت کی کہ مٹی میں کوئی دھات موجود ہیں تو وہ بجلی کی طرح جھٹکا دیں۔ یہ تجربہ کامیاب رہا۔ پودوں پر ریسرچ کرنے والے ماہرین نے تجربات سے ثابت کیا کہ انسان اور نباتات کے اطلاعاتی نظاموں کے درمیان تعلق ہے۔ اطلاعاتی نظام بظاہر ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور اڑتے ہوئے پرندے اور ہر ایک کو اپنی اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان سب کے اعمال کا پورا پورا علم ہے۔" (سورۃ النور۔ آیت 41)

”ساتوں آسمانوں اور زمین میں جتنی موجودات ہیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کرنے کو سمجھتے نہیں۔ (اس لئے کہ تم اس کے بارے میں تدبر نہیں کرتے) تحقیق وہ ہے تحمل والا بخشنے والا۔“ (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 44)

”جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کی حکمت ہر چیز پر غالب ہے۔ آسمان اور زمین اس کی ملکیت ہیں۔ حیات و ممات اور ہر چیز پر قادر ہے، وہی ابتدا ہے، وہی انتہا ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔“(سورۃ الحدید۔ آیت 1 تا 3)

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شئے باشعور ہے اور انہیں اپنی نماز اور تسبیح بیان کرنے کا طریقہ معلوم ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت اللعالمین ہونے کی حیثیت سے آسمانوں اور زمین کی ہر مخلوق سے واقف ہیں۔ ہر مخلوق یہ مانتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے رحمت ہیں۔ درخت نے جب یہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف لے گئے ہیں تو اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جدائی شاق گزری اور اس نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکڑی کے تنے پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا۔

”اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تجھے جنت الفردوس میں اس مقام پر جگہ دیں، جہاں میں ہوں۔ تو وہاں ابد الآباد تک رہے۔ انبیاء اور اولیاء تیرے پھل کھائیں“۔

باشعور درخت کا تنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عنایت پر چپ ہو گیا۔ اس معجزہ سے منکشف ہوتا ہے کہ ہر درخت بولتا ہے، سنتا ہے، اس کے اندر قربت اور دوری کا احساس ہے۔ انسانوں کی طرح درخت خوش ہوتا ہے اور روتا ہے اور دعا کی درخواست بھی کرتا ہے۔

کھجور کی تلوار

غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہؓ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھڑی حضرت عکاشہؓ کو دے کر فرمایا۔

”عکاشہؓ جاؤ جنگ جاری رکھو“۔

حضرت عکاشہؓ نے چھڑی ہاتھ میں لی تو وہ مضبوط، چمکدار اور تیز دھار تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہؓ نے جنگ بدر کی فتح تک اس تلوار کو استعمال کیا۔ اس تلوار کا نام "العون" تھا۔ غزوۂ بدر کے دوران ہی ایک اور صحابی مسلمہؓ بن اسلم کی تلوار ٹوٹ جانے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کھجور کی تازہ ٹہنی عنایت کی جو تیز دھار تلوار میں تبدیل ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ایک جنگ کے دوران ٹوٹ گئی تو حضور سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلب کر کے کھجور کی شاخ عنایت کی اور دشمنوں پر حملہ کا حکم دیا۔ کھجور کی ٹہنی تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا نام "عرجون" ہے۔

***

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

"ہم نے ہر چیز معین مقداروں سے تخلیق کی ہے۔" (سورۃ القمر۔ آیت 49)

مقداروں سے زمین پر مختلف چیزیں تخلیق پاتی ہیں۔

مثلاً لوہا۔۔۔ اس کے اندر معین مقداریں کام کر رہی ہیں۔ لکڑی۔۔۔ اس کے اندر معین مقداریں کام کر رہی ہیں۔ اگر لوہے اور لکڑی میں معین مقداریں کام نہیں کریں تو لکڑی لکڑی نہیں رہے گی اور لوہا لوہا نہیں رہے گا۔ معین مقداروں سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو مقداریں لوہے کے اندر کام کر رہی ہیں وہ لکڑی کے اندر کام نہیں کرتیں۔ تخلیق کرنے والی معین مقداروں کا فارمولہ یہ ہے کہ لوہے کے لئے آٹھ مقداریں معین ہیں اور لکڑی کے لئے سات مقداروں کا تعین ہے۔ تو لکڑی کی معین مقداروں میں اگر لوہے کی اضافی ایک مقدار شامل کر دی جائے تو لکڑی لوہا بن جائے گی۔

سونے (Gold) کے لئے پانچ معین مقداریں ہیں اور گیرو کے لئے چار مقداریں معین ہیں۔ سونے کو گیرو بنانے کا فارمولہ یہ ہے کہ سونے کی مقداروں میں سے ایک مقدار کم کر دی جائے۔ گلاب کے پھول میں چھ معین مقداریں کام کرتی ہیں جبکہ سیب کے پھول میں نو معین مقداریں کام کرتی ہیں۔ اگر سیب کے پھول کی معین مقداروں میں سے تین کم کر دی جائیں تو سیب کا پھول گلاب کا پھول بن جاتا ہے اور اگر گلاب کے پھول میں تین مقداروں کا اضافہ کر دیا جائے تو گلاب کا پھول سیب کا پھول بن جاتا ہے۔ یہ ایک پورا تخلیقی نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سکھایا ہے جو لوگ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور صاحب تکوین ہیں۔ جس وقت سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کی لکڑی حضرت عکاشہؓ، حضرت مسلمہؓ بن اسلم اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو دی تو تخلیقی فارمولوں کے تحت مقداروں میں ردوبدل ہو گیا اور یہ ردوبدل قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہے۔

"وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، سب کچھ اپنے پاس سے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔" (سورۃ الجاثیہ۔ آیت 12 تا 13)

"آسمانوں اور زمین میں ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب رائی سے بھی چھوٹا ذرہ اور پہاڑ کے برابر ذرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرف میں ہے۔

لکڑی میں روشنی

ایک رات جب تیز بارش برس رہی تھی۔ حضرت قتادہؓ بن نعمان انصاری نماز باجماعت کے لئے مسجد میں آئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قتادہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کھجور کی ایک شاخ دی اور فرمایا،

"یہ شاخ دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ تمہارے پیچھے روشنی کرے گی۔"

حضرت قتادہؓ کھجور کی شاخ لے کر گھر کی طرف چلے تو یہ شاخ مشعل کی طرح روشن ہو گئی۔

***

ہر شئے دو رخوں پر پیدا کی گئی ہے ایک رخ مادیت ہے اور دوسرا رخ باطن ہے۔ یہ دونوں رخ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ لیکن مادی رخ ہمیشہ باطنی رخ کے تابع ہوتا ہے۔ صلاحیت باطنی رخ میں ہوتی ہے۔ باطنی رخ سے اگر صلاحیت مادیت میں منتقل نہ ہو تو حرکت نہیں ہوتی۔ حرکت صلاحیت کا مظہر ہے اور ہر شئے کی صلاحیت الگ الگ بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ لکڑی کی صفت جلنا یا روشن ہونا ہے۔ جب لکڑی کا باطن رخ متحرک ہوا تو لکڑی روشن ہو کر مشعل بن گئی۔

حق آیا، باطل مٹ گیا

مکہ فتح ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت پڑھی،

"حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹ جانا ہی تھا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 81) یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے تھے وہ منہ کے بل گر جاتا تھا۔

***

روحانی دنیا کے ادراک سے بے شمار حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں ایک انکشاف یہ بھی ہے کہ ہر مخلوق کی تخلیق میں گراف کی بڑی اہمیت ہے۔ کسی بھی خوردبین((Microscope سے نظر نہ آنے والے چھوٹے چھوٹے چوکور خانے تخلیق میں بنیاد یا بساط کا کام کر رہے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے نظر نہ آنے والے چوکور خانوں کو ہم تانا بانا کہتے ہیں۔

مثال

ڈرائنگ روم میں قالین بچھا ہوا ہے۔ قالین کے اوپر شیر بُنا ہوا ہے۔ قالین کے اوپر یہ شیر دراصل ان نظر نہ آنے والے خانوں کی تقسیم در تقسیم ہے۔ اس کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لئے گراف پیپر کو سامنے رکھیئے۔ گراف پیپر میں چھوٹے چھوٹے چوکور خانوں پر اس طرح پنسل پھیریئے کہ ناک بن جائے، کان بن جائے، آنکھ بن جائے، تو گراف پیپر پر آپ کو تصویر بنی ہوئی نظر آئے گی۔ اب ہمارے سامنے تین صورتیں ہیں۔ ایک چوکور خانہ یعنی طولاً عرضاً لکیریں، جب ہم طولاً عرضاً لکیریں فاصلہ کا تعین کئے بغیر کاغذ پر کھینچتے ہیں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے خانوں کا ایک جال نظر آتا ہے۔ اس جال پر جب پنسل سے تصویر کشی کی جاتی ہے تو تصویر واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے اور خانے غیر واضح اور غیر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

یہ ساری زمین مفرد اور مرکب لہروں سے بنی ہے۔ جب مفرد لہریں غالب ہوتی ہیں تو کشش ثقل لہروں کے غلبہ کی مناسبت سے کم ہو جاتی ہے اور جب مفرد لہر کے ساتھ ایک لہر مل جاتی ہے تو پھر کشش ثقل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عمل کو مرکب لہروں کا نام دیا جاتا ہے۔ مفرد اور مرکب لہروں میں نور اور روشنی کا اجتماع ہے۔ نور اور روشنی کا یہ اجتماع حرکت ہے یعنی حرکت خلا میں اپنا تعین دو طرح سے کرتی ہے۔ ایک مفرد لہر سے اور دوسرے مرکب لہر سے۔ لہریں خلا میں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ نہ تو وہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہیں اور نہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ یہی لکیریں مادی اجسام کو الگ الگ کرتی ہیں اور یہی لکیریں مادی اجسام میں ایک دوسرے کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ موالید ثلاثہ یعنی مادی عناصر سے بننے والی مخلوق مرکب لہروں کی مخلوق ہے۔ لیکن ہر مخلوق کی بنیاد اور حرکت مفرد لہر ہے۔ اگر مفرد لہر نہیں ہو گی تو مرکب لہر نہیں ہو گی۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تخلیق کائنات کے رازداں ہیں۔ اسرار کن فیکون کے فارمولوں کے ماہر ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "حق آیا اور باطل مٹ گیا۔" (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 81) پڑھ کر چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کیا تو مفرد اور مرکب دونوں لہروں کا نظام ٹوٹ گیا۔ نتیجہ میں بت اوندھے منہ زمین پر گر گئے۔

دست رحمت

حضرت ابیض بن حمالؓ کے چہرے پر داد تھا۔ جس سے چہرہ بد نما لگتا تھا۔ سید نا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز انہیں اپنے قریب بلایا اور سامنے بٹھا کر ان کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا داد کے نشانات چہرے پر سے ختم ہوگئے۔ حضرت یزید بن قنافہ طائی گنجے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا تو ان کا گنج دور ہو گیا اور ان کے سر پر بال اگ آئے۔ یہ بال اتنے زیادہ تھے کہ ان کا لقب "بہت زیادہ بالوں والا" ہو گیا۔

سینے پر دست مبارک

ایک بار ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اس لڑکے کو جنون ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکے کو اپنے پاس بٹھالیا اور اس کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ ذرا دیر بعد لڑکے کو سیاہ رنگ کی قے ہوئی اور اسے جنون کے مرض سے نجات مل گئی۔

آنکھ

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں تو دشمنوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ جن صحابہؓ نے کمال جاں نثاری سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دفاع کیا ان میں حضرت ابو دجانہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت قتادہؓ بن نعمانؓ انصاری شامل تھے۔ حضرت قتادہؓ بن نعمانؓ کی آنکھ میں تیر لگا۔ آنکھ زخمی ہوگئی اور آنکھ کا ڈیلا نکل کر لٹک گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈیلا واپس آنکھ میں رکھ دیا۔ چنانچہ ان کی وہ آنکھ نہ صرف ٹھیک ہوگئی بلکہ اس کی نگاہ دوسری آنکھ سے زیادہ تیز ہوگئی۔

حرم میں اذان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں نماز کا وقت آگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب دستور ٹھہر گئے۔ مؤذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ قریب موجود تھے۔ اذان سن کر انہوں نے استہزا کے طور پر چلّا چلّا کر اذان کی نقل اتارنی شروع کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی بھیج کر ان سب کو بلوایا۔ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب سے باری باری اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ خوش الحان تھے اور ان کی آواز بھی سب سے بلند تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں روک لیا اور باقی سب کو جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے ابو مخدورہ کو اپنے سامنے بٹھالیا اور پیشانی سے چہرے تک ہاتھ پھیرتے ہوئے سینے تک لائے اور سینے سے پیٹ، کلیجے اور ناف تک ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

"اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے اور تجھ پر اپنا فضل و کرم کرے۔ جاؤ حرم شریف میں اذان دو۔"

مٹی تریاق بن گئی

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ بنو حارث کے قبیلے سے گزرے ایک شخص سخت بخار میں مبتلا تھا۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے علاقے میں بخار وبائی صورت اختیار کر گیا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مقام صعیب سے مٹی لو اور ایک دعا تعلیم کی کہ یہ پڑھ کر جسم پر مٹی مل لو۔ بخار میں مبتلا مریض شفایاب ہو گیا۔ اس طرح برص اور دوسری جلد کی بیماریوں کے لئے بھی یہ مٹی تریاق بن گئی۔

قصویٰ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے باشندوں نے آگے بڑھ کر اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میزبانی کا شرف اسے نصیب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اونٹنی کی لگام چھوڑ دو، اونٹنی وہاں بیٹھے گی جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی قصویٰ مدینے کے کئی محلّوں سے گزرتی ہوئی محلہ "النجار" میں داخل ہو گئی۔ مدینے کے سارے مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کے مشتاق تھے کہ اونٹنی کہاں بیٹھے گی۔ قصویٰ کچھ دیر تک قبیلہ نجار کے محلے کے چکر لگاتی رہی پھر اسی جگہ داخل ہو گئی جو بالکل خالی تھی۔ اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیکے تھے کوئی گھر موجود نہیں تھا اور اس قطعہ زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالیت سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین خرید لی۔ مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کی مدد سے اس جگہ پر مسجد نبوی کی تعمیر شروع کر دی۔

اماں حلیمہؓ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے قبل مکہ میں قحط سالی تھی۔ بنو سعد کی حلیمہ سعدیہؓ اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ مکہ آئیں۔ ان کا شیر خوار بچہ عبد اللہ، ان کے شوہر اور ایک اونٹنی ان کے ہمراہ تھی۔ کمزور اور نحیف اونٹنی کے دودھ سے بچے کی غذائی

ضروریات پوری نہیں ہوتی تھیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اماں حلیمہؓ کی گود میں آئے تو اماں حلیمہؓ کی قسمت جاگ اٹھی۔ اماں حلیمہؓ کا خشک سینہ دودھ کا چشمہ بن گیا۔ نحیف و نزار اونٹنی میں بجلیاں دوڑ گئیں۔ تھن دودھ سے بھر گئے۔ میاں بیوی نے سیر ہو کر اونٹنی کا دودھ پیا۔ اونٹنی قافلے کے سب جانوروں سے آگے چل رہی تھی۔ ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتی تھیں:

"اے ابوزیب کی بیٹی! کیا یہ وہی سواری ہے؟"

اماں حلیمہؓ نے جواب دیا۔

"واللہ! سواری تو وہی ہے سوار بدل گیا ہے"۔

دو اجنبی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دو سال ہو گئی تو اماں حلیمہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو والدہ کے پاس مکہ واپس لے آئیں۔ ان دنوں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اماں حلیمہؓ نے حضرت آمنہ سے عرض کیا:

"بہتر ہو گا آپ اپنے بیٹے کو مزید کچھ عرصہ میرے پاس اور رہنے دیں تاکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہاں کی وبا سے محفوظ رہیں"۔

حضرت آمنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اماں حلیمہؓ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ بھیڑیں چرانے گئے ہوئے تھے۔ عبداللہ دوڑتا ہوا اماں حلیمہؓ کے پاس آیا اور چلّا کر کہا،

"اماں جان! جلدی آیئے میرے قریشی بھائی کو دو اجنبی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

یہ سن کر اماں حلیمہؓ اور ان کے شوہر بھاگ کر چراگاہ پہنچے تو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ اماں حلیمہؓ فرطِ محبت سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لپٹ گئیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا:

"سفید لباس پہنے دو اجنبی شخص میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ ایک نے میرے پیٹ کو سینے تک چاک کر دیا۔ پھر اس نے میرے سینے سے دل نکالا اور اس میں سے خون کا ایک سیاہ قطرہ نکال کر پھینک دیا۔ پھر دوسرا شخص آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کی طرح پانی سے بھرا ہوا طشت تھا اس نے میرے دل کو دھو کر سینے میں واپس رکھ دیا اور دل پر مہر لگا کر پیٹ اور سینے کو سی دیا۔

اماں حلیمہؓ اور انکے شوہر نے حیران ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کیونکہ نہ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس پر خون کا کوئی دھبہ تھا اور نہ جسم پر کوئی نشان تھا۔

* * *

روحانی نقطہ ءنظر سے ہر انسان میں دو دماغ کام کرتے ہیں۔ جب کوئی بچہ دنیامیں آتا ہے تو بتدریج اس کے اوپر مادی حواس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور مادّی حواس کا غلبہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ غیب کی چیزیں نہیں دیکھ سکتا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کے ان واقعات میں یہ اسرار ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچپن میں بھی غیب دیکھتے تھے۔ اس لئے کہ فرشتوں کا نظر آنا، سینہ ءمبارک کا شق ہونا، قلب مطہر کو طشتری میں رکھنا، اس کو دھونا اور سینۂ مبارک میں رکھ کر شگاف کو بند کرنا یہ سب غیب ہے۔ اس سارے واقعہ میں یہ بات بڑی فکر طلب ہے کہ اماں حلیمہؓ انکے شوہر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضائی بھائی عبداللہ نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو سینے کے شق ہونے اور دل باہر نکالنے کے اثرات موجود نہیں تھے۔ انتہا یہ ہے کہ لباس پر خون کا کوئی داغ دھبہ نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچپن میں ماورائی حالت کا مشاہدہ فرمایا۔

ابو لہب اور اس کی بیوی

ابولہب اور اس کی بیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا چچی تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت حق دیتے تو ابولہب مجمع کے پاس جا کر کہتا تھا کہ اس کی بات نہ سنو یہ مجنوں اور دیوانہ ہے۔ اس کی بیوی امّ جمیل جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں چن چن کر لاتی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے میں ڈال دیتی تھی۔ اس کے بارے میں سورۃ لہب نازل ہوئی۔

”ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہوا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کچھ کام آیا اور نہ جو اس نے کمایا۔ ضرور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہو گی۔“ (سورۃ الھب)

باب 10
فرائض نبوت قرآن حکیم کی روشنی میں

تلاوت آیات

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات پر مشتمل علوم کی دستاویز ہے۔اللہ تعالیٰ نے جن تجلیات و انوارات پر کائنات تخلیق کی اسکا علم اپنی کتاب میں بیان فرمایاہے۔ان تخلیقی قوانین اور فارمولوں میں تسخیر کائنات کا علم مخفی ہے۔اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت کو اپنی نعمت بتایااور اس نعمت کی تکمیل سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتاب و حکمت کی یہ نعمت عالمین میں تقسیم فرمارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"در حقیقت اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُس کی آیات تلاوت کرتے ہیں،اُن کی زندگیوں کو سنوارتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں،حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح(کھلی)گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔"(سورۃ آل عمران۔آیت 164)

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقاصد یہ تھے۔

۱۔تلاوت آیات

۲۔تزکیہ نفس

۳۔تعلیم کتاب

۴۔تعلیم حکمت

تلاوت آیات کا مفہوم

تلاوت کے لغوی معانی "پڑھنا اور مطالعہ" کرنا ہیں۔مفہوم یہ ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک اس طرح پہنچادیں کہ عملی زندگی قرآن کے مطابق ہو جائے۔قرآنی آیات کو سمجھ کر غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے معنی اور مفہوم پر غور کیا جائے۔اس طرح بندے کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں،دماغ کے کروڑوں سیلز کھل جاتے ہیں اور انسان باطنی دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔جب کوئی بندہ غور و فکر کے ساتھ قرآنی آیات پڑھتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا ہے،کوئی ہے سمجھنے والا؟"(سورۃ قمر۔آیت 17)

انبیاء کی سنت

قرآن کریم کی ابتدائی آیات غارِ حرا میں نازل ہوئیں جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فطرت کی نشانیوں اور حقیقت کی تلاش میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ آیات الٰہی پر تفکر انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کی حیثیت سے امت مسلمہ پر لازم ہے کہ غور و فکر کی تعلیمات اور سنت پر عمل پیرا ہو کر شعوری ارتقا اور ذہنی وسعت حاصل کرے۔ غار حرا کی سنت امت مسلمہ کے لئے اس بات کا پیغام ہے کہ باطن میں موجود انوارات اور روشنیوں کو تلاش کر کے ان کے اندر تفکر کیا جائے۔ قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ دین مکمل کر دیا گیا ہے یعنی نوع انسانی کی معاشرتی، علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے اصول و قواعد واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن پاک نوع انسانی کا ورثہ ہے۔ یہ کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ نوع انسانی میں جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، قرآن اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

”حالانکہ یہ تو سارے عالمین کے لئے ایک نصیحت ہے۔“(سورۃ القلم۔ آیت 52)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

”یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ “(سورۃ البقرہ۔ آیت 2)

متقی لوگ کون ہیں۔۔۔؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔“(سورۃ البقرہ۔ آیت 3)

غیب پر ایمان کا مطلب ہے یقین اور یقین مشاہدے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ متقی کی دوسری نشانی بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نماز قائم کرتے ہیں۔ جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

(سورۃ البقرہ۔ آیت 3)

نماز قائم کرنے کا مطلب ہے ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اور رزق خرچ کرنے سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ خرچ کر رہے ہیں یہ ہمارا نہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جتنے بھی وسائل ہمارے لئے موجود ہیں جیسے ماں باپ، بیوی بچے، کاروبار، پیدائش، موت یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ جب یہ صفات کسی انسان کے اندر آجائیں گی اس کو قرآن کریم سے ہدایت ملے گی اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اہل یورپ

اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے:

"اور لوہا اُتارا جس میں بڑا فائدہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔"

(سورۃ الحدید۔ آیت 25)

جس قوم نے قرآنی اعلان پر تفکر کر کے کوشش اور جدوجہد شروع کی وہ کامیاب ہوتی رہی اور آج بھی کامیاب ہے۔ اہل یورپ لوہے، تانبے اور زمین کے اندر خزانوں کی تلاش میں جب سرگرداں ہوئے تو قانونِ قدرت کے مطابق ان کے اوپر زمین کے خزانوں نے خود ہی اپنی افادیت ظاہر کرنا شروع کر دی اور انہوں نے لوہے، تانبے اور دیگر دھاتوں کے مرکب سے ایسی ایجادات میں کامیابی حاصل کر لی کہ وہ اقوامِ عالم میں ممتاز ہو گئے۔ ہواؤں میں اڑنا زندگی کا معمول بن گیا ہے سمندروں اور دریا کی سطح پر تیرنا اور ہزاروں لاکھوں ٹن سامان اِدھر سے اُدھر پہنچانا ایک عام بات بن گئی۔ ان کی ذہنی کاوشوں سے زمین کے فاصلے سمٹ گئے۔ دنیا کی خبریں اس کونے سے اُس کونے تک پہنچنے لگیں۔ اسٹیم اور بھاپ کی دریافت سے ریل گاڑیوں کا نظام قائم ہوا۔ زمین کے اندر سے گیس اور پٹرول نکلا تو موٹر کاریں زمین پر دوڑنے لگیں، لاسلکی نظام کے تحت دور دراز رہنے والے، رشتہ دار، پیارے دوست ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ انہوں نے بادوباراں کے نظام سے باخبر ہو کر ایسے انکشافات کئے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق حوادث سماوی سے محفوظ رہ سکے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ان مفکرین اور دانشوروں نے صحیف� ٔ کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین اور آیات کو اپنی اور نوعِ انسانی کی بہتری کے لئے استعمال کیا۔ ایجادات و ترقی اور علم و ہنر کا سورج آج جو مغرب میں روشن ہے، کبھی مشرق میں چمکتا تھا اور جب مشرقی اقوام نے بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم و ہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم و ہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"

(سورۃ الرعد۔ آیت 11)

قرآن اور مسلمان

ہم جب قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکؐ کو پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ قرآن

جس راہ کا تعین کرتا ہے اور مسلمان جس راستے پر چل رہا ہے یہ دونوں ایسی لکیریں ہیں جو آپس میں نہیں ملتیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اس کے اندر اپنی صفات کا علم پھونکا ہے، نائب کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اسکا نائب اختیارات استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔ مسلمان کے پاس ماورائی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے ،وہ اسی مناسبت سے مفلوکُ الحال ہے۔ مسلمان کے اسلاف نے اس کے لئے حاکمیت اور تسخیر کائنات کے بڑے بڑے خزانے ترکہ میں چھوڑے ہیں لیکن وہ بدنصیب قوم ہے جس نے ہیرے کو پتھر سمجھ کر قدر نہیں کی اور خزانے سے مستفیض ہونے کی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کیا یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مسلمان نے تفکر کی راہ چھوڑ دی ہے۔

کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری تسلیم کر رہا ہے، ہمارے اوپر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو محض برکت کی کتاب سمجھ کر طاقوں میں سجائے رکھتے ہیں اور قرآن پر صحیح طرح عمل نہیں کرتے
۔

قرآن میں تفکر اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس تفکر کے نتیجے میں میدان عمل میں اُتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری مسلم ہے۔ افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر ،نجوم،ارض وسماوات سب کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس حاکمیت کو حاصل کرنے کے طریقے بھی بتادیئے ہیں ۔ لیکن ہماری زندگی محض دنیا کے حصول تک محدود ہو گئی ہے۔ ہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے سمندر میں سے ایک قطرۂ آب بھی نہیں پیتے ۔ تسخیر کائنات کے فارمولوں کے ماہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

اے منافقو!

کلام نبوت سنو!

آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو!

حق کو مخلوق کے عوض بیچنے والو!

باقی کو فانی کے بدلے کاروبار کرنے والو!

تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے، تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے افسوس تم پر، تم اللہ تعالیٰ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔

تزکیہ نفس

"خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی اے میرے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول بھیجئے، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔" (سورۃ البقرۃ۔ آیت 129)

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہی ہے جس نے اُمیّوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اُٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگیاں سنوارتا ہے۔ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور (اس رسول کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں۔" (سورۃ الجمعہ۔ آیت 2)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

"میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعثتِ نبویؐ سے پہلے ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا تھا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا:

"میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔"

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ بیان کیا اس میں یہ تسلیم کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ پاک دامنی اختیار کریں۔ سچ بولیں اور قرابت داروں کا حق ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں فرمایا:

"ہم نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات کھول کر سناتا ہے، تمھاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 151)

تزکیہ کے لفظی معنی ہیں...........پاک صاف کرنا، نکھارنا!!.....

قرآن کریم کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کیا جائے
۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔ " (سورۃ شمس۔ آیت 9 تا 10)
"فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیز گی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یا د کیا پھر نماز قائم کی۔ "(سورۃ اعلیٰ۔ آیت 14 تا 15)
"ناخوش ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو؟ "

(سورۃ عبس۔ آیت 1 تا 4)

"اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانہ ہو گی۔ "

(سورۃ النزعت۔ آیت 40 تا 41)

"اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ دے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو، کیونکہ تمھاری دعا ان کیلئے وجہ تسکین ہو گی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ۔"(سورۃ التوبہ۔ آیت 103)
ان آیاتِ میں تزکیہ کا مفہوم واضح ہے جسے پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات قرار دیا ہے۔ یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کا سب سے بڑا منصب یہ تھا کہ وہ انسانی نفوس کو برائیوں، نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کریں اور ان کے اخلاق واعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ تزکیہ نفس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایثار و قربانی، جذبہ اخوت و بھائی چارے پر مبنی ایک منصفانہ، منظم متوازن اور مستحکم معاشرے کے قیام کے لئے فرد کی شخصیت کی تعمیر اور کردار سازی کے لئے کتاب کی تعلیم دینے اور حکمت عطا فرمانے سے قبل انسانوں کے تزکیہ کا اہتمام فرمایا۔ حضرت جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تم میں سے جو لوگ مجھے زیادہ محبوب ہیں اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب بیٹھنے والے ہوں گے وہ لوگ وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں۔ "

تعلیم کتاب

قرآن پاک میں مختلف مقامات پر قرآن کی تلاوت کے ساتھ تعلیم کتاب کا ذکر ہے۔

"میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔ "

(سورۃ المائدہ۔ آیت110)

"یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمھیں کتاب اور حکمت سے نوازا ہے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 81)

"اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمھیں معلوم نہ تھا۔"(سورۃ النساء۔ آیت 113)

"وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام اور خیال رکھو۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت 231)

"ہم نے تو ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی۔" (سورۃ النساء۔ آیت54)

غور طلب بات یہ ہے کہ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب وہ کونسی تعلیم ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرائض منصب کا حصہ ہے؟

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ سنا دینا اور پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں بلکہ الفاظِ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا کام تھا، اس کے معنی مطالب کو حل کرنے اور اپنے قول و عمل سے ان کی تشریح، تفسیر اور اسرار و رموز سکھانے کا نام تعلیم کتاب ہے۔"

تعلیم کتاب کا مفہوم

"آدم کی نافرمانی اسے جنت سے دنیا میں لے آئی یعنی جنت کی سرزمین نے آدم کو اس کی کمزوریوں کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا آدم کا اصل مقام جنت ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں بھیجنے سے پہلے رکھا تھا۔ دنیا میں آنے کے بعد دوبارہ جنت میں جانے کے لئے ضروری ہے کہ آدم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لے اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علوم کا جاننا ضروری ہے اور اسمائے الٰہیہ کے ان علوم سے واقف ہونا ضروری ہے جن کی بنیاد پر آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے یہ علوم تعلیم کتاب یا علم لدنی کہلاتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حضرت سلیمانؑ کا واقعہ بیان فرماتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے کہا!

"میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے پہنچنے سے پہلے اس کا تختِ شاہی دربار میں آجائے۔ "(سورۃ النمل۔ آیت38)

عفریت نے کہا جو قومِ جنات میں سے تھا:

"اس سے پہلے کے آپ دربار برخاست کریں میں یہ تخت لا سکتا ہوں۔"

(سورۃ النمل۔ آیت 39)

جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا:

"اس سے پہلے آپ کی پلک جھپکے تخت دربار میں موجود ہوگا۔" (سورۃ النمل۔ آیت 40)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو ملکہ سبا کا تخت دربار میں موجود تھا۔ حالانکہ یمن سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو میل ہے۔ اس قصہ میں یہ حکمت بیان ہوئی ہے کہ جو انسان کتاب کا علم جانتا ہے زمان و مکان (Time & Space) اسکے تابع فرمان ہو جاتے ہیں اور اسکی روشن مثال یہ ہے کہ دربار میں موجود ایک انسان پلک جھپکتے ملکہ سبا کا تخت دربار میں لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن پاک میں تمام علوم موجود ہیں جن سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں اور اس میں نبی ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ہر بندہ کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے۔ اب اس صلاحیت کو اگر کوئی بندہ ٹھکرا دے اور یہ سمجھے کہ میری کیا حقیقت ہے؟ کہ میں اس علم کو سمجھ سکوں، یہ سوچ اسلئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق نے حضرت سلیمانؑ کے قصے میں بندہ کا تذکرہ کر کے انسان کے لئے یہ علوم عام کر دیئے ہیں بشرط یہ ہے کہ وہ تفکر سے کام لے۔

قرآن حکیم میں دوسرا واقعہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا بیان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"موسیٰؑ نے کہا اس کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ وہ دونوں اپنے نقوشِ قدم پر واپس ہوئے اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے علم لدنی عطا کیا تھا۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا" کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔"

(سورۃ الکھف۔ آیت 64 تا 66)

حضرت داودؑ اور حضرت سلیمانؑ کی نسبت قرآن حکیم میں ارشاد ہے

"اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضلیت عطا کی۔"

(سورۃ نمل۔ آیت 15)

حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بیان کرنے سے قبل فرمایا:

"یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کئے ہیں۔"

(سورۃ یوسف۔ آیت 37)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت نائب خصوصی علم کتاب عطا کیا ہے اور یہی انبیاء کا ورثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام پر دین کی تکمیل فرمائی اور اپنی تمام نعمتیں عطا کیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔ بحر و بر، شجر و حجر، سماوات اور زمین کے حاکم ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی نیابت کے تحت تمام اختیارات حاصل ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا ورثہ اللہ تعالیٰ کے وہ علوم ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ''علم الاسماء'' اور ''علم کتاب'' یعنی علم لدنی کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

اسلام کا پہلا دور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام اور صحابہ کرامؓ کا دور ہے۔ صحابہ کرامؓ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے تربیت یافتہ تھے۔ انھیں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی نسبت سے خصوصی علوم منتقل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تم پر ابو بکر کو فضیلت اس علم کی وجہ سے ہے جو اس کے سینے میں ہے۔''

حضرت علیؓ کے بارے میں ارشاد ہے:

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' (جامع ترمذی، جلد دوم۔ حدیث 165)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

مجھے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام سے دو علوم ملے۔ ایک وہ ہیں جو میں نے ظاہر کر دیئے ہیں اور دوسرے علوم وہ ہیں جن کو میں ظاہر کر دوں تو تم میری گردن اڑا دوگے۔ (صحیح بخاری، جلد اول۔ حدیث 121)

بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے ان تربیت یافتہ حضرات کے سینے علوم سے لبریز تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے صحابہؓ کی ایک خاص جماعت اصحاب صفہ ہے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے عشق و محبت میں دنیا کی ہر شے کی نفی کر دی تھی۔ ان لوگوں کے لئے مسجد نبویؐ میں ایک چبوترہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ محترم حضرات حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی سرپرستی میں عبادت و ریاضت اور مجاہدہ نفس میں مصروف رہتے تھے۔ علوم کا حصول ہی ان کی توجہ کا مرکز تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام انہیں پسند فرماتے تھے اور ان کے ساتھ نشست و برخاست فرماتے تھے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے اور لوگوں کو اصحاب صفہ کا خیال رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اصحاب صفہ نے علوم پھیلانے کے لئے مینارہ نور کا کردار ادا کیا۔ جس کی روشنی میں لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا آسان ہو گیا۔ صحابہؓ کے بعد یہ علوم تابعین نے حاصل کئے اور تابعین کے بعد جن لوگوں نے علوم حاصل کرنے کی جدوجہد کی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستے کھول دیئے۔

''اور جن لوگوں نے محنتیں کیں ہماری راہ میں ہم ان کو ضرور دکھائیں گے اپنے راستے اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہیں۔'' (سورۃ العنکبوت۔ آیت 69)

تعلیم حکمت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصب ہے کہ اپنی امت کو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

"تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 151)

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں کہ حکیم اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب بھی حکیم ہے۔ جیسا کہ قرآن کے الفاظ ہیں

"یٰسین قسم ہے قرآن حکیم کی۔" (سورۃ یٰسین۔ آیت 1 تا 2)

حکمت کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی۔ "دانائی، عقل، ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے کا علم" ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ

"لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر انکی اصلاح (تزکیہ نفس) کر کے انہیں علوم سے آراستہ کرنے کے بعد ان میں بصیرت و دانشمندی کے اوصاف بیدار کرتے ہیں۔"

حکمت کا لفظ نور کی صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ودیعت کیا گیا ہے۔ جس کے آثار و مظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے احکام و سنت کی صورت میں ظاہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ اللہ کا شکر گزار ہو۔" (سورۃ لقمان۔ آیت 12)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں اخلاق کے مرتبے کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو حیثیت حاصل ہے، اخلاق کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے رب کی بندگی کرو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (سورۃ الحج۔ آیت 77)

عبادات کا کردار

حقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات اور تعلقات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم ہیں اس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک وبد بندے پر بند نہیں ہوتا۔ شرک وکفر کے سوا ہر گناہ قابلِ معافی ہے۔ مگر حقوق العباد کی معافی اللہ تعالیٰ نے اُن بندوں کے لئے مخصوص کی ہے جن کی حق تلفی ہوئی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا تو ظالم بھائی کو چاہیئے کہ وہ اس دنیا میں ظلم کو معاف کرالے ورنہ یومِ حساب میں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم ودینار نہیں ہوگا،

صرف اعمال ہونگے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور مظلوم کے اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔''

ارکان اسلام

بے سمجھ واعظوں اور ابن الوقت مذہبی دانشوروں کی غلط بیانی سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ اسلام کی بنیاد صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ چار ستونوں پر کھڑی ہوئی اسلام کی اس عمارت میں اخلاقِ حسنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اور عبادات سے اخلاقِ حسنہ کی ہی تکمیل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نماز کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے۔ زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس ہے اور حج ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ ہیں مگر ان کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔

اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمر حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ احکامِ الٰہی کی حقیقی تعمیل نہیں ہوئی۔ یہ عبادات ایسا درخت ہیں جس میں پھل نہیں آتا، ایسے پھول ہیں جس میں خوشبو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ نماز اس وقت ادا کرنی چاہیئے جب تم سمجھو کہ کیا کہہ رہے ہو۔'' (سورۃ النساء۔ آیت 43)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے (نعوذباللہ) ایسی نماز بندے کو اللہ سے دور کر دیتی ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"روزہ رکھ کر جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے اللہ کو اس کے روزہ کی ضرورت نہیں ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔"

"اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔" (سورۃ مومنون۔ آیت 8)

غور کرنے پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقرب الٰہی اور دعا کی قبولیت کے بہترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ سے حسنِ اخلاق کے لئے درخواست کی ہے۔

مومن یہ بات جانتا ہے کہ ایمان میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"مسلمانوں میں کامل ایمان اسکا ہے جسکا اخلاق سب سے اچھا ہے۔"

"حسنِ اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔"

خصائص نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

رحمتہ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ یوم جزا کا مالک ہے۔(سورۃ الفاتحہ۔ آیت 1 تا 3)

رب کی تشریح یہ ہے کہ ایسی ہستی جو عالمین کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل پیدا کرتی ہے۔

ان وسائل کی تقسیم ایثار، محبت اور رحمت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ان وسائل کی تقسیم میں عدل و انصاف اور توازن بر قرار رہتا ہے۔ ربوبیت پر غور کیا جائے تو وسائل کی پیدائش سامنے آتی ہے کیونکہ انسان اور زمین کے اوپر موجود تمام مخلوقات وسائل کی محتاج ہیں اگر مخلوقات کے لئے وسائل مہیانہ کئے جائیں تو مخلوق کی زندگی موت میں تبدیل ہو جائے۔

وسائل سے مراد زمین، پانی، آسمان، بارش، ہوا، دھوپ، پھل، اناج، فضا، مختلف گیسز، معدنیات، جمادات، نباتات ہیں۔ آکسیجن یا ہوا کے بغیر زندگی کا تصور نہیں قائم ہوتا۔

بے شک سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے عالمین کے لئے وسائل پیدا کیے اور صفت رحمت کے ساتھ ان وسائل کو عدل و توازن کے ساتھ قائم رکھا ہوا ہے۔ نوع انسانی اور زمین پر آباد تمام مخلوقات ان وسائل سے فیضیاب ہوتی ہیں۔ ان وسائل کے بغیر زندگی کا تصور قائم نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی کی بقا اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے جو وسائل ہمیں میسر ہیں ان وسائل کی ایک خاص تقسیم ہے۔ مثلاً ہم ہوا استعمال کرتے ہیں اگر ہوا میں توازن نہ رہے اور ہوا کے طوفان آجائیں تو ہماری زندگی تہس نہس ہو جائے گی ہوا میں اگر آکسیجن کی مقدار قائم نہ رہے تو ہم زندہ نہیں رہیں گے۔ اسی طرح اگر پانی کی تقسیم میں توازن نہ رہے تو پانی کا طوفان آجائے گا، سیلاب میں انسان کی زندگی قائم نہیں رہتی بلکہ دنیا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ وسائل کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں توازن ہو تا کہ زندگی تباہ و برباد نہ ہو اور وسائل مخلوق کیلئے راحت و عافیت کا سبب بنیں۔ مخلوق کو آرام و آسائش مہیا کرنے کیلئے بھی ضروری ہے کہ ان وسائل کو رحمت کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔

ہر مخلوق وسائل کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ وسائل کی احتیاج سے ماورا ہیں۔ رب العالمین نے جب کائنات بنائی اور اس کائنات کے لئے وسائل پیدا کئے تو پھر رب کائنات نے چاہا کہ وسائل تقسیم کرنے والی ہستی مخلوق ہو۔ اللہ تعالیٰ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ نہ انہیں گھر کی ضرورت ہے۔ انکا کوئی باپ ہے نہ ان کی کوئی ماں ہے۔ نہ ان کی کوئی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے الحمدللہ رب العالمین کی صفت بیان فرمائی ہے جو عالمین کیلئے وسائل پیدا کرتا ہے۔ عالمین وسائل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ وسائل کی احتیاج تغیر کی نشانی ہے۔ اگر وسائل کی احتیاج ختم ہو جائے تو تغیر بھی ختم ہو جائے گا۔ وسائل کی تقسیم میں یہ بات بنیاد ہے کہ وسائل کی تقسیم وہ کرے جو وسائل کی احتیاج سے آشنا ہو اور جو وسائل کی ضرورت، حصول و استعمال کی صفات رکھتا ہو۔ وسائل کی تقسیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہستی پیدا فرمائی جس کے اندر وسائل کی حاجت رکھ دی اور جس کے اندر تقاضے پیدا کر دیئے کہ وہ وسائل استعمال کرے۔

اللہ تعالیٰ نے وسائل تقسیم کرنے والی اس ہستی کیلئے فرمایا:

"اے نبی! ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃ الانبیاء۔ آیت 107)

اللہ نے کائنات بنائی، ضروریات اور احتیاج پیدا کیں اور وسائل پیدا فرمائے۔ ان وسائل کی تقسیم کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمت اللعالمین بنایا اور اپنے محبوب بندے کے اندر وسائل کی احتیاج رکھی کیونکہ اللہ تعالیٰ۔۔۔ خالق اکبر ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں وسائل تقسیم کرنے کے لئے جس ذات کا انتخاب فرمایا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہاں غور و فکر کی ضرورت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے رحمت اللعالمین فرمایا ہے۔۔۔

کائنات ایک دنیا کا نام نہیں ہے بلکہ ہماری دنیا کی طرح اربوں دنیائیں ہیں۔۔۔

*۔۔۔ایک کتاب المبین ہے۔

قرآن کریم میں کتاب المبین کا تذکرہ اس طرح ہے:

"الر تلک آیت الکتاب المبین" (سورۃ یوسف۔ آیت 1)

*۔۔۔پھر لوح محفوظ ہے۔

"بل ھو قرآن مجید۔ فی لوح محفوظ" (سورۃ البروج۔ آیت 21 تا 22)

سیدنا محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اہلِ بیت اور علم لدنی کے حامل اولیاء اللہ روحانی علوم کی تشریح میں فرماتے ہیں:

*۔۔۔ایک کتاب المبین میں۔۔۔ تیس کروڑ لوحِ محفوظ ہیں۔

*۔۔۔ہر لوحِ محفوظ میں اسّی ہزار حضیرے ہیں۔

*۔۔۔ہر حضیرے میں ایک کھرب سے زائد مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام ہیں۔

*۔۔۔ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج Star کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔

سپر کمپیوٹر میں بھی حساب نہیں لگایا جاسکتا کہ ایک کتاب المبین میں کل کتنی زمینیں۔۔۔ کہکشانی نظام۔۔۔ چاند اور سورج کی زندگیاں ریکارڈ ہیں۔۔۔

ان عالمین میں انسانوں جیسی مخلوق بھی ہے جنات اور دیگر مخلوقات بھی آباد ہیں۔ کہیں مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے۔ کہیں سیاہ ہے اور کہیں نورانی ہے۔ ہر آبادی میں زندگی کی طرزیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح زمین پر موجود ہیں۔ بھوک، پیاس، خواب، بیداری، محبت، غصہ، جنس، افزائش نسل وغیرہ۔ زندگی کا تقاضہ، ہر جذبہ اور ہر طرز ہر سیارہ میں جاری و ساری ہے۔ ہر نظام میں الگ الگ سماوات، ارض، جبال، حیوانات، جمادات، نباتات، وغیرہ اسی طرح موجود ہیں جس طرح ہم اپنے نظام میں دیکھتے ہیں۔ ان تمام عالمین میں جہاں کہیں بھی یہ بے شمار مخلوقات آباد ہیں وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت اللعالمین ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مادی دنیا میں بشر ہیں اور اس دنیا میں جہاں روشنی کی مخلوق آباد ہے۔ فرشتوں کی دنیا میں جہاں نورانی مخلوق آباد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت نور بشر ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس عالم میں ہیں چاہے وہ مادی عالم ہو،

روشنی کا عالم ہو یا ٹرانسپیرنٹ عالم ہو، بحیثیت بشر کے موجود ہیں اور ان عالمین میں اللہ کی تجلیات و انوار مہیا کرنے کی حیثیت سے نور بھی ہیں۔

اول ماخلق اللہ نوری

الفاظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف بیان نہیں ہوسکتی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :
"اے نبی! کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کریں۔" (سورۃ الکھف۔ آیت 109)

اللہ تعالیٰ، رب العالمین ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، رحمت اللعالمین ہیں۔ رب اللعالمین کے کلمات اور رحمت کی باتیں بھی ختم نہیں ہوتیں اور اگر رحمت اللعالمین کی رحمت کو تلاش کیا جائے تو سارے الفاظ ختم ہو جائیں گے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف باقی رہے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت اللعالمین ہیں لہٰذا اس نسبت سے جب مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتا ہے اور کلمہ پڑھ کر اپنی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قائم کرلیتا ہے تو مسلمان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی 'نسبتِ رحمت' منتقل ہو جاتی ہے۔ ہر مسلمان چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک روحانی، قلبی اور ظاہری رشتہ رکھتا ہے اس لئے اس کے اندر یہ صفات منتقل ہو جاتی ہیں۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمین کے لئے رحمت ہیں اسی طرح ہر مسلمان کو پوری نوع انسانی کیلئے رحمت کا ایک چلتا پھرتا کردار ہونا چاہیئے۔

جب انسان کے اندر رحمت ہوتی ہے تو اس کے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ نفرت سے پاک ہو جاتا ہے حسد، کینہ، بغض اور غرور و تکبر کی جگہ محبت آجاتی ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات ہیں اور یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس اسوہ حسنہ کی بنیاد اللہ کی قربت اور نسبت ہے۔

درود و سلام

"اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔" (سورۃ احزاب۔ آیت 56)

درود کے لفظی معنی ہیں رحمت، برکت، بخشش کی دعا، سلام، تسبیح اور تعریف۔ درود فارسی کا لفظ ہے۔ عربی میں ہم صلی اللہ کہتے ہیں۔

عربی لغت میں 'صل' کے مادہ سے بنے ہوئے تمام الفاظ یہ ہیں۔ اتصال، ایصال، وصل، وصال، صلوٰۃ اور مصلیٰ۔۔۔ اور ان تمام الفاظ کے مفاہیم میں جو چیز مشترک ہے وہ ہے 'ربط اور تعلق'۔ اس طرح درود شریف کا مفہوم ہے "اے اللہ! آپ اپنے حبیب حضور

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میرا تعلق جوڑ دیں۔" اس کا مطلب ہے کہ جو بات ماننے والے لوگ ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اپنا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس طرح استوار کر لیں جس میں مکمل خود سپردگی ہو۔ اس خود سپردگی میں کوئی کمی یا کوتاہی نہ ہو اس طرح درود و سلام پڑھنے سے بندے کا تعلق اور ربط اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قائم ہو جاتا ہے۔ درود شریف کا پڑھنا اپنی ناتوانی کا اظہار اور خواہش تعلق کی ایک درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت کس طرح ہونی چاہیئے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 80)

درود و سلام میں ایک بہت ہی لطیف بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا حکم اہل ایمان کو براہِ راست دے کر انہیں ان امور کا پابند فرمایا۔ لیکن درود شریف کا واحد حکم ہے کہ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں، جس سے ظاہر فرمایا کہ اے اہل ایمان خبر دار ہو جاؤ اور اچھی طرح غور کر لو کہ اب جس امر کا تمھیں حکم دیا جانے والا ہے وہ بہت ہی اہم ہے اور سوائے درود شریف کے حکم کے قرآن مجید میں دیئے جانے والے احکام میں سے کوئی ایسا امر موجود نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں محسن اعظم کے احسان کے بدلہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا حکم دیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر ہم پر کسی کا احسان نہیں۔ ہم چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسان کے بدلہ سے عاجز ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ (مسلم)

علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک نام کو اپنے پاک نام کے ساتھ جس طرح کلمہ شہادت میں شریک کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کو اپنے درود کے ساتھ شریک کیا۔ لہٰذا جیسا کہ اپنے ذکر کے متعلق فرمایا: تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد رکھوں گا ایسے ہی درود شریف کے متعلق ارشاد فرمایا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سلام عرض کرنے والوں کی التجاؤں کو سنتے ہیں۔ مواہب لدینہ میں حدیث پاک ہے:

اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میرے سامنے کر دی لہٰذا میں ساری دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے سب کا سب یوں دیکھ رہا ہوں جیسے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (طبرانی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی برگزیدہ ہستی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے فرشتے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور مومنین سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور محبت کرنے والی شفیق ہستی ہیں اور وہ رحیم و کریم ہیں اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت و عقیدت رکھنے والے امتی کی ضرور بخشش فرمائیں گے۔ مسلمانوں پر درود شریف پڑھنا فرض کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ادب و احترام کے ساتھ اور کثرت کے ساتھ درود و سلام بھیجیں کیونکہ درود و سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مضبوط تعلق کا اظہار ہے اور جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت اور احترام کا مضبوط رشتہ قائم نہ ہو۔ ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی۔

"جب درود و سلام کی آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور پر انار کے دانوں کی طرح سرخی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا "یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم چاہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں اس آیت کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔" (نزہتہ المجالس جلد دوئم صفحہ 119)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تم لوگوں نے مجھ سے ایک علم مکنون اور پوشیدہ راز کی بات پوچھ لی ہے۔ اگر نہ پوچھتے تو میں تاحیات اظہار نہیں کرتا۔ ہاں سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے دو دو فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی مومن بندہ میرا نام سنے اور مجھ پر درود بھیجے تو دونوں فرشتے بول اٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت فرمائے ان فرشتوں کی درخواست پر اللہ تعالی بذاتِ خود تمام فرشتوں کے ساتھ فرماتا ہے آمین۔

"ایک موقع پر ارشاد فرمایا "جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے مجھے اس کا درود پہنچتا ہے۔ میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو تمھارا درود لے کر میرے پاس اس طرح آتا ہے جس طرح کوئی تمھارے پاس تحائف لے کر آتا ہے اور وہ عرض کرتا ہے کہ درود پڑھنے والے کا یہ نام ہے، یہ نسب ہے اور یہ خاندان ہے پھر میرے پاس موجود سفید صحیفے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھنا اور بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں درود و سلام کے نذرانے پیش کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پیش کرنے والے سعید افرد کی دعائیں قبول ہوئیں، مسائل حل ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت بابرکات نصیب ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر عنایت عطا ہوئی۔

علامہ طبرانی کہتے ہیں کہ "مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے بہت محبت و عقیدت سے ایک درود شریف سنایا اسے سنتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس پر مسکراہٹ تھی میں نے دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسرور ہیں حتیٰ کے مجھے دندان مبارک نظر آئے دندان مبارک سے نور دمک رہا تھا۔"

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر کرتے ہیں "ہم ایک بار درود شریف پڑھتے ہیں تو درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمتیں بھیجتے ہیں۔ دس درجات بلند کرتے ہیں۔ دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ درودِ پاک سبب قبولیت دعا ہے۔ اسکے پڑھنے سے شفاعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واجب ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باب جنت پر قرب نصیب ہو گا۔ درود پاک تمام پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اور تمام حاجات کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔ درود پاک گناہوں کا کفارہ ہے۔ درود شریف کی برکت سے مصیبتیں ٹلتی ہیں، بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے خوف دور ہوتا ہے۔ ظلم سے نجات حاصل ہوتی ہے اور دلوں میں اس کی محبت قائم ہوتی ہے۔ فرشتے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اعمال کی تکمیل ہوتی ہے۔ دل و جان اور ذات و مال کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ درود پڑھنے والا خوش حال ہوتا ہے۔ اولاد سعید ہوتی ہے۔ سکرات موت میں آسانی ہو جاتی ہے۔ دنیا کی تباہ کاریوں سے نجات ملتی ہے اور نجات حاصل ہوتی ہے۔۔ ملائکہ درود پاک پڑھنے والے کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ عظیم تر سعادت یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کا نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے تاجدارِ مدینہ حبیب کبریا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت بڑھتی ہے۔ محاسن نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دل میں گھر کر جاتے ہیں اور کثرت درود شریف سے صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور دل میں گھر کر جاتا ہے اور خوش نصیبوں کو درجہ قربت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام حاصل ہوتا ہے اور خواب میں سلطان الانبیاء والمرسلین رحمت العالمین حضور پر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار فیضِ آثار نصیب ہوتا ہے۔ قیامت کے دن تاجدارِ مدینہ سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہو گی۔ فرشتے مرحبا کہتے ہیں اور محبت رکھتے ہیں۔" (جذب القلوب۔ باب 7 صفحہ 266)

احیاء العلوم میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اے نمازی جب تو قعدہ میں بیٹھے تو تو اپنے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر جان کر یوں عرض کر "اے اللہ تعالیٰ کے نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوں۔ (احیاء العلوم)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ " میں تم لوگوں کو آگاہ نہ کر دوں کہ سب سے بڑا بخیل کون ہے تو مجلس میں موجود صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان: ہمیں ضرور آگاہ فرمایئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو میرا نام سن کر مجھ پر درود نہیں بھیجتا۔" (کتب احادیث)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص میرے روضہ پر حاضر ہو کر مجھ پر درود بھیجے میں خود اسے سنتا ہوں اور جو درود پڑھے مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔"

(ابن قیم جوزی، جلاء الافہام۔ تہذیب التہذیب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ دس نیکیاں اس کے لئے لکھی جاتی ہیں۔"

ان تمام اور ان جیسے دوسرے بے شمار واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عقیدت و احترام اور محبت کے ساتھ درود و سلام پڑھنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روحانی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے امتی کو پہچانتے اور التفات فرماتے ہیں۔ دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پیش کرنے کا بنیادی مقصد ہی یہی قلبی تعلق اور نسبت قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں۔ صلوٰۃ کا مفہوم اہل روحانیت ربط اور تعلق فرماتے ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روحانی تعلق اور رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اوپر بیان کردہ واقعات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ درود شریف کی بدولت خاص نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بندہ کے درمیان قائم ہو جاتی ہے۔ سلف صالحین نے درود شریف پڑھنے کے کچھ آداب بیان کئے ہیں درود شریف پڑھتے ہوئے خاص اہتمام کیا جانا ضروری ہے یعنی پاک و صاف لباس زیب تن کیجئے، جسم کو پاک کیجئے، ماحول کو خوشبو میں بسایئے اور ادب و احترام کے ساتھ درود شروع کیجئے، بے وضو درود شریف پڑھنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ درود شریف کا ترجمہ ضرور یاد کیجئے کیونکہ اس سے قلبی تعلق اور حضوری کی کیفیت طاری ہونے میں آسانی رہتی ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وسلم

اے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجئے۔

شق صدر کی حکمت

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ کے ساتھ بھیڑیں چرانے گئے ہوئے تھے۔ عبد اللہ دوڑتا ہوا اماں حلیمہؓ کے پاس آیا اور چلّا کر کہا،

"اماں جان! جلدی آیئے میرے قریشی بھائی کو دو اجنبی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

یہ سن کر اماں حلیمہؓ اور ان کے شوہر بھاگ کر چراگاہ پہنچے تو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ اماں حلیمہؓ فرط محبت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لپٹ گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا:

"سفید لباس پہنے دو اجنبی شخص میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ ایک نے میرے پیٹ کو سینے تک چاک کر دیا۔ پھر اس نے میرے سینے سے دل نکالا اور اس میں سے خون کا ایک سیاہ قطرہ نکال کر پھینک دیا۔ پھر دوسرا شخص آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کی طرح پانی سے بھرا ہوا طشت تھا اس نے میرے دل کو دھو کر سینے میں واپس رکھ دیا اور دل پر مہر لگا کر پیٹ اور سینے کو سی دیا۔"

اماں حلیمہؓ اور ان کے شوہر نے حیران ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کیونکہ نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس پر خون کا کوئی دھبہ تھا اور نہ جسم پر کوئی نشان تھا۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں کو روحانی علوم عطا ہوئے ہیں وہ شق صدر کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

انسان ستر ہزار پرت کا مجموعہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کوئی انسان عالم سماوات سے عالم عنصری پر آتا ہے تو اس کے اوپر ایک ایسا پرت غالب آجاتا ہے جس میں سرکشی، بغاوت، عدم تعمیل، کفران نعمت، ناشکری، جلد بازی، شک بے یقینی اور وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے پھر پھینک دیا اسفل سافلین میں۔

"پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچا کر دیا۔" (سورۃ التین۔ آیت 5)

انبیاؑ نوع انسانی کا جوہر ہیں ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمتیں، عنایتیں اور نوازشیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انبیاؑ کے دل کو اسفل خامیوں سے پاک کر کے لالچ اور حرص و طمع سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں انبیاؑ کے قلوب ایمان و ایقان، علم و دانش، عرفان و آگہی اور انوار الٰہیہ سے منور ہو جاتے ہیں۔ ہدایت، معرفت، عظمت، اخلاص، رحمت، علم و حکمت اور نبوت کیلئے ان کے دلوں کو کشادہ اور وسیع کر دیا جاتا ہے۔ نورِ نبوت کے زیر اثر روحانی علم مشاہداتی علم ہے۔ اس علم کی روشنی میں انسان کی تخلیق کے بنیادی عناصر نور اور روشنی سے مرکب ہیں۔ دنیا چھ سمتوں پر قائم ہے۔ یہ چھ سمتیں نور اور روشنی کے ہالے میں بند ہیں۔ چھ سمتیں دراصل تین یونٹ ہیں اور ہر یونٹ کے دورخ ہیں۔ روشنی مرکب، روشنی مفرد، روشنی مطلق، نور مرکب، نور مفرد اور نور مطلق۔ اسفل زندگی روشنی مرکب ہے اور اسکا مخزن پیٹ میں ناف کے مقام اور سینے میں قلب کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کے اوپر چونکہ تمام نعمتیں پوری کی ہیں اور ان کے اوپر دین کی تکمیل کر دی ہے اس لئے عمر میں جب شعور اسفل زندگی کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے اور اسفل زندگی میں دلچسپی لینا شروع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیجے اور ننھے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسفل خیالات کے پیٹرن کو خالی کر کے اعلیٰ علیین خیالات سے بھر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(اے نبی) کیا ہم نے تمھارا سینہ تمھارے لئے کھول نہیں دیا؟ (سورۂ انشراح۔ آیت 1)

یعنی انوار الٰہی کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک اطمینان اور سکون سے بھر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے سچائیوں، نیکیوں اور پاکیزہ خیالات کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے سرور قلب عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی و نگہبانی کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرورش ہوتی رہی۔ دنیا کے نشیب و فراز سے وقوف حاصل کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی، پاکیزگی اور یقین میں جلوہ گر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی ہمیں اس بات پر تفکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ باعث تخلیق کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا دور بچپن سے شروع ہوا ہے۔ چار برس کی عمر میں روح القدس فرشتے کے ذریعے قلب مبارک کی صفائی اس بات کی نشاندہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر امتی اس بات کا

پابند ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش میں اس قانون کا پابند رہے اور پاکیزگی کا اہتمام کرے تا کہ اسفل حواس شعوری زندگی پر غالب نہ آئیں اور بچے کے اندر پیغمبرانہ طرز فکر مستحکم طریقے پر منتقل ہو جائے۔

بتایا جاتا ہے کہ سورج زمین سے نو کروڑ میل کے فاصلے پر ہے۔ جب کوئی شخص سورج کو دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی میں نو کروڑ میل دور دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار برس کی عمر میں حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"ہم نے اسکو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔" (سورۃ القدر)

روحانی قانون کے مطابق لیلۃ القدر میں حواس کی رفتار ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے اور جب حواس کی رفتار ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے تو نظروں کے سامنے فرشتے اور جبرائیلؑ آجاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ فضیلت ہے کہ عام انسانی حواس کی رفتار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذہنی صلاحیت ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ

"اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔" (سورۃ الفتح۔ آیت 10)

٦ھ کا سب سے اہم واقعہ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان ہے۔ اس سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرے کی نیت سے اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ہمراہ مکہ تشریف فرما ہوئے حدیبیہ کے مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام فرمایا۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور مذاکرات کیلئے وقتاً فوقتاً اپنے قاصد روانہ کئے۔

مسلمانوں کے سفیر

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جب قریش سے ملاقات کی تو اہل مکہ نے کہا:

"آپ ہمارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کعبہ کا طواف کریں اور عمرہ ادا کریں لیکن محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔"

کور چشم قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہو گئی اس دوران مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت الرضوان

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے کہ آخری دم تک وفادار رہے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ فرمایا اور اپنے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی۔

"اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو وفا کرے گا۔ جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔" (سورۃ الفتح۔ آیت 10)

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔"

(سورۃ۔ الفتح آیت 18)

"خرید لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال اور اسکے بدلے ہی انکے لئے جنت ہے۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت 111)

بیعت ایک اصطلاح ہے۔ بیعت کے معنی "خود کو بیچ دینے یا فروخت کر دینا" ہیں۔ بیعت دراصل ایک روحانی شاگردی ہے۔ روحانی علوم کو سیکھنے کے لئے جب آپ کسی روحانی استاد کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر استاد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرنے کا عہد کیا جاتا ہے تو یہ بیعت کہلاتی ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں باریابی کا وسیلہ تلاش کرو۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 35)
شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ طریقت بھی مرید کیلئے نیک اعمال کرانے کا یا صراطِ مستقیم پر چلانے کا اور عرفان ذات کے بعد عرفان الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدینؒ، اور تمام اولیاء کرام، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل اور حضرت مجدد الف ثانیؒ مولانا رومؒ، حضرت فرید الدین عطارؒ، علامہ اقبالؒ اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ لفظ وسیلہ سے مراد "شیخ" بتاتے ہیں۔

قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ کی سنت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ چوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیغمبری ختم ہو چکی ہے، اس لئے فیضانِ

نبوت کو جاری و ساری رکھنے کیلئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اولیاء اللہ کا ایک سلسلہ قائم ہوا جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم آشنا زندگی سے مانوس ہوتے ہیں۔''

(سورۃ یونس۔ آیت 62)

بنیادی طور پر دو طرح کے علوم ہیں علم ظاہر اور علم باطن یا علم شریعت اور علم طریقت۔ انہیں علم حصولی اور علم حضوری بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان دونوں علوم میں قدر مشترک یہ ہے کہ علم ظاہر ہو یا علم باطن دونوں کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح دنیاوی علوم کا استاد شاگرد کو اپنا علم منتقل کرتا ہے اسی طرح روحانی استاد اپنے شاگرد کو، دین کی حقیقتوں کو پہچاننے کا طرز، ادراک اور تعلیمات منتقل کرتا ہے۔ جس طرح ظاہری یا مادی علوم مثلاً میڈیکل سائنس، وکالت، انجینئرنگ اور اس جیسے دوسرے بے شمار علوم سیکھنے کے لئے استاد کی رہنمائی ضروری ہے اسی طرح روحانی علوم کی تفہیم کے لئے بھی استاد کا ہونا ضروری تسلیم کیا جاتا ہے۔

سچا روحانی استاد اپنے شاگرد کے اندر اللہ تعالیٰ سے ربط اور تعلق کے ذوق اور صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے۔ وہ اپنے شاگردوں کی اس طرح ذہن سازی کرتا ہے کہ اسکا ذہن زندگی کے مختلف معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہٹے اور اس کے اندر یہ طرز فکر مستحکم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر حرکت، ہر سانس اور سوچ کا مالک ہے۔

روحانی استاد کو تصوف میں مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔ روحانی علوم کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے عرفان کے لئے متعین کردہ راستہ اور روحانی (syllabus) کو سلسلۂ طریقت کہا جاتا ہے۔ کسی بھی علم کے حصول کے لئے رہنمائی ضروری ہے۔ پیغمبران علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لئے وحی اور ہدایت کے شارح اور ترجمان اور رہنمائی کا مرکز تھے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کا نزول نبی آخری الزماں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب اطہر پر ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف امت مسلمہ کیلئے بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے معلم، ہادی اور ہنما ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کیا۔ آئندہ کیلئے بھی ضروری تھا کہ ہر زمانہ میں ایسے خاصانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرز عمل اور طرز فکر کا مقدس فریضہ انجام دیں اور اللہ تعالیٰ سے قربت کا راستہ بتائیں۔ یہ سلسلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کے وارث علمائے حق نے جاری رکھا۔ ان میں علمائے شریعت اور علمائے طریقت دونوں شامل ہیں۔ علم شریعت اور علم طریقت کا اصل اصول یہ ہے کہ روح (انسان کی اصل) نور اور روشنیوں سے بنی ہوئی ہے جب تک روشنیوں کا انسان مادی جسم کو اپنا معمول بنائے رکھتا ہے انسان زندہ رہتا ہے اور جب روشنیوں کا انسان مادی عناصر سے بنے ہوئے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

شاگرد یا مرید ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ شیخ کی زندگی کے احوال و اعمال سے وہ مطمئن ہو اگر شاگرد اور شیخ میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو شاگرد کرنا یا شاگرد ہونا دونوں باتیں عقل و شعور کے خلاف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک شیخ اور شاگرد دونوں کے

مزاج، عادات وخصائل، نشست برخاست، وضع داری اور طریقت و شریعت میں پوری طرح مطابقت نہیں ہو گی بیعت کا فائدہ نہیں ہو گا۔ مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن فہم ہو اور شریعت کا پابند ہو۔

اطاعت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

"جو کچھ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ۔" (سورۃ الحشر۔ آیت 7)

اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا جارہا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر قول و عمل باعث اتباع ہے۔ قرآن کریم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ بھی بہت سے پیغمبرانؑ کا ذکر ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کے واقعات پڑھ کر یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جب بھی قوم نے اپنے پیغمبر کی بات سے انحراف کیا اور اپنی من مانی کی وہ تمام اقوام یا تو قطعی طور پر صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں یا پھر سالہاسال اللہ تعالیٰ کے عتاب کا شکار رہیں۔

قرآن کریم کا یہ قانون تمام پیغمبران سے متعلق ہے کہ جس دور میں جو پیغمبر آئے وہ عقل و شعور میں اپنی تمام قوم سے افضل تھے۔ ہر پیغمبر کا رابطہ خالق کے ساتھ براہِ راست تھا۔ ایسی صورت میں وہ کچھ بھی کہتے اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے کہتے رہے۔ جس نے ان کی بات مانی وہ دنیاو آخرت میں سرخرو ہوئے۔ جس نے نہیں مانی اس نے اپنی زندگی میں ہی نافرمانی کا نقصان دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہونے کی وجہ سے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی حضوری میں زندگی گزارتے ہیں۔ پیغمبرانؑ علوم کو بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ چونکہ دنیاوالوں تک جو علوم بھی پہنچے ہیں وہ تمام علوم پیغمبروں کے لائے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنادیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔" (سورۃ القمر۔ آیت 17)

اس جگہ سمجھنے سے مراد اس کے اندر بیان کردہ علوم کو اچھی طرح جان کر ان پر عمل کرنا بھی ہے۔

پہلے آدم جو اس دنیا میں تشریف لائے وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ حضرت آدمؑ کی نسل آج تک چلی آرہی ہے یعنی آدم وحوا کا شعور نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک آدم کے شعور کے مختلف ارتقائی مدارج ہیں۔ ہر دور میں پیغمبران علیہم السلام اس دور کے لوگوں کی اصلاح کیلئے تشریف لائے تاکہ انسانی شعور کی صحیح نشوونما ہوتی رہے۔ جس طرح دسویں جماعت کا طالبعلم گزشتہ نو جماعتوں کے علوم سے واقف ہوتا ہے کیونکہ وہ گذشتہ جماعتوں سے گزر کر ہی دسویں میں پہنچا ہے۔ یعنی اس کا تعلق گزشتہ نو جماعتوں کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ہر دور کے پیغمبر کا شعور گذشتہ ادوار کے لوگوں کی ذہنی سطح سے بھی واقف ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری پیغمبر ہونے کی حیثیت سے حضرت آدمؑ سے لے کر آخر تک کے نوع انسانی کے شعور سے واقف تھے۔ یہی

وجہ ہے کہ انہیں ہر دور اور ہر عالم کا اور ہر مخلوق کا پیغمبر اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہا گیا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعور بشری شعور کا مکمل عروج(Growth) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں بشر کا جو تصور تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس اس تصور کا مکمل نمونہ ہیں۔ اس طرح حضرت آدمؑ سے لے کر بشری شعور کی مکمل(Growth) تک جس کی تصویر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ۔شعوری ارتقا کے تمام ادوار کا ریکارڈ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعور کے اندر ہے۔ اگر ہم اس بات کو عام فہم زبان میں کہیں گے تو یوں کہیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدمؑ سے لے کر رہتی دنیا تک کے لوگوں کے Mental analyses سے واقف ہیں۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے علوم اور پیغام ہر دور کیلئے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہیں۔

اتباع سنت

اتباع سنت کا پہلا اصول بندگی ہے اور بندگی کی بنیاد قیام الصلوٰۃ پر ہے۔ قیام الصلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے روحانی رابطہ کرنا ہے۔ روح امر ربی ہے۔ روح کے ذریعے یا روحانی حواس کے ذریعے جب اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو شعوری طور پر بندہ اللہ تعالیٰ کے امر کو پہچان لیتا ہے جس کی ادائیگی کے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ قیام الصلوٰۃ کے ذریعے پیغمبروں کی طرز فکر شعور میں منتقل ہوتی ہے اور روحانی طور پر ان کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اتباع سنت کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے پیغمبروں کے ان اصولوں کو اپنایا جائے جن اصولوں پر عمل کرنے کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہر پیغمبر نے پہلے اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صلاحیت بنا کر انسانیت کا بہترین مظاہرہ کیا۔ یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن پر عمل کر کے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور بنی نوع انسان کیلئے نمونہ بن گئے اتباع سنت کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی شروع سے آخر تک ایک ایسا ریکارڈ ہے جس کی تقلید کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی قرآن کا عملی نمونہ ہے۔ اگر ہم اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھیں اور قرآن کو سمجھ کر اس کے اصولوں کی پیروی کریں تو اتباع سنت کا بھی حق ادا ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں ۔آمین۔

آداب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

"مسلمانو! اپنے درمیان رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے چلے جاتے ہیں رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئیے کہ وہ فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔" (سورۃ النور۔ آیت 63)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

(سورۃ الحجرات۔ آیت 1)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔“ (سورۃ الحجرات۔ آیت 2)

”جو لوگ رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ در حقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے منتخب کر لیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔“ (سورۃ الحجرات۔ آیت 3)

”اے نبی! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو لوگ تمھیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمھارے بر آمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کیلئے بہتر تھا اللہ تعالیٰ در گزر کرنے والا اور رحیم ہے۔“ (سورۃ الحجرات۔ آیت 4 تا 5)

”مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ہوں تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔ اے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ اور رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ماننے والے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً غفور الرّحیم ہے۔“ (سورۃ النور۔ آیت 62)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہیں چلے آیا کرو، نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو، ہاں اگر تمھیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو، تمھاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ لحاظ کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔“

(سورۃ الاحزاب۔ آیت 53)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے تخلیہ میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو تمھارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ البتہ اگر تم صدقہ دینے کیلئے کچھ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور الرّحیم ہے۔“ (سورۃ المجادلہ۔ آیت 12)
”کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمھیں صدقات دینے ہوں گے؟ اچھا اگر تم ایسا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے معاف کر دیا تو نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔“ (سورۃ المجادلہ۔ آیت 13)

زیارت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

خوب سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا رسول موجود ہے۔ (الحجرات۔ آیت 7)

قرآن حکیم قیامت تک نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلمات زمان و مکان کے پابند نہیں بلکہ یہ کائناتی فارمولے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمتِ مقدسہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد خاکی کی پیدائش سے پہلے بھی اس دنیا بلکہ کائنات پر سایہ فگن تھی اور دنیا کی ظاہری آنکھوں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کی دستگیری فرمارہے ہیں ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "امت کے علماء میں اتنے اختلافات کے باوجود کسی شخص کو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقی زندگی کے ساتھ قائم اور موجود ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں مجاز کی آمیزش وتاویل کا وہم نہیں ہے امت کے اعمال پر حاضر وناضر ہیں۔(اخبار الاخبار صفحہ 161)

حضرت شاہ ولی اللہؒ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پُر فتوح سے فیض حاصل کرنے کو اویسی طریقہ کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے قرآن کریم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلاواسطہ پڑھا۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مقدسہ (فیض باطنی اکتساب میں) میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اویسی ہوں، بالمشافہ اور عالم خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث سنیں۔ بعض کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اصلاح فرمائی۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان احادیث مقدسہ کو ایک رسالے کی صورت میں مرتب فرما کر "دُرِ ثمین" نام رکھا۔(الفوز الکبیر۔ص47)

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں " صوفیاء کا قول ہے کہ معلم عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوتی ہے۔"(خصائص نبوی شرح شمائل ترمذی۔ص260)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں "ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حیات دنیا کی سی ہے۔ "(المہند۔ص16)

عصر حاضر میں عالم عرب کے معروف مفکر الشیخ ڈاکٹر محمد علوی ساکن مکہ المکرمہ اپنی بے مثال کتاب "الذخائر المحمدیہ" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"علم شریعت کے ساتھ ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم طریقت بھی ہر جگہ موجود ہے پس آپ کی روح طیبہ مجالس ذکر وفکر اور خیر میں حاضر رہتی ہے۔ علماامت نے بیان کیا ہے کہ تمام اہل زمین کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار ممکن ہے کیونکہ تمام عالم آئینے کی مانند ہے اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت ایک سورج کی مانند ہے اور جب یہ سورج چمکتا ہے تو ہر ایک آئینے کی مقدار کے مطابق اس میں سورج کی صورت نظر آتی ہے۔اب یہ آئینے پر منحصر ہے کہ وہ بڑا ہے یا چھوٹا لطیف ہے یا کثیف پس جس طرح کا شیشہ ہو گا سورج بھی اسی لحاظ سے اس میں چمکے گا۔"

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں۔"(سورۃ اٰلِ عمران۔آیت169)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق شہید کے اوپر موت وارد نہیں ہوتی جبکہ شہادت کا واقع ہونا اس بات کے تابع ہے کہ شہید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہو اور نبی مکرم کی تعلیمات کو پھیلانے میں شہید ہوا ہو۔

جب شہدا زندہ ہیں تو قرآن پاک کے بیان کردہ اس قانون کے مطابق انبیاء بھی زندہ ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو تمام انبیاء کے سردار اور امام ہیں وہ بھی اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اپنی حیات مبارک میں اس دنیا میں موجود تھے اور اب بھی اُسی طرح موجود ہیں۔صحابۂ کرامؓ،امت کے علما اور اولیاء اللہ نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد امت کی دست گیری کے واقعات تواتر کے ساتھ کتابوں میں موجود ہیں۔آیئے چند واقعات بیان کر کے سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرہؓ

صحیح بخاری میں تحریر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد کسی نے حضرت فاطمہ زہرہؓ کو ہنستے نہیں دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کو ابھی چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنے اباجان (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خواب میں دیکھا کہ سرہانے کھڑے ہیں اور اِدھر اُدھر ملاحظہ فرمارہے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہو۔حضرت فاطمہ زہرہؓ کی نگاہ جیسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو بے تاب ہو کر پکارا"اباجان آپ کہاں ہیں؟میں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فراق میں بے چین وبے قرار ہوں"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا"بیٹی!میں یہاں تمھارا منتظر ہوں۔اب اس مادی دنیا کو خیر باد کہہ کر عالم ارواح میں ہم سے آملو گی۔اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور دوسرے دن آپؓ کا وصال ہو گیا۔

(اناللہ وانا الیہ راجعون)(بخاری شریف،اوراق غم از علامہ ابوالحسنات قادری صفحہ 107)

حضرت بلالؓ

حضرت بلالؓ نے خواب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمارہے ہیں"اے بلال!کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے آؤ۔"یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلالؓ کی عجیب حالت ہوگئی۔صبح ہوتے ہی ملک شام سے مدینے کے لئے روانہ ہوگئے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور قبر مبارک پر سر رکھ کر زاروقطار رونے لگے۔حضرت حسنینؓ کے اصرار پر مسجد نبوی میں اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں کھڑے ہوتے تھے اور اذان شروع کی۔جوں ہی اللہ اکبر،اللہ اکبر،کہا اہل مدینہ میں شور برپا ہوگیا،جب اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو محسوس ہوا کہ مدینہ منورہ کے لوگوں میں ہلچل پیدا ہوگئی۔لوگوں کا گریہ شدید تر ہو گیا اور جب اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو لوگوں کے ذہنوں میں عہد نبوی کی یاد اس طرح تازہ ہوگئی کہ وہ تڑپ اُٹھے۔مدینہ منورہ میں کوئی مرد،عورت،چھوٹا بڑا،ایسا نہ تھا جو گریہ وزاری نہ کررہا ہو۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

عبداللہ خزاعی خلیفہ ہارون رشید کا کوتوال تھا۔ اس نے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کو قید کر رکھا تھا حضرت امام موسیٰ کاظمؒ نے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے کہ "موسیٰ تم ظلماً قید خانے میں ہو۔ اگر تم ان کلمات کو پڑھو تو آج رات ہی قید سے نجات پالوگے۔" حضرت امام موسیٰ کاظمؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عطا کردہ دعا پڑھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک کالا بھجنگ حبشی ہاتھ میں تلوار اُٹھائے عبداللہ خزاعی کے خواب میں آیا اور امام صاحبؒ کی رہائی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر تونے ایسا نہیں کیا تو میں تجھے قتل کر دونگا۔ عبداللہ خزاعی پر دہشت سوار ہوگئی اور اس نے امام موسیٰ کاظمؒ کو رہا کر دیا۔

(خیر المونس حصہ اول صفحہ 172)

علامہ احمد بن قسطلانیؒ

مشہور محدث علامہ احمد بن قسطلانیؒ "مواہب لدنیہ" میں لکھتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ طبیب علاج سے عاجز آگئے اور میں کئی سال تک مسلسل بیمار رہا۔ ایک مرتبہ جب میں مکہ مکرمہ میں تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے دعا مانگنی شروع کی دعا کے بعد مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کاغذ ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ یہ دوا احمد بن قسطلانی کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق عطا ہوئی ہے۔ جب میں خواب سے جاگا تو حیرت انگیز طور پر مرض باقی نہ رہا"۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب میری عمر ۴۰ سال کی ہوئی تو ایک روز میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پاس تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم دین کی ترویج کیلئے تقریر کیوں نہیں کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عجم کا رہنے والا ہوں عرب کے عمدہ کلمات کے سامنے کیوں کر زبان کھول سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا منہ کھولو، میں نے منہ کھول دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات بار سورہ نحل کی آیت پڑھ کر دم فرمایا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد میں منبر پر گیا اور چند کلمات سامعین کو سنائے کہ وہ وجد میں آگئے پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ پورے بغداد میں میرے وعظ کی دھوم مچ گئی۔

(انوار اصفیاء صفحہ 119)

علامہ شرف الدین بوصیریؒ

علامہ شرف الدین بوصیریؒ کا نعتیہ قصیدہ جسے قصیدہ بردہ شریف کہتے ہیں اس نعتیہ کلام کے پس پردہ نہایت روح پرور واقعہ موجود ہے۔ علامہ بوصیریؒ کو عمر کے ایک حصہ میں فالج ہو گیا جس سے جسم کا آدھا حصہ بے حس و معطل ہو گیا۔ علاج معالجہ سے بھی افاقہ

نہیں ہوا۔ اسی تکلیف کے زمانے میں علامہ بوصیریؒ کے ذہن میں نعتیہ قصیدہ لکھنے کا خیال آیا۔ علامہ صاحب قصیدہ لکھنے میں منہمک ہوگئے اور دس فصلیں لکھ دیں۔ ایک رات خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربارِ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی۔ خود کو دیکھا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں قصیدہ بُردہ پڑھ رہے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت محبت سے سماعت فرما رہے ہیں۔ جب علامہ بوصیریؒ نے یہ شعر پڑھا

"بارہا مریض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کے لمس سے اچھے ہوگئے اور کتنے ہی محتاج غنی ہوگئے۔"

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک علامہ بوصیریؒ کے جسم پر پھیرا اور ایک یمنی چادر عطا فرمائی۔ جب بیدار ہوئے تو خود کو بالکل صحت مند اور تندرست پایا جیسے کبھی کوئی مرض لاحق ہی نہیں ہوا تھا۔ علامہ صاحب کے جسم پر وہ چادر بھی موجود تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمائی تھی عربی میں چادر کو "بُردہ" کہتے ہیں اس لئے یہ قصیدہ "قصیدہ بُردہ" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ہمراہ مدینے تشریف لائے جہاں بصد ادب و احترام حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سلام عرض کیا تو روضہ مبارک سے آواز آئی "وعلیکم السلام یا قطب المشائخ معین الدین۔ رات خواب میں دیکھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں "معین الدین! ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمھیں ہندوستان کی ولایت عطا کی تم صبح ہوتے ہی اپنے مرشد سے اجازت لے کر ہندوستان چلے جاؤ۔ "(بستان اویسیہ بہ فیوضات عبدیہ)

حضرت لعل شہباز قلندرؒ

حضرت شہباز قلندرؒ ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "مروند سے ہند پہنچو اور توحید کا پرچم بلند کرو۔" صبح آپؒ نے اس خواب کا ذکر اپنے شاگردوں سے کیا اور فوراً ہندوستان کیلئے روانہ ہوگئے۔ (حدیقتہ الاولیاء)

علامہ ابن جوزیؒ

علامہ ابن جوزیؒ نے دو سال تک قرآنی آیت " ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔ پس اے جن و انس، تم اپنے رب کی کن کن صفات حمیدہ کو جھٹلاؤ گے ؟" (سورۃ رحمٰن۔ آیت 29 تا 30) کی فضیلت پر خطبہ دیا۔ ایک دن اپنی نکتہ آفرینی پر ناز کرنے لگے۔ ایک شخص نے کہا ہمارا خدا اس وقت کس شان میں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ علامہ لاجواب ہوگئے۔ وہ شخص تین دن تک بدستور یہی سوال کرتا رہا اور ابن جوزیؒ خاموش رہے۔ چوتھی شب اسی پریشانی میں سوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا "ابن جوزی یہ شخص

خضر ہے تم اس کو یہ جواب دینا کہ ہمارا خدا اپنی ازلی اور قدیمی شانوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا ہے اس لئے اس وقت بھی وہی ہو رہا ہے جو ازل میں ہو چکا ہے''۔

حضرت خضرؑ نے جواب سن کر ابنِ جوزی سے کہا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجئے جنہوں نے آپؒ کو تعلیم دی۔

(خیر المونس جلد دوم صفحہ 443)

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

روایت ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ جب اپنے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ انتظار رہا کہ مرشد انہیں خرقہ پہنائیں گے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا آراستہ مکان ہے جو انوار و تجلیات سے جگمگا رہا ہے۔ درمیان میں ایک مُرصع تخت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہیں۔ دائیں جانب حضرت مرشد دست بستہ کھڑے ہیں اور قریب ہی چند خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے طلب فرمایا اور مرشد حضرت شہاب الدینؒ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں بٹھا دیا کہ میں قدم بوسی کروں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لٹکے ہوئے خرقوں میں سے ایک خرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ خرقہ بہاؤ الدین کو پہناؤ۔'' مرشد نے ارشاد کی تکمیل کی۔ اگلے دن صبح مرشد نے مجھے طلب کیا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ وہی مکان ہے اور اسی طرح خرقے لٹکے ہوئے ہیں۔ میرے مرشد نے وہی خرقہ جس کی جانب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا اتار کر مجھے پہنا دیا اور فرمایا

''اے بہاؤ الدین! یہ خرقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخشش ہے اور میں درمیان میں صرف ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کسی کو بغیر اجازت نہیں دے سکتا۔ پھر حکم دیا کہ اب تم ملتان جا کر ہدایت اور خدمت خلق میں مصروف ہو جاؤ''۔

حضرت ابو الفیض قلندر علی سہر وردیؒ

حضرت ابو الفیض قلندر علی سہر وردیؒ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غریب خانہ تشریف لائے ہیں اور مکان کی اوپر والی منزل کی چھت پر چارپائی پر لیٹ گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی نے نیچے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے جھانک کر دیکھا اور دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ، خاتون جنت حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہؓ کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔ دونوں مقدس ہستیوں نے دریافت فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں تشریف لائے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں..... ابھی ابھی تشریف لائے ہیں اوپر آرام فرما ہیں۔ آپؓ بھی تشریف لے چلئے چنانچہ دونوں بزرگ ہستیاں اوپر تشریف لے آئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھ گئیں۔ میں ادب سے پاس کھڑا رہا۔ چند منٹ کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ نے 1947ء میں پیش آنے والے فسادات کا پورا نقشہ بیان فرمایا۔ لوٹ مار، قتل عام، آتش زنی، غرض جو جو کچھ ہونے والا تھا اور ساتھ ہی میری جانب اشارہ فرمایا کہ ''آپ کوئی فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ حفاظت میں رہیں گے۔'' ـــــ یہی ہوا کہ میں ان فسادات میں بالکل محفوظ رہا۔ (علم لدنی یا علم الٰہی صفحہ 101 تا 102)

سلطان نور الدین زنگی

علامہ نور الدین سمہودیؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب "خلاصتہ الوفا" میں بیان کیا ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور کتاب "جذب القلوب" میں بھی تحریر کیا ہے۔

ایک رات سلطان نور الدین زنگی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواب میں زیارت کی۔ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نیلی آنکھوں والے دو اشخاص کی جانب اشارہ کر کے فرمارہے ہیں۔ "مجھے ان دونوں کے شر سے بچاؤ"۔ سلطان گھبرا کر اٹھ بیٹھے فوراً وضو کیا ۔ نماز قائم کی اور لیٹ گئے۔ پھر یہی خواب دیکھا۔ گھبرا کر دوبارہ اٹھے وضو کیا، نماز قائم کی پھر سو گئے تیسری بار پھر یہی خواب دیکھا۔ اب گھبرا کر اٹھے۔ اسی وقت خادم کو دوڑایا کہ وزیر جمال الدین موصلی کو بلالائے۔ جمال الدین موصلی کو خواب بیان کیا تو اس نے کہا" تاخیر نہ کیجئے۔ فوراً مدینہ روانہ ہو جایئے۔ کسی سے اس خواب کا ذکر مناسب نہیں۔"

نور الدین زنگی نے یہ خیال کیا کہ شاید مدینہ طیبہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے لہٰذا جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہئے اور نور الدین زنگی صبح صادق ہونے سے پہلے اپنے وزیر، بیس اراکین مجلس اور دو سو سپاہیوں کو ہمراہ لے کر بہت سے مال وزر کے ساتھ نہایت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ مسلسل دن رات سفر میں رہنے کے بعد سولہ روز میں شام سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس وقت عرب کا علاقہ بھی سلطان نور الدین زنگی کے زیر اثر آچکا تھا۔ سلطان کی اچانک آمد سے مدینے کے لوگ حیران رہ گئے۔ امیر مدینہ نے اچانک آمد کی وجہ دریافت کی تو سلطان نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ امیر مدینہ نے شہر میں منادی کرادی کہ "سلطان وقت تمام اہلیان مدینہ کی دعوت کررہے ہیں اور ساتھ انعام و کرام سے نوازنا چاہتے ہیں۔ اسلئے یہاں کا رہنے والا کوئی محروم نہ رہے۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ سلطان کے حضور حاضر ہو۔"

چناچہ تمام اہلیان شہر سلطان کی دعوت میں شریک ہوئے۔ انعام دیتے وقت سلطان ہر فرد پر گہری نظر ڈال کر پہچاننے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کے تمام شہری رخصت ہو گئے۔ لیکن نیلی آنکھوں والے دونوں اشخاص نظر نہیں آئے۔ نور الدین زنگی نے امیر مدینہ اور دیگر حاضرین سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ "کیا مدینے کی آبادی کے تمام افراد اتنے ہی ہیں کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟ ایک خادم نے عرض کیا" حضور! صرف دو اہل مغرب جو نہایت صالح، سخی، عبادت گزار اور گوشہ نشین ہیں باقی رہ گئے ہیں۔ وہ دونوں جنت البقیع میں پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔"

سلطان فوراً ان کے حُجرے میں پہنچا۔ سلطان نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ گفتگو کے دوران سلطان کی آنکھیں حجرے کا مسلسل جائزہ لیتی رہیں حجرہ کے فرش پر ایک معمولی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی طاق میں قرآن پاک اور وعظ و نصیحت کی چند کتابیں۔ ایک طرف کچھ کھانے پینے کا سامان۔ بس حجرہ میں کل یہی سامان تھا۔ سلطان سخت حیران ہوا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔۔۔؟ مایوس ہو کر واپس جانے والے تھے کہ ان کو چٹائی کے نیچے ہلتی ہوئی کوئی چیز محسوس ہوئی۔ چٹائی کو ہٹایا تو ایک تختہ نظر آیا۔ تختے کو ہٹایا گیا تو ایک سرنگ نظر آئی۔ جو روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سمت جارہی تھی۔ اسی وقت دونوں کو گرفتار کرلیا گیا اور ان سے پوچھ گچھ کی گئی۔ دونوں نے اقبال جرم کرلیا اور اعتراف کیا کہ وہ روم کے عیسائی باشندے ہیں۔ روم کے بادشاہ فریڈرک اول نے ہمیں اس کام کے لئے باقاعدہ تربیت

دلائی اور ہمیں عرب کی معاشرت کے بارے میں بتایا گیا اور یہاں کی زبانوں کا علم سکھایا گیا۔ ہم مسلمانوں کا حلیہ بنا کر یہاں پہنچے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد مبارک لحد مبارک سے نکال کر روم لے جائیں تا کہ مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو جائے۔

ہم نے جب حُب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دینداری کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم تو صرف اس لئے ترک وطن کر کے یہاں آئے ہیں کہ شہر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں رہیں تو مدینے والے بھی ہماری بے پناہ عقیدت اور خیرات وصدقات دیکھ کر ہم پر مہربان ہو گئے اور روضہ کے بالکل متصل رہنے کیلئے ہمیں حجرہ دے دیا۔ نہایت رازداری کے ساتھ ہم نے روضہ مبارک کی طرف سرنگ کھودنا شروع کر دی۔ رات بھر کھودتے اور صبح سویرے چمڑے کے دو تھیلوں میں بھر کر وہ مٹی جنت البقیع میں فاتحہ کے بہانے جا کر ڈال آتے اور دن میں ارد گرد کے نخلستانوں اور زیارت گاہوں میں گھوم پھر کر پانی پلاتے۔ برس ہا برس کی محنت کے بعد آج ہم جسدِ مبارک کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ واقعات سن کر سلطان پر رقت طاری ہو گئی۔ وہ زارو قطار رونے لگے اور اسی وقت حجرہ میں ان دونوں کا سر قلم کر دیا پھر سلطان سجدہ شکر بجالائے اور اس کے بعد روضہ شریف کے ارد گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا۔ پھر اس خندق میں سطح زمین تک سیسہ پگھلا کر بھروا دیا کہ آئندہ ایسے خطرہ کا کوئی امکان ہی نہ رہے۔

نور و بشر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب توحید و رسالت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لوگ ہی مخالف ہوئے اور کہنے لگے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو نہیں مانتے اور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ تو رسول ہی نہیں ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے انکار کا ذکر کیا ہے۔

"یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔" (سورۃ الرعد۔ آیت 43)

مشرکین عرب کے انکار کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"یٰسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں۔"

(یٰسین۔ آیت 1 تا 3)

لیکن عرب کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین پر رہنے والے سخت، دل، سخت گیر اور بتوں کے پجاری آسانی سے کب ماننے والے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اس بات کو ہم کیسے مان لیں کہ ہماری قوم، ہماری برادری اور ہمارے ہی قبیلے کے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا دیا جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔"

(سورۃ التوبہ۔ آیت 128)

منکرین کہنے لگے کہ ایک انسان منصب رسالت پر فائز کیسے ہو جائے۔۔۔؟

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

”اے نبی، کہو کہ میں ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

(سورۃ الکھف۔ آیت 110)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں۔ میری قوم و قبیلہ ہے، عزیز و اقارب ہیں، والدین اولاد ہیں اور رشتے ناطے ہیں۔ پہلے بھی انسانوں کے پاس انسان ہی پیغمبر بن کر آئے، کوئی بھی فرشتہ یا کسی اور مخلوق سے رسول نہیں آیا۔ مجھ سے پیشتر حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ اور دیگر پیغمبرانؑ سب ہی انسان تھے جو مختلف قوموں اور علاقوں کی طرف نبی و رسول بن کر آئے، قرآن میں ارشاد ہے:

”اے نبی! ہم نے تمھاری طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی ہے۔“(سورۃ النساء۔ آیت 163)

قرآنی آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث کیے وہ سب ہی انسان تھے۔ وہ کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اور کاروبار کرتے تھے۔ ان کی رشتہ داریاں تھیں ۔ان کی حوائج انسانی اور طبعی ضروریات تھیں۔ لیکن ان کا اعزاز واکرام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت و نبوت کے لئے منتخب کیا۔ بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام رسولوں اور نبیوں میں ممتاز و محترم ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن کریم کی صورت میں ہدایت ملی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت تمام کر دی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر بھی ہیں اور باحیثیت خاتم النبیین، رحمت اللعالمین اور اللہ تعالیٰ کے محبوب !....نور ہیں۔ اب اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر نہ ہوتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کی بشری کمزوریوں کے لئے کس طرح رہنمائی فرماتے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار بھی تشریف لے جاتے تھے، کاروبار کرتے، کھانا کھاتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شادی کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچے بھی تھے، انہوں نے جہاد بھی فرمایا اس لئے کہ ان کے اندر بشری تقاضا موجود تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمارے جیسے بشر تھے۔ بشری تقاضے موجود ہونا ایک الگ بات ہے اور ان کا استعمال کرنا الگ بات ہے۔ مثلاً ایک عام آدمی جب کسی بشری تقاضے کو استعمال کرتا ہے تو اس کے سامنے اس کی اپنی ذات، اولاد، بیوی یا ماں باپ ہوتے ہیں لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا مطالعہ کریں تو وہاں ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشری تقاضوں کی تکمیل بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی کے مطالعہ سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کے جس بشری تقاضے کو بھی پورا فرمایا اس میں مشیت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی شامل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بشری تقاضے یعنی بھوک، پیاس یا نیند نہ ہوتی تو نوع انسانی اس بات سے انکار کر سکتی تھی کہ (نعوذ باللہ) یہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ انسان ماورائی مخلوق کی پیروی کس طرح کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے انہیں بشری تقاضوں کے ساتھ دنیا میں بھیجا۔ اسی نظام کے تحت ان کی پرورش ہوئی اور ان تمام جذبات کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی گزاری جو انسان کے اندر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک ایک عمل اور ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے کیلئے وقف تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیگر انبیاء کی طرح بشری تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نوع انسانی کو توحید کے پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

پیغمبر باحیثیت بشر، یہ مشاہدہ رکھتا ہے کہ ہر چیز کے خالق، مالک اور رازق اللہ تعالیٰ ہیں۔ پیغمبران علیہم السلام اپنی زندگی کے تمام تقاضے خالق کے ساتھ وابستہ رکھتے ہیں۔ جبکہ ایک عام بندہ کی زندگی کے تقاضے اس کی اپنی ذات برادری یا قوم تک محدود ہوتے ہیں۔ عام انسان یہ تقاضے وسائل سے منسلک کرتا ہے۔

خلق العظیم

"اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔" (سورۃ القلم۔ آیت 4)

حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں "میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشست و برخاست، سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی، کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہاں بیٹھ جاتے، لوگوں کو بھی یہی حکم فرماتے کہ مجلس میں جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جایا کرو، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہیں جایا کرو۔۔۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضرین میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں بیٹھنے والا ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے زیادہ میرا اعزاز فرمارہے ہیں اور رجوع کرتا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی شخص کوئی چیز مانگتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے مرحمت فرماتے، اگر وہ چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نہ ہوتی تو منع فرمادیتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خندہ روی اور خوش خلقی سب لوگوں کے لئے عام تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس، علم وحیا اور صبر و امانت کا مرقع تھی۔ اگر مجلس میں کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اسے شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ سب لوگ برابر سمجھے جاتے، حسب نسب کی بنا پر کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاتی۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت، صرف تقویٰ اور حسن عمل کی بنا پر ہوتی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر شخص کے ساتھ تواضع اور نرمی کے ساتھ پیش آتے، بڑوں کی تکریم کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے، اجنبی مسافر کی خبر گیری کرتے۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی اور کشادہ ہاتھ تھے، سب سے زیادہ باحوصلہ، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ وعدہ وفا کرنے والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے سب سے بہتر اور معزز گھرانے والے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو شخص یکدم دیکھتا مرعوب ہو جاتا، جو شخص پہچان کر میل جول رکھتا، وہ اخلاق کریمہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرویدہ ہو جاتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراپا بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا جمال وکمال والا انسان نہیں دیکھااور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ....!

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، علم وحکمت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، سب سے زیادہ محترم، سب سے زیادہ منصف، سب سے زیادہ حلیم وبردبار، سب سے زیادہ پاک دامن۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو سب سے زیادہ بھلائی اور نفع پہنچانے والے اور لوگوں کی ایذا رسانیوں پر سب سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والے تھے۔'' حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے ''اے زید! ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ باتیں سنایئے۔''

میں نے عرض کیا

میں تمہیں کیا باتیں سناؤں، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑوسی تھا،

''جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آتی تو مجھے بلواتے میں آتا اور وحی لکھ لیتا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا کا ذکر فرماتے ہم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخرت کا ذکر فرماتے، ہم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آخرت کی باتیں کرتے اور جب کھانے پینے کا ذکر چلتا، تو ہم بھی کھانے پینے کے ذکر میں مشغول ہو جاتے، ہم ہر طرح کی باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کر لیا کرلیتے تھے۔ بسا اوقات بعض ساتھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی شعر پڑھنے لگتے اور ہنستے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مسکرانے لگتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مبارک تھی کہ ممنوع باتوں کے علاوہ کسی بات پر ہم کو نہیں منع فرماتے تھے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ خوش رہتے اور مسکراہٹ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس پر نمایاں رہتی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے اور ساتھیوں کی بات پر خوش ہوتے، بسا اوقات اس حد تک مسکراتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک نظر آنے لگتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی بھی مسکراتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں کوئی شخص زور سے نہیں ہنستا تھا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آواز کے ساتھ نہیں ہنستے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش مزاجی کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے ملتے، اگر کوئی مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو اسے بلاتے اور کبھی کسی سے فرماتے ''اے میرے بھائی کاش تجھے مجھ سے یا میرے دوسرے ساتھیوں اور بھائیوں سے کچھ فائدہ پہنچے۔'' تین روز کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں نہیں آتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے لوگوں سے پوچھتے کہ فلاں صاحب کیوں نہیں آئے؟ جو مجلس میں کسی عذر کی بنا پر شریک نہیں ہوتا اس کے لئے دعا فرماتے جو ملنے آتا اس سے ملاقات فرماتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس

کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔ ساتھیوں کے ساتھ اتنی توجہ اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے کہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

راستہ میں اگر کبھی کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملتا، وہ بات کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا، تو جب تک وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت ہو کر آگے نہیں بڑھتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے چھوڑ کر نہیں جاتے تھے، کوئی شخص مصافحہ کرتا تو جب تک وہ اپنا ہاتھ خود نہیں کھینچ لیتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں چھڑاتے۔ کوئی سرگوشی کے انداز میں بات کرتا تو کان اسکے منہ کے قریب لے جاتے اور جب تک وہ بات ختم نہیں کرتا، متوجہ رہتے تھے۔ جس سے مصافحہ کرتے، اس کے لئے دعا فرماتے ،اپنے ساتھیوں میں سے کسی کے حق میں، یا کسی دوسرے شخص کے بارے میں کبھی بد دعا نہیں فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر اپنے ساتھیوں کی کنیت رکھ دیتے، اچھے ناموں کے ساتھ ان کی کنیت تجویز فرماتے اور کنیت کے ساتھ ہی انہیں پکارتے۔ اس سے ان کی دلجوئی بھی مقصود ہوتی اوراعزاز و کرام بھی۔ جب راستے میں بچے ملتے تو ان کو سلام کرتے اور شفقت کے ساتھ ان سے بات چیت کرتے، جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے۔ جب کوئی شخص، کسی بچے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی کھانے کی چیز اپنے منہ میں چبا کر، اس کے منہ میں ڈالتے اس کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے............. انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کرتے اور پیار سے ان کے سروں پر ہاتھ رکھتے۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امامت فرما رہے تھے، اُس وقت حضرت امام حسینؓ بچے تھے، مسجد میں آ گئے، جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ میں گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت پر بیٹھ گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ لمبا کر دیا یہاں تک کہ حسینؓ اتر گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ بڑا طویل کر دیا تھا؟..... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" میرا بیٹا، میری پیٹھ پر چڑھ گیا تھا، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ جلدی کروں۔" جو لوگ اہل علم و فضل اور اچھے اخلاق والے ہوتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انکی عزت و توقیر کرتے، جو اہل مجد و شرف ہوتے ان پر احسان فرماتے۔ عزیز و اقارب کی عزت کرتے اور انکے ساتھ صلۂ رحمی کرتے۔ اقارب میں یہ نہیں دیکھتے کہ کون افضل ہے اور کون نہیں جس کو زیادہ مستحق سمجھتے اسکی زیادہ مدد کرتے۔

جس سے بھی ملتے سلام میں پہل کرتے، کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آ کر بیٹھ جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز مختصر کر دیتے، نماز مکمل کر کے پوچھتے تمہیں کوئی کام ہے؟ جو بھی ملنے آتا اس کا حد درجہ احترام کرتے۔ مہمان کے لئے اپنا کپڑا بچھا دیتے، تکیہ لا کر رکھتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاح کی کیفیت یہ تھی کہ اپنی ازواج کے ساتھ، بچوں کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مزاح کے طور پر کوئی بات کرتے تو اس میں بھی کبھی فرضی بات کی آمیزش بالکل نہیں فرماتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے شائستہ انداز میں مزاح فرماتے، انس بن مالکؓ فرماتے ہیں "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور مزاح مجھے دو کانوں والا کہا کرتے تھے۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی مجھے سواری کا کوئی جانور عنایت فرما دیجئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم تمہیں

ایک اونٹنی کا بچہ دیں گے ....سائل کہنے لگا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا! (مجھے تو سواری کے لئے چاہیئے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بندۂ خدا ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔"

ایک بار ایک بوڑھی عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی "یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ میں جنت میں جاؤں" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی".......... وہ بوڑھی عورت غم زدہ ہوکر واپس جانے لگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین سے فرمایا" اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہونے والی سب عورتوں کو نوجوان بنادیں گے۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز ادا کر کے فارغ ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے اگر تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے تو بیان کرے!.......... اگر کوئی غلام، جو کی روٹی کھانے کیلئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدعو کرتا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی دعوت قبول فرماتے۔ غریب اور بے سہارا لوگ بیمار پڑتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے اور بہ نفس نفیس ان کا کام کاج کرتے۔ امیر اور غریب جو بھی بلاتا، اس کے گھر تشریف لے جاتے۔ کسی کو حقیر نہیں سمجھتے، جنازہ میں شریک ہوتے، کمزور، بیمار اور فاقہ مست لوگوں کے پاس خود جاتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے۔ ان کے بیماروں کی تیمارداری کرتے اور جنازوں میں شریک ہوتے۔

کوثر

مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران تبلیغ سخت ترین مصیبتیں برداشت کیں۔ مشرکین نے جینا دوبھر کر دیا تھا۔ جسمانی تکالیف کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو ذہنی اذیتیں دی گئیں اس کے تذکرہ سے نوع انسانی کا سر شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ جس معاشرے میں بیٹیوں کو اس لئے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا کہ بیٹی کا باپ کہلانا باعث ندامت تھا۔ جس معاشرہ میں اولاد نرینہ سے محروم باپ ایک بے نشان فرد کی حیثیت سے زندگی گزارتا تھا۔ اس معاشرے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں صاحبزادے حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہؓ کم سنی میں انتقال کر گئے تو ابلیس کے نمائندوں نے حضور علیہ لصلوٰۃ والسلام کے "بے نشان" ہو جانے کی خوشی میں جشن کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادے کے انتقال کی خبر جب ابو لہب کو ملی تو وہ خوشی سے چلاتا ہوا اور دوڑا دوڑا کفارِ مکہ کے پاس آیا اور کہا" محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ابتر ہوگئے"۔ اس کے بعد جہاں سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر ہوتا مشرکین مکہ چلّا کر کہتے تھے، وہ دیکھو! وہ ابتر آرہا ہے۔ (ابتر کے لفظی معنی ایسے درخت کے ہیں جس کی جڑ کٹ گئی ہو، یعنی ایسا آدمی جس کی نسل کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہو۔) ابتر کا لفظ لوگوں کے لئے ہتک آمیز اور گالی کے مترادف تھا۔ کفار کی زیادتیوں کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی اور تشفی فرمائی اور سورۃ الکوثر نازل ہوئی۔

"(اے نبی) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا۔ پس اپنے رب ہی کیلئے نماز قائم کرو اور قربانی کرو۔ تمھارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔"(سورۃ الکوثر)

عربی لغت کی رو سے دیکھا جائے تو کوثر "کثرۃ" سے ماخوذ ہے اور اسی مناسبت سے اس کے معنی خیر کثیر لئے جاتے ہیں۔ چناچہ اکثر مفسرین نے کوثر کی تشریح "خیر کثیر" کی ہے۔

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ حاضر ہوئے اور کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا" یہ خیر کثیر کی ایک قسم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دونوں جہان کی اتنی بھلائیاں عطا فرمائی ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔"

کوثر کی کئی دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی تشریح کی ہے۔ مثلاً حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ "کوثر سے مراد نبوت ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ کوثر سے مراد "قرآن" ہے۔"

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے

"اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں"۔

یعنی انہوں نے کوثر کا ترجمہ "بے شمار خوبیاں" کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں

"کوثر میں ہر خیر کثیر داخل ہے اور اس خیر میں مراتب قرب و درجات عالی سے لے کر بقائے دین اور ترقہ ءاسلام سب کچھ شامل ہے جو بذات خود موجب کثرت ہے۔"

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس کی تشریح یوں کی ہے

"اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا ہے۔ حسن ظاہر، حسن باطن، نسب عالی، نبوت، کتاب و حکمت، شفاعت، حوض، کثرت فتوح، نعمتیں اور جن کی کوئی حد نہیں یہ سب کوثر میں شامل ہیں۔"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اس کے مفہوم میں لکھتے ہیں کوثر سے مراد دنیا اور آخرت کی بے شمار بھلائیاں ہیں۔

ان تمام بزرگوں کے متفرق بیانات میں قدر مشترک یہی ہے کہ سب نے کوثر سے مراد خیر کثیر لیا ہے جو اس لفظ کا لغوی مطلب بھی ہے۔ یہ تمام مفاہیم اپنی جگہ اسی لغوی معنی کی تشریحات معلوم ہوتے ہیں خیر کثیر میں بے شمار لطیف اشارے مخفی ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے آپ کو تمام عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃالانبیاء۔ آیت107)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کی سب سے بلند مرتبہ اور برگزیدہ ہستی ہیں۔ نظامِ تکوین میں، اللہ کے بندے کام کرتے ہیں اور ان بندوں کی معاونت فرشتے کرتے ہیں، دراصل یہی وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "فی الارض خلیفہ" ہیں، تکوینی نظام میں اللہ تعالیٰ کے اختیارات استعمال کرنے والے بندوں میں سب سے اعلیٰ عہدہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطاکردہ وسائل حاصل ہونا پھر ان کو تقسیم کرنا خیرِ کثیر (کوثر) میں شامل ہوتا ہے۔ یعنی ہم اس نقطہ نظر سے دیکھیں تو کوثر سے مراد وہ تمام اختیارات، وسائل، انعامات، اکرامات، اور امتیازات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے مخلوق کو مل رہے ہیں اسی تکوینی حیثیت کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باعث تخلیق کائنات کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسائل کی تقسیم کا اختیار دیا گیا ہے اسی عظیم اعزاز کی جانب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "ہم نے آپکو کوثر عطا فرمایا"۔ جسے اتنے عظیم اختیارات حاصل ہوں ان کو ابتر کہنے والوں کو ہی ابتر، بے نشان، محروم اور نامراد کہا جائے گا۔

نور اول

خصوصیات نبویہ از احادیث

"میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔"

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے۔ مثال اس نور کی ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں رکھا ہو چراغ۔ یہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور یہ فانوس ایسا ہو جیسے ایک ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہوا جو روشن کیا جاتا ہو زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے خواہ نہ چھوئے اسے آگ۔ روشنی پر روشنی۔ رہنمائی عطا فرماتا ہے اللہ اپنے نور کی جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ یہ مثالیں لوگوں کیلئے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" (سورۃالنور۔ آیت ۳۵)

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ نور پر قائم ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات نور ہے اور جس بیلٹ پر کائنات سفر کر رہی ہے وہ بھی نور ہے۔

"قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی نور فرمایا۔

تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آگیا ہے اور کتاب مبین۔"

(سورۃالمائدہ۔ آیت15)

"لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس دلیل روشن آگئی ہے اور ہم نے تمھاری طرف ایسی روشنی (نور) بھیج دی ہے جو تمھیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 174)

"مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی (نور) بنادیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کررہے ہو، اُس خدا کے راستے کی طرف۔" (سورۃ الشوریٰ۔ آیت 52)

"اے نبی ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بناکر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بناکر، اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بناکر اور روشن چراغ بناکر۔"

(سورۃ احزاب۔ آیت 45 تا 46)

نور محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام

ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابرؓ سے ارشاد فرمایا۔

"اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا" (عبد الرزاق ابو بکر بن حمام)

ایک اور بار ارشاد فرمایا:

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔"

(شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ)

انجیل برناباس کے مطابق جب حضرت آدمؑ نے آنکھ کھولی اور فضاؤں میں کلمہ طیبہ کی چمکتی ہوئی تحریر دیکھی تو عرض کیا، کیا مجھ سے پہلے بھی انسان ہوئے ہیں؟

اس پر بارگاہ عالی سے جواب ملا۔

اے میرے بندے تمھارا آنا مبارک ہو۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا ہے اور جس کا نام تونے دیکھا۔ وہ تیرا ہی بیٹا ہے لیکن وہ سالوں بعد دنیا میں آئے گا اور میرا رسول ہوگا۔ اس کے لئے میں نے تمام اشیاء پیدا کی ہیں۔ وہ جب آئے گا تو دنیا کو روشن کردے گا۔ یہ وہی ہے، جس کی روح تخلیق کائنات سے ساٹھ ہزار برس پہلے ایک آسمانی نور کی شکل میں تھی۔ (انجیل برناباس باب 39)

یہ آیات، احادیث، روایات ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کی تخلیق کے پہلے فرد ہیں یعنی کائنات کا نور ہیں۔ اسی نور سے تمام تخلیقات ہوئیں۔

حضرت سید محمد ذوقی شاہؒ (سرِ دلبراں) میں تحریر کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اصل ہیں جملہ کائنات کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاصتہ الموجودات ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جانِ عالم ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اجمال ہیں ان اسماء و صفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی عقل اول ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نور نبوت ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی۔ جس طرح آدمؑ پر تخلیق کائنات ختم ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تکمیل انسانیت ختم ہوئی۔

اس نور محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عالمین کس طرح وجود میں آئے؟ اس بارے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ مخلوقات کو پیدا کرے اور موجودات کو وجود میں لائے تو اپنی عزت و جلال کے نور سے ایک نور پھیلایا۔ اس کی ضیا سے ایک لو چمک کر بلند ہوئی اور ایک صورت میں اکٹھا ہونے لگی۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم برگزیدہ اور منتخب ہو اور تم ہی میں دوسرے انوار ودیعت ہیں، تمہاری ہی بنا پر پہاڑوں کو قائم کیا، آسمانوں کو بلند کیا اور پانی جاری کیا۔ عالمین کو قائم کیا جو پانی کی موج کے جھاگ تھے اور دھوئیں کو بلند کیا اور عرش کو پانی پر قائم کیا پھر مختلف قسم کے ملائکہ کو انوار سے خلق فرمایا۔ اس کے بعد تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ (نہج الاسرار)

سلسلہ عظیمیہ کے حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اول ما خلق اللہ نوری کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تخلیق فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مقام محمود میں جگہ عطا فرمائی جہاں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی بندے کی پہنچ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور اس کی ربوبیت کے انوارات پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرماتے ہیں اور وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اور عظمت کو رحمت میں تبدیل کر کے عالمین میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسری کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے جلال، عظمت، تجلیات اور انوارات کو براہ راست برداشت نہیں کر سکتی۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باعث تخلیق کائنات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کن فرماتے ہیں تو کن کی تمام تجلیات اور پوری مشیّت مقام محمود پر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن مبارک میں نزول کرتی ہیں اور مقام محمود سے لہروں کی صورت میں تبدیل ہو کر کائنات کو تخلیق کرتی ہیں۔

موجودہ سائنس تلاش و جستجو کے راستے پر چل کر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک قوت کا مظاہرہ ہے، یہ انکشاف نیا نہیں ہمارے اسلاف میں کتنے ہی لوگ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ کائنات کے تمام مظاہر کو ایک ہی توانائی کنٹرول کر رہی ہے اور اس قوت کا براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط ہے، قرآن اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''(سورۃ النور۔ آیت 35)

ہم سائنس اور اسلاف کے علوم کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمارے اوپر حیرت کے باب کھل جاتے ہیں کہ اب سے تقریباً آٹھ صدی پہلے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ ایک ایسے عظیم سائنسدان تھے جو فطرت کے قوانین کو جانتے تھے جن کے وجود مسعود سے آفاقی قوانین کے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوا ہے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ فطرت کے قوانین کے استعمال کا جو طریقہ بتا گئے ہیں اور انہوں نے ان قوانین کو سمجھنے کی جو راہ متعین کی ہے۔۔اس کے لئے فرماتے ہیں کہ مختلف اشیاء میں یہ لہریں مختلف تناسب اور مقداروں میں کام کرتی ہیں۔

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے بتایا ہے کہ زمین اور آسمان کا وجود اس روشنی پر قائم ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا نور فیڈ کرتا ہے۔ اگر انسان کا ذہن مادہ سے ہٹ کر اس روشنی میں مرکوز ہو جائے تو وہ یہ سمجھنے پر قادر ہو جائے گا کہ انسان کے اندر عظیم الشان ماورائی صلاحیتیں ذخیرہ کر دی گئی ہیں جن کو استعمال کر کے نہ صرف یہ کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء کو اپنا مطیع و فرمانبردار کر سکتا ہے بلکہ ان کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور لہروں کو حسب منشا بھی استعمال کر سکتا ہے۔ پوری کائنات اسکے سامنے ایک نقطہ یا دائرہ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اس مقام پر انسان مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا۔ وسائل اسکے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

ختم نبوت

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو مقام عطا کیا ہے وہ ازل تا ابد قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی جتنی نعمتیں عطا فرما سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ سب نعمتیں اپنے حبیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمام کر دی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام پر تمام انبیاء فخر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہیں۔ کائنات اتنی بڑی ہے کہ اس میں اربوں کھربوں آباد زمینیں، لاکھوں چاند، سورج اور کھربوں کہکشائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تعریف ہے کہ

''اے نبی! کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کریں۔'' (سورۃ الکھف۔ آیت 109)

اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں درخت پیدا کئے ہیں اگر حساب لگائیں کہ ایک بڑے درخت میں سے کتنے قلم بن سکتے ہیں۔ سارے درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سارے سمندروں کی روشنائی بنائی جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پوری نہیں ہو گی۔ البتہ اربوں درخت اور بے شمار سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات اور نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کیلئے

انسانی شعور میں سکت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار نہیں کی جاسکتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی نعمتیں تمام کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعارف کیلئے بنائی ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے ان تعلیمات کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی عنوان سے یہ بات ضرور فرمائی ہے کہ میرے بعد آخر میں ایک اور نجات دہندہ آئے گا۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یہ اعلان کرتے رہے کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے ماننے والوں کے افراد کی مجموعی تعداد کا اندازہ یا شمار کیا جائے تو یہ حساب و کتاب ایک ناممکن عمل ہے۔ کوئی شخص وہ تعداد نہیں بتا سکتا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی آمد کا اعلان کیا۔ کمپیوٹر سے بھی انسان کی علمی استعداد کے مطابق ہی حساب لگایا جاسکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ارب، کھرب اور سنکھ در سنکھ ہے۔ انسانی شماریات کا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس سے یہ کہا جاسکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا اعلان کتنے افراد سے کروایا ہے۔ کروڑوں سال یہ اعلان اس لئے ہوتا رہا کہ انسانوں کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاننے، ماننے اور پہچاننے کا شعور بیدار ہو جائے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کی بشارت کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی:

"آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 3)

اس ارشاد کا یہ مفہوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ دین کی تکمیل ہو چکی اور نعمتیں پوری کر دی گئیں ہیں۔

قرآن اور ختم نبوت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور دین کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اب کسی خاص قوم کیلئے نبی آنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر خود چلیں اور دوسروں کو چلائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو سمجھیں، ان پر عمل کریں اور دنیا میں اس قانون کی حکومت قائم کریں جس کو لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے :

"محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔" (سورۃ احزاب۔ آیت 40)

"اے نبی! کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔"

(سورۃ اعراف۔ آیت 158)

ختم نبوت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان "میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں خاتم النبیین ہوں"

"میں پیدائش میں نبیوں سے پہلے ہوں اور مبعوث ہونے میں سب سے آخر ہوں"

(کنزل الاعمال جلد 6 صفحہ 113)

"میں پیغمبروں کا سردار ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہہ رہا اور سب نبیوں کا آخری ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہہ رہا۔"

(کنزل الاعمال جلد 6 صفحہ 113)

"رسالت اور نبوت ختم ہوگئی میرے بعد نہ کوئی رسول نہ کوئی نبی ہو گا۔"(مسلم شریف جلد 2 صفحہ 248)

"میری مثال نبیوں میں ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ بس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔"(ترمذی شریف جلد دوم صفحہ 221)

"میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی شئے نہ آئے۔"(شمائل ترمذی صفحہ 26)

"میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔"(ابن ماجہ صفحہ 307 باب فتنہ الدجال)

صحابہ کرامؓ کا اجماع

قرآن وحدیث کے بعد تیسرے درجے میں اہم ترین حیثیت صحابہ کرامؓ کے اجماع کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں نے ان کی نبوت تسلیم کی، ان سب کے خلاف صحابہ کرامؓ نے جنگ کی تھی۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ مسلیمہ کذاب کا معاملہ قابل ذکر ہے۔ یہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ اسکا دعویٰ یہ تھا کہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے پہلے جو عریضہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ مسلیمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سلام ہو۔ آپکو معلوم ہو کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے اسکو مسلمان تسلیم نہیں کیا اور اس پر فوج کشی کی گئی۔

علمائے امت کے ارشادات

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ(۹۹ھ-۱۰۱ھ) پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ آپؒ علم، حلم، تقویٰ پرہیز گاری، عبادت و ریاضت اور عدل و انصاف میں بے مثال تھے۔ آپؒ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا۔
"اے لوگو! قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(تاریخ الخلفاء۔ صفحہ 157)

ابو جعفر ابن جریر طبریؒ

ابو جعفر ابن جریر طبریؒ بڑے بلند پایہ مفسر، مورخ اور عالم تھے۔ آپ اپنی تفسیر میں حضرت قتادہؓ سے خاتم النبیین کے معنی یوں بیان کرتے ہیں۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہیں۔(تفسیر ابن جریر طبریؒ)

امام جلال الدین سیوطیؒ

امام جلال الدین سیوطیؒ مفسر اور محقق تھے۔ وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف دُر منثور میں حضرت عبد اللہ ابن حمیدؓ کے حوالے سے سیدنا حضرت امام حسنؓ سے نقل کرتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام رسولوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے آخری نبی ہیں۔"

(تفسیر در منثور۔ از امام جلال الدین سیوطیؒ)

حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانیؒ

حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانیؒ ختم نبوت کے بارے میں اپنی تصنیف "غنیہ الطالبین" میں ارشاد فرماتے ہیں :
"کہ سب اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔"

حضرت علامہ آلوسیؒ

حضرت علامہ آلوسی اپنی تفسیر "روح المعانی" میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین ہیں۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم المرسلین بھی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد قیامت تک اب وصف نبوت ورسالت کسی جن وانس میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ ختم نبوت کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور اس پر ایمان رکھنا از بس ضروری ہے اور اسکا منکر کافر ہے۔" (روح المعانی۔ جلد 5 صفحہ 40)

حضرت علامہ زرقانیؒ

حضرت علامہ زرقانیؒ اپنے وقت کے مشہور مفسر، محقق، محدث اور فاضل اجل ہی نہ تھے بلکہ بڑے بلند پایہ سیرت نگار بھی تھے۔ حضرت کی سیرت مقدسہ پر لکھی گئی کتاب "زرقانی" نہایت ہی مدلل اور لاجواب تصنیف ہے۔ حضرت امام علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ "میں سرکار دو عالم نور مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "کہ حضور پر نور شافع یوم نشور ختم الرسل فخر موجودات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیّن ہیں۔" (زرقانی شرح مواہب للدنیہ۔ جلد 5 صفحہ 267)

باب 11

تکوین

علم حصولی

دنیا میں وہ علوم جو اکتساب سے حاصل ہوتے ہیں علم حصولی ہیں۔

۱۔ تین سال کا بچہ اسکول میں داخل ہوتا ہے اور اس کی تعلیم نرسری سے شروع ہوتی ہے۔

۲۔ نرسری کلاس میں پہلے رنگوں کی پہچان کرائی جاتی ہے پھر پھولوں اور مشہور چیزوں کی پہچان کرائی جاتی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ "ا۔ب۔ج" اور A,B,C,D یا کسی بھی زبان کے حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں۔

مثلاً عربی میں "الف سے اللہ، ب سے بسم اللہ۔" اردو میں "الف سے انار، ب سے بکری۔" انگریزی میں A سے Apple،B سے" Ball وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ نرسری کلاسز کے بعد ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں رنگوں کے ذریعے، تصویروں کے ذریعے، مناظر کے ذریعے بچوں کو چیزوں کی پہچان کرائی جاتی ہے۔

۴۔ اس کے بعد پرائمری کلاس پڑھائی جاتی ہے۔

۵۔ بچے پھر میٹرک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ میٹرک کرنے کے بعد طالبعلم میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ انتخاب کر سکتا ہے کہ اسے کون سا علم حاصل کرنا ہے۔

مثلاً: ڈاکٹر (Doctor)، انجینیئر (Engineer)، بینکر (Banker)، فلاسفر (Philosopher) اور سائنٹسٹ (Scientist)، ماہر تعلیم (Educationist)، چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ (Chartered Accountant) وغیرہ وغیرہ۔ M.A کرنے کے بعد طالبعلم کا رجحان اگر مزید علم حاصل کرنے میں ہے تو وہ Ph.D کر لیتا ہے۔ یہ تمام علوم سیکھنے کے لئے کم و بیش بیس سال لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد طالبعلم کسی ایک شعبے میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ مادّی ذرائع سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان کو علم حصولی کہا جاتا ہے۔

علم حضوری

علم حضوری میں بھی استاد اور شاگرد کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اس کی مثال ماں باپ اور بچے کی ہے۔ بچہ ماں باپ کی قربت سے مادری زبان سیکھتا ہے۔ بچے کو مادری زبان سیکھنے کے لئے قاعدہ نہیں پڑھنا پڑتا۔ ماں باپ، خاندان اور اس کے قُرب و جوار میں جو لوگ رہتے ہیں بچہ ان کی طرز زندگی کی نقل کرتا ہے۔ روحانی علوم سیکھنے کے لئے بھی شاگرد کی افتاد طبیعت وہ بن جاتی ہے جو استاد کی ہے۔ علم حضوری وہ علم ہے جو طالب علم کو غیب سے متعارف کراتا ہے۔ علم حضوری سیکھنے والے طالب علم کے اندر لاشعوری تحریکات عمل میں آجاتی ہیں۔ لاشعوری تحریکات عمل میں آجانے سے مراد یہ ہے کہ حافظہ کے اوپر ان باتوں کا جو بیان کی جارہی ہیں ایک نقش اُبھرتا ہے۔

۱۔ اگر علم حضوری سکھانے والا استاد "کبوتر" کہتا ہے تو حافظہ کی سطح پر یا ذہن کی اسکرین پر کبوتر کا ایک خاکہ بنتا ہے اور جب الفاظ کے اندر گہرائی پیدا ہو جاتی ہے تو دماغ کے اندر کبوتر اپنے پورے خد و خال کے ساتھ نظر آتا ہے۔

۲۔ اسی طرح اگر استاد کسی سیارے یا ستارے کا تذکرہ کرتا ہے تو حافظہ کی اسکرین پر روشن اور دمکتا ہوا ستارہ محسوس ہوتا ہے۔

۳۔ روحانی استاد جب جنت کا تذکرہ کرتا ہے تو جنت سے متعلق جو اطلاعات ہمیں مل چکی ہیں ان اطلاعات کی ایک فلم دماغ کے اندر Display ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ذہن کے اندر یہ بات ہمیں نقش نظر آتی ہے کہ جنت ایک باغ ہے جس میں رنگ رنگ خوب صورت پھول ہیں، آبشاریں ہیں، دودھ کی طرح سفید اور شہد کی طرح میٹھے پانی کی نہریں ہیں اور وہاں ایسے خوبصورت مناظر ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ علم حضوری کی مختصر تعریف ہے۔ علم حضوری اور علم حصولی میں فرق یہ ہے کہ جب استاد اپنے شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویر بناتا ہے اور بتادیتا ہے کہ اتنے خانوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے تو آنکھ بن جاتی ہے اور اتنی تعداد کے خانوں پر پینسل پھیر دی جائے تو ناک بن جاتی ہے اور گراف کے اندر چھوٹے چھوٹے خانوں کو ترتیب سے کاٹا جائے تو کان بن جاتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق و شوق سے استاد کی رہنمائی میں خانوں کے اندر تصویر کشی کرتا ہے اُسی مناسبت سے وہ مصور بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس علم حضوری ہمیں بتاتا ہے کہ ہر انسان کے اندر تصویر بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر کرسی بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کے اندر موجود لوہار، درزی، بڑھئی، مصور بننے کی صلاحیت کو متحرک کردے اور جیسے جیسے شاگرد اس صلاحیت سے استفادہ کرتا ہے۔ اپنے فن میں مہارت حاصل کرلیتا ہے۔ اب ہم اس بات کو ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

دنیا میں جو کچھ موجود ہے یا آئندہ ہونے والا ہے یا گزر چکا ہے۔ وہ سب خیالات کے اوپر رواں دواں ہے۔ اگر ہمیں کسی چیز کے بارے میں کوئی اطلاع ملتی ہے بالفاظ دیگر اس چیز کا خیال آتا ہے تو وہ ہمارے لئے موجود ہے اور اگر ہمیں اپنے اندر سے کسی چیز کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا کسی چیز کے بارے میں خیال نہیں آتا تو وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی مصور بننا چاہتا ہے تو پہلے اس کے ذہن میں تصویر بنانے کا خیال آتا ہے۔ جب کوئی آدمی بڑھئی بننا چاہتا ہے تو اس کے ذہن میں آتا ہے کہ مجھے بڑھئی کا کام کرنا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس دنیا کے ہر علم کی یہی نوعیت ہے۔ پہلے اس علم کے بارے میں خیال آتا ہے اور خیال آنے کے بعد اس مخصوص فن یا مخصوص علم کو سیکھنے کیلئے ذوق و شوق کے ساتھ ہمارے اندر مخصوص صلاحیت متحرک ہو جاتی ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ آدمی کے اندر موجود صلاحیت کو بیدار کرنے میں معاون بن جاتا ہے۔ علوم و فنون سیکھنے کی صلاحیتیں کم و بیش ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔ اسی طرح روحانی علوم سیکھنے کی صلاحیتیں بھی انسان کے اندر موجود ہیں۔ جب آدمی تصویر بنانا سیکھ لیتا ہے تو اس کا نام مصور ہو جاتا ہے اور جب آدمی فرنیچر بنانے میں ماہر ہو جاتا ہے تو اس کا نام بڑھئی رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر آدمی کوئی چیز ایجاد کرلیتا ہے تو سائنس دان کہلاتا ہے۔ اگر شاگرد استاد کی مدد سے اپنے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار کرلیتا ہے تو اس کا نام روحانی انسان ہے۔ علم حضوری اور علم حصولی کی مختصر تعریف کے بعد یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ روح کو سمجھنے، جاننے اور پہچاننے کیلئے اگر کوئی معتبر اور حقیقی ذریعہ ہے تو وہ "علم حضوری" ہے۔ علم حصولی سے

روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر کوئی آدمی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ عقلی اور منطقی دلیلوں میں الجھ کر بھٹک جاتا ہے اور ہر انسان اپنی فکر کے مطابق روح کے بارے میں قیاس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نائب

"کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کی تخلیق پر غور نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے۔"(سورۃ الاعراف۔ آیت185)

"غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کے پتھروں کی تہیں موجود ہیں۔ نیز انسانوں، چوپایوں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔" (سورۃ الفاطر۔ آیت 27 تا 28)

"ارض و سماء کی تخلیق اور اختلافِ لیل و نہار میں عقل مندوں کیلئے آیات (نشانیاں) ہیں۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت190)

"آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اُتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کا بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کیلئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔"

(سورۃ البقرہ۔ آیت164)

اللہ تعالیٰ نے کائنات اس لئے تخلیق کی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرے۔

پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ کائنات کے تخلیقی عناصر اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی نوعیں اور افراد کا علم جاننے والا کوئی ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کے انتظامی امور انسان کو سکھا دیئے ہیں۔

تکوین

یہ علوم چونکہ براہِ راست خالق کے تخلیقی فارمولوں سے متعلق ہیں، اس لئے انسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی ہے۔
جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نیابت و خلافت کے منصب پر فائز فرما دیا تو یہ بات از خود یقین بن گئی کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تمام کائناتی شعبوں میں انسان کو تصرف کا حق حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کی روشنی میں انسان کو کائنات چلانے، کائنات کو متحرک اور قائم رکھنے کا اختیار عطا کر دیا ہے۔ نیابت کا یہی اختیار ہے جس کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت فرمایا ہے۔ نیابت کے تذکرہ میں یہ ضروری ہے کہ کائنات کی بنیادی حیثیت کو سمجھا جائے۔ کائنات جن اصولوں، قاعدوں اور فارمولوں پر تخلیق کی گئی ہے اور جن قاعدوں، ضابطوں اور مقداروں پر کائنات چل رہی ہے ان سب امور کے یکجائی پروگرام کا نام "تکوین" ہے۔

جس طرح ملک کے انتظامی شعبوں کو Administration کہا جاتا ہے، اسی طرح کائناتی نظام کو تکوین کہا جاتا ہے۔ حکمتِ تکوین پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات زیر بحث آتی ہے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی؟

چار شعبے

روحانی ماہرین بتاتے ہیں کہ کائنات کی تشکیل چار شعبوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ وسائل کے بغیر تخلیق

۲۔ حرکت کا آغاز

۳۔ ترتیب خود شناسی

۴۔ قضاو قدر (اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں)

۱۔ کائنات کا پہلا مرحلہ اس طرح وجود میں آیا کہ کائنات کی موجودگی میں وسائل کا دخل نہیں ہے۔ بغیر اسباب و وسائل کے افراد کائنات کی موجودگی کے شعبے کو ابداء کہتے ہیں۔ یہ کائنات کا آغاز بھی ہے اور کائناتی انتظام کا پہلا شعبہ بھی۔ یعنی کائنات اس طرح وجود میں آئی کہ وسائل زیر بحث نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ''کن'' فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔

۲۔ عالم موجودات میں شکل و صورت، حرکت و سکون کی طرزیں جب نمایاں ہوئیں اور زندگی کے مراحل وقوع میں آنا شروع ہوئے تو کائنات کا دوسرا شعبہ بنا۔ اس شعبہ کا نام ''خلق'' ہے۔

۳۔ تیسرا شعبہ '' تدبیر'' ہے۔ جس میں موجودات کی زندگی کے تمام اعمال و حرکات ترتیب کے ساتھ مرتب ہو گئے۔
۴۔ چوتھا شعبہ تدلّٰی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ افراد کائنات میں انتظامی امور کے تحت قضاو قدر کی حکمت اور فیصلے مرتب ہو گئے۔

Summary

۱۔ پہلا شعبہ جہاں تکوین کا آغاز ہوا یہ ہے :

ساری کائنات وجود میں آگئی۔ لیکن اسباب و وسائل کے بغیر۔ جب کہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر وسائل کے وجود میں نہیں آتی۔ زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایجادات اور تخلیقات اور نئی نئی چیزوں پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایک چیز بھی نظر نہیں آتی جہاں وسائل کی محتاجی نہ ہو لیکن خالق کائنات کی تعریف یہ ہے:

خالق کائنات اسباب و وسائل کا محتاج نہیں۔

اس کے ارادے اور اختیار سے از خود وسائل مہیا ہو جاتے ہیں اور یہ وسائل کائناتی خدوخال اختیار کر کے مظہر بن جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا شعبہ:

کائنات کے افراد کو اس بات کا علم حاصل ہوا کہ اس کے اندر حرکت و سکون ہے اور کائنات میں ہر فرد شکل و صورت کا محتاج ہے۔ دوسرے شعبے میں کائنات میں حرکت کا آغاز ہو گیا۔

۳۔ کائنات وسائل و اسباب کے بغیر موجود ہو گئی۔ اس کے اندر حرکت و سکون کی طرزیں نہیں تھیں اور نہ ہی کائنات کے افراد اپنی شکل و صورت سے واقف تھے۔ ایک حیرت کا عالم تھا اور بس۔!

۴۔ کائنات میں حرکت کا آغاز ہوا تو موجودات کی زندگی میں ترتیب واقع ہوئی اور موجودات نے یہ جان لیا کہ میری انفرادی حیثیت ہے۔

جب موجودات کے علم میں یہ بات آگئی کہ اس کی انفرادی حیثیت ہے اور اس کے اندر حرکت اور سکون کی طرزیں موجود ہیں تو اسے اس بات کا وقوف حاصل ہوا کہ زندگی ایک ایسے دائرے میں بند ہے جہاں انسان اور کائنات قضا و قدر کے فیصلوں کی محتاج ہے۔

نیابت و خلافت

آدم کو تکوین کے چار شعبوں کا علم اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کر سکے اور کائناتی امور کو چلا سکے۔

انسانی علوم اور اللہ تعالیٰ کے علوم میں یہ واضح فرق ہے کہ انسان جب نائب کی حیثیت سے تکوینی نظام کو چلاتا ہے تو وہ اسباب و وسائل کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں وسائل کے بغیر تخلیقات عمل میں آجاتی ہیں اور قضا و قدر کے فیصلے صادر ہو جاتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کائنات میں بحیثیت نائب اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات سے کائناتی نظام کو چلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی حاکمیت عطا فرما دی ہے۔

حاکمیت کا وصف ہی دراصل نیابت و خلافت کے تقاضے پورے کرنا ہے اور جس طرح دنیاوی Administration میں بے شمار لوگ اپنے اپنے شعبوں کو چلاتے ہیں، اسی طرح کائنات میں بھی مختلف شعبوں کے سربراہ ہوتے ہیں اور ان کی سربراہی میں کائناتی شعبے متحرک ہیں۔

کتاب ''لوح و قلم'' لکھتے ہوئے میں نے قلندر بابا اولیاءؒ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو نیابت و خلافت عطا کر دی تو انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔ جب کائنات پہلے سے وجود میں آگئی اور قضا و قدر کے فیصلے

مدوّن ہوگئے اور افراد کائنات حرکت و سکون کی طرزوں سے واقف ہوگئے تو پھر انسان نائب کی حیثیت سے کیا کام کرتا ہے؟

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔

کائنات مسلسل تخلیق پذیر ہے۔ ہر آن ہر لمحے نئے نئے سیارے بنتے ہیں اور پرانے سیارے ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے جو نیابت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان امور کی نگہبانی کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کائناتی تخلیق میں کوئی نئی چیز تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اپنے نائب حضرات کی ڈیوٹی لگادیتے ہیں اور نائب حضرات اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق موجودات کی زندگی کے اسباب و وسائل، شکل و صورت، حرکت و سکون کی طرزیں متعین کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کردیتے ہیں۔ اس کو Administration کی زبان میں یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نائبین پالیسی بناتے ہیں اس پالیسی کو اللہ تعالیٰ اگر قبول فرمالیتے ہیں تو انتظامی امور چلانے والے دوسرے افراد اس نظام پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ تکوینی امور میں نائبین کے ساتھ فرشتے بھی کام کرتے ہیں۔ لیکن فرشتوں کو ذاتی اختیار نہیں ہے۔

آدم بحیثیت خلیفۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے وہ کائنات کی حرکات و سکنات کو ایک ترتیب اور معین مقداروں کے ساتھ قائم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اپنی نیابت و خلافت سونپی تو نیابت اور خلافت کے فرائض انجام دینے کیلئے کائنات کی ساخت اور کائنات کی حرکات و سکنات اور کائنات کی زندگی سے متعلق تمام اسرار و رموز حضرت آدمؑ کو سکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے ذہن میں موجود کائنات کو وجود میں لانا چاہا تو فرمایا "کن"۔ "وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے "ہو جا" اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔"

(سورۃ یٰسین۔ آیت 82)

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائناتی نظام جس ترتیب کے ساتھ موجود تھا وہ کن فرمانے کے بعد اس ہی طرح وجود میں آگیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ایک کتاب المبین

۲۔ ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ

۳۔ ایک لوح محفوظ میں (80,000) اسّی ہزار حضیرے

۴۔ ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام

۵۔ ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرۂ وسعت (پھیلاؤ) ہوتا ہے۔

۶۔ ہر سورج Star)) کے گرد نو، بارہ، یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔

یہ سوچنا کہ انسانوں کی آبادی صرف ہماری زمین پر ہے یہ قیاس پر مبنی ہے۔ انسانوں اور جنات کی آبادیاں ہر حضیرے پر موجود ہیں۔ ہر آبادی میں زندگی اسی طرح ہے جس طرح زمین پر زندگی ہے۔ بھوک، پیاس، سونا، جاگنا(خواب اور بیداری) محبت، غصہ، حسد، اضطراب، بے چینی، سکون وراحت، افزائش نسل اور زندگی کا ہر تقاضہ، ہر جذبہ اور زندگی کا ہر طرزِ عمل ہر سیارے پر موجود ہے۔ ایک حضیرے پر ایک کھرب سے زیادہ آباد نظام واقع ہیں۔ ایک آباد نظام کو قائم رکھنے کیلئے غیر مستقل نظام اسٹور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غیر مستقل نظام سے مراد یہ ہے کہ پورے نظام بنتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں اور اس ٹوٹ پھوٹ سے مستقل نظام Feed)) ہوتے رہتے ہیں۔ ہر نظام میں الگ الگ سماوات، زمین، پہاڑ، حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ اس ہی طرح موجود ہیں جس طرح ہم زمین پر دیکھتے ہیں۔

"آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو آسمان اور زمین میں کیا کچھ ہے مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نشانیاں کچھ کام نہیں آتیں۔"(سورۃ یونس۔ آیت 1 10)

"اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور و فکر سے سنتے ہیں)۔"(سورۃ الفرقان۔ آیت 73)

بتایا جاتا ہے کہ حقیقت کی زندگی گزارنے، نیک اعمال کی ترغیب دینے اور عذاب سے بچنے کی تلقین کیلئے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں اور پیغمبروں کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے ان کے وراثت یافتہ علمائے حق، اولیاء اللہ آتے رہے اور آتے رہیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث علمائے حق اپنے اپنے ماحول اور ماحول میں رائج زبان کے مطابق وحدانیت کا پرچار کررہے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو یہ پیغام پہنچایا اور اب بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث علمائے حق اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو سنارہے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ یکتا اور بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی خاندان نہیں۔"(سورۃ الاخلاص) وحدت اور وحدانیت کی ہر مذہب نے تبلیغ کی ہے۔ علمائے حق صوفی، ولی، غوث، قطب اور ابدال اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ ہیں جن کے ہاتھ میں نور کی مشعل ہے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

"اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے۔ مثال اس نور کی ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں رکھا ہو چراغ۔ یہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور یہ فانوس ایسا ہو جیسے ایک ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہوا جو روشن کیا جاتا ہو زیتون کے مبارک درخت(کے تیل) سے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے خواہ نہ چھوئے اسے آگ۔ روشنی پر روشنی۔ رہنمائی عطا فرماتا ہے اللہ اپنے نور کی جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ یہ مثالیں لوگوں کیلئے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"(سورۃ النور۔ آیت 35)

ہم جب کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ''کن'' فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مخلوق کا دوست ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ہر طرح کے وسائل پیدا کرتے ہیں اور ہمیں زندگی کے نئے نئے مراحل، نئے نئے تجربات سے گزارتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے دوست ہیں۔ ہمارے جسمانی خدوخال کتنے ہی مختلف ہوں جب ہم تفکر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں تخلیق ایک پروگرام کے مطابق عمل میں آرہی ہے۔ '' پھر نطفے سے جمے ہوئے خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا گوشت کے ٹکڑے کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنادیا اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔''

(سورۃ المومنون۔ آیت 14)

''وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ بنا کر پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم (موت کے) مقررہ وقت تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔'' (سورۃ المومن۔ آیت 67)

قرآن کریم اور مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے چاہے ہمارے جسمانی خدوخال کتنے ہی مختلف ہوں۔

تکوین کے عہدے

تکوین

جس طرح دنیا میں کسی حکومت یا نظام چلانے کے لئے مختلف شعبے اور Ministries قائم کی جاتی ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا نظام چلانے کے لئے باقاعدہ ایک سیکر ٹریٹ قائم کیا ہوا ہے ۔ اس سیکرٹریٹ میں مختلف وزار تیں ہیں۔اس نظام کا نام "تکوین" ہے۔اس نظام میں مختلف عہدے ہیں چند اہم عہدوں کے نام کچھ اس طرح ہیں۔

۱۔ نجبا

۲۔نقبا

۳۔ابرار

۴۔اخیار

۵۔اوتاد

۶۔مخدوم شاہ ولایت

۷۔صاحب خدمت

۸۔اہلِ نظامت

۹۔اہلِ تفصیل

۱۰۔غوث

۱۱۔مدار تفہیم

۱۲۔قطب

۱۳۔قطب عالم

۱۴۔قطب تفہیم

۱۵۔قطب تعلیم

۱۶۔ قطب مدار

۱۷۔ قطب الاقطاب

۱۸۔ ریزرو

۱۹۔ ابدال حق

۲۰۔ ممثلین

۲۱۔ صدر الصدور

اقطاب

قطب کی جمع ہے۔ اولیاء اللہ میں سے ایک انتہائی اعلیٰ اور برگزیدہ گروہ کو کہتے ہیں۔ یہ گروہ تکوین عالم کی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہے۔ قطبِ عالم ایک ہوتا ہے اس کو قطب الاقطاب، قطب مدار، مدار تفہیم بھی کہتے ہیں۔ عالم غیب میں اس کا نام عبد اللہ ہوتا ہے ۔ ہر بستی اور شہر میں ایک قطب ہوتا ہے۔

غوث

غوث کے معنی ہیں پکارنے والا، دعا کرنے والا، فریاد کرنے والا، مستجاب الدعوات کو غوث کہتے ہیں۔

ابرار

اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے۔ یہ تکوین عالم کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ شاہان ولایت یعنی قطب کے معاون ہوتے ہیں۔

اخیار

اولیاء نظامت و تکوین کا طبقہ ان کو اہلِ ولایت بھی کہتے ہیں۔ یہ غوث کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

اوتاد

اوتاد کے معنی میخ ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کا وہ طبقہ ہے جن کی ڈیوٹی اس طرح ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنی جگہ قائم رہتے ہیں اور اِدھر ادھر نہیں ہوتے۔

اہل نظام

یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے حکم اور پالیسیوں کی تفصیلات مرتب کرتے ہیں۔نظام تکوین کے سارے پروگرامز کی تفصیلات طے کرنا اور انہیں آخری شکل دینا انہی کی ذمہ داری ہے۔

اہل تفصیل

نظام تکوین میں یہ حضرات اہم کردار ادا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اہل نظامت کی مرتب کردہ تفصیلات کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

ابدال

نظام عالم پر مقرر اولیاء اللہ کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔ان کی تعداد ستر (۷۰) ہے۔ان کا کام انتظام عالم کی نگرانی ہے۔ان کی تقسیم اس طرح ہے:۔چھ حضرت خضرؑ اور چودہ حضرت الیاسؑ کے ماتحت کام کرتے ہیں۔چھ ریزرو ہوتے ہیں ان کے علاوہ چالیس ابدال ہوتے ہیں۔ممثلین کلیات یا صدر ہوتے ہیں، انہی میں سے ایک صدر الصدور کے عہدۂ جلیل پر فائز ہوتا ہے۔باقی تین صدر کے زیر نگرانی ہوتے ہیں۔

یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تمام اہل تکوین کے بارے میں جان لے کیونکہ بہت سے ایسے "مردان خدا" یعنی اولیاء مستور (رجال الغیب) ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی نگاہوں سے مخفی رکھتے ہیں اور یہ حضرات صاحبان خدمت ہوتے ہیں اور ان کے سپرد تکوینی امور ہوتے ہیں۔

لیل ونہار

روحانی علوم کی تقسیم تین ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔پہلا باب انفرادی زندگی کے اعمال و حرکات، زندگی کی ساخت اور تخلیقی فارمولے۔

۲۔دوسرا باب نوعی تخلیقی فارمولوں پر مشتمل ہے۔

۳۔تیسرا باب مشیت سے متعلق ہے۔

کائنات میں کوئی بھی نوع یا کسی بھی نوع کا کوئی فرد زندگی گزارنے کیلئے دو رُخوں کا محتاج ہے۔ایک رُخ کو ہم بیداری اور دوسرے رُخ کو خواب کہتے ہیں۔بیداری اور خواب دونوں کا تذکرہ قرآن پاک میں لیل ونہار کے نام سے کیا گیا ہے۔قرآن پاک کی ان آیات میں تفکر کیا جائے جن میں لیل و نہار کا بیان ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواس ایک ہیں ان میں ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔

یہی حواس جب رات کے پیٹرن (pattern) میں داخل ہوتے ہیں تو خواب بن جاتے ہیں اور یہی حواس جب دن کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو بیداری بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کو پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو موجب آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے یہ اللہ کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔"(سورۃ الانعام۔ آیت 96) مقصد یہ ہے کہ انسان (جو فی الواقع حواس کے علاوہ کچھ نہیں ہے) رات اور دن کے حواس میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ دن میں داخل ہوتا ہے تو حواس پابند ہو جاتے ہیں اور رات میں داخل ہوتا ہے تو حواس کے اوپر سے پابندی کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ ہم جب علم غیب یا غیب کی دنیا کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل رات کے حواس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے، وہاں ارشاد ہے:

"اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس (راتوں) کا اضافہ کر کے اسے پورے (چالیس) کر دیئے تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی۔"

(سورۃ الاعراف۔ آیت 142)

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر چالیس دن اور چالیس راتیں قیام فرمایا۔ ایسا نہیں ہوا کہ رات کو کوہ طور پر چلے جاتے ہوں اور دن کو نیچے اتر آتے ہوں۔ حضرت موسیٰؑ پر چالیس دن اور چالیس راتوں میں رات کے حواس غالب رہے اور نتیجہ میں غیبی دستاویز (تورات) عطا فرما دی گئی۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج میں بھی رات کا تذکرہ ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 1)
ہر علم کی حیثیت خواہ وہ اکتسابی ہو یا حضوری، تفکر پر قائم ہے۔ جیسے جیسے تحقیق و تلاش کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے نئے نئے علوم وجود میں آتے رہتے ہیں۔ موجودہ سائنسی دور میں یہی عمل کارفرما ہے۔ ہر دانشور تفکر کے ذریعے کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ جس کی تقلید کرتے ہوئے اس کے بعد آنے والے دانشور اس علم کی سطح کو پھیلانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیسے تشریحات دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہیں ان ترغیبات اور تشبیہات سے شعور آشنا ہوتا ہے اسی مناسبت سے شعور گہرائی میں سفر کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم نے نوع انسانی کو مثالیں دے کر علوم سیکھنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔"(سورۃ النور۔ آیت ۳۵)

روحانیت کے تین اوراق

علم روحانیت تین اوراق کی طرح ہے۔

ہر ورق کے دو صفحے ہیں۔

پہلا صفحہ تجلی کا عکس ہے۔ دوسرے پر رموز اور مصلحتیں نقش ہیں۔ تیسرے صفحہ پر رموز واسرار کی تشریحات ہیں۔ چوتھے صفحے پر کائناتی نقوش ہیں۔ پانچویں صفحہ پر احکامات کا ریکارڈ ہے۔ چھٹے صفحہ پر اجتماعی اعمال کی تفصیلات ہیں۔ ان اوراق کا مطالعہ کرنے کیلئے بنیادی سبق * مراقبہ ہے۔ مراقبہ سے برقی رو (لائف اسٹریم) فعال ہو جاتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ساری کائنات کا مجموعی علم جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو بحیثیت نائب اور خلیفہ سکھایا ہے اور جس علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت فرمایا ہے، تین اوراق میں جمع ہے۔ ان تین اوراق کے نام یہ ہیں۔

۱۔ روح اعظم ۲۔ روح انسانی ۳۔ روح حیوانی

تمام علوم کی بنیاد علم الاسماء پر قائم ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت آدمؑ کی نیابت و خلافت کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں یہ بات بنیادی طور پر بیان ہوئی ہے کہ حضرت آدمؑ کو علم الاسماء سکھایا گیا ہے۔ علم الاسماء کی بنیاد پر فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ ”اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام (علوم) سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔“(سورۃ البقرہ۔ آیت 31)

انسان کا شرف اس بات پر قائم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نیابت حاصل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے نیابت کے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ نیابت کے اختیارات کو جاننے، سمجھنے اور استعمال کرنے کے بعد تکوینی بندے کو یہ علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

بندے سے مراد نوع انسان اور نوع انسان کے تمام افراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم الاسماء عطا فرمادیا اور اپنی تخلیقی صفات سے حضرت آدمؑ کو آگاہ فرمادیا تو حضرت آدمؑ کا یہ علم پوری نوع انسانی کا ورثہ بن گیا۔ ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

”جب کوئی بندہ اس نیابت کو، جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں حضرت آدمؑ کو عطا فرمائی ہے، تلاش کرنا چاہے تو * مراقبہ: غور۔ تصور۔ سوچ بچار۔ دھیان۔ گیان۔ فکر کرنا۔ حضوری قلب سے اللہ کا دھیان کرنا۔ سب چیزوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا دھیان کرنا سب سے پہلے اس کے یقین میں یہ بات راسخ ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صفت رحیمی سے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے ازل میں حضرت آدمؑ کو اسم رحیم کی صفت منتقل ہوئی ہے۔ اگر انسان ہمہ تن مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی پر غور کرے تو اس کے اوپر تخلیقی علوم منکشف ہو جاتے ہیں۔“

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسم رحیم کی صفت کا تذکرہ حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ میں کیا ہے۔یعنی حضرت عیسیٰؑ مٹی کے جانور میں پھونک مار کر اڑا دیتے تھے یا پیدائشی کوڑھی یا اندھے کو اچھا کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے اسم رحیم کی صفت کو عملاً جاری و ساری فرما دیتے تھے۔

''تب اللہ تعالیٰ (عیسیٰؑ سے) فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے، جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے تمہاری تائید کی تم ماں کی گود میں اور جوان ہو کر (ایک ہی طرز پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی (جذام) کو میرے حکم سے صحت یاب کر دیتے تھے اور مردے کو (زندہ کر کے) کھڑا کرتے تھے۔اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے تو ان میں سے جو کافر تھے کہنے لگے یہ تو محض کھلا جادو ہے۔''(سورۃ المائدہ۔آیت 110)

تخلیق کا فارمولا

تخلیقی فارمولا یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح کام کر رہی ہے۔اگر انسان کے اندر روح موجود نہیں ہے تو اس کا وجود ناقابل تذکرہ ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر اپنی روح پھونک دی تو اس کے اندر حواس متحرک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔اور جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے قلیل ہے۔''(سورۃ بنی اسرائیل۔آیت 85)

''روح کا قلیل علم دیا گیا ہے۔'' یہ بات توجہ طلب ہے کہ جس قلیل علم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام علوم لامتناہی ہیں۔لامتناہی کا قلیل بھی لامتناہی ہے۔مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا جو علم عطا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علوم کے مقابلے میں قلیل ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روح کا علم کسی کو حاصل نہیں ہے یا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

''اور اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔''(سورۃ یٰسین۔آیت 82)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انسان ناقابل تذکرہ شے تھا۔ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔یہی بات اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرما رہے ہیں کہ '' جب تو بناتا ہے مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے یعنی میرے دیئے ہوئے علوم سے پھر اس میں پھونک مارتا ہے تو ہو جاتا ہے وہ جانور۔''مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تخلیقی فارمولے کے تحت یا اسم رحیم کی صفت کے تحت مٹی کے جانور میں پھونک مارتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا۔پیدائشی اندھے اور کوڑھی کے اوپر دم کرتے تھے تو بھلا چنگا ہو جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی اور لفظ ''کن'' فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم رحیم نے حرکت میں آ کر کائنات کے تمام اجزا اور تمام ذرّوں کو شکل و صورت بخش دی۔

ادراک اور وجدان

آسمانی صحیفے اور الہامی کتابیں، بیان کی مخصوص طرز رکھتی ہیں۔ تفکر کیا جائے تو یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طرز استدال یہ ہے کہ وہ ایک ہی بات کو مختلف طرزوں اور مثالوں سے بیان فرماتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان روحانی علوم سے واقفیت نہیں رکھتا۔ الہامی علوم کا شعور پر وزن پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے بیان فرماتے ہیں تاکہ شعور کے اوپر زائد وزن نہ پڑے۔ یہی طرز استدلال قرآن کا ہے اور یہی طرز استدلال دوسری الہامی کتب توریت، زبور اور انجیل کا بھی ہے ۔احادیث کا طرز استدلال بھی یہی ہے۔

نزول وصعود کا قانون

جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم سیڑھی بہ سیڑھی نزول اور صعود کرتا ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون

"تحقیق ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔"

(سورۃ البقرہ۔ آیت 156)

۱۔ اللہ تعالیٰ کا علم جب نزول کرتا ہے تو مخلوق کا ادراک بن جاتا ہے۔

۲۔ یہ علم ادراک بن کر ایک نقطے پر کچھ دیر قیام کرتا ہے یعنی اس کے اندر گہرائی پیدا ہوتی ہے تو نگاہ بن جاتی ہے۔

۳۔ ادراک میں جب تک گہرائی پیدا نہیں ہوتی خیال کی کیفیت رہتی ہے۔

۴۔ ادراک جب خیال کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو کسی چیز کا ہلکا سا عکس بنتا ہے یہ عکس احساس پیدا کرتا ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ خیال کی حدود میں احساس کام تو کرتا ہے لیکن اسکی حیثیت صرف نظر کی ہوتی ہے۔

۱۔ جب احساس ایک ہی نقطہ پر چند لمحوں کیلئے مرکوز ہو جاتا ہے تو اس میں خدوخال اور شکل وصورت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ خدوخال باطنی نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں۔

۲۔ نگاہ کے سامنے آنے والے ماورائی خدوخال جب ایک ہی نقطہ پر چند لمحے اور مرکوز رہتے ہیں تو نگاہ گویا ہو جاتی ہے۔
۳۔ قوت گویائی اگر ذرا دیر اور اس فرد یا نقطے کی طرف متوجہ رہے تو فکر اور احساس میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے اور نگاہ اپنے اردگرد نیرنگی کا ایک ہجوم محسوس کرتی ہے۔

"ہم نے انسان کو وہ علم سکھائے جو وہ نہیں جانتا تھا۔" (سورۃ العلق۔ آیت 5)

جس طرح خیال علم ہے اسی طرح نگاہ بھی علم ہے۔چونکہ ہر چیز کی بنیاد علم ہے اس لیے خیال اور نگاہ کے بعد تمام حالتیں بھی علم ہیں۔علم کی یہ کیفیت نزولی ہے۔علم نزول کر کے عالم ناسوت تک آتا ہے اورانسان کی حس گوشت پوست کے جسم کو چھولیتی ہے۔اور یہ ہی کیفیت کسی شے کی محسوسیت کیلئے انتہا ہے۔

زمانیت اور مکانیت کا قانون

آدم زاد یا کوئی بھی مخلوق اوپر سے نیچے اترتی ہے۔روح یا امر ربی اپنے اظہار کے لئے اور اپنی جلوہ نمائی کے لئے گوشت پوست کا جسم تخلیق کرتی ہے۔اس کے بعد فکر انسانی تنزل کر کے صعود کرتی ہے اور پہلی حس سے یا پہلے حواس سے دور ہونے لگتی ہے۔ دوری سے مراد یہ ہے کہ پیدا ہونے والا ایک دن کا بچہ جب دوسرے دن میں داخل ہوتا ہے تو پہلا دن زندگی کے نزول کا رد عمل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن کا بچہ جب دو دن کا ہوتا ہے تو اس حالت کا نام نزولی کیفیت ہے۔یہی رد عمل مکانیت اور زمانیت کا احساس دلاتا ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحے میں بچہ کی تمام صفات، اعضاء اور حواس میں تغیر واقع ہو جاتا ہے یہی تبدیلی زمانیت اور مکانیت ہے۔

بچہ شعوری اور لاشعوری طور پر اس بات کو سمجھتا ہے، یہ بات اس کے شعور میں ریکارڈ ہو رہی ہے کہ میں ایک لمحے سے گزر کر دوسرے لمحے میں، ایک گھنٹہ، ایک دن، ایک ماہ، ایک سال سے دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہوں۔زندگی کا یہ سفر زمانیت اور مکانیت پر قائم ہے یعنی ٹائم اینڈ اسپیس ہمیں اس بات کا علم دیتا ہے کہ ابھی ہم جس چیز کے قریب تھے ایک معین مقدار اور توازن کے ساتھ رفتہ رفتہ اس سے دور ہو رہے ہیں۔یہ قرب اور دوری زندگی پر محیط ہے۔مفہوم یہ ہے کہ روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے اور دیکھتی سنتی ہے۔جس کی ایک مثال خواب ہے۔مکانیت چھوٹے وقفوں کا نام ہے۔مکانیت میں وقفے ہوتے ہیں جیسے ایک منٹ، دو منٹ۔یعنی ایک اور دو منٹ میں وقفہ چھپا ہوا ہے۔زمانیت میں وقفہ نہیں ہوتا۔زمانیت مسلسل اور متواتر بساط ہے۔

مثال

اسکی مثال یہ ہے کہ آدمی سڑک پر چل رہا ہے۔سڑک کو اگر ہم زمانیت تصور کریں تو سڑک زماں اور چلنے والا فرد مکاں ہے۔چلنے والا آدمی جب ایک قدم اٹھاتا ہے اس کے بعد دوسرا قدم اٹھاتا ہے، چلنے میں ایک دو دس بیس قدم اٹھانا زمانیت ہے اور بساط پر قدم رکھنا مکانیت ہے۔

روح کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو تخلیق کیا تو "کن" فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات اپنے نقش و نگار، خدوخال، صفات اور اپنے تعارف کے ساتھ تخلیق ہو گئی یعنی روحیں وجود میں آ گئیں۔روحوں کو اتنا ادراک تھا کہ "میں" ہوں۔اس ادراک میں اُس وقت اضافہ ہوا یا ادراک کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''(سورۃ الاعراف۔ آیت 172)

اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر روحیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت اوراللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ اور کائنات نے کہا جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔

انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ چکا ہے

اس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے ''کن'' فرمانے کے بعد کائنات عالم حیرت میں تھی اور اس کے اوپر گمشدگی کا عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔ ''

(سورۃ الاعراف۔ آیت 172)

جب اللہ تعالیٰ نے کائنات سے مخاطب ہو کر ان سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو کائنات نے گمشدگی کے عالم سے نکل کر اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا اور عرض کیا: جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔

کائنات عالم حیرت میں تھی کہ کائنات کی سماعت سے آواز کی لہریں ٹکرائیں، جیسے ہی سماعت میں حرکت واقع ہوئی تو مخلوق میں قوت سماعت منتقل ہوگئی۔ مخلوق نے آواز دینے والے کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی دیکھنے کا عمل صادر ہوا مخلوق کو نظر حاصل ہوگئی۔ جب مخلوق نے اللہ تعالیٰ کی آواز سن لی اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا تو قوت گویائی حرکت میں آگئی۔ مخلوق کی فہم میں یہ بات آگئی کہ ہمارے علاوہ بھی کوئی ہستی ہے اور اس ہستی نے ہمیں تخلیق کیا ہے۔ اسکے بعد موجودات نے اپنے علاوہ دوسری موجودات کو دیکھا۔ اس دیکھنے کو تصوف میں عالم مثال کہتے ہیں۔

تفکر؟

کسی بات کو سمجھنے اور اس کی حقیقت تلاش کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس بات کی طرف تمام تر ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ متوجہ ہوں اور اس بات سے متعلق جتنے عوامل ہیں جتنے محرکات ہیں ان سے آگاہی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعارف ہونے، اللہ تعالیٰ کی ذات کو جاننے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے آگاہ ہونے کیلئے کائنات میں تفکر کرنا ضروری ہے۔

''اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔''(سورۃ الانعام۔126)

''پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو پیدا نہیں کرتے، دونوں یکساں ہیں؛ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟''(سورۃ النحل۔ آیت 17)

"کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔" (سورۃ الروم۔ آیت 8)

"کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیوں کر بنایا اور سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔"(سورۃ ق۔ آیت 6)

مصور کو ہم اس وقت مصور کہتے ہیں جب اس کی تخلیقات ہمارے سامنے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے وقوف حاصل کرنے کیلئے مخلوق کا پہچاننا اور تخلیقی فارمولوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہم جب کائنات کے بارے میں تفکر کرتے ہیں تو دو بنیادی باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کائنات کے اندر زندگی رواں دواں ہے۔ دوسرا یہ کہ زندگی کسی کے تابع ہے۔ افراد کائنات کو زندہ رکھنے والی شے جب تک فرد کو زندگی منتقل کرتی رہتی ہے فرد متحرک رہتا ہے اور جب یہ شے فرد سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو تمام افراد کائنات میں جاری و ساری ہے۔

"کُن" اللہ تعالیٰ کے ذہن سے نکلا ہوا ایک لفظ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ لامتناہی ہیں اور غیر متغیر ہیں، شکست و ریخت سے ماورا ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا لفظ بھی لاتغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امر مسلسل حرکت میں ہے۔ ازل تا ابد حرکت میں رہے گا۔ کائنات ایک حرکت ہے۔ کائنات میں موجود تمام افراد ایک نظام کے تحت ایک دوسرے سے وابستگی کے ساتھ مسلسل حرکت میں ہیں۔

مثال

انسانی زندگی کا تجزیہ ہے کہ ہر انسان میں دو دماغ ہیں۔ جب انسان شعور میں ہوتا ہے تو اسکی کیفیات الگ ہوتی ہیں اور جب انسان لاشعور میں زندگی بسر کرتا ہے تو کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن حرکت کسی وقت ساقط نہیں ہوتی۔ اسلئے مخلوق شعوری کیفیات میں ہو یا لاشعوری کیفیات میں ہو مسلسل حرکت میں ہے۔

فرشتے

فرشتوں کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ ملاءِ اعلیٰ ۲۔ ملائکہ نورانی ۳۔ ملائکہ سماوی ۴۔ ملائکہ اسفل

۵۔ ملائکہ رضوان ۶۔ زمانیا ۷۔ کراماً کاتبین

"(اور فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔"

(سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 164)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ فرشتے جو عرش کو تھامے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو اس کے ارد گرد ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کیلئے اپنے آپ کو ہر دم تیار رکھتے ہیں اور ایمان والے لوگوں کیلئے دعا کرتے ہیں۔(صحیح بخاری۔ جلد سوئم۔ حدیث 1331)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم دیتے ہیں تو فرشتے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، پروں کے پھڑ پھڑانے سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر پر زنجیر کھینچنے سے ہوتی ہے پھر نیچے کے فرشتے اوپر والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے اوپر والے فرشتے کہتے ہیں جو حکم بھی دیا گیا ہے وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ بہت بلند اور بڑے ہیں اور اس کے بعد وہ تفصیل بتا دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دیتے ہیں تو فرشتے جو عرش کو تھامے ہوئے ہیں "سبحان اللہ" کہتے ہیں یہاں تک کہ آسمان اور زمین تک تسبیح پہنچ جاتی ہے اس کے بعد حاملین عرش کے قریب رہنے والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم فرمایا ہے تو وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگاہ کر دیتے ہیں اس طرح نیچے کے آسمان والے اوپر کے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ حکم پہنچ جاتا ہے۔"(مشکوٰۃ شریف۔ حدیث 530)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ایک روز کچھ رات گزری تھی کہ میں اٹھا وضو کیا اور جس قدر مجھے وقت میسر آیا میں نے نماز قائم کی۔ نماز میں مجھے اونگھ آگئی میں نے دیکھا میرے پروردگار نہایت اچھی شکل میں میرے سامنے ہیں مجھ سے فرمایا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے عرض کیا اے پروردگار میں حاضر ہوں۔ پوچھا ملاءِ اعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا! میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی اور میں نے تینوں دفعہ یہی جواب دیا پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک میرے سینے میں محسوس ہوئی اب مجھ پر سب چیزیں روشن ہو گئیں۔ اور میں سب کچھ سمجھ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکارا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" میں نے عرض کیا: "لبیک میں حاضر ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "ملاءِ اعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟"

میں نے عرض کیا: "'کفارات' پر بحث ہو رہی ہے۔"

پوچھا: "کفارات کیا چیز ہیں؟"

میں نے عرض کیا" جماعت کی طرف پیدل چل کر جانا، نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور تکلیف کے باوجود وضو کرنا، جس نے یہ عمل کئے وہ خیر ہی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر پر ہی اس کو موت آئے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:" اور کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟"

میں نے عرض کیا" درجے حاصل کرنے والی چیزوں پر۔"

فرمایا:" وہ کیا ہیں؟"

میں نے عرض کیا،

۱۔ بلا شرط کھانا کھلانا۔ (یعنی مسکین اور محتاج ہونے کی شرط نہ ہو) بلکہ ہر ایک کو کھانے کی عام اجازت ہو، اس لئے کہ بعض غیرت والے لوگ محتاجوں کے زُمرے میں آنا پسند نہیں کرتے۔

۲۔ ہر ایک انسان سے نرم بات کرنا۔ اور

۳۔ راتوں کو ایسے وقت میں نماز قائم کرنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(جامع ترمذی۔ جلد دوئم۔ حدیث نمبر 1159)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے پیار کرتے ہیں تو جبرائیلؑ کو بلا کر کہتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے پیار کرتے ہیں پھر آسمانوں میں منادی ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص سے اللہ تعالیٰ پیار کرتے ہیں تم سب اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین پر اسے مقبول عام بنا دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ناپسند کرتے ہیں تو جبرئیلؑ کو بلا کر کہتے ہیں کہ میں فلاں شخص کو پسند نہیں کرتا چنانچہ جبرئیلؑ اُسے پسند نہیں کرتے پھر آسمانوں میں منادی کرادی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو پسند نہیں کرتے پھر وہ سب فرشتے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد زمین پر موجود مخلوق بھی اسے ناپسند کرتی ہے اور وہ دنیا میں ناپسندیدہ شخص بن کر رہتا ہے۔"

(صحیح بخاری جلد سوئم۔ حدیث 978)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ہر روز انسان جب صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک کہتا ہے کہ یا اللہ! اچھی جگہ خرچ کرنے والوں کو اور نعمتیں عطا کر دیجئے۔ دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ! دولت کو ذخیرہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیجئے۔ جب یہ فرشتے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو طبیعت میں اچھے کام کرنے کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔ فرشتے ٹکڑیوں کی شکل میں جمع ہوتے ہیں اور ٹکڑیوں کی

شکل میں اڑتے پھرتے ہیں۔ آپس میں گفتگو کرتے ہیں ۔ فرشتوں کی ٹکڑیوں میں نیک انسانوں کی روحیں بھی شامل ہوتی ہیں۔"
(صحیح بخاری جلد اول۔ حدیث 1356، مسلم جلد اول 2330)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے اطمینان والی روح !تو راضی اور خوش ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو پھر میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔"(سورۃ الفجر۔ آیت 27 تا 30)

حظیرۃ القدس

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

حظیرۃ القدس میں جمع ہونے والے فرشتے اور روحیں انسانوں کو تباہی اور مصیبت سے بچانے کے طریقوں پر سوچ بچار کرتے ہیں اور سب متفق ہو کر یہ طریقے انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس کام کیلئے وہ انسان منتخب کیا جاتا ہے جو انسانوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہو۔ پاکیزہ شخص کیلئے لوگوں کو Inspire کیا جاتا ہے کہ اس آدمی کی پیروی کریں۔ پھر ایک جماعت بن جاتی ہے جو انسانیت کی خدمت کرتی ہے جن باتوں میں قوم کی بھلائی اور بہتری ہو، اس پاکیزہ بندے کی روح میں وحی کے ذریعہ خواب میں اور کبھی غیب کی حالت میں وہ باتیں داخل کر دی جاتی ہیں۔ فرشتوں کے ذہن میں ذاتی نفع و نقصان نہیں ہوتا۔ صرف وہی عمل کرتے ہیں جس کا انہیں اوپر کے فرشتوں کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔

کراماکاتبین

فرشتوں کی ایک قسم کراماکاتبین ہے جن کی ہر انسان کے ساتھ ڈیوٹی ہوتی ہے ایک فرشتہ ہر نیک کام کو لکھ لیتا (ویڈیو فلم بناتا) ہے اور دوسرا ہر بُرے کام کو لکھ لیتا (ویڈیو فلم بناتا) ہے۔

"کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی ہوئی باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں، ہاں ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی) سب باتیں لکھ لیتے ہیں۔"(سورۃ الزخرف۔ آیت 80)

بیت المعمور

سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے بیت المعمور ہے۔ بیت المعمور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا مقام ہے۔ اس مقام میں ملاءِ اعلیٰ رہتے ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کے نیچے ملائکہ نوری، ملائکہ نوری کے نیچے ملائکہ سماوی اور ملائکہ سماوی کے نیچے ملائکہ عنصری ہیں۔

فرشتوں کے گروہ

گروہ جبرائیلؑ گروہ میکائیلؑ گروہ عزرائیلؑ گروہ اسرافیلؑ

ہر گروہ کی الگ الگ صلاحیتیں ہیں اور ان صلاحیتوں کا الگ الگ استعمال ہے۔

حضرت جبرائیلؑ اللہ کے قاصد ہیں۔ وحی پہنچانا اور الہام کرنا انکا وصف ہے۔

گروہ میکائیلؑ کے فرائض میں بارش کے سارے معاملات ہیں۔

گروہ عزرائیلؑ کے ذمہ موت سے متعلق معاملات ہیں۔

گروہ اسرافیلؑ کی ڈیوٹی میں قیامت سے متعلق معاملات ہیں۔

سات آسمان

سات آسمان میں ہر آسمان ایک زون ہے۔ ہر زون کے فرشتے الگ الگ ہیں لیکن ساتوں آسمانوں میں موجود فرشتوں کو ملائکہ سماوی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں وہ فرشتوں کے پروں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ فرشتوں کے پر صلاحیتوں اور صفات کے مطابق چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ پروں کی تعداد میں بھی فرق ہوتا ہے۔ (جس طرح مور کے پر ہوتے ہیں اور پروں پر خوبصورت نقش و نگار ہوتے ہیں اسی طرح فرشتوں کے پروں پر بھی لاشمار نقوش ہوتے ہیں)۔ ہر نقش ایک صلاحیت ہے۔ فرشتوں کے پروں میں سے نور کے جھماکے ہوتے رہتے ہیں۔

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں۔ وہ مخلوق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ فاطر۔ آیت 1)

بیس ہزار فرشتے

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کراماً کاتبین، منکر نکیر، ملائکہ رضوان، ملائکہ زمانیا وغیرہ، فرشتوں کے کئی طبقے ہیں۔ فرشتے کائناتی نظام میں ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرّہ برابر فرق نہیں کرتے فرشتوں کی تعداد کتنی ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، تخلیقی نظام میں ہر انسان کے ساتھ 20 ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اس وقت ہماری دنیا کی آبادی چھ ارب ہے جبکہ ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں اور بھی موجود ہیں۔ دوسری دنیاؤں کے مقابلے میں ہماری زمین سب سے چھوٹا کرّہ ہے۔ سیر کے دوران صوفی کو ہماری زمین ایسی نظر آتی ہے جیسے بڑے گنبد پر سوئی کی نوک سے نشان لگا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) روشنائی ہو (اور) اس کے سات سمندر اور (روشنائی ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔" (سورۃ لقمان۔ آیت 27)

جنات

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت آدمؑ سے کئی ہزار سال قبل پیدا کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

"جنات زمین پر رہتے تھے اور فرشتے آسمان پر اور زمین و آسمان ان ہی سے آباد تھے اور ہر آسمان کے الگ الگ فرشتے ہیں ہر آسمان والوں کی الگ الگ تسبیح ہے اور اوپر والے آسمان کے فرشتے نیچے والے آسمان والوں سے زیادہ ذکر و تسبیح کرتے ہیں۔"

جنات کی دنیا

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے قومِ جنات میں اپنے رسول مبعوث فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور شرک سے منع فرمایا اور آپس میں خون ریزی سے منع کیا۔ جنات نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور خون ریزی شروع کر دی تو عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا تو فرشتوں نے آدمؑ کو جنات پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ "یہ بھی خون ریزی کرے گا۔"

مشرک جنات

بعض لوگوں نے جنات دیکھنے کے واقعات بیان کیے ہیں۔

حضرت بلال بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ:

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر میں تھے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا۔۔۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے کچھ دور تشریف لے گئے۔ میں نے شور سنا مجھے لگا کہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یہ کیسا شور ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مسلم اور مشرک جنات مکانات کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے میں نے مسلم جنات کو بستیوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنے کیلئے کہہ دیا اور مشرک جنات کو وادیوں اور جزیروں میں رہنے کیلئے حکم دیا ہے۔"

"اور یہ کہ بے شک ہم میں سے بعض تو نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں ہمارے بھی کئی طرح کے مذہب ہیں۔"(سورۃ الجن۔ آیت 11)

مسلمان جنات

جنات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی قرآن سنا اور ایمان لائے اور کفر و شرک سے توبہ کی۔ جنات احکامات شرعیہ کے مکلف ہیں بہت سی آیات میں ان کے مکلف ہونے کا ذکر ہے۔

جنات کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض کہ جب وہ لوگ ان کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے گئے اور کہا اے بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا وہ زمین پر خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا حامی نہیں ہو گا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔"(سورۃ الاحقاف۔ آیت 29 تا 32)

جب یہ واقعہ پیش آیا تو منجانب اللہ آپ کو حکم ملا کہ اسے لوگوں کو سنا دیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سورۃ پڑھ کر سنائی تا کہ لوگ جان سکیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن و انس سب کیلئے مبعوث کیے گئے ہیں۔ تمام انسانوں اور تمام جنات پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف سے مکہ واپس آ رہے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کے باغ کے پاس قیام فرمایا۔ تہجد کی نفلوں میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ جنات نے قرآن حکیم سنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے۔

ارتقا

اس مضمون میں انسانی جسم کے ان ارتقائی مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے جو رحم مادر میں انجام پاتے ہیں۔

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے نچوڑ سے بنایا، پھر اسے ایک مضبوط جگہ میں بوند بنایا، پھر بوند کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر خون کی پھٹکی کو بوٹی بنایا، پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا، تب جا کر اسے ایک دوسری بناوٹ میں اٹھا کھڑا کیا، تو کیا برکت والا ہے اللہ، بہترین بنانے والا۔" (سورۃ المومنون۔ آیت 12 تا 14)

نطفہ جب رحم مادر میں داخل ہوتا ہے تو سیدھا ان نالیوں میں چلا جاتا ہے جو رحم کو داخلی راستے سے ملاتی ہیں۔ رحم کی نالیوں میں نطفہ مادہ جرثومی خلیہ سے ملکر ایک نیا خلیہ بناتا ہے، جسے عربی میں "عَلَقَہ" اردو میں لوتھڑا اور انگریزی میں "Zygote" کہتے ہیں۔ اس خلیہ میں وہ تمام جینیاتی معلومات ہوتی ہیں۔ آدھی جینیاتی معلومات مردانہ نطفہ سے آدھی مادہ جرثومی خلیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔
"وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تنِ واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا، سو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد عطا فرما دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت 189)

مادہ (Female)

"مادہ (Female) اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی ہر چیز اسکے پاس اندازے سے ہے۔" (سورۃ الرعد۔ آیت 8)

" عَلَقَہ " یا لوتھڑا اگلے چند دن ان نالیوں میں گزارتا ہے اور اس دوران مزید خلیوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ ان خلیوں کی ایک گیند نما شکل (Blastocyst) بن جاتی ہے۔ عَلَقَہ کی مزید تقسیم در تقسیم اس گیند کے اندر بھی ہوتی رہتی ہے۔ گیند کے اندرونی خلیے مل کر جنین((embryoبناتے ہیں۔ یہ جنین گویا ایک بے جان بچہ کے جیسی چیز ہوتی ہے۔ یہی جنین آگے چل کر ایک بچہ بنتی ہے۔ گیند کے بیرونی حصے میں جمع ہو جانے والے خلیے ایسی چادروں یا پردوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو کہ جنین کی حفاظت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ پانچویں دن یہ گیند یا blastocyst نالیوں سے گزر کر رحم کے اندرونی حصے میں آجاتی ہیں اور چھٹے دن رحم کی اندرونی دیواریں اتنی مضبوط ہو جاتی ہیں جو بچے کو اپنے اندر رکھنے کے قابل ہوتی ہیں اور جنین کو ماں کے خون سے توانائی ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ جنین کے اندر خلیوں کی تقسیم جاری و ساری رہتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے اندر امتیازی صفات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور خلیے مخصوص شکلیں اختیار کرنے لگتے ہیں۔ جیسے کہ خون، گردے، نسیں اور رگیں وغیرہ۔

اس مرحلے میں بچے کے ابتدائی نقش و نگار بننا شروع ہو جاتے ہیں۔

شکم مادر میں بچہ بتدریج بڑھتا ہے۔ پہلے اس کا دماغ بنتا ہے۔ پھر ریڑھ کی ہڈی اور دل بننا شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد معدہ اور آنتیں بنتی ہیں۔ اس کے بعد آنکھوں اور کانوں کی ساخت شروع ہوتی ہے اور پھر ۹ مہینے میں مکمل شکل و صورت بن جاتی ہے۔
"اور ہم نے بنایا آدمی کو دو رنگی بوند سے ہم پلٹتے رہے اس کو پھر ہم نے کر دیا سننے والا، دیکھنے والا، ہم نے سمجھائی اس کو راہ حق مانتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔"

(سورۃ الدھر۔ آیت 2تا3)

تشکیل حیات

جدید سائنس نے جن حقائق کی اب تصدیق کی ہے اسلامی سائنس انہیں ۱۴۰۰ سال قبل جانتی تھی۔

امام مسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت حذیفہ ابن اسد سے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے فرمایا:
"رحم مادر میں نطفہ جب ۴۲ دن کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو نطفہ کو ایک شکل دینے کے ساتھ ساتھ سماعت، بصارت، کھال، گوشت اور ہڈیاں بنا دیتا ہے۔"

اس حدیث میں وقت کا تعین بعینہ وہی ہے جو آج کی میڈیکل سائنس نے کافی تحقیق اور مطالعے کے بعد معلوم کیا ہے۔ ابتدائی چھ ہفتوں تک embryo میں انسانی ساخت سے متعلق کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی مگر ۴۲ ویں دن سے اس کی صورت اور دیگر صفات اس قابل ہو جاتی ہیں کہ انہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ وجود آگے چل کر ایک مکمل انسانی شکل اختیار کرے گا۔

جنس کی شناخت

امام مسلم نے حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے

"نطفہ جب رحم مادر میں ۴۰ راتیں گزار لیتا ہے تو فرشتہ جو اس کی تخلیق پر مامور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے جنس کے بارے میں پوچھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے مرد یا عورت بنانے کا حکم دیتے ہیں۔"

اس حدیث کو حضرت حذیفہ سے امام مسلم اور امام بخاری نے اس طرح بھی روایت کیا ہے:

"ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے ماں کے رحم کی طرف جب نطفہ چالیس یا پینتالیس راتیں گزار چکا ہوتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے" یا اللہ! اسے بدنصیب ہونا ہے یا خوش نصیب۔ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو لکھ دیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ یا اللہ! اسے مرد ہونا ہے یا عورت۔ وہ اسے بھی لکھ لیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ اس کے افعال، اولاد، زندگی کے حالات اور رزق کے متعلق بھی لکھ لیتا ہے، پھر ریکارڈ بند کر دیا جاتا ہے اور کچھ بھی جمع تفریق نہیں کی جاتی۔"

علم Embroyology کے مطابق بچے کی جنس کا تعین حمل کے چھٹے ہفتے یعنی چالیس روز کے بعد ہو جاتا ہے۔

نفخ روح

ابن مسعود نے بخاری اور مسلم سے روایت کیا ہے:

"تمہاری ماؤں کے بطن میں چالیس روز میں تمہاری تخلیق کے اجزا جمع کیے جاتے ہیں۔ پھر وہ اس کے دو مزید ادوار چالیس روز کے گزارتا ہے (یعنی 120 دن) جس کے بعد فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اسکے اندر روح پھونک دیتا ہے۔

علم Embrology کے مطابق ۱۲۰ دن بعد بچے کے اندر سانس لینے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام

آدم کی تخلیق سے پہلے کائنات میں موجود لاکھوں مخلوقات میں ممتاز ایک مخلوق "جن" موجود تھی۔ اس مخلوق نے جب زمین پر فساد برپا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک نئی مخلوق بنائی۔ اس مخلوق کا پہلا فرد آدم ہے۔

"اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (فرشتوں) نے عرض کیا۔ اے ہمارے رب! یہ شخص زمین پر فساد برپا کریگا اور زمین پر ہر طرف خون پھیلائے گا۔ اے پروردگار! ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 30)

آدم کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔

"اور ہم نے بنایا آدمی، کھنکھناتے سنے گارے سے۔" (سورۃ الحجر۔ آیت 26)

"بنایا آدمی کھنکھناتے مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔" (سورہ الرحمن۔ آیت 14)

"تخلیق کیا مٹی سے۔" (سورۃ المومنون۔ آیت 12)

"تخلیق ہوئی چپکتے گارے سے۔" (سورۃ الحجر۔ آیت 28)

"اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔" (انجیل۔ کتاب پیدائش۔ باب: ۲۔۷)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو کائناتی رموز سکھا کر فرشتوں سے پوچھا۔۔۔ اگر تم اس علم سے واقف ہو تو بیان کرو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔

حضرت آدمؑ نے علوم بیان کئے تو فرشتوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو علوم سکھا دیئے ہیں وہ ہمیں معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آدم کو سجدہ کرو۔ یعنی آدم کی حاکمیت تسلیم کرو لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور اس نے تکبر کیا۔

فرشتے فطرتاً مطیع وفرماں بردار ہیں۔ جبکہ جنات بااختیار مخلوق ہے۔ انسان کی تخلیق سے پہلے یہی بااختیار مخلوق زمین پر آباد تھی۔ ان میں سے ایک فرد عزازیل کو علمی برتری حاصل تھی اور برتری کے احساس نے اسے تکبر میں مبتلا کر دیا تھا۔ "ابلیس" بلس اور ابلاس سے مشتق ہے جس کے معنی "رنج و غم، دل شکستہ ہو جانا، مایوسی اور نامراد ہو جانے کی وجہ سے برافروختہ (Desperate) ہو جانا ہے"۔

ابلیس سے جب حکم عدولی کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا!

"آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔"

(سورۃ الاعراف۔ آیت 12)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا۔۔۔

"اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت کی لامحدود کھلی فضا میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 35)

شیطان نے اس پابندی کو مقصد براری کے لئے استعمال کیا۔ اس نے انہیں باور کرایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اگر تم اس درخت کے قریب نہیں گئے تو جنت میں نہیں رہ سکو گے اور حضرت آدمؑ سے بھول ہو گئی۔

انجیل برناباس کے مطابق حضرت آدمؑ کی پیدائش جب عمل میں آئی تو سب سے پہلے نظر جس تحریر پر پڑی اس کی عبارت یہ تھی۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

پس جب آدم اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمانوں میں ایک تحریر چمکتی دیکھی جس کی عبارت تھی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا! "میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اے میرے پروردگار کیونکہ تو نے مہربانی کی۔ پس مجھے پیدا کیا لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان کلمات کے کیا معنی ہیں"۔ تب اللہ نے فرمایا مرحبا ہے تجھ کو اے میرے بندے آدم اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا اور یہ شخص جس کو تو نے دیکھا ہے تیرا ہی بیٹا ہے کہ جو اس وقت کے بہت سے سالوں کے بعد دنیا میں آئے گا اور میرا رسول ہو گا کہ اس کے لئے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ رسول محمد ﷺ جب دنیا میں آئے گا دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔ یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح آسمانی روشنی میں ساٹھ (۶۰) ہزار سال قبل اس لئے رکھی گئی ہے کہ میں کسی چیز کو پیدا کروں۔

(برناباس باب:۳۹۔ آیات:۱۴۔۱۸)

قرآن کریم نے انسان سے متعلق مثبت اور منفی ہر دو پہلو کو واضح کر کے انسان کی عظمت کا اعلان کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی تخلیق "احسن تقویم" ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ پوری کائنات میں تکریم و تعظیم کا مستحق ہے اور احسن تقویم ہونے کی وجہ سے امانت الٰہی کا علم بردار ہے۔ امانت الٰہی حاصل ہونے کے بعد "خلیفۃ اللہ" کے منصب پر فائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور،

بصیرت و دانائی اور فہم و فراست دے کر کائنات میں ممتاز بنادیا ہے اور یہی وہ امتیاز ہے جس کی بنا پر وہ برائیوں سے اجتناب اور بھلائی کرنے کے اختیار کا مکلف ہے۔

"انسان کو پیدا کیا اور پھر راہ دکھائی۔ اور پھر ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے۔" (سورۃ البلد۔ آیت 10)

حضرت آدمؑ کا نام

قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کا نام تقریباً پچیس آیات میں ۲۵ مرتبہ لیا گیا ہے۔ سورتوں اور آیات میں اگرچہ اسلوب بیان مختلف نظر آتا ہے لیکن مقصد اور واقعہ کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے جو بیان کی گئی ہے۔ ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ اللہ کی ذات پر ایمان لائیں اور یہ جان لیں کہ اللہ ایک ناقابل انکار ہستی ہے اور ساری کائنات اسی کے احاطہ قدرت میں متحرک ہے۔

یہی وہ ایقان ہے جو دین حنیف ہے اور اسی مذہب کے احکام کی پیروی میں فلاح و نجات اور ہر قسم کی ترقی چھپی ہوئی ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس کا نام دین فطرت یا اسلام ہے۔

قرآن پاک میں جن آیات مقدسہ میں حضرت آدمؑ کا ذکر ہوا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

"اور جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا۔ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا! کیا ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جارہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد و ثناء کرتے ہوئے تیری پاکی و قدسی کا اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا! میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اس کی خبر نہیں۔ اور آدم نے تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے اور بیان کر دیئے فرمایا! اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ انکے نام کیا ہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا، یا اللہ! ساری پاکی اور بڑائی آپ ہی کے لئے ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں اللہ تعالیٰ سکھا دیا ہے۔ علم آپ کا علم ہے اور حکمت آپ کی حکمت ہے۔ جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو حکم الٰہی ہوا "اے آدم تو فرشتوں کو ان کے نام بتادے۔" جب آدم نے بتا دیا تو اللہ نے فرمایا! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان اور زمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں۔ اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کے سامنے سربسجود ہو جاؤ، وہ جھک گئے مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی۔ اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ پھر (ایسا ہوا کہ) ہم نے آدم سے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جہاں سے چاہو خوش ہو کر کھاؤ پیو، امن اور چین کی زندگی بسر کرو مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے۔ تو اس کے پاس نہ جانا۔ اگر تم اس کے قریب گئے تو حد سے تجاوز کر بیٹھو گے اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اُتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اُٹھانا ہے۔ حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی

توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنیوالوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔" (سورۃ البقرہ۔30 تا38)

"اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔ اس نے کہا! میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا! اللہ تو متقی لوگوں کی نذر قبول کرتا ہے۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت27)

"اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا، جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے اور ہم "جن" کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے۔ اور جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا، "میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ تو جب ایسا ہوا کہ میں اسے درست کر دوں اور اس میں روح پھونک دوں تو چاہیئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سربسجود ہو گئے۔ ابلیس نے انکار کیا کہ میں سجدہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" (سورۃ حجر۔ آیت26 تا31)

"اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا! میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں بس جب میں اس کو بنا سنوار لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سب فرشتے اس کے لئے سربسجود ہو جاؤ۔ پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں مانا اور گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔ کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اسے مٹی سے۔ فرمایا! "جنت" سے نکل جا۔ تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو۔ یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں۔ ابلیس نے کہا! مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دیں جب لوگ (مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے)۔ "تجھے مہلت ہے" اس پر ابلیس نے کہا چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کیلئے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں، پھر سامنے سے پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے (غرض یہ کہ ہر طرف سے) ان پر آؤں اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ اللہ نے فرمایا! یہاں سے نکل جا۔ ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو تیرا ساتھی ہو گا اور میں البتہ ایسا کروں گا کہ (پاداش عمل) میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔" (سورۃ اعراف۔ آیت 11 تا 18)

خلا اور فطرت

جیسے ہی اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں خالق کے ارادے میں جو کچھ تھا قاعدوں، ضابطوں، فارمولوں اور شکل و صورت کے ساتھ عالم وجود میں آ گیا۔ عالم وجود کا نام کائنات ہے۔ کائنات ایک ایسے خاندن کا نام ہے جس میں بے شمار نوعیں ایک کنبے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نوعوں میں فرشتے، جنات، انسان، جمادات، نباتات، حیوانات، زمین، سماوات اور بے شمار کہکشانی نظام ہیں۔ خالق کائنات نے ان نوعوں کو سننے، دیکھنے، سمجھنے، خود کو پہچاننے اور دوسروں کو جاننے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ ان صلاحیتوں سے سب نوعوں نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ جس عظیم اور بابرکت ہستی نے انہیں تخلیق کیا ہے وہ ذات قادر مطلق ہے۔

عظمت و ربوبیت اور خالقیت کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ کوئی مخلوق ایسی ہو جو تکوین کے رموز سے واقف ہو۔ واقفیت کے لئے لازم تھا کہ مخلوق ان صفات کی حامل ہو جو کائنات کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات پر تخلیق کیا اور اسے خلافت و نیابت سے سرفراز کیا۔ قرآن کریم میں جہاں انسان کی تخلیق کا تذکرہ ہوا ہے وہاں یہ بات بالوضاحت بیان کی گئی ہے کہ انسان کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بجنی اور کھنکھناتی فرمایا ہے۔ یعنی خلا مٹی کے ہر ذرے کی فطرت ہے۔

حضرت حوأکی تخلیق

"وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ اسے آرام ملے۔" (سورۃ اعراف۔ آیت 189)

"اور خداوند نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا۔ اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا۔ اور خداوند اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا۔" (انجیل۔ کتاب پیدائش، باب ۲:۲۱۔۲۲)

حضرت ادریس علیہ السلام

یونانی زبان میں ہرنیس، عبرانی میں حنوک اور قرآن کریم میں ادریسؑ نام ہے۔ حضرت ادریسؑ حضرت آدمؑ کی چھٹی پشت میں حضرت نوحؑ کے پردادا ہیں۔ آپؑ نے تمدن اور معاشرت کے قوانین وضع کئے ہیں۔ بابل انسانی آبادی اور تہذیب و تمدن کا سب سے پہلا شہر ہے۔ اب کوفہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی شہر آپؑ کی جائے پیدائش ہے۔ حضرت ادریسؑ گندمی رنگ، مناسب قد، خوبصورت چہرہ، چوڑا اور بھرا ہوا سینہ، مضبوط بازو، سرمئی آنکھیں، ستواں ناک، باوقار گردن، شیریں مقال، سنجیدہ اور متین شخصیت تھے، چلتے ہوئے نظریں نیچی رکھتے تھے۔ تفکر آپؑ کا شعار تھا، علم و حلم میں ممتاز تھے۔ حضرت ادریسؑ نے ابتدائی تعلیم اپنے جدّ امجد حضرت شیثؑ سے حاصل کی، حضرت ادریسؑ کے اوپر ایک صحیفہ بھی نازل ہوا جس کا حبشی زبان میں ترجمہ آج بھی موجود ہے۔

"اور اسمٰعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ یہ سب صبر کرنے والے ہیں اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں اور وہ نیک بختوں میں ہیں۔" (سورۃ الانبیاء۔ آیت 85 تا 86)

حضرت ادریسؑ سے پہلے بنی آدمؑ میں جب فساد کی ابتدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے نے حضرت ادریسؑ کو پکارا:
"اے حنوک! اٹھو گوشہ تنہائی سے نکلو اور زمین پر چل پھر کر لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاؤ، زندہ رہنے کا صحیح راستہ بتاؤ اور وہ طریقے بتاؤ جن پر انہیں عمل کرنا چاہیئے"۔

حضرت ادریسؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین اور ہدایت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا، مختصر سی جماعت کے علاوہ پوری قوم آپؑ کی مخالف ہو گئی۔ مفسدین اور منکرین کی ریشہ دوانیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو آپؑ نے اپنے حامیوں کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کی۔ دریائے نیل کے کنارے ایک سرسبز و شاداب خطہ دیکھ کر حضرت ادریسؑ نے اپنی جماعت سے فرمایا:
"یہ مقام تمہارے بابل کی طرح سرسبز و شاداب ہے"۔

حضرت ادریسؑ نے اس جگہ کو "بابلیون" کا نام دیا اور ایک بہترین جگہ منتخب کر کے نیل کے کنارے آباد ہو گئے۔ حضرت ادریسؑ کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ "بابلیون" نے ایسی شہرت پائی کہ عرب کے علاوہ دوسرے قدیم اقوام کے لوگ بھی اس سرزمین کو بابلیون پکارتے رہے۔

ٹاؤن پلاننگ

حضرت ادریسؑ کئی زبانیں جانتے تھے، حضرت ادریسؑ نے دین الٰہی کے پیغام کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے اور بود و باش کے متمدن طریقے بھی بتائے اور اس کے لئے انہوں نے مختلف طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو رہن سہن کے طریقے سکھائے۔ حضرت ادریسؑ کے شاگردوں نے زمین پر شہر اور بستیاں آباد کیں، ٹاؤن پلاننگ کے اصولوں پر بنائے گئے ان شہروں کی تعداد کم و بیش دو سو تھی، جن میں سب سے چھوٹا شہر "رہا" تھا۔ حضرت ادریسؑ نے اپنے شاگردوں کو دوسرے علوم کی تعلیم بھی دی۔ علم نجوم، علم ریاضی، فن کتابت، ٹیلرنگ، ناپ تول کے اوزان، اسلحہ سازی اور قلم حضرت ادریسؑ کی ایجاد ہے۔ شہروں میں سڑکوں کا جال بچھایا، کاروبار کے لئے مارکیٹیں بنوائیں، کھیل کود کے میدان (Play ground) بنوائے، مکانات اور دوسری عمارتوں کو نقشے کے مطابق بنانے کی پلاننگ کی۔

ناپ تول کا نظام

حضرت ادریسؑ سے پہلے میزان اور ناپ تول کا نظام نہیں تھا۔ آپؑ نے خریدار کو اس کا صحیح حق ملنے کے لئے ناپ تول کا نظام قائم کیا۔ علوم کو محفوظ کرنے، صنعت و حرفت اور ایجادات سے نوع انسانی کو آگاہ رکھنے کے لئے نیز مستقبل میں ان کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے حضرت ادریسؑ نے ایسے "نقاش خانے" تعمیر کروائے جن میں صنعت و حرفت اور اپنے زمانے کی ایجادات کی تصاویر بنوائی تھیں اور ان تصویروں سے ایجادات کی تشریح کی گئی تھی تاکہ امتدادِ زمانہ اور انقلاب زمانہ کے بعد بھی نسل انسانی فائدہ اٹھا سکے۔ طوفان نوحؑ کی خبر بھی سب سے پہلے حضرت ادریسؑ نے دی تھی، حضرت ادریسؑ نے جو قواعد و ضوابط اور قوانین وضع کئے وہ اس زمانے کے تمام طبقہ ہائے فکر کے لئے قابل قبول تھے، کرہ ارض پر موجود آبادی کو انتظام و انصرام کی غرض سے چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے لئے ایک گورنر مقرر فرمایا اور اس جغرافیائی تقسیم پر عمل درآمد کے لئے قوانین وضع کئے۔ حضرت ادریسؑ علم منطق کے بھی موجد تھے، علم نجوم کے خواص اور اصطلاحیں حضرت ادریسؑ نے وضع کیں۔

حضرت ادریسؑ نے جو شریعت پیش کی اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پرستش کے لائق ہستی وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

۲۔ نیک اعمال سکون آشنا زندگی سے ہمکنار کرتے ہیں۔

۳۔ مادی دنیا اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر شئے عارضی اور فنا ہونے والی ہے۔

۴۔ عدل و انصاف اور قانون کی پاسداری سے معاشرہ سے منفی طرزیں ختم ہو جاتی ہیں۔

۵۔ غور و فکر اور شرعی احکامات پر عمل کرنے سے بہترین نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

۶۔ حرام مال سے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

۷۔ طہارت و پاکیزگی کا اہتمام ایمان کا حصہ ہے۔

۸۔ ایام بیض (ہر قمری ماہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ) کے روزے رکھنا اور زکوٰۃ دینا باطنی پاکیزگی اور مال و دولت کی محبت سے نجات کے لئے بہترین عمل ہے۔

۹۔ حضرت ادریسؑ نے اپنی امت کے لئے سال میں چند دن عید کیلئے مقرر فرمائے اور مخصوص اوقات میں نذر اور قربانی دینا فرض قرار دیا۔

انبیاء کی خصوصیات

حضرت ادریسؑ نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا کہ میری طرح اس عالم کی دینی اور دنیاوی اصلاح کے لئے بہت سے انبیاء تشریف لائیں گے ان انبیاء کی خصوصیات یہ ہوں گی:

۱۔ وہ ہر برائی سے پاک ہوں گے۔

۲۔ فضائل میں کامل ہوں گے اور ستائش کے قابل ہوں گے۔

۳۔ زمین و آسمان کے احوال سے واقف ہوں گے۔

۴۔ امراض کے لئے شفا بخش دواؤں سے واقف ہوں گے۔

۵۔ کوئی سائل ان کے پاس جا کر تشنہ نہیں رہے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائیں گے، ان کی دعوت اصلاح کے لئے ہوگی۔

تین طبقات

حضرت ادریسؑ نے نوع انسانی کو تین طبقات میں تقسیم کیا۔

۱۔ علما ۲۔ بادشاہ ۳۔ رعایا

حسب ترتیب ان کے مراتب مقرر فرمائے۔

علما کو پہلا اور بلند درجہ دیا گیا، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے نفس کے علاوہ بادشاہ اور رعایا کے معاملات میں بھی جواب دہ ہیں۔ بادشاہ کو دوسرے درجے پر رکھا گیا کہ وہ صرف اپنے نفس اور امور مملکت کا جواب دہ ہے۔ رعایا چونکہ صرف اپنے نفس کے لئے جواب دہ ہے اس لئے وہ تیسرے طبقے میں شامل کی گئی۔ لیکن یہ طبقات نسل و خاندانی امتیازات کے لحاظ سے نہیں تھے۔ انجیل نیا عہد نامہ میں حضرت ادریسؑ کی ایک پیشین گوئی درج ہے جس میں صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی کردار کشی کرتے ہوئے ان کی بیخ کنی اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک رہبر اور نجات دہندہ کی خبر دی گئی ہے۔ پیشین گوئی جس ہستی کے لئے کی گئی وہ رحمت اللعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے۔

"ان پر افسوس! کہ یہ خائن کی راہ پر چلے اور مزدوری کیلئے حرص سے گمراہی اختیار کی اور مخالفت کرکے ہلاک ہوئے یہ تمہاری محبتوں کی ضیافتوں میں تمہارے ساتھ کھاتے پیتے وقت گویا دریا کی پوشیدہ چٹانیں ہیں، یہ بے دھڑک پیٹ بھرنے والے چرواہے ہیں، یہ بے پانی کے بادل ہیں جنہیں ہوائیں اڑا کر لے جاتی ہیں، یہ پتھر کے بے پھل درخت ہیں جو دونوں طرح سے مردہ اور جڑ سے اکھڑے ہوئے ہیں۔ یہ سمندر کی پرجوش موجیں ہیں جو اپنی بے شرمی کے جھاگ اچھالتی ہیں۔ یہ وہ آوارہ گرد ستارے ہیں جن کے لئے ابد تک بے حد تاریکی ہے۔" (انجیل نیا عہد نامہ)

"دیکھو! خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی اور ان سب کاموں کے سبب جو انہوں نے بے دینی سے کئے ہیں، ان سب سخت باتوں کے سبب جو بے دین گنہگاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھہرائے"۔

(انجیل یہودہ۔ ۱۴،۱۱)

"اور ذکر کر کتاب میں ادریسؑ کا وہ تھا سچا نبی اور ہم نے اٹھالیا اس کو ایک اونچے مکان پر۔" (سورۃ مریم۔ آیت 56 تا 57)

بائبل میں ہے:

"اور حنوک کی کل عمر تین سو پینسٹھ برس 365 کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھالیا۔" (کتاب پیدائش، باب ۵۔ آیت ۲۳۔۲۴)

حنوک کی انگوٹھی

حضرت ادریسؑ کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی:

"اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ صبر فتح مندی کی علامت ہے"۔

کمر سے باندھنے والے پٹکے پر تحریر تھا:

"حقیقی عیدیں اللہ تعالیٰ کے فرائض کی حفاظت میں مخفی ہیں

اور دین کا کمال شریعت سے وابستہ ہے۔"

نماز جنازہ کے وقت ایک پٹکہ باندھے ہوئے تھے اس پر یہ جملے تحریر تھے:

"سعادت مند وہ ہے جو اپنے نفس کی نگرانی کرتا ہے اللہ کے سامنے انسان کی شفاعت کرنے والے اس کے نیک اعمال ہیں"۔

حضرت ادریسؑ کی بیان کردہ حکمت اور ان کے علوم پر تفکر کیا جائے تو منکشف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تفویض کردہ امانت انسان کے پاس ہے۔

امانت۔۔۔ خلافت و نیابت کے علوم اور تسخیر کائنات کے فارمولے ہیں، ان فارمولوں سے انسان کے اندر تخلیقی صلاحیتیں بیدار ہو گئی ہیں۔ آدم زاد ان صلاحیتوں کے ذریعے نفع اور نقصان دونوں کے کام کر سکتا ہے۔ طرز فکر اگر صحیح ہے اور انبیاء کرام اور ان کے وارث اولیاء اللہ سے ہم آہنگ ہے تو جو بھی عمل صادر ہوتا ہے یا جو بھی نئی تخلیق سامنے آتی ہے وہ مخلوق کے لئے سکون، آرام، راحت اور خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ اور طرز فکر اگر محدود ہے ذاتی منفعت اور انفرادی غرض کے خول میں بند ہے تو تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کسی بھی طرح اجتماعی طور پر یا انفرادی حیثیت سے نوع انسانی کے لئے فائدہ مند نہیں۔

انبیاء کرام کی طرز فکر میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ ہمارا مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر شئے سے دوسری شئے کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت قائم ہے۔ انبیاء کرام کی سوچ لامحدود ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ بندوں کی طرز فکر سے جو تخلیقات ظہور میں آتی ہیں ان سے مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والی حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں، حقیقت میں انتشار نہیں ہوتا، حقیقت کے اوپر غم اور خوف کے سائے نہیں منڈلاتے۔ حقیقی دنیا سے متعارف بندے ہمیشہ پرسکون رہتے ہیں۔ حقیقی علوم سے واقف برگزیدہ ہستیوں کے بتائے گئے سسٹم پر عمل کرنے سے نوع انسانی کو سکون ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 2 تا 3)

غیب پر یقین رکھنے سے مراد غیب کا مشاہدہ ہے، یقین کی تکمیل مشاہدہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

ہماری ماں "زمین"

زمین ایک قاعدہ اور ضابطہ کے تحت ہمیں رزق فراہم کر رہی ہے ہم مکان بناتے ہیں تو زمین ہمیں مکان بنانے سے منع نہیں کرتی، زمین اتنی سنگلاخ اور سخت جان نہیں بن جاتی کہ ہم اس میں کھیتیاں نہ اگا سکیں اتنی نرم نہیں بن جاتی کہ ہم زمین کے اوپر چلیں تو ہمارے پیر دھنس جائیں۔ سورج اور چاند ہماری خدمت گزاری میں مصروف ہیں، باقاعدہ اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ چاند کی چاندنی

سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور سورج کی گرمی سے میوے پکتے ہیں الغرض کائنات کا ہر فرد اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور اس عمل سے ہمیں اختیاری اور غیر اختیاری فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ ایک تسخیری عمل ہے جو سب کے لئے یکساں ہے۔

تسخیر کائنات

اصل تسخیر یہ ہے کہ آدمی اپنے ارادے کے تحت سمندر سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے، چاند سے، سورج سے، ستاروں سے اور دیگر اجزائے کائنات سے استفادہ کرے اور اس سے بھی اعلیٰ تسخیر یہ ہے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی سے اشارہ فرمادیں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ دریائے نیل کو پیغام بھیج دیں:

"اگر تو اللہ کے حکم سے چل رہا ہے تو سرکشی سے باز آجا ورنہ عمر کا کوڑا تیرے لئے کافی ہے"۔

اور پھر دریائے نیل کی روانی میں کبھی تعطل نہ ہوا۔ ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کی:

"یا امیر المؤمنینؓ! میں زمین پر محنت کرتا ہوں، بیج ڈالتا ہوں اور جو کچھ زمین کی ضروریات ہیں انہیں پورا کرتا ہوں لیکن بیج سوکھ جاتا ہے"۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا جب میرا اس طرف سے گزر ہو تو بتانا۔ حضرت عمر فاروقؓ جب ادھر سے گزرے تو ان صاحب نے زمین کی نشاندہی کی۔ حضرت عمر فاروقؓ تشریف لے گئے اور زمین پر کوڑا مار کر فرمایا:

"تو اللہ کے بندے کی محنت ضائع کرتی ہے جبکہ وہ تیری ساری ضروریات پوری کرتا ہے"۔

اس کے بعد زمین لہلہاتی کھیت میں تبدیل ہو گئی۔ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کی ہے، کائنات کے تمام اجزا بشمول انسان اور انسان کے اندر کام کرنے والی تمام صلاحیتیں ایک مرکزیت پر قائم ہیں روحانی علوم کی روشنی میں انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ گیارہ ہزار صلاحیتیں ہیں ہر صلاحیت ایک علم ہے اور یہ علم شاخ در شاخ لامحدود ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کسدیوں کے قدیم شہر "اور (UR)" میں ہوئی جو جنوبی عراق میں فرات کے کنارے بابل اور نینوا سے پہلے آباد تھا محل وقوع کے اعتبار سے یہ مقام آج کل "تل العبید" کے نام سے موسوم ہے۔ اس ملک میں ستارہ پرستی کی جاتی تھی ارواح پرستی بھی ان کے عقائد میں شامل تھی اللہ پر ان کا اعتقاد تھا لیکن ستاروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پوجا کی جاتی تھی اس قوم کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر ستارے میں ایک روح آباد ہے اور روحیں نیک یا بری ہوتی ہیں بری روحوں کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ نذر و نیاز، چڑھاوے اور بھینٹ دینے سے خوش ہوتی ہیں، نیک روحوں کو خوش کرنے کے لئے رقص و سرود اور گانا بجانا ان کا

معمول تھا، بہت زیادہ معبود اور بت مندروں میں رکھے ہوئے تھے، روزی دینے، بارش برسانے، اولاد دینے، تندرستی عطا کرنے اور مختلف حاجات کے لئے الگ الگ بت تھے۔

برٹش میوزیم اور فلاڈلفیا یونیورسٹی امریکہ کے میوزیم کی مشترکہ ٹیم نے اس شہر کے آثار دریافت کئے ہیں، وہاں سے ملنے والے کتبات کے مطابق تقریباً پانچ ہزار بتوں کے نام ملے ہیں، ہر شہر کا محافظ ایک خدا تھا جو دوسرے معبودوں سے زیادہ محترم سمجھا جاتا تھا ''اور'' کا خدا چاند دیوتا تھا، شماش (سورج دیوتا) دار الحکومت کا محافظ بت تھا، بادشاہ کو سورج دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، لوگ اپنی آمدنی کے علاوہ غلہ اور دوسری چیزیں مندر میں نذر کرتے تھے، باغ، مکانات اور زمینیں مندر کے لئے وقف تھیں۔ پجاری کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سمجھے جاتے تھے بادشاہ کی پرستش کی جاتی تھی اور دربار شاہی میں سجدہ کیا جاتا تھا (نعوذ باللہ)۔

حضرت ابراہیمؑ کی ولادت سے پیشتر بادشاہ نمرود نے خواب دیکھا کہ '' آسمان میں ایک بڑا اور روشن ستارہ چمک رہا ہے۔'' شاہی نجومیوں نے تعبیر بتائی کہ مملکت میں اس سال ایسا بچہ پیدا ہو گا جو سلطنت کے لئے خطرہ بن جائے گا بادشاہ نے شاہی فرمان کے ذریعے ملک بھر میں عورت اور مرد کے اختلاط پر پابندی لگادی اور حکم جاری کیا کہ جو بھی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی والدہ ''اوشہ'' شہر سے باہر ایک غار میں روپوش ہو گئیں۔ وہیں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی اور بچپن گزرا۔ حضرت ابراہیمؑ جب سن شعور کو پہنچے تو ہر طرف بت پرستی اور ستاروں کی پرستش ہو رہی تھی، انہوں نے سوچا کہ پتھر کی مورتیاں میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اور جس طرح اس کا دل چاہے ناک، کان، آنکھیں اور دیگر اعضاء تراش لیتا ہے پھر یہ بت مندروں میں چھوٹے سے اونچے چبوترے پر رکھ دئے جاتے ہیں جہاں بادشاہ اور ارباب اقتدار ان بے جان مورتیوں کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں انہیں سجدہ کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اس بات سے بہت زیادہ فکر مند تھے کہ لوگ کیوں بے جان مورتیوں اور بے حس و حرکت مجسموں کی پرستش کرتے ہیں؟ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو نور فراست سے نوازا تھا۔ آپؑ جانتے تھے کہ بت سنتے نہیں، دیکھتے نہیں اور کسی کی بات کا جواب نہیں دیتے کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ماں سے پوچھا: ''ماں تیرا خدا کون ہے؟''

''میرے بیٹے تیرا باپ میرا خدا ہے، جو مجھے کھانے کو دیتا ہے۔'' ماں نے جواب دیا۔

''میرے باپ کا خدا کون ہے؟'' ماں کے جواب سے بیٹے کی تشفی نہیں ہوئی، ماں نے بتایا کہ ''آسمان پر چمکنے والے ستارے تیرے باپ کے خدا ہیں۔'' بیٹا اب بھی اپنی ماں کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا اس نے پھر پوچھا: ''ماں ستارہ کون ہے۔''

رات کی تاریکی

''پھر جب رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو

فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں، پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" (سورۃ انعام۔ 76 تا 79)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اپنے راستے کھول دیتے ہیں کے مصداق اللہ تعالیٰ نے مطالعہ فطرت میں حضرت ابراہیمؑ کے اس عمل کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پھر ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کے عجائبات دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔" (سورۃ انعام۔ آیت 75)

حضرت ابراہیمؑ کے اندر تفکر کا پیٹرن متحرک تھا انہوں نے سوچا کہ جو شے اپنی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتی، ہل جل نہیں سکتی اس سے یہ امید وابستہ کرنا کہ یہ مجھے فائدہ پہنچائے گی یا کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔ وقت کا ضیاع ہے حضرت ابراہیمؑ خود ساختہ بتوں کو کسی بھی طرح پرستش کے لائق نہیں سمجھتے تھے وہ تفکر کرتے تھے کہ اتنی بڑی کائنات کا نظام کیسے چل رہا ہے؟ ہر شے ایک قاعدے اور ضابطے کے ساتھ حرکت میں ہے کون ہے جو مقررہ وقت پر دن طلوع کر دیتا ہے؟ کون ہے جو دن کے اجالے کو رات کی تاریکی میں بدل دیتا ہے؟ وہ ہستی کون ہے جو درختوں پر پھل پھول اگاتی ہے؟ کون ہے جو بارش برساتا ہے؟ زمین کی کوکھ سے کھیتیاں اگاتا ہے؟ قادر اور محیط ذات کون ہے جس کے اشاروں پر کائنات کا ہر فرد، کائنات کا ہر جز اور ذرہ اپنے اپنے دائرہ کار میں متحرک ہے؟ یہ کیسا مستحکم نظام ہے کہ کہیں بھی اختلاف واقع نہیں ہوتا اور کوئی نظام دوسرے نظام سے ٹکراتا نہیں۔

سوال جواب

آذر کو جب پتہ چلا کہ ابراہیمؑ ستاروں کی پرستش اور خود ساختہ خداؤں کے خلاف جذبات رکھتا ہے تو اس نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا: "ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟" حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں استفسار کیا:

"اے میرے باپ! کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے، نہ دیکھے نہ کام آئے تیرے کچھ۔"

(سورۃ مریم۔ آیت 42)

"بت تراش" آذر حضرت ابراہیمؑ کا سوال سن کر سہم گیا اور حیرت اور استعجاب سے انہیں دیکھنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوبارہ استفسار پر آذر نے یہ کہا کہ یہ میرے آباؤ و اجداد کا راستہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

"اے میرے باپ! مجھے ایسی بات کا علم ہو گیا ہے جس کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے، ہدایت و بھلائی کی طرف آیئے اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ دیجئے، یہ صریح گمراہی ہے۔"

آذر نے یہ سنا تو غضب ناک ہو کر بولا: ابراہیم میرے معبودوں کا انکار نہ کر یاد رکھ! اگر تو ان باتوں سے باز نہیں آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ وحدہ لاشریک کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا:

میں صرف اس ہستی کو معبود مانتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا اور سیدھی راہ دکھائی۔ جو مجھے کھلاتا، پلاتا اور رزق دیتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور جو میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور اپنی خطاکاری کے سبب جس سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بخش دیگا اور میں اس کے حضور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے اللہ! مجھ کو فیصلے کی قوت عطا کر اور مجھے نیکوکاروں کی صف میں داخل کر۔ (الشعراء۔ آیت 78 تا 83)

حضرت ابراہیمؑ کی جرات بے باکانہ سے آذر کو شدید دھچکا لگا اور غصے سے ہذیان بکنے لگا۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا:
”تیری خیر اسی میں ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔“

حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

”میں اپنے اللہ سے آپ کی بخشش کی دعا کرونگا وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے میں آپ کو اور ان بتوں کو جن کو آپ پوجتے ہیں چھوڑ کر اپنے اللہ کو پکارتا ہوں جو مجھے محروم نہیں رکھے گا۔“

ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے قوم کے دانشمندوں کو جمع کیا اور ان سے چند سوالات کئے۔ آپؑ نے ان سے پوچھا:

”تمہارے عقیدے کے مطابق ستارے کو اگر ربوبیت کی قدرت حاصل ہے تو ستاروں میں تغیر کیوں ہوتا ہے؟ یہ جس طرح چمکتے نظر آتے ہیں اسی طرح چمکتے کیوں نہیں رہتے؟ ستاروں کی روشنی کو مہتاب نے کیوں ماند کر دیا ہے؟ اور مہتاب کے رخ روشن کو آفتاب نے کیوں چھپا دیا ہے؟“

اے قوم! میں ان مشرکانہ عقائد سے عاجز ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار ہوں بلاشبہ میں نے اپنا رخ صرف اس ایک اللہ کی طرف کر لیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

(سورہ انعام۔ 78 تا 79)

ستارہ پرست اور بت پرست قوم حیران تھی کہ اس روشن دلیل کا کیا جواب دے؟ صدیوں سے باطل خداؤں پر یقین اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ حقیقت کی روشنی ان کے اندر داخل نہیں ہوتی تھی، وہ جھگڑنے لگے اور حضرت ابراہیمؑ کو فرضی معبودوں کے قہر و غضب اور انتقام سے ڈرانے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کی عقل و شعور پر پڑے ہوئے پردوں کو دیکھ کر فرمایا:

”تمہارے پاس گمراہی کے سوا کوئی روشنی موجود نہیں ہے مجھے تمہارے معبودوں کی ذرّہ برابر پروا نہیں۔ میرا رب جو چاہے گا وہی ظہور میں آئے گا لکڑی اور پتھر سے تراشے ہوئے بت خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو دوسروں کی حفاظت کس طرح کر سکتے ہیں؟“
شہر کے باہر ایک مذہبی تہوار میں شہر کی آبادی شریک ہوئی، حضرت ابراہیمؑ بڑے دیوتا کے ہیکل میں چلے گئے، قوم کا سب سے مقدس دیوتا

باطل خداؤں کا سردار مانا جاتا تھا حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہاں موجود پتھر اور لکڑی سے بنائے گئے دیوتاؤں کے سامنے پھل، کھانوں اور مٹھائیوں کے خوان رکھے ہوئے تھے جو لوگوں نے چڑھاوے کے طور پر نذر کئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان مورتیوں کو مخاطب کر کے کہا:

''یہ سب تمہارے لئے رکھا ہے تم کھاتے کیوں نہیں؟''

حضرت ابراہیمؑ نے دوبارہ فرمایا:

''میں تم سے مخاطب ہوں۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتے؟ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟''

حضرت ابراہیمؑ نے ہتھوڑے سے ان کو توڑ دیا اور بڑے بت کے کندھے پر ہتھوڑا رکھ کر واپس چلے گئے۔ لوگ تہوار سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے لکڑی اور پتھر سے بنائے ہوئے معبود منہ کے بل زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ کسی کا سر غائب ہے تو کسی کی ٹانگ نہیں ہے اور کسی کے دونوں ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اپنے معبودوں کی یہ درگت دیکھ کر کاہن اور سردار بدحواس ہو گئے اور چیخ و پکار آہ و بکا سے پورا ہیکل لرز گیا کچھ لوگوں نے کہا ہم نے ابراہیمؑ کی زبانی بتوں کو برا بھلا کہتے سنا ہے، ہو نہ ہو یہ بے ادبی اسی نے کی ہے۔ بادشاہ وقت نمرود تک جب بات پہنچی تو اس نے کاہنوں اور درباریوں کو جمع کیا اور ان کی موجودگی میں حضرت ابراہیمؑ کو دربار میں طلب کیا۔ دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ رعب اور وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے اور شاہی پروٹوکول کو نظر انداز کرتے ہوئے نمرود کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل جہاں صاحب اقتدار لوگوں اور خود نمرود پر بجلی بن کر گرا وہیں اس عمل سے عوام الناس کے دلوں میں حضرت ابراہیمؑ کی جرات اور حوصلے کی دھاک بیٹھ گئی۔ مذہبی پیشواؤں نے پر رعب آواز میں پوچھا:

''اے ابراہیمؑ! ہمارے بتوں کی توہین کس نے کی ہے؟''

حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا۔

''ہتھوڑا بڑے بت کے کندھے پر ہے اس سے پوچھو کہ یہ سب کس نے کیا ہے؟''

پجاری ندامت اور شرمندگی سے سر جھکا کر بولے:

''ابراہیم! تو خوب جانتا ہے کہ پتھر کی مورتیاں بولتی نہیں ہیں۔''

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

”جب یہ بولتے نہیں، حرکت نہیں کرسکتے، اپنا دفاع نہیں کرسکتے، تو تم ان سے نفع پہنچانے کی امید کیوں رکھتے ہو؟ اور نقصان ہونے کا اندیشہ کیوں کرتے ہو؟ تم پر افسوس ہے کہ تم کائنات کے مالک اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کو پوجتے ہو کیا تم عقل و شعور نہیں رکھتے؟“

حضرت ابراہیمؑ کی تقریر بت پرستوں کے عقائد پر ایسی کاری ضرب تھی کہ نمرود نے اپنی خود ساختہ خدائی کو زمین بوس ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ نمرود چالاک آدمی تھا اس نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا:

”اے ابراہیم! تو اپنے باپ، دادا کے دین کی مخالفت کیوں کرتا ہے؟ تو ان مقدس بتوں کو معبود ماننے سے کیوں منکر ہے؟“

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے تنہا مالک ہیں ہم سب اس کی مخلوق ہیں، پتھروں اور لکڑیوں سے بنائے ہوئے بت خدا نہیں ہیں یہ تو اپنی سلامتی اور حفاظت کے لئے بھی دوسروں کے محتاج ہیں پرستش کے لائق وہ ہستی ہے جو کسی قسم کی احتیاج نہیں رکھتی اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔“

یہ سن کر نمرود بولا ”اگر میرے علاوہ کوئی رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو۔“

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

”میرا رب موت و حیات پر قادر ہے۔“

نمرود بولا:

”زندگی اور موت تو میرے قبضۂ قدرت میں بھی ہے۔“

اس نے ایک قیدی کو جس کی موت کی سزا کا حکم ہو چکا تھا، جان بخشی کر دی اور دربار میں موجود ایک شخص کی گردن مار دینے کا حکم صادر کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے کہا:

”کائنات کا ہر ذرّہ میرے رب کا محتاج ہے۔ سورج اس کے حکم سے ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔ تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا۔“

مذہبی پیشواؤں اور بادشاہ کے عقائد کی تکذیب نے ایوان نمرود میں دراڑیں ڈال دیں ارباب اقتدار نے شور و غوغا بلند کیا کہ ابراہیمؑ ہمارے دیوتاؤں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے اور باپ دادا کے مذہب کو جھٹلاتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اسے آگ میں پھینک دیا جائے۔

سزا پر عمل درآمد کے لئے ایک جگہ بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا۔ کئی روز تک آگ کو دہکایا گیا یہاں تک کہ آگ کی تپش سے اردگرد موجود چیزیں خاکستر ہوگئیں، پرندوں نے ہوا میں اڑنا چھوڑ دیا، آس پاس کے درخت جھلس کر کوئلہ بن گئے، پھر حضرت ابراہیمؑ کو ایک منجنیق میں رکھ کر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا گیا۔ ابلیسی طرز فکر کے حامل لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا۔ لیکن خالق کائنات نے حکم دیا:

"اے آگ! ٹھنڈی ہو جا سلامتی کے ساتھ ابراہیم پر۔" (سورۃ الانبیاء۔ آیت 69)

اور آگ حضرت ابراہیمؑ کے لئے گلزار بن گئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو ہجرت کا حکم ہوا اور وہ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ ہجرت کے وقت آپؑ کے ہمراہ تھے۔ ملک شام وہ بابرکت زمین ہے جس کا وعدہ آپؑ سے اور آپؑ کی اولاد سے کیا گیا تھا اس لئے اسے "وعدہ کی زمین" بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ اپنی آنکھ اٹھا (آنکھیں کھول) اور جس جگہ تو ہے وہاں سے شمال اور جنوب اور مشرق اور مغرب کی طرف نگاہ کر کیونکہ یہ تمام ملک جو تو دیکھ رہا ہے میں تجھ کو اور تیری نسل کو دونگا اور میں تیری نسل کو خاک کے ذروں کی مانند بناؤں گا ایسا کہ اگر کوئی شخص خاک کے ذروں کو گن سکے تو تیری نسل بھی گن لی جائے۔ اٹھ! اور اس ملک کے طول و عرض میں سیر کر کیونکہ میں اسے تجھے دوں گا اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنا ڈیرہ اٹھالیا اور حبرون میں جا کر رہنے لگا اور وہاں اللہ تعالیٰ کے لئے ایک قربان گاہ بنائی۔ (عہد نامہ قدیم و جدید۔ کتاب باب پیدائش۔ باب ۱۳۔ آیت ۱۴۔ ۱۸)

حام بن نوح کی اولاد میں سے بنی کنعان کے لوگ اس علاقے میں آباد تھے، اس بنا پر یہ علاقہ کنعان کہلاتا تھا۔ آپؑ نے یہاں دو مقامات پر قربان گاہ بنوائیں ان میں سے ایک "سکم" (موجودہ نابلس) کے مقام پر تھی اور دوسری قربان گاہ "بیت ایل" میں تعمیر کی گئی۔ روایات کے مطابق شام کے بادشاہ کی لڑکی سے آپؑ کی شادی ہوگئی اور جب کنعان کے پورے علاقے میں زبردست قحط پڑا تو حضرت ابراہیمؑ نے قریبی زرعی ملک مصر کی طرف ہجرت کی۔ مصر میں ہیکسوس فراعنہ کا دور تھا، پیشہ کے اعتبار سے یہ چرواہے تھے اور سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ سامی بادشاہ کو جب ایک سامی النسل خاندان کے آمد کی خبر ملی تو اس نے بہت آؤ بھگت کی اور اپنے قدیم خاندان سے تعلق استوار کرنے کے لئے بی بی سارہ سے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ بی بی سارہ شادی شدہ ہیں تو اسے افسوس ہوا اور اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں پیش کر کے تعلق استوار کر لیا اور بہت سارا مال و مویشی آپؑ کے ہمراہ کر دیئے۔

حضرت ابراہیمؑ ۸۵ سال کے تھے لیکن ابھی تک لاولد تھے۔

حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ رب العزت میں صاحب اولاد ہونے کی دعا کی:

"اے میرے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔" (سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 100)

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔

اشموئیل

"پھر ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔"(سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 101)

حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کا نام عبرانی زبان میں اشموئیل رکھا جو بعد میں کثرت استعمال سے اسمٰعیل ہو گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ سے حضرت ابراہیمؑ کو بہت پیار تھا وہ ذرا سی دیر کیلئے بھی انہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے، گود میں لئے رہتے تھے اور اپنے کندھوں پر بٹھاتے تھے۔

یادگار عمل

حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۹۹ سال تھی۔ آپؑ کو خواب میں حکم ملا کہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں انہوں نے یہ خواب اپنے لخت جگر کو سنایا، حضرت اسمٰعیلؑ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۴ برس تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ تسلیم و رضا، تابعداری اور فرماں برداری کا یہ عملی نمونہ اُمت مسلمہ کیلئے یادگار بنا دیا گیا ہے۔ جس وقت قربانی کا حکم ملا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی اور کوئی اولاد نہیں تھی حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا عملی اقدام بارگاہ رب العزت میں قبول ہوا۔ "اور ہم نے ندا (آواز) دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔" اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کیلئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہے اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی ایک نبی صالحین میں سے۔"(سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 105 تا 112)

آیت مقدسہ میں تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آزمائش میں جب پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انعام و اکرام سے نوازا قربانی کی سنت نہ صرف یہ کہ رہتی دنیا میں جاری کر دی گئی بلکہ اکلوتے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کر دینے کا جذبہ اس قدر پسند آیا کہ دوسرے بیٹے کی ولادت اور منصب نبوت پر سرفرازی کی خوشخبری بھی اللہ تعالیٰ نے دی۔

تکوین

حضرت اسحٰقؑ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے فرزند اور حضرت اسمٰعیلؑ کے چھوٹے بھائی ہیں، حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی خوشخبری جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو سنائی گئی اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی اور حضرت سارہؓ کی عمر نوے (۹۰) سال تھی۔ قرآن پاک میں بشارت سے متعلق واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کی جماعت سدوم جانے سے قبل حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئی۔ حضرت ابراہیمؑ نہایت سخی اور مہمان نواز تھے انہوں نے آنے والوں کے لئے دستر خوان پر بھنا ہوا گوشت رکھا لیکن مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا حضرت ابراہیمؑ کو فکر ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں؟

فرشتوں نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں پھر انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق کی پیدائش کی بشارت دی۔ فرشتوں کی زبانی بشارت سن کر انہیں حیرت ہوئی کہ آخری عمر میں بانجھ عورت کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ حضرت سارہؓ کی حیرت دیکھ کر فرشتوں نے کہا:

"وہ بولے یوں ہی تیرے رب نے کہا وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبر دار۔"

(سورۃ الذٰریٰت۔ آیت 30)

اسحٰق اصل تلفظ کے اعتبار سے یضحق ہے یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "ہنستا ہوا"۔

مکفیلہ

حضرت ابراہیمؑ نے تین شادیاں کیں پہلی بیوی حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ ہیں۔ انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ حضرت اسحاقؑ سے قائم ہوا دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ خاتم النبیین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ سے ملتا ہے۔

حضرت سارہؓ نے کنعان (جبرون) میں 127 سال کی عمر میں وفات پائی حضرت ابراہیمؑ نے حُطّی قوم کے ایک فرد عفرون بن صحر سے مکفیلہ نامی غار اور اس سے متصل کھیت چاندی کے چار سو مثقال میں خریدا اور اپنی بیوی سارہؓ کو اس میں دفن کر دیا۔ حضرت سارہؓ کی وفات کے بعد تیسری بیوی حضرت قطورہؓ حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ حضرت قطورہؓ کی اولاد سے حضرت شعیبؑ کا سلسلہ قائم ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طبعی عمر 175 سال بیان کی جاتی ہے۔ آپؑ مکفیلہ غار میں حضرت سارہؓ کے پہلو میں دفن ہیں، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ دونوں بیٹے آپؑ کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔

کائنات اور مظاہر قدرت میں تفکر حضرت ابراہیمؑ کا شعار تھا۔ قرآن میں جہاں سورہ انعام میں حق کی تلاش میں سورج، چاند اور ستاروں میں حضرت ابراہیمؑ کے تفکر کا تذکرہ موجود ہے وہاں سورۃ البقرہ میں مظاہرات کے پس پردہ کام کرنے والی حقیقت کا پتہ چلانے کے لئے اور تہہ تک پہنچنے کیلئے تفکر اور مشاہدہ کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی:

"اے رب! دکھا مجھ کو کیوں کر زندہ کرے گا تو مردے؟"

فرمایا: "کیا تو نے یقین نہیں کیا؟"

عرض کیا، "کیوں نہیں لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔"

حکم ہوا کہ:

''چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کرلے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے اور پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پیروں سے دوڑے اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔''(سورۃ البقرہ۔ آیت 260)

حضرت ابراہیمؑ نے ہدایت کے مطابق عمل کیا اور حکمت تخلیق آشکار ہوگئی، چاروں پرندے اپنے اپنے پیکر میں حضرت ابراہیمؑ تک پہنچ گئے۔ جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ ان کی اولاد اور ان کی زوجہ سے صادر ہونے والے اعمال کو آنے والی نسلوں کے لئے سنت بنادیا گیا۔ عید الاضحی کے موقع پر قربانی، حج کے وقت ''رمی'' یعنی شیطان کو کنکر مارنا، زیارت کعبہ اور عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان ''سعی'' اللہ تعالیٰ کا شعار ہے۔

انسان کے اندر انسان

نفس و دماغ سے متعلق روز افزوں انکشاف سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ انسان کا وجود دو حصوں میں تقسیم ہے ایک حصہ اس کی خارجی دنیا ہے اور دوسرا حصہ اس کے داخل میں واقع ہونے والی تحریکات ہیں۔ انسانی نفس کے یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے گہرا رشتہ رکھتے ہیں، یہ بات بہر حال مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان صرف جسمانی حرکات اور خارجی کیفیات کا نام نہیں انسان کے اندر مادی تحریکات سے آزاد ایک اور انسان ہے اور اس حقیقی انسان سے تمام خیالات و افکار بندھے ہوئے ہیں۔

اہل روحانیت نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر آدمی اپنے قلب اپنے من کے اندر سفر کرے تو اس کے اوپر اصل انسان یعنی روح کی قوتوں کا انکشاف ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم اور آسمانی صحائف نے انسان کی غیر معمولی صفات کا تذکرہ کیا ہے کتب سماوی کے مطابق انسان بظاہر گوشت پوست سے مرکب ہے لیکن اس کے اندر ایسی انرجی یا ایسا جوہر کام کررہا ہے جو خالق کی صفات کا عکس ہے انسانی صلاحیتوں کا اصل رخ اس وقت حرکت میں آتا ہے جب روحانی حواس متحرک ہوجاتے ہیں یہ حواس ادراک و مشاہدات کے دروازے کھولتے ہیں جو عام طور سے بند رہتے ہیں انہی حواس سے انسان آسمانوں اور کہکشانی نظاموں میں داخل ہوتا ہے۔ غیبی مخلوقات اور فرشتوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور مظاہر کے پس پردہ حقائق اس پر منکشف ہوتے ہیں یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ ،انبیائے کرامؑ اور آخری نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے وارث اولیاء اللہ کی طرز فکر کے مطابق انسان زندگی گزارتا ہے۔

تجدید زندگی

دنیا کا ہر انسان جانتا ہے کہ زندگی کی تجدید ہر لمحہ ہوتی رہتی ہے اس تجدید کے ظاہری وسائل ہوا، پانی اور غذا ہیں لیکن انسانی جسم پر ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب ہوا، پانی اور غذا زندگی کی تجدید نہیں کرتے۔ مادی دنیا میں ایسی حالت کو موت کہتے ہیں جب موت وارد ہوجاتی ہے تو کسی طرح کی ہوا، کسی طرح کا پانی اور کسی طرح کی غذا آدمی کی زندگی کو بحال نہیں کرسکتی اگر ہوا، پانی اور غذا انسانی زندگی کا سبب ہوتے تو کسی مردہ جسم کو ان چیزوں کے ذریعے زندہ کرنا ناممکن نہ ہوتا اب یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ انسانی زندگی کا سبب ہوا، پانی اور غذا نہیں بلکہ کچھ اور ہے اس سبب کی وضاحت قرآن پاک کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کو دو قسموں پر پیدا کیا۔''

(سورۃ لٰے سین۔ آیت 36)

آدھی زندگی

اس آیت کی روشنی میں زندگی ایک طرف شعوری اور دوسری طرف لاشعوری ہے۔ جب ہم آدمی کی پوری زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کا نصف لاشعور ہے اور نصف شعور ہے۔ پیدائش کے بعد انسانی عمر کا ایک حصہ غیر شعوری حالت میں گزرتا ہے اگر ہم تمام زندگی میں نیند کا وقفہ شمار کریں تو وہ عمر کی ایک تہائی سے زیادہ ہوتا ہے اگر غیر شعوری عمر اور نیند کے وقفے ایک جگہ جمع کئے جائیں تو پوری عمر کا نصف ہونگے اور یہ وہ نصف ہے جس کو انسان لاشعور کے زیر اثر بسر کرتا ہے۔ ہم زندگی کے دو حصوں کو لاشعوری اور شعوری زندگی کے نام سے جانتے ہیں۔ یہی زندگی کی دو رخ ہیں، لاشعوری زندگی کا حصہ لازماً غیر رب کی نفی کرتا ہے اور اس نفی کا حاصل اسے غیر ارادی طور پر جسمانی بیداری کی شکل میں ملتا ہے، اب اگر کوئی شخص لاشعور کے زیر اثر زندگی کے وقفوں میں اضافہ کر دے تو اسے روحانی بیداری میسر آسکتی ہے اس اصول کو قرآن پاک نے سورۃ مزمل میں بیان فرمایا ہے:

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کسی قدر بڑھا دو اور قرآن خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیاوی بھی اور دینوی بھی) اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع تعلق کر کے اس کی طرف متوجہ رہو وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔" (سورۃ المزمل۔ آیت 1 تا 9)

متذکرہ بالا آیات کی روشنی میں جس طرح جسمانی توانائی کے لئے انسان غیر شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے کا پابند ہے اسی طرح روحانی بیداری کے لئے شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنا ضروری ہے۔ سورۃ مزمل شریف کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہی قانون بیان فرمایا ہے، جس طرح غیر شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے جسمانی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اسی طرح شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔"

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

یقین اسے کہتے ہیں جو کسی بھی طرح متزلزل نہ ہو۔ یقین دین کی اساس ہے مشاہدات اور مراتب کے لحاظ سے اس کے تین درجے ہیں۔

۱۔ علم الیقین　　۲۔ عین الیقین　　۳۔ حق الیقین۔

اگر کسی شے کے علم کے بارے میں دلیل و برہان کے ذریعے اس حد تک یقین ہو جائے کہ تردّد نہ رہے تو اسے علم الیقین کہتے ہیں۔ اگر یہ علم دلیل و برہان سے گزر کر مشاہدہ بن جائے تو اسے عین الیقین کہتے ہیں۔ اگر علم کی حقیقت سامنے آجائے اور شے کی حقیقت کا علم ہو جائے تو اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

مثال 1

میں نے کہا انگور، اور انگور کی تعریف بیان کر دی تو آپ نے یقین کر لیا تو یہ علم، علم الیقین ہے۔ آپ نے پہاڑ پر یا باغ میں جا کر انگور کی بیل پر انگور کے خوشے دیکھ لئے اس کا ذائقہ بھی چکھ لیا، یہ عین الیقین ہے۔ آپ نے یہ علم حاصل کر لیا کہ انگور کی بیل میں انگور کیوں لگتے ہیں؟ زمین میں سے انگور میں مخصوص مٹھاس، کھٹاس، ذائقہ میں قدرت کے کون سے فارمولے کام کر رہے ہیں تو یہ حق الیقین ہے۔

مثال 2

میں نے کہا، آپ نے سنا "آدمی"۔ میری بات کا آپ نے یقین کر لیا یہ علم الیقین ہے۔ آدمی کی خصوصیات کا علم ہو گیا اور آدمی کی تعریف معہ اس کی صلاحیتوں کے آپ کے سامنے بیان کر دی گئی اور آپ کے شعور نے اسے قبول کر لیا تو یہ عین الیقین ہے۔ اگر آدمی کے تخلیقی راز، حیات و ممات کی قدریں اور اللہ تعالیٰ کے وہ رموز جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح میں مخفی کر دیئے ہیں اور جن سے آدم کو واقف کر دیا گیا ہے اس کا علم حاصل ہو جائے تو اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

مثال 3

ایک شخص آئینہ دیکھتا ہے۔ آئینہ میں اس کا عکس نظر آتا ہے مگر وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ میرے سامنے مجھ جیسا ایک انسان ہے تو یہ حالت علم الیقین ہے۔ اگر دیکھنے والے کو یہ یقین ہے کہ اپنا ہی عکس دیکھ رہا ہوں لیکن وہ اپنی اور آئینہ کی حقیقت سے ناواقف ہے تو یہ حالت عین الیقین ہے۔ اگر دیکھنے والا اپنی، آئینہ کی اور عکس کی حقیقت جانتا ہے تو یہ حالت حق الیقین ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اشیاء کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، تحقیق اور ریسرچ ان کی زندگی کا خاص مقصد تھا، وہ تحقیق کے ذریعے اللہ وحدہ لا شریک کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی ذوق، ریسرچ اور تحقیق کے جذبے سے حضرت ابراہیمؑ نے موت کے بعد زندگی یعنی مر جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حضور سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ابراہیمؑ! کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے؟"

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا:

"میں بلا توقف اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ قادر مطلق ہیں، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں، میرا سوال اس لئے ہے کہ میں علم الیقین کے ساتھ، عین الیقین اور حق الیقین کا خواستگار ہوں۔ میری تمنا ہے کہ " اے میرے رب! تو مجھے آنکھوں سے مشاہدہ کرا دے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”چند پرندے لے لو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے والے پہاڑ پر ڈال دو اور پھر فاصلے پر کھڑے ہو کر انہیں پکارو۔“(سورۃ البقرہ۔ آیت260)

حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے ان کو آواز دی تو ان سب کے اجزا علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی اپنی شکل میں آ گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام اسماعیل رکھا۔ اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔(توریت: باب پیدائش)

حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی سارہؑ مغموم رہنے لگیں۔ حضرت سارہؑ نے اصرار کیا کہ ماں بیٹے کو الگ کر دیں۔ اللہ احکم الحاکمین نے فرمایا ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو عرب کے ریگستان میں چھوڑ آ۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو اس جگہ لے آئے جہاں کعبہ ہے۔ اس زمانے میں یہ جگہ بالکل غیر آباد تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی نگاہوں سے جب دونوں ماں بیٹا اوجھل ہو گئے تو آپؑ نے ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا!

”اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد، اس بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزی عنایت فرما تاکہ یہ شکر گزاری کریں۔“(سورۃ ابراہیم۔ آیت 37)

صفامروہ

چند روز میں مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی۔ پہلے دودھ اترنا کم ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ بچے نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ بی بی ہاجرہؑ پانی تلاش کرتی رہیں۔ قریب کی پہاڑی ”صفا“ پر گئیں مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ واپس وادی میں آ کر بھوک سے بلکتے بچے پر ایک نظر ڈالی اور دوسری جانب ”مروہ“ پر چڑھ گئیں۔ بچے کے پاس پھر پلٹ کر آئیں اسے روتا دیکھ کر بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور دوبارہ صفا کی طرف بھاگتی ہوئی گئیں۔ اس طرح آپ نے سات چکر لگائے۔ ماں کا جذبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوا اور حضرت ہاجرہؑ کا یہ عمل قیامت تک جاری کر دیا گیا کہ زیارت کے لئے آنے والا ہر فرد حضرت ہاجرہؑ کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے صفا اور مروہ کے درمیان ”سعی“ کرے۔

”صفا اور مروہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے پھر جو کوئی حج کرے اس گھر کی زیارت تو گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب جانتا۔“(سورۃ البقرہ۔ آیت 158)

ساتویں چکر میں حضرت ہاجرہؓ بچے کے پاس جب واپس آئیں تو دیکھا کہ جس جگہ حضرت اسماعیلؑ روتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے۔ اللہ کا فرستادہ فرشتہ حاضر ہوا اور حضرت ہاجرہؓ سے کہا، "خوف اور غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھے اور بچے کو ضائع نہیں کرے گا یہ مقام "بیت اللہ" ہے۔ یہ بچہ اور اس کا باپ بیت اللہ کی تعمیر کریں گے۔ بچپن کا ابتدائی دور حضرت اسماعیلؑ نے قبیلہ بنی جرہم کے افراد کے ساتھ گزارا۔ بہت سے احکامات ایسے ہیں جن کا تعلق حضرت اسماعیلؑ کی ذات سے براہ راست وابستہ ہیں یا ان پر عمل درآمد کا حکم حضرت اسماعیلؑ کے دور میں نازل ہوا اور ان اعمال کی اقتدا آج بھی جاری ہے۔ انہی احکامات میں سے ایک حکم "ختنہ" کا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

الہامی کتابوں میں حضرت اسماعیلؑ کی ذات مبارک سے جاری ہونے والی ایک اور سنت کا تذکرہ بھی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے والد بزرگوار حضرت ابراہیمؑ نے مسلسل تین راتوں تک ایک ہی خواب دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ خواب اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو سنایا۔۔ فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں آپؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بجالائیں۔ انشاء اللہ آپؑ مجھے صابر اور شاکر بندوں میں سے پائیں گے۔

رمی جمار

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے دونوں برگزیدہ بندے گھر سے روانہ ہوئے تو ابلیس ان کے ارادے کو متزلزل کرنے کے لئے حضرت ہاجرہؓ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا کہ اسماعیلؑ ہماری اکلوتی اولاد ہے اور بہت دعاؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں عطا کی ہے۔ اسماعیلؑ کا باپ ایسا نہیں کر سکتا کہ بلاوجہ اسے جان سے مار دے۔

ابلیس نے کہا! "تمہارے رب کا یہی حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔"

یہ سن کر بی بی ہاجرہؓ نے کہا کہ "اگر یہ میرے رب کا حکم ہے تو میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔"

ابلیس ناکام ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور بولا آپ عمر رسیدہ ہیں اور اسماعیلؑ آپ کی اکلوتی اولاد ہے اگر آپ نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تو آپ کی نسل نہیں بڑھے گی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا! "اسماعیلؑ سے میرا تعلق اللہ کے لئے ہے یہ تعلق اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے لئے مجھے وسیلہ بنایا ہے۔ بیٹا میرے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے مالک و مختار کل ہیں وہ جب چاہیں جیسا چاہیں حکم دیں۔ ہم سب اس کے فرمانبردار ہیں۔"

ابلیس نامراد ہو کر واپس چلا گیا لیکن اس نے ناکامی کو کامیابی میں تبدیل کرنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کے پاس گیا۔

حضرت اسماعیلؑ نے کہا "میرے اللہ کا جو حکم ہے میں اس پر راضی ہوں۔ اباجی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ملائکہ مقربین کے سردار جبرائیلؑ ان کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ ان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں۔"

قربان گاہ کی طرف جاتے ہوئے ابلیس نے تین بار ان کے ارادے میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی ہر بار حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے شیطان پر سنگ باری کی۔ یہی وہ سنت ہے جس کو حجاج کرام ہر سال حج کے موقع پر دہراتے ہیں اور یہ سنت "رمی جمار" ہے۔ باپ بیٹے دونوں جب منیٰ کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا اور گردن پر چھری پھیر دی۔

"پس جب ان دونوں نے رضا و تسلیم کو اختیار کر لیا اور پیشانی کے بل اس کو پچھاڑ دیا ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو بے شک یہی ہے صریح جانچنا اور اسکا بدلہ دیا ہم نے ایک بڑا جانور ذبح کرنے کو۔" (سورۃ الصّٰفّٰت۔ آیت 103 تا 107)

حضرت ابراہیمؑ کی تابعداری اور حضرت اسماعیلؑ کی فرمانبرداری بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح ہونے سے بچا لیا اور ایک مینڈھا قربان کر کے خواب پورا کر دیا۔ یہی وہ عظیم قربانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے ایثار کا عملی نمونہ بنا دیا ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

توحید کو عام کرنے کے لئے حکم ہوا کہ اللہ کا گھر تعمیر کرو۔ کعبہ کی تعمیر کے وقت باپ بیٹے نے اللہ کریم کی بارگاہ میں خوب دعائیں کیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ

"میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔"

"اے رب ہمارے، اور اٹھا ان میں ایک رسول انہی میں سے پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور ان کو سنوارے اور تو ہی ہے اصل

زبردست حکمت والا۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 129)

خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر دو برگزیدہ پیغمبروں نے کی۔ باپ راج کی حیثیت سے اور بیٹا مزدور کی حیثیت سے تعمیر میں مصروف رہے اور جب اسکی دیواریں اتنی اوپر اٹھ گئیں کہ مزید تعمیر کے لئے پاڑھ کی ضرورت محسوس ہوئی تو پتھر کو پاڑھ بنایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اس پر چڑھ کر دیوار کی چنائی کرتے تھے۔ یہ یادگار پتھر "مقام ابراہیمؑ" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے حج کا اعلان کیا تھا۔

”اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلتے آتے راہوں دور سے۔“(سورۃ الحج۔ آیت 27)

دروازے کی چوکھٹ

قبیلہ بنو جرہم میں حضرت اسماعیلؑ کی دو شادیاں ہوئیں۔

پہلی شادی عمارہ بنت سعید سے ہوئی۔ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے گھر تشریف لائے۔حضرت اسماعیلؑ گھر پر موجود نہیں تھے۔خیریت معلوم کی تو آپؑ کی اہلیہ نے مصائب و آلام اور تنگ دستی کا اظہار کیا۔حضرت ابراہیمؑ نے جاتے ہوئے فرمایا!

”اسماعیلؑ سے میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ تبدیل کردے۔“

حضرت اسماعیلؑ گھر آئے تو بیوی نے پیغام پہنچا دیا۔حضرت اسماعیلؑ سمجھ گئے کہ آنے والے مہمان ان کے والد حضرت ابراہیمؑ تھے اور وہ ہدایت دے گئے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرلی جائے۔حضرت اسماعیلؑ کی دوسری شادی سیدہ بنت مضاض جرہمی سے ہوئی۔حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کی غیر موجودگی میں دوبارہ تشریف لائے تو حضرت اسماعیلؑ کی دلہن نے خوب خاطر مدارات کی۔حضرت ابراہیمؑ نے حال احوال پوچھا تو سیدہ بنت مضاض نے فراخی رزق اور خوشحالی کا تذکرہ کیا اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کیا۔حضرت ابراہیمؑ جاتے ہوئے پیغام دے گئے،”اسماعیل سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو محفوظ رکھے۔“

حضرت اسماعیلؑ کے گھر واپس آنے پر ان کی اہلیہ نے تمام روداد بیان کی تو حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا کہ وہ میرے باپ حضرت ابراہیمؑ تھے اور مجھے ہدایت کرگئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے سے جدا نہ کروں۔حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار کہلائے اور یہ قبیلے سرداروں کے ناموں سے مشہور ہوئے۔اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔یہ نام ترتیب وار ان کی پیدائش کے مطابق ہیں۔اسماعیل کا پہلا بیٹا نبایوط تھا پھر قیدار اور ادبئیل اور مبشام اور مشماع اور دومہ اور مسار۔حدور اور تیما اور یطور اور نفیس اور قدمہ۔یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور انہیں کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں آباد ہوئیں اور یہی بارہ بیٹے اپنے اپنے قبیلے کے سردار ہوئے۔(توریت باب پیدائش:۱۷۔۱۳)

حضرت اسماعیلؑ کی ایک بیٹی بھی تھی۔جس کی شادی عیسو ادوم سے ہوئی۔جو آپؑ کے چھوٹے بھائی اسحاقؑ کے بڑے فرزند اور حضرت یعقوبؑ کے بھائی تھے۔حضرت اسماعیلؑ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد اعلیٰ ہیں۔آپؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کم و بیش پونے تین ہزار سال قبل پیدا ہوئے۔حضرت اسماعیلؑ نے ایک سو سینتیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔حضرت اسماعیلؑ کا مدفن کعبہ شریف میں میزاب اور حجر اسود کے درمیان ہے۔بتایا جاتا ہے کہ آپؑ کی والدہ ماجدہ بھی یہیں دفن ہیں۔انتقال کے وقت تک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور نسل کا سلسلہ حجاز،شام،عراق،فلسطین اور مصر تک پھیل گیا تھا۔

تاریخ کی کتابوں میں حضرت اسماعیلؑ سے صادر ہونے والے دو معجزات کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱۔ ایک شخص انتہائی لاغر اور بیمار بھینس آپؑ کے پاس لایا اور عرض کیا کہ بھینس دودھ نہیں دیتی، گھر میں تنگدستی ہے۔
حضرت اسماعیلؑ نے اپنا ہاتھ بھینس کے تھنوں پر پھیرا بھینس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔

۲۔ ایک روز چند آدمی آپؑ کے پاس آئے۔ گھر میں مہمانوں کو کھلانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ آپؑ نے تھوڑا سا آب زم زم ایک دیگ میں ڈال کر، دیگ پر رومال ڈال دیا۔ جب دیگ سے کپڑا اٹھایا گیا تو دیگ تیار تھی اس میں لذیذ کھانا موجود تھا۔ قرآن پاک میں حضرت اسماعیلؑ کے اوصاف اور آپؑ کی فضیلت وبزرگی کا تذکرہ متعدد بار اس طرح ہوا ہے۔"

اور یاد کرو کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر، تھا وہ وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی، اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو نماز کا، اور زکوۃ کا، اور تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ۔"

(سورۃ مریم۔ آیت 54 تا 55)

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسفؑ کی پیدائش کے وقت حضرت یعقوبؑ کی عمر ۷۳ برس تھی۔ حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی تھے۔ "بن یامین" سگے بھائی اور دس سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت یوسفؑ بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل اور فہیم تھے۔ حضرت یوسفؑ کی پیشانی نور افگن تھی۔ حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند حضرت یوسفؑ کو سجدہ کررہے ہیں۔ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر بارہ سال تھی۔

جب حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ نے خواب سنایا تو انہوں نے خواب کی تعبیر بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے کام کیلئے منتخب کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں علم و حکمت سے نوازیں گے اور نصیحت کی کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔
حضرت یوسفؑ کے قصے کو قرآن حکیم میں "احسن القصص" کہا گیا ہے۔

گیارہ ستارے اور چاند

حضرت یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا!

"اے میرے باپ! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں۔" (سورۃ یوسف۔ آیت 4)

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا!

"میرے بیٹے! جس طرح تونے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند تیرے آگے جھکے ہوئے ہیں اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے۔"

ایک روز حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ یوسفؑ کو باپ سے دور کر دیں سب بھائیوں نے باپ سے کہا!

"ہم یوسف کو سیر کرانے کیلئے اپنے ساتھ جنگل میں لے جانا چاہتے ہیں۔"

حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کے اصرار کے بعد نیم دلی سے اجازت دے دی۔ سوتیلے بھائی حضرت یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور اندھے کنوئیں میں پھینک دیا اور روتے ہوئے گھر واپس آئے۔ باپ کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ حضرت یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ ثبوت کے طور پر بکری کا خون لگے ہوئے کپڑے حضرت یعقوبؑ کو دکھائے۔ حضرت یعقوبؑ ان کا حیلہ سمجھ گئے لیکن رضائے الٰہی سمجھ کر خاموش ہوگئے۔ جس کنوئیں میں حضرت یوسفؑ کو پھینکا گیا تھا۔ یہ کنواں حبرون (موجودہ الخلیل) کی وادی سیکم کے قریب ہے۔ اسماعیلی تاجروں کا ایک قافلہ مصر جاتے ہوئے یہاں سے گزرا تو قافلے کے لوگوں نے ایک کنواں دیکھا۔ پانی پینے کے لئے قافلہ رک گیا۔ قافلے والوں نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسفؑ اسے پکڑ کر کنویں سے باہر نکل آئے۔ تاجر آپؑ کو ساتھ لے گئے اور مصر کے بازار میں نیلام کر دیا۔

عربی نسل "عمالیق" جو دو ہزار قبل مسیح میں فلسطین اور شام سے آکر مصر پر قابض ہوگئے تھے اس وقت حکمران تھے۔ ایوفیس (Apophis) نامی بادشاہ تھا۔ مصری فوج کے سپہ سالار "فوطیفار" نے بیس درہم (تقریباً ۴۰ ۵ پاکستانی روپے) میں حضرت یوسفؑ کو خرید لیا۔ قرآن نے خریدار کا تعارف عزیز مصر کے نام سے کرایا ہے۔ عزیز مصر کے معنی ایسے صاحب اقتدار کے ہیں جس کے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہوسکے۔ عزیز مصر کسی شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک عہدے کا نام ہے۔ بائبل اور تلموذ کے مطابق * عزیز مصر شاہی محافظوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا !

"اس کو اچھی طرح رکھنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔"

(سورۃ یوسف۔ آیت 21)

زلیخا

حضرت یوسفؑ کنعان میں پلے بڑھے تھے جہاں تہذیبی اور تمدنی ترقی مصر کے مقابلے میں کم تھی وہاں قبائلی اور نیم خانہ بدوشانہ طرز زندگی تھی جبکہ مصر معاشرت کے اعتبار سے جدید ملک تھا۔ عزیز مصر حضرت یوسفؑ کی شخصیت اور فہم و فراست سے بہت متاثر ہوا۔ کچھ ہی عرصے میں اپنی دولت و جاگیر کے نظم و نسق میں اس نے آپؑ کو شریک کر لیا۔

"اس طرح ہم نے یوسف کے لئے اس سرزمین پر قدم جمانے کی صورت نکالی اور اسے معاملہ فہمی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔" (سورۃ یوسف۔ آیت 21)

حضرت یوسف ذہین اور زیرک انسان تھے۔ خوبصورتی بے مثال تھی۔ حسن اور خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان میں نہیں تھا۔ عزیز مصر کی بیوی "زلیخا" دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہو گئی۔

"خدا کی پناہ! میرے رب تو نے مجھے اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں ایسے ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔" (سورۃ یوسف۔ آیت 23)

---

* یہ روایت بھی ملتی ہے کہ عزیز مصر شاہی خزانہ کا افسر اعلیٰ تھا۔

حیا کے پیکر

عصمت و حیا کے پیکر حضرت یوسفؑ نے ایک لمحہ کے لئے بھی زلیخا کی حوصلہ افزائی نہیں کی، بلکہ اسے بے قراری کی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر جانے لگے، زلیخا نے انہیں روکنا چاہا۔ اس کھینچا تانی میں آپؑ کی قمیض پھٹ گئی۔ دروازہ کھلا تو عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد بھائی سامنے کھڑا تھا۔ زلیخا نے مکر و فریب سے کام لیا اور حضرت یوسفؑ پر الزام لگایا کہ اس نے مجھے بے عزت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شخص ذہین، ہوشیار اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے کہا یوسفؑ کا پیراہن دیکھنا چاہئیے اگر سامنے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچ بولتی ہے اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسفؑ بے گناہ ہے۔ محل میں موجود لوگوں نے دیکھا کہ پیراہن پیچھے سے چاک تھا۔ عزیز مصر کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح یہ بات پورے خاندان میں پھیل گئی۔ امرا اور روسا کی بیگمات نے زلیخا کو طعن و تشنیع کی اور اس سے کہا تو کیسی عورت ہے کہ عزیز مصر کی بیوی ہو کر ایک غلام پر عاشق ہو گئی۔ زلیخا نے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ تواضع کے لئے پھل رکھے گئے۔ مہمانوں نے چھری سے پھل کاٹنے چاہے تو عین اسی وقت حضرت یوسفؑ کو قریب سے گزارا گیا۔ حسن و جمال کا مجسمہ اور مردانہ وجاہت کے پیکر حضرت یوسفؑ پر جب عورتوں کی نگاہ پڑی تو وہ حواس باختہ ہو گئیں اور انہوں نے پھلوں کے ساتھ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

”عزیز مصر کی بیوی نے کہا! یہ ہے وہ شخص، جس کے بارے میں تم مجھے برا کہتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا اگر اب بھی میرا کہنا نہیں مانے گا تو قید کر دیا جائے گا اور بہت پریشان ہو گا۔“ (سورۃ یوسف۔ آیت 32)
زلیخا کی طرف سے برائی کی ترغیب اور بات پوری نہ ہونے کی صورت میں قید کر دینے کی دھمکی سن کر حضرت یوسفؑ نے اللہ رب العزت کو مدد کے لئے پکارا۔

”اے میرے رب! مجھے قید منظور ہے بہ نسبت اس کے وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہیں کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔“ (سورۃ یوسف۔ آیت 33)

پہلے صرف زلیخا ہی آپؑ پر عاشق تھی۔ اس واقعہ کے بعد طبقہ روسا کی اکثر عورتیں آپؑ کے حسن پر فریفتہ ہو گئیں۔ حضرت یوسفؑ راست روی اور عفت و عصمت قائم رکھنے کے لئے امتحان سے گزر رہے تھے۔ بالآخر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو پابند سلاسل کرا دیا گیا*۔

* اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر بیس یا اکیس برس تھی۔



حضرت یوسفؑ کی نیکوکاری اور پاکیزہ سیرت کے چرچے پہلے ہی جیل خانہ میں پہنچ چکے تھے۔ آپؑ کے اخلاق، پرہیز گاری اور نیک اعمال کے سبب قیدی اور حکام آپؑ کا احترام کرتے تھے۔ حضرت یوسفؑ سات سال جیل میں رہے۔ قید کے دوران آپؑ قیدیوں کو وحدانیت کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ نیک عمل کی تلقین اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ”اے جیل کے رفیقو! الگ الگ کئی معبودوں سے ایک اللہ بہتر ہے۔ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ عبادت کے لائق اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ مگر نام رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے۔ نہیں اُتاری اللہ نے ان کی کوئی سند، حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اس کو، یہی ہے سیدھی راہ، بہت لوگ نہیں جانتے۔“ (سورۃ یوسف۔ آیت 39 تا 40)

دو خواب!

دو قیدیوں نے خواب دیکھے۔ ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا اور وہ بادشاہ کو زہر سے ہلاک کرنے کی سازش میں پکڑے گئے تھے۔ دونوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے اپنے خواب سنائے ایک نے بتایا ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔“ دوسرے نے کہا ”میں نے دیکھا کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتائی کہ انگور نچوڑنے والا بری ہو جائے گا اور اسے پھر ساقی گری سونپ دی جائے گی اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کا گوشت مردار جانور کھائیں گے۔

بادشاہ کا خواب

حضرت یوسفؑ کے قصے میں تیسرا خواب بادشاہ مصر ”ملک الریان“ کا ہے۔ بادشاہ نے درباریوں کو جمع کر کے کہا، ”میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات بالیں سوکھی۔“

بادشاہ کے دربار میں ماہرین نے اس خواب کو بادشاہ کی پریشان خیالی قرار دیا۔ لیکن بادشاہ کو اطمینان نہیں ہوا اور وہ ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر ساقی کو اپنا خواب اور اس کی تعبیر یاد آ گئی۔ اس نے حضرت یوسفؑ کے علم اور حکمت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ نے اسے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے حضرت یوسفؑ کے پاس بھیجا۔ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے۔ ان سات سالوں میں غلے میں خوب فراوانی ہو گی اور اس کے بعد سات سال بہت مصیبت کے آئیں گے اور سخت قحط پڑ جائے گا۔ ایک دانہ بھی نہیں اُگے گا۔ ان سات سالوں میں وہی غلہ کام آئے گا جو پہلے سات سالوں میں ذخیرہ کیا گیا ہو گا۔

خواب میں مستقبل بینی اور حضرت یوسفؑ کی بیان کردہ تعبیر سے بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو رہا کر کے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے رہا ہونے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق کی جائے جس کے تحت وہ قید کئے گئے تھے۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ قیدی صاحب حکمت بزرگ ہے اور یہ برگزیدہ شخص یقیناً بے گناہ ہے ورنہ الزام کی

تحقیق کا مطالبہ نہ کرتا اور جیل سے باہر بخوشی آجاتا۔ شاہ مصر نے تحقیقات کا حکم دے دیا۔ تحقیقات کے نتیجے میں حضرت یوسفؑ بے گناہ ثابت ہوئے۔

قحط سالی اور منصوبہ بندی

خواب کی تعبیر معلوم ہونے کے بعد بادشاہ نے دربار میں موجود معاشیات کے ماہرین کو اس مصیبت سے محفوظ رہنے کی ہدایت کی۔ یہ خواب جس طرح انوکھا تھا اسی طرح تعبیر بھی عجیب تھی اور سارے دربار میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو اس کام سے عہدہ بر آ ہو سکتا۔ جب حضرت یوسفؑ نے قحط سالی سے بچنے کی تدابیر بتائیں، بادشاہ ان کے علم و حکمت اور بزرگی کا پہلے ہی معترف ہو چکا تھا اب اس کے دل میں حضرت یوسفؑ کی عظمت مزید بڑھ گئی۔ اس نے نہ صرف ان تدابیر کو قبول کیا بلکہ حضرت یوسفؑ کو ان پر عمل کرانے کا اختیار بھی دے دیا۔۔۔ اور کہا:

"تو میرا نائب ہے۔ آج سے تیرا حکم میری رعایا پر چلے گا۔"

اور اس نے فیصلہ کیا کہ حضرت یوسفؑ نے قحط سالی سے بچنے کی جو تدابیر بتائی ہیں وہ خود ہی ان پر عمل درآمد کرائیں۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے شاہی کونسل سے بھی منظوری لے لی۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے نہایت عزت و احترام سے کہا کہ آپؑ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے پیش بندی کریں۔ حضرت یوسفؑ نے عمل درآمد کے لئے بادشاہ سے مملکت کے مکمل اختیارات مانگ لئے۔

"یوسف نے کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔" (سورۃ یوسف۔ آیت 55)

بادشاہ نے آپ کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

توریت میں ہے،

"تو میرے گھر کا مختار ہو گا اور ساری رعایا پر تیرا حکم چلے گا۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے گا۔" (کتاب پیدائش۔ باب 39، 41 تا 45)

حضرت یوسفؑ نے مملکت کی باگ ڈور سنبھال لی اور قحط سالی سے بچنے کیلئے انتظامات شروع کر دیئے۔ پہلے مرحلے میں آپؑ نے زیادہ سے زیادہ غلہ اگانے کی منصوبہ بندی کی۔ ایسے اقدامات کئے کہ وہ زمینیں جو قابل کاشت نہیں تھیں انہیں بھی کاشت کے قابل بنا دیا گیا۔ اس طرح ضرورت سے زیادہ فصلیں تیار ہو گئیں۔ آپؑ نے حکومتی خزانوں سے فصلیں خرید لیں اور قحط سالی کے سات برسوں کیلئے غلے کا ذخیرہ کر لیا۔

اگلا مرحلہ عظیم الشان ذخیرے کو اس طرح محفوظ کرنے کا تھا کہ وہ سات سال تک قابل استعمال رہے۔ اس سلسلے میں آپ نے غلہ کو جمع کرنے کیلئے مخروطی شکل کے اہرام ڈیزائن کئے۔ ہزاروں سال قبل تعمیر کئے جانیوالے یہ اہرام آج بھی معمہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے علم نبوت کا اعجاز تھا کہ آپؑ نے مصر کے اس قدیم معاشرے میں ایسی جدید سائنسی عمارت کی بنیاد رکھی جو ہزاروں سال سے قائم ہے۔

سات سال بارشیں خوب ہوئیں اور بہترین فصل حاصل ہوئی۔ پھر کھیتیاں سوکھنے لگیں۔ جوہڑوں اور تالابوں میں پانی خشک ہوگیا۔ لوگوں کے پاس جمع شدہ غذائی اجناس کی قلت ہوگئی۔ مصر کی ساری زمین خشک ہوگئی اور قرب وجوار میں شدید قحط پڑ گیا۔ لیکن صحیح منصوبہ بندی اور پلاننگ سے گورنمنٹ کے پاس وافر مقدار میں غلہ ذخیرہ تھا۔

کنعان کے باشندے مصر آکر سرکاری گوداموں سے غلہ لے کر گئے تو حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا۔

تقسیم اجناس

حضرت یوسفؑ گوداموں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً تقسیم اجناس کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک روز وہ دورے پر تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک جیسے لباس اور ایک جیسی شکل وصورت کے ''کنعانی'' لوگ قطار میں کھڑے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کنعانیوں نے بتایا کہ ہم ایک باپ کی اولاد ہیں اور بھائی بھائی ہیں اور غلہ لینے کے لئے کنعان سے یہاں آئے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا تمہارا کوئی اور بھی بھائی ہے؟

انہوں نے کہا، جی ہاں! ہمارا ایک بھائی اور ہے جو والد صاحب کی معذوری کی وجہ سے نہیں آیا۔ ہمارے ابّا جی آنکھوں سے نابینا ہیں۔ ایک بھائی یوسفؑ کو بچپن میں بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا۔ ابّا جی کو اس سے بے انتہا محبت تھی وہ اس کے غم میں روتے روتے اندھے ہوگئے۔ حضرت یوسفؑ کو یہ سن کر صدمہ پہنچا کہ حضرت یعقوبؑ بینائی کھو چکے ہیں۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کی فکر لاحق ہوئی۔ آپؑ نے اپنے سوتیلے بھائیوں سے کہا ''تم لوگ کنعان سے آئے ہو ممکن ہے تمہیں یہاں کے قانون کا علم نہ ہو غلہ صرف انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو موجود ہوں۔ اس بار تم کو معذور باپ اور بھائی کے حصے کا غلہ دیا جاتا ہے۔ لیکن جب آئندہ غلہ لینے آؤ تو باپ اور بھائی کو بھی ساتھ لے کر آنا۔'' بھائیوں نے کہا ہمارے والد تو بیٹے کے غم میں گوشہ نشین ہوگئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ آنکھوں سے معذور بھی ہیں۔ ان کیلئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ چھوٹا بھائی باپ کی خدمت میں رہتا ہے اور وہ ابّا جی سے دور ہونا نہیں چاہتا۔

حضرت یوسفؑ نے باپ کی معذوری کا عذر قبول کر لیا لیکن بھائی کے نہ آنے کی وجہ کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی کو اپنے حصے کا غلہ لینے یہاں آنا پڑے گا اگر وہ نہیں آیا تو تمہیں بھی غلہ نہیں دیا جائے گا۔

غلہ لے کر جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے والد سے کہا!

والئ مصر نے کہا ہے کہ اگر تمہارا بھائی ساتھ نہیں آیا تو تمہیں بھی غلہ نہیں دیا جائے گا۔

حضرت یعقوبؑ نے کہا!

"کیا تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسف کے معاملہ میں کر چکا ہوں؟"

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے باپ کا جواب سن کر شرمندہ ہوئے۔ بڑے بیٹے نے انتہائی عاجزی سے کہا" آپ کو ہم پر اعتماد نہیں رہا لیکن ہم مجبور ہیں اگر آپ نے "بن یامین" کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجا تو کسی کو بھی غلہ نہیں ملے گا۔ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے وعدہ لیا کہ بن یامین کو صحیح سلامت واپس لے آؤ گے۔"

دوسری مرتبہ برادران یوسف کا قافلہ مصر کی طرف روانہ ہوا تو حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ:

"دیکھو ایک ساتھ شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو داخل ہونا۔"

حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو یہ نصیحت اس وجہ سے کی کہ جب وہ پہلی بار مصر میں داخل ہوئے تھے تو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے تھے اور الزام ثابت نہ ہونے پر رہا ہوئے تھے۔ حضرت یوسفؑ جانتے تھے کہ بھائی جتنا گندم لے گئے ہیں وہ زیادہ دن نہیں چلے گا۔ انہیں اندازہ تھا کہ کتنی مدت کے بعد دوبارہ غلہ کی ضرورت پیش آئے گی۔ حضرت یوسفؑ کو بھائی کا بے چینی سے انتظار تھا۔ شہر سے باہر ملک شام سے آنے والے راستے پر کھڑے ہو جاتے تھے اور انتظار کرتے تھے۔ بالآخر برادران یوسف پہنچ گئے۔ باپ کی نصیحت کے مطابق الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور اپنے سگے بھائی "بن یامین" کو تنہائی میں طلب کر کے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ باپ کی خیر خبر معلوم کی، اپنی ساری روداد سنائی۔ باپ سے جدائی سے لے کر اب تک کا قصہ بھائی کو سنایا اور تاکید کی کہ دوسرے بھائیوں کو یہ بات نہ بتائے۔

اس مرتبہ حضرت یوسفؑ نے تمام بھائیوں کو پہلے سے زیادہ غلہ دیا اور غلہ ناپنے کا شاہی پیالہ بن یامین کے سامان میں رکھوا دیا۔

شاہی پیالے کی تلاش

کنعانی جوانوں کا قافلہ ابھی روانہ ہوا ہی تھا کہ چاندی کے شاہی پیالے کی تلاش شروع ہو گئی۔ قافلے والوں پر شبہ ظاہر کیا گیا کیونکہ غلہ صرف اسی قافلہ کو تقسیم کیا گیا تھا۔ قافلہ رکوایا گیا۔ برادران یوسفؑ نے اس پر احتجاج کیا کہ الزام بے بنیاد ہے بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ قافلے والے واپس چل کر تلاشی دیں اگر الزام ثابت نہ ہوا تو انہیں مزید غلہ دیا جائے گا اور اگر الزام ثابت ہو گیا تو قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

قانون یہ تھا کہ جس کی چوری ہوتی تھی مجرم کو اس کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

داروغہ نے تلاشی لینا شروع کر دی۔ بالآخر سب سے چھوٹے بھائی بن یامین کے سامان میں سے شاہی پیمانہ برآمد ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام بھائی پریشان ہوئے۔ شاہی پہرہ دار بن یامین کو گرفتار کر کے لے جانے لگے تو انہیں باپ سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا انہوں نے

داروغہ کی منت سماجت کی کہ ”بن یامین“ کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ جس بھائی کو چاہیں گرفتار کر لیں۔ معاملہ والی مصر حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوا۔

حضرت یوسفؑ نے کہا!

”اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہو گا کہ اصلی مجرم کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیا جائے۔“

برادران یوسفؑ وطن واپس ہوئے۔ لیکن اس سفر میں ”بن یامین“ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ندامت کی وجہ سے باپ کا سامنا کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہوئی اس لئے بڑا بھائی باپ کے سامنے نہیں گیا وہ شہر سے باہر ٹھہر گیا۔ بیٹوں نے باپ کو بتایا تو حضرت یعقوبؑ غمزدہ آواز سے بولے ”میں جانتا ہوں کہ بات یہ نہیں ہے لیکن جو کچھ تم لوگ کہتے ہو مان لیتا ہوں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

راز کھل گیا

غلہ ختم ہونے کے بعد پھر مصر جانے کے بارے میں سوچنے لگے لیکن شرمندگی کی وجہ سے جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ غلہ لے کر آؤ اور والئ مصر سے ”بن یامین“ کے لئے معافی کی درخواست کرو۔ باپ کے ہمت دلانے پر بیٹے دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور کہا، ”ہم کو قحط سالی نے پریشان کر دیا ہے۔ اب معاملہ خرید و فروخت کا نہیں ہے، ذرائع آمدنی ختم ہو گئے ہیں۔ ہم غلہ کی پوری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ اگر ہمیں غلہ نہیں ملے گا تو ہمارے گھر میں فاقے شروع ہو جائیں گے۔“

حضرت یوسفؑ یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر کہا،

”نہیں نہیں میں تمہیں اور اپنے باپ کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔“

برادران یوسفؑ عزیز مصر کی زبانی حضرت یعقوبؑ کے لئے باپ کا لفظ سن کر حیران ہوئے۔

حضرت یوسفؑ نے پوچھا!

”تم لوگوں نے ”بن یامین“ کے بھائی یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟“

ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عزیز مصر کو یوسف اور بن یامین سے کیا واسطہ ہے۔

”میرے بھائیو!

میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں جسے تم نے حسد کی بنا پر کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔“

حضرت یوسفؑ کے اس انکشاف سے ان کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ خوف، شرمساری اور ندامت کے احساس سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔

حضرت یوسفؑ نے درگزر سے کام لیا اور فرمایا!

"میں تمہارا بھائی ہوں۔ ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم سے کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے گناہ بخش دے کیونکہ وہ رحیم و کریم ہے۔"

فرعون مصر کو جب یوسفؑ کے بھائیوں کی آمد کا پتہ چلا اور اسے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ، یوسفؑ کے والد ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں تو اس نے حضرت یعقوبؑ اور ان کے پورے خاندان کو مصر میں آباد ہونے کی دعوت دی اور پروٹوکول کے لئے فوج کا ایک دستہ کنعان بھیجا۔ فوج کے دستے کے ساتھ مال برداری کے جانور بھی تھے۔

حضرت یوسفؑ کا پیراہن

روانگی سے قبل حضرت یوسفؑ نے اپنا پیراہن بھائیوں کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے میرے مقدس باپ کی آنکھوں سے لگا دینا اللہ رب الرحیم اپنا فضل فرمائے گا۔ قافلہ ابھی کنعان میں داخل ہی ہوا تھا کہ حضرت یعقوبؑ نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے اپنے بیٹے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ گھر والوں نے اس بات کو ضعف دماغ پر محمول کیا اور کہا کہ برسوں پہلے جسے بھیڑیا لے گیا اس کی خوشبو کیسے آسکتی ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے کہا !

"تم لوگ وہ بات نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔"

شاہی دستہ کے ساتھ قافلہ جب شہر میں داخل ہوا تو حضرت یعقوبؑ گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے سر جھکائے ان کے پاس پہنچے۔ حضرت یعقوبؑ نے خوشی اور بے قراری سے کہا!

"تم سب آگئے۔۔۔ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔"

"یوسف ہمارے ساتھ نہیں آیا۔"

ایک بھائی سر جھکا کر بولا اور پیراہن نکال کر حضرت یعقوبؑ کو دے دیا اور عرض کیا! یہ پیراہن یوسف نے بھیجا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کا کرتا لے کر چوما اور آنکھوں سے لگایا اور کہا! میں نہ کہتا تھا کہ میرا یوسف زندہ ہے۔ جیسے جیسے حضرت یوسفؑ کے کرتے کا لمس آنکھوں میں جذب ہو رہا تھا۔ بینائی لوٹ رہی تھی اور حضرت یعقوبؑ کی نابینا آنکھیں روشن ہو گئیں۔ بھائیوں نے اول تا آخر سارا قصہ سنایا۔۔۔ اور عرض کیا! فرعون مصر نے دعوت دی ہے کہ آپ سب مصر میں آکر آباد ہو جائیں۔ حضرت یعقوبؑ پورے خاندان کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ خاندان کے افراد کی تعداد ستر (70) تھی۔

جس وقت حضرت یعقوبؑ مصر تشریف لائے اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس (130) سال تھی۔ اس دوران بادشاہ فرعون کا انتقال ہو گیا۔

اہرام۔۔۔۔

مینار نما مخروطی عمارت کو اہرام کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں اسے Pyramid کہا جاتا ہے۔ پیرامڈ میں PYR) پیر، یونانی لفظ (PYRO) سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں آگ یا حرارت اور (AMID) امڈ بھی یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ہے مرکز کے قریب یا وسط میں۔ اس طرح لفظ پیرامڈ کا مطلب "مرکز یا وسط میں حرارت" ہے۔

پیرامڈ کے متعلق تاریخ کچھ بتانے سے قاصر ہے کہ اہرام کن لوگوں نے بنائے؟ کیوں بنائے؟ اور یہ کس مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں۔۔۔؟

پیرامڈ دراصل قدیم تہذیب کی تعمیرات ہیں جو مصر کے علاوہ میکسیکو، امریکہ، پیرو، گوئٹے مالا اور ہمالیہ سمیت دنیا کے کئی مقامات پر ایستادہ ہیں۔ وادی نیل میں قدیم مقام غزہ (Giza) کے میدان میں سب سے بڑا اہرام دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہے جو "غزہ کا اہرام" کہلاتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد عجوبہ ہے جو ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود صحیح حالت میں موجود ہے جبکہ باقی چھ عجائبات کے صرف نام اور تصویری خاکے رہ گئے ہیں۔ ان کے نشانات بھی زمانے کی دستبرد کی نذر ہو چکے ہیں۔ اہراموں کی تکونیاتی (جیو میٹریکل) شکل کی بدولت یہ ایسی ہمت اور حوصلے کے حامل بھی ہیں کہ زلزلے، طوفان، بادوباراں اور دیگر حوادث کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ان کی ڈھلوان سطح زمین کی کشش ثقل سے آزاد ہے۔

سائنسدانوں نے جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے 'غزہ کے اہرام" کا جو تجزیہ کیا ہے اسکے مطابق یہ اہرام قدیم اور انتہائی ترقی یافتہ سائنسی ایجادات کا مظہر ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ترقی یافتہ یہ سائنس حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے ہے۔ اہراموں کے ماہر ماورائی سربستہ رازوں سے واقف تھے۔ وہ اعلیٰ ترین ریاضی (Advance Mathematics) کا ادراک رکھتے تھے۔ علم مثلث (Trigonometry) اور جیومیٹری کے علوم پر انہیں دسترس تھی۔ جغرافیہ کے بارے میں ان کا علم حیرت انگیز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ غزہ کے اہرام پتھر کے دو سوا ایک۔۔۔ ایک کے بعد دوسرے بلند ہوتے ہوئے متوازی زینوں پر مشتمل چالیس منزلہ (485 فٹ) بلند عمارت ہے۔ اہرام کی بنیاد ایک مکمل مربع ہے اور اس کے چاروں اطراف (Isosceles) مساوی مثلثوں پر قائم ہیں۔ جو بنیاد سے اوپر اور اندر کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ اسکے اطراف کی ڈھلوان ۹ سے ۱۰ کے تناسب سے ۵ڈگری 144.3/51 پر رکھی ہوئی ہیں جو بلندی پر جاکر ایک ایسے نقطے پر ملتی ہیں جو بنیاد کے عین مرکز کی سیدھ میں ہے۔

ایک روحانی محقق کے مطابق اہرام کی تعمیر کرنے والے انجینیئر مادے میں سے ثقل نکال دینے کے قانون سے واقف تھے۔ اگر کسی انتہائی وزنی شے سے ثقل نکال دیا جائے تو وہ شے روئی کے تکیے کے برابر ہو جائے گی۔ اہرام۔۔۔ تعمیر کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔

خوبصورت چہرے

کہا جاتا ہے کہ ریاضی کی جمع تفریق اور ضرب تقسیم سے کائناتی حقائق تک رسائی کے علاوہ اس عمارت کے طول و عرض اور زاویوں کی ٹھیک ٹھیک جیومیٹریکل پیمائش میں بھی حیرت انگیز اسرار پوشیدہ ہیں۔ ماہرین فن تعمیر بتاتے ہیں کہ اہرام سے زیادہ مضبوط کوئی اور جیومیٹریکل شکل نہیں ہے۔ اہرام کی پر اسراریت اس کی مخصوص بناوٹ اور زاویہ میں ہے۔ جس کے اثرات اس میں موجود اشیاء کا پانی خشک کر کے انہیں گلنے سڑنے سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ تجربات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ کھانے کی اشیاء اہرام میں سڑنے کے بجائے ٹھوس اور حجم میں کم ہو جاتی ہیں اور ان کا ذائقہ بڑھ جاتا ہے۔ خشک اجناس (گیہوں، چاول، جو، باجرہ وغیرہ) کیڑا لگنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھلوں اور سبزیوں کے بیج اہرام میں رکھنے سے ان سے صحت مند اور زیادہ پھل پھول والے درخت اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ پھلدار اور پھول دار پودوں کی قلمیں پانی میں ڈبو کر اہرام کے اندر رکھی جائیں تو ان میں جڑیں جلدی نمودار ہو جاتی ہیں۔

تازہ دودھ کو تین سے چار ہفتے اہرام کے اندر رکھا جائے تو بہترین قسم کا پنیر حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تمباکو کو دو ہفتہ اہرام میں رکھ کر اس کی کڑواہٹ ختم کی جاسکتی ہے۔ اہرام کے اندر دو ہفتے رکھا ہوا پانی پودوں میں ڈالنے سے ان کی نشو و نما اور جسامت میں قابل ذکر اضافہ ہوتا ہے جبکہ اس پانی سے منہ دھونے سے چہرہ پر رونق اور سرخی آجاتی ہے، جلد نرم ملائم اور خوبصورت ہو کر جھریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر اسی پانی سے سر دھویا جائے تو بال گرنا بند ہو جاتے ہیں اور ان کی افزائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دواؤں کو کچھ عرصہ اہرام میں رکھا جائے تو ان کی تاثیر اور قوت شفا بڑھ جاتی ہے۔ اگر زخموں اور چوٹوں کو اہرام کے زیر اثر لایا جائے تو بہت جلد ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اہرام میں رہنے سے بیماریوں کے خلاف لڑنے والا نظام مدافعت مزید مستحکم ہو جاتا ہے۔

نفسیاتی اور روحانی تجربات

اہرام کے ذریعے نفسیاتی اور روحانی تجربات کئے گئے تو ان سے حیران کن نتائج سامنے آئے، مثلاً روزانہ دو گھنٹے اہرام کے اندر بیٹھنے سے دن بھر کی تھکن ختم ہو جاتی ہے اور آدمی ہشاش بشاش رہتا ہے۔ ذہن میں الفا اور تھیٹا لہروں کی مقداریں بڑھ جاتی ہیں جس سے دماغ اور اعصاب پر سکون ہو جاتے ہیں۔ غصہ اور طبیعت کی پژمردگی رفع ہو جاتی ہے جبکہ کارکردگی میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ اہرام کے اندر سونے سے کم وقت میں نیند پوری ہو جاتی ہے اور بیدار ہونے پر زیادہ فرحت و طاقت محسوس ہوتی ہے جبکہ اس دوران خواب صاف اور واضح نظر آتے ہیں یہ خواب بیدار ہونے کے بعد بھی حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں۔ اہرام کے اندر بیٹھ کر ذہنی مرکزیت کی مشقیں کی جائیں تو ذہن یکسو ہو جاتا ہے۔ اہرام میں بیٹھ کر قابل عمل خواہشات کے بارے میں سوچا جائے یا دعا کی جائے تو وہ پوری ہو جاتی ہے، گویا اہرام خیالات کو مادی شکل (Materialize) دینے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

موجودہ سائنس اس عظیم اور پُراسرار مثلث کی تعمیر سے پوری طرح واقف نہیں ہوئی۔ اس بارے میں جب عصر حاضر کے عظیم روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاءؒ سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"اہرام حضرت یوسفؑ کی مستقبل میں آنے والی قحط سالی سے نمٹنے کی حکمت عملی تھے اور اس میں انہوں نے غلہ ذخیرہ کیا تاکہ قحط کے دنوں میں اس کو استعمال کیا جاسکے۔"

پیرامڈ کے خواص اور افادیت کے پس پردہ کام کرنیوالے میکنزم کا کھوج لگانے والے سائنسدان کہتے ہیں کہ اہراموں پر تحقیق کے دوران ان کے اندر سے ملنے والی اشیاء کے سائنسی مشاہدے اور تجزیوں سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ کوئی نامیاتی (Organic Matter)مادہ اہراموں میں رکھا جائے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا کیونکہ اہرامی شکل کے اندر نابیدیت (Dehydration) اور حنوطیت (Mummification)کا پیچیدہ عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اہرام کی ساخت میں ایک نامعلوم مگر انتہائی طاقتور توانائی موجود ہے۔ یہ مخروطی شکل برقی مقناطیسی لہروں کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے اور اس کے اندر Cosmic Rays کا ذخیرہ بڑھ جاتا ہے۔ اہرام انتہائی توانائی کی ایک قطعی نامعلوم قسم اپنے اند مجتمع رکھتا ہے اور اسے برقرار بھی رکھتا ہے۔

ایک روحانی محقق کا کہنا ہے کہ "ہر مادی شے میں سے مسلسل برقی مقناطیسی توانائی کی لہریں خارج ہوتی ہیں۔۔۔ چاہے وہ شے جاندار ہو یا ایسی شے ہو جسے بے جان قیاس کیا جاتا ہے۔"

اہرامی شکل سے الیکٹرک اور میگنیٹک توانائی کی لہریں خارج ہوتی ہیں۔ اس قوت کی سب سے زیادہ اثر پذیری اہرام کے اندر نوک کے عین نیچے ایک تہائی(3/1)اونچائی پر ہوتی ہے۔

لہروں کا مجموعہ

روحانی تھیوری کے مطابق ہم جسے خلا کہتے ہیں وہ بے شمار چھوٹی بڑی لہروں کا مجموعہ ہے جن میں سے بعض لہروں کو ہم جانتے ہیں اور اکثر کو نہیں جانتے۔ ان لہروں کی طول موج (wave length) کی فریکوئنسی مختلف ہوتی ہے۔ پیرامڈ بنانے والے ان لہروں اور مخصوص زاویوں کے زیر اثر ان کے تاملات کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے تھے اور اس ٹیکنالوجی سے جو ایجاد سامنے آئی وہاں ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی بزعم خود چاند پر کمند ڈالنے کا دعویٰ کرنے والا سائنسدان ابھی تک نہیں پہنچ سکا یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سائنسدان چاند پر پہنچے ہیں یا نہیں؟

پیرامڈ کے ضمن میں عصر حاضر کے عظیم روحانی مفکر حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں!

"طول موج برقی رو کا وہ حصہ ہے جسے ہماری عقل سمجھ سکتی ہے اور جس حصہ کو ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی اس کا طول موج الگ ہوتا ہے اور وہ بدل جاتی ہے۔ طول موج کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مصر میں جو پیرامڈ بنائے گئے ہیں وہ پہاڑوں کو کاٹ کر ایک، دو، تین، چار، دس اور بیس کمروں کی شکل میں بنائے گئے ہیں مگر ان کو بنانے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کمروں کی جیومیٹریکل شکل موج ایک جیسی رہے۔ اگر آج بھی کوئی ایسا مکان بنایا جائے جس میں طول موج کی فریکوئنسی ایک جیسی رہے تو اس میں پچاس ہزار سال، لاکھ سال اور دس لاکھ سال تک لاش خراب نہیں ہوتی نہ وہ سڑتی ہے نہ چمڑی سوکھتی ہے بلکہ جیسی رکھی گئی ہے ایسی ہی رہے گی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کسی کو نہیں پتہ کہ اہرام مصر کب بنائے گئے تھے۔ کن لوگوں نے بنائے ہیں۔ کیوں بنائے ہیں اور کس مقصد کے لئے بنائے ہیں۔۔۔؟

روحانی انسان کا تفکر جانتا ہے کہ ہر انسان دو جسموں پر حیات ہے ایک جسم اسے مادی مخلوط عناصر میں قید رکھتا ہے اور دوسرا جسم روشنیوں کا مخلوط ہے۔ جب روحانی قدروں کا ادراک ہو جاتا ہے تو مادی عناصر اور مادی عناصر کی تخلیق سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف عطا کیا ہے کہ وہ ماورائی Equation سے ایسی ایجاد کر سکتے ہیں جو صرف مادی علوم سے نہیں ہو سکتی۔ حضرت یوسفؑ خواب کی تعبیر کے ماہر تھے۔ قدرت نے انہیں خواب کیتعبیر کا علم معجزے کے طور پر سکھایا تھا۔ خواب ہر انسان کی ماورائی زندگی کی نقاب کشائی کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ماورائی دنیا کے مخفی گوشوں کو کھولتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جب عوام کے لئے مسلسل سات سال قحط سے بچانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے ماورائی علوم سے غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے گودام تعمیر کرائے اور ان گوداموں میں ایک خاص جیومیٹری کو استعمال کیا گیا۔

طولانی اور محوری گردش

حضرت یوسفؑ جب مصر کے معزز عہدہ پر فائز ہوئے اور حکومت میں انہیں پورا پورا اختیار مل گیا تو انہوں نے عزیز مصر کے خواب کی تعبیر کو سامنے رکھ کر سات سال تک زبردست منصوبہ بندی کے ساتھ کاشت کرائی اور غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے گودام (اہرام) بنوائے تاکہ آئندہ سات سال تک قحط میں عوام اناج سے محروم نہ رہیں اور جب ملک میں خوشحالی کے بعد سات سال خشک سالی آئی تو ان گوداموں سے عوام کو غلہ تقسیم کیا گیا۔

زمین کی بیلٹ (Belt) دو حرکات پر چل رہی ہے ایک محوری اور دوسری طولانی۔ محوری حرکت شمالاً جنوباً سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بھی توقف کئے بغیر جاری ہے اور یہی صورت طولانی حرکت کی ہے۔ اہرام میں محوری حرکت کے ساتھ تین زاویوں پر عمارت کا قیام ہے۔ محوری حرکت ایک سرکل (circle) ہے جو گھڑی کے فنل (Funnel) کی طرح ہے، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر ہر سرکل بلا توقف حرکت میں ہے۔ طولانی حرکت کے برعکس محوری حرکت میں لہریں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ کسی بھی چیز کے اوپر روشنی کے جال کو ڈسٹرب نہیں کرتیں۔ محوری گردش طولانی گردش کو مغلوب رکھتی ہے۔ ہر شے کے اوپر دو غلاف ہوتے ہیں۔ ایک غلاف مادی اشیاء کی تخلیق میں کردار ادا کرتا ہے اور اس تخلیق میں عناصر کی آمیزش ہوتی ہے۔ عناصر میں کسی نہ کسی طرح خمیر کا عنصر ہوتا ہے۔ یہی خمیر عنصر میں چمک پیدا کرتا ہے۔ یہاں کوئی شے خمیر کے بغیر نہیں ہے۔ ہم پہاڑوں کو خشک کہتے ہیں لیکن پہاڑوں کے اندر سے بھی گوند نکلتا ہے۔

جن لہروں سے عناصر تخلیق ہوتے ہیں ان لہروں کے اوپر بھی روشنی کا ایک جال ہے جو عناصر کو مقداریں فراہم کرتا ہے اور اس پر محوری حرکت پوری طرح غالب رہتی ہے۔ مخصوص زاویہ Geometry سے جب اہرام کی تعمیر کی جاتی ہے تو اس میں شمالاً جنوباً پھیلنے والی لہروں کا عمل دخل ہوتا ہے اور یہ لہریں شے میں Body Foreign داخل نہیں ہونے دیتیں۔ اہرام میں رکھی ہوئی چیزیں خراب نہیں ہوتیں۔ بلیڈ کی دھار کند نہیں ہوتی۔ کوئی چیز سڑتی نہیں ہے۔ چیزیں خراب اس لئے نہیں ہوتیں کہ

مثلث عمارت میں مخصوص زاویہ کی وجہ سے محوری گردش پوری عمارت میں اپنا ایک سرکل بنالیتی ہے اور اس سرکل کی وجہ سے عمارت میں Magnetic Field بن جاتی ہے۔ مثلث عمارت اس لئے ضروری ہے کہ شے کا مادی وجود برقرار رہے۔ اگر شے میں سے مثلث حذف کردیا جائے اور صرف سرکل باقی رہنے دیا جائے تو شے کی ماہیت تبدیل ہوجائے گی اور شے زمین کی اسکرین سے نکل کر فضا میں تحلیل ہوجائے گی۔

ترقی یافتہ سائنس

حضرت یوسفؑ کے دور میں سائنس ہمارے زمانے سے زیادہ ترقی یافتہ اور فعال تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ اہرام میں لگے ہوئے وزنی پتھروں کو کئی منزلوں تک پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس دور کے سائنسدانوں نے کشش ثقل کو کم سے کم کرنے یا نہ ہونے کے برابر کرنے کا فارمولا معلوم کرلیا تھا۔

تکوین

اگر شے کے مادی عناصر (مثلث) کے پھیلاؤ اور چپک کو سمیٹ کر نقطہ کی انتہا تک کردیا جائے تو توانائی صفر ہوجاتی ہے اور شعور پر لاشعور پوری طرح غالب ہوجاتا ہے۔ لاشعور میں ابعاد (Dimension) تو ہوتے ہیں لیکن شے کے نقش و نگار، لہروں کا مرقع ہوتے ہیں۔ کوئی انسان اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرکے جب اس قانون کا مشاہدہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ شے میں تصرف کرکے کسی ذرے کو پہاڑ بنادیتا ہے یا کسی پہاڑ کا وزن کم کرکے روئی کے تکیہ کے برابر کردیتا ہے۔ اس علم کو ''علم تکوین'' کہا جاتا ہے اور قرآن حکیم نے اس علم کو تسخیر کائنات کا نام دیا ہے۔

''اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا اور ہر چیز جو تم نے اس سے مانگی تمہیں دی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو ان کو گن نہ سکو۔ بے شک انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔'' (سورۃ ابراہیم۔ آیت 33 تا 34)

''اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا اور سب ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں نشانیاں ہیں۔''

(سورۃ النحل۔ آیت 12)

''کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی اللہ نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں اور کشتیوں کو جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں تمہارے بس میں کردیا۔'' (سورۃ حج۔ آیت 65)

''کیا تم نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لئے مسخر کردیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں ظاہر میں اور باطن میں کمال کو پہنچادیں اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے۔'' (سورۃ لقمان۔ آیت 20)

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوبؑ کے والد کا نام عموس تھا۔ آپؑ کے جدِ اعلیٰ عیسو ادوم حضرت اسحٰقؑ کے فرزند اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی تھے۔ آپؑ کی والدہ حضرت لوطؑ کی اولاد میں سے تھیں۔ عیسو "کنعان" سے ہجرت کر کے "کوہ شعیر" یا "کوہ سراۃ" کے دامن میں آباد ہوئے۔ یہ علاقہ عرب کے شمال مغرب میں اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ مورخین کے مطابق یہ خطۂ سرخ رنگ کی مٹی پر مشتمل تھا۔ اس رنگ کو لغوی اعتبار سے "ادوم "کہا جاتاہے۔ اس وجہ سے یہاں کی آبادی کا نام ادوم مشہور ہوگیا۔ حضرت ایوبؑ کا مسکن بصریٰ تھا۔ یہ بستی عرب کے شمال میں فلسطین کے قریب اب تک موجود ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شام کے سفر کے دوران یہاں قیام فرمایا تھا۔

لنگر عام

عبرانی میں حضرت ایوبؑ کا نام "اوب" ہے اور توراۃ میں "یوباب (Job) " ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو منصب نبوت کے جلیل القدر مقام پر فائز کرنے کے ساتھ ساتھ قبیلے کا سردار بھی بنایا اور عزت و احترام اور جاہ و حشم سے نوازا۔ آپؑ کے مال مویشیوں کی تعداد ہزاروں میں تھی اور خدمت گار سینکڑوں تھے۔ بے شمار باغات اور کھیت آپؑ کی ملکیت تھے۔ بے حد فیاض انسان تھے۔ غریبوں کی امداد، فقرا و مساکین کی اعانت، بیکسوں کی دستگیری، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت اور سرپرستی، مظلوموں کی فریاد رسی اور عام لنگر کھلانا آپؑ کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔

حضرت ایوبؑ کی زوجہ حضرت یوسفؑ کے بیٹے افراہیم کی بیٹی تھیں۔ جن کا نام بی بی رحمہ (رحمت) تھا۔ آپؑ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ حضرت ایوبؑ لوگوں کو دین ابراہیمی کی تعلیم دیتے اور انہیں شرک و بت پرستی اور برے اعمال سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ لوگوں کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آشنا کرتے اور یہ بتاتے تھے کہ کون سے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور کون سے اعمال ناپسندیدہ ہیں۔ ادوم کی سرزمین پر آباد قوم کو حضرت ایوبؑ نے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان، عرفان ذات اور عارف باللہ کی تعلیم دی۔ راست بازی آپؑ کا طریق تھا اور شکر گزاری آپؑ کی عادت تھی۔

شیطان کا حیلہ

روایت ہے کہ ایک روز فرشتے آپؑ کی اطاعت گزاری اور اللہ کریم کے حضور عاجزی و فرمانبرداری پر تحسین و آفرین کررہے تھے۔ ابلیس نے دعوے سے کہا کہ اللہ نے ایوب پر انعام و اکرام کی بارش کی ہے اسی وجہ سے وہ نیک اور شکر گزار ہے۔ اگر اللہ اس پر مصیبت نازل کرے تو وہ شکر ادا نہیں کرے گا۔ حضرت ایوبؑ کے حالات اچانک خراب ہوگئے۔ مصیبتوں، آزمائشوں اور ابتلا کے دور نے حضرت ایوبؑ کو تہی دست کردیا۔ غلّہ کے گوداموں میں آگ لگ گئی، مال و اسباب جل کر راکھ بن گیا۔ ڈاکوؤں نے غلاموں اور نوکروں کو تہہ تیغ کرکے مال مویشی سب کچھ لوٹ لیا۔ آپؑ کی سب اولاد ضیافت میں شریک تھی کہ مکان کی چھت گر گئی اور سب کا انتقال ہوگیا۔ اولاد، مال و دولت اور جاہ و جلال ختم ہوگیا۔ خوش حالی کی ایک علامت بھی باقی نہ رہی۔ لیکن حضرت ایوبؑ کی روشن پیشانی پر ایک شکن نہیں

آئی۔ تباہی کے پے درپے واقعات سے لوگ حواس کھو بیٹھے۔ حضرت ایوبؑ کی رہائش گاہ کے باہر آہ وفغاں اور نالہ و گریہ کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا۔ حضرت ایوبؑ نے سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا، برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ نے مجھے یہ سب کچھ دیا تھا اور آپ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ (سفر ایوب: باب ۱۔۲۱)

صبر و شکر

سب کچھ ختم ہو گیا لیکن آزمائش کا دور ابھی باقی تھا۔ پیروں کے تلوے سے لے کر سر کی کھال تک سارے جسم میں تکلیف دہ بڑے بڑے پھوڑے نکل آئے جن میں ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ آپؑ راکھ پر بیٹھے رہتے تھے اور راکھ جسم پر ڈالتے رہتے تھے۔ زبان بدستور حمد وثناء میں مصروف رہی اور شکایت کا ایک لفظ منہ سے نہیں نکلا۔ عزیزوں نے قطع تعلق کر لیا صرف رفیقۂ حیات شریک غم رہیں۔ زوجہ محترمہ نے بیمار شوہر کی تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ محنت مزدوری کر کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔ اس اذیت میں اٹھارہ سال حضرت ایوبؑ نے گزار دیئے۔ زوجہ محترمہ ایک روز حرف شکایت زبان پر لے آئیں۔ حضرت ایوبؑ ناراض ہوئے اور غصے میں قسم کھائی کہ صحت یاب ہونے کے بعد بیوی کو سو (۱۰۰) ڈنڈے ماروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے زوجہ محترمہ کی غلطی معاف فرمائی اور صحت یابی کے بعد حضرت ایوبؑ کو حکم ہوا۔

زوجہ محترمہ پر اللہ تعالیٰ کا انعام

"اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔" (سورۃ ص۔ آیت 44)

حضرت ایوبؑ نے سو تنکوں کی جھاڑو بنا کر ایک مرتبہ مار دیا اور قسم پوری ہو گئی۔ قرآن حکیم میں حضرت ایوبؑ کے آخری دور کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

معجزہ

"اور ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ یا الٰہی! شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔" (سورۃ ص۔ آیت 41)

رحمت خداوندی جوش میں آئی اور حکم ہوا۔

"زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ چشمہ نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں ہے۔"

(سورۃ ص۔ آیت 42)

حضرت ایوبؑ نے زمین پر پیر مارا، زمین سے شفا بخش پانی ابل آیا۔ حضرت ایوبؑ نے غسل کیا اور پانی پیا، دیکھتے ہی دیکھتے بدن زخموں سے صاف ہو گیا۔

بی بی رحمہ شام کو واپس لوٹیں تو بیمار اور ناتواں شوہر کو موجود نہ پاکر پریشان ہو گئیں۔ آپ روتے ہوئے انہیں ڈھونڈ رہی تھیں کہ قریبی پل پر ایک جوان صحت مند مرد کو دیکھا۔ حضرت ایوبؑ نے مسکراتے ہوئے سارا احوال سنایا۔ حضرت ایوبؑ اور ان کی زوجہ کا شباب لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے زیادہ اولاد سے نوازا اور آزمائش کے دنوں میں جن آسائشوں سے محروم کر دیئے گئے تھے وہ کئی گنا بڑھا کر دوبارہ عطا کر دی گئیں۔

سورۃ انبیاء میں حضرت ایوبؑ کا ذکر اختصار اور اجمال کیساتھ اس طرح ہے۔

"اور ایوبؑ کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا، میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور یا اللہ! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ پس ہم نے ان کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گئے تھے وہ دور کر دیا، ہم نے ان کا گھر بسا دیا اور ان کو اتنا ہی اور عطا کر دیا۔ یہ ہماری طرف سے ان کے لئے رحمت تھی اور نصیحت ہے ان کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والے ہیں۔" (سورۃ انبیاء۔ آیت 83 تا 84)

اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں دوسری برگزیدہ ہستیوں کے علم و فضل اور حکمت و دانش کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ایوبؑ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"اور یہی (ہوش مندی اور حلم و علم کی نعمت) ہم نے ایوبؑ کو دی۔"(سورۃ انبیاء۔ آیت 82)

پانی میں جوانی

حضرت ایوبؑ کی مسجد اور کنواں (چشمہ) جس کے پانی سے شفا ملی تھی آج بھی اردن کے ایک قصبہ "نوا" میں موجود ہے۔ لوگ اسے ایوبؑ کا حمام اور انکی قیام گاہ کو مقام ایوبؑ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت سے جب چشمہ ابل پڑا تو حضرت ایوبؑ کو اس پانی سے شفا ہو گئی۔ پانی میں ایسے منرلز (Minerals) تھے جس سے بڑھاپا جوانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس پانی سے حضرت ایوبؑ اور ان کی زوجہ محترمہ دونوں صحت مند ہو کر جوان ہو گئے اور چار پشتوں تک اپنی نسل کو پھلتے دیکھا۔

"کہہ دو اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ اپنے پروردگار کے ساتھ تقویٰ اختیار کرو جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ہے۔ جو صبر کرنے والے ہیں۔ ان کو بے شمار اجر ملے گا۔"

(سورۃ الزمر۔ آیت 10 تا 11)

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں

صبر اللہ کا نور ہے جو مادی حواس میں نورانیت داخل کر کے انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتا ہے۔ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تدابیر اور کوششوں کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اپنے ارادے کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق جان لے اور اپنے کاموں میں

تاخیر اور ناکامی پر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فیصلے کا انتظار کرے۔ قدرت کی جانب سے جو کچھ حاصل ہو اس پر راضی ہو جائے۔ صبر کا پورا سسٹم فرمانبرداری کو ذہن میں راسخ کرنے کا پروگرام ہے۔ صبر کرنے سے آدمی خود کو قدرت کے ہاتھوں میں مجبور اور بے بس ہونے کا تجربہ کرلیتا ہے۔ صبر کرنے سے آدمی کے اندر نور داخل ہو جاتا ہے۔ جب بندہ صبر کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ بندہ کا رابطہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آپؐ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔"(سورۃ الاحقاف۔ آیت35)

صبر آدمی کو اولوالعزم بناتا ہے۔ جو پیغمبروں کی صفت ہے۔ صبر زندگی کے آداب سکھاتا ہے۔ صبر بندے کو اسفل سے اعلیٰ کی جانب لے جانے والی قوت ہے۔

"اور صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک (یہ کام) دشوار ضرور ہے۔ مگر ان لوگوں پر (دشوار) نہیں جو عاجزی کرنے والے ہیں۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت45)

"بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے اذن چاہنے سے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت249 تا250)

"اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں۔ اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو خوش ہوتے ہیں اس سے۔ اور اگر تم صبر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں انکا فریب کچھ بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ، جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت120)

"اور کتنے ہیں کہ نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے۔ سو نہ ہمت ہاری انہوں نے بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ اور نہ کمزور ہوئے۔ اور نہ انہوں نے ہار مانی۔ اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے صبر کرنے والوں سے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت146)

"یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے، اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت186)

"ہاں جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کئے یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔"

(سورۃ ھود۔ آیت11)

"اور آپؐ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکیوں کے اجر کو۔"

(سورۃ ہود۔ آیت 115)

"اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل۔ یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ اور انکو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ نیک تھے۔"(سورۃ انبیاء۔ آیت 85 تا 86)

"ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا۔ کیونکہ صبر کرتے تھے۔ اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے ہیں۔ اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

(سورۃ القصص۔ آیت 54)

حضرت ایوبؑ کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر کیا اور صبر حضرت ایوبؑ کی طرح تمام پیغمبروں کا شیوہ اور ان کی طرز فکر ہے۔

پیغمبروں کا وصف ہے کہ وہ تکلیف کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک تصور کرتے ہیں اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں جبکہ ان کا حال، ان کا مال سب اللہ تعالیٰ سے وابستہ رہتا ہے۔ حضرت ایوبؑ نے جو تکلیفیں برداشت کی ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت محیط ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے اوپر بھروسہ کرلیتا ہے اور اس کا یقین کامل ہو جاتا ہے تو بڑی سے بڑی تکلیف میں بھی شکوہ و شکایت زبان پر نہیں لاتا۔

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی مثال دیتے ہوئے اپنے برگزیدہ پیغمبروں حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت نوحؑ اور حضرت یعقوبؑ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور اپنے محبوب بندے باعث تخلیق کائنات، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے:

"پس آپؐ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔"(سورۃ الاحقاف۔ آیت 35)

ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتوں سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ انہیں ٹھہرائیں گے جنت کے بالاخانوں (محلات) میں رواں ہونگی جن کے نیچے نہریں۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنہوں نے صبر کیا۔ اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔"

(سورۃ العنکبوت۔ آیت 58 تا 59)

حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو یہ پیغام دیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہیں اور جب بندہ صبر کرکے اللہ تعالیٰ کو یقین کے ساتھ اپنا ہمدرد اور محبت کرنے والی ہستی تسلیم کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر آرام و آسائش کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اور ایسے وسائل فراہم کر دیتا ہے جن سے انسانی زندگی پر خوشیوں کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ جیسے حضرت ایوبؑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے چشمہ جاری کر دیا اور ماشاءاللہ دونوں میاں بیوی جوان ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

مصر کے بادشاہ فرعون نے خواب دیکھا اور نجومیوں نے تعبیر بتائی کہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں تیری سلطنت ختم ہو جائے گی، فرعون نے حکم دیا کہ میری سلطنت میں اسرائیلی گھرانوں میں کوئی بھی لڑکا پیدا ہو تو اُسے قتل کر دیا جائے اور اس کام کیلئے خصوصی عملہ مامور کر دیا گیا۔ جس وقت حضرت موسیٰؑ کی ولادت ہوئی ہر طرف جاسوسی کا جال بچھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے والد عمران، والدہ یوکبد اور دیگر اہل خاندان سخت پریشان تھے، تین مہینے تک انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو چھپا کر رکھا لیکن زیادہ عرصہ تک بچے کو شاہی جاسوسوں کی عقابی نظر سے چھپا کر رکھنا ممکن نہیں تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل میں خیال آیا کہ تابوت کی طرح ایک صندوق بناؤ اس پر لال روغن کی پالش کرواور بچے کو اس صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دو، حضرت موسیٰؑ کی بہن کی ڈیوٹی لگی کہ دریا کے کنارے کنارے چلتی رہے اور صندوق کو دیکھتی رہے۔ صندوق بہتا ہوا محل میں پہنچ گیا وہاں ملکہ اور خادمائیں لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ صندوق پر ملکہ کی نظر پڑی۔ اس نے حکم دیا کہ صندوق کو تالاب میں سے نکال لاؤ۔ صندوق کھولا گیا تو اس میں ایک حسین اور تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا تھا، ملکہ بہت خوش ہوئی اس کی آنکھوں میں ممتا اتر آئی، شفقت و محبت سے بچے کو گود میں لے لیا، ملکہ نے سوچا کہ بچے کو بیٹا بنا کر پالنا چاہیئے۔ محل میں کسی نے خدشہ ظاہر کیا کہ یہ بچہ بادشاہ کی سلطنت کو ختم کرنے کا سبب بھی بن سکتا ہے، فرعون کے دل میں بھی یہ خیال آیا ایسا نہ ہو کہ یہی بچہ اسرائیل کا وہ لڑکا ہو جس کے بارے میں نجومیوں نے پیشین گوئی کی ہے۔ لیکن فرعون کی منظور نظر بیوی نے کہا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے یہ بچہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں ملکہ نے اس بچے کا نام موسیٰ رکھا۔

آیا کا انتظام

ملکہ نے بچے کو دودھ پلانے کا کام شاہی دائیوں کے سپرد کر دیا لیکن بچے نے کسی کا دودھ نہیں پیا، حضرت موسیٰؑ کی بہن نے محل میں جا کر ملکہ سے کہا میں ایک بہت اچھی آیا کا انتظام کر سکتی ہوں، وہ نہایت صحت مند اور خوبصورت عورت ہے، بچے کی اچھی طرح نگہداشت کرے گی اور اچھی طرح پرورش کرے گی۔ ملکہ نے کہا اسے حاضر کرو، حضرت موسیٰؑ کی بہن اپنی والدہ کو ساتھ لے گئیں اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا، حضرت موسیٰؑ نے اس خاتون کا دودھ پی لیا اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو دائی مقرر کر دیا گیا۔

”اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ احسان کر چکے ہیں؟ ہم تجھے بتاتے ہیں، اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے تیری ماں کے دل میں یہ بات ڈالی تھی، ہم نے اسے سمجھایا تھا کہ بچے کو صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا اسے کنارے پر دھکیل دے گا، پھر اسے اٹھالے گا جو میرا دشمن ہے نیز اس بچے کا دشمن بھی ہے اور ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا اور یہ اسلئے تھا کہ ہم چاہتے تھے کہ تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے، تیری بہن جب وہاں سے گزری تو اس نے کہا میں تمہیں ایسی عورت بتادوں جو اسے پالے پوسے؟ اور اسطرح ہم نے تجھے تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہو۔ “

(سورۃ طٰہٰ۔ آیت 37 تا 40)

حضرت موسیٰؑ جب جوان ہوئے تو نہایت قوی اور بہادر انسان تھے، انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جب دیکھا کہ اسرائیلی نہایت ذلت و رسوائی اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور فرعون کی حکومت کے عامل ان پر مظالم ڈھاتے ہیں تو ان کی تمام ہمدردیاں بنی اسرائیل کے ساتھ ہو گئیں۔

بیگار

حضرت موسیٰؑ کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک مصری ایک اسرائیلی کو بیگار کیلئے گھسیٹ رہا ہے حضرت موسیٰؑ کو دیکھ کر اسرائیلی نے مدد کیلئے پکارا، حضرت موسیٰؑ نے مصری کو روکا اور کہا کہ نہایت بزدلانہ اور ظالمانہ حرکت ہے۔ مگر مصری نے ان کی بات نہیں سنی، حضرت موسیٰؑ نے مصری کے ایک طمانچہ رسید کر دیا، مصری برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ حضرت موسیٰؑ کا ارادہ اسے مارنے کا نہیں تھا افسوس و ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"یا اللہ! جو کچھ بھی ہوا نادانستگی میں ہوا، میں آپ سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔

مصری کے قتل کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور قاتل کی تلاش شروع ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت موسیٰؑ نے پھر اسی اسرائیلی اور ایک مصری کو دست و گریباں دیکھا، اسرائیلی نے آپؑ کو دیکھ کر پھر مدد کیلئے فریاد کی حضرت موسیٰؑ مصری کو باز رکھنے کیلئے آگے بڑھے لیکن ساتھ ہی ناگواری سے اسرائیلی سے کہا:

"تو بھی خواہ مخواہ جھگڑا کرتا ہے پھر فریاد کرتا ہے۔"

اسرائیلی ڈر گیا اور سمجھا کہ موسیٰؑ مجھے مار دیں گے وہ بولا:

"جس طرح کل تو نے ایک مصری کو ہلاک کر دیا تھا اسی طرح آج مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔"

یہ خبر فرعون تک پہنچ گئی کہ مصری کا قاتل حضرت موسیٰؑ ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت موسیٰؑ خاموشی کے ساتھ شہر چھوڑ کر مدین کی طرف چلے گئے۔ مدین پہنچ کر حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ ایک کنویں پر پانی کیلئے جانوروں اور آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے دو لڑکیاں دور کھڑی ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟

لڑکیوں نے بتایا کہ ہم کمزور ہیں، یہ طاقتور ہیں، زبردستی ہمیں پیچھے ہٹا دیتے ہیں، ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں وہ لڑ نہیں سکتے، ہم انتظار کر رہے ہیں کہ سب چلے جائیں تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں۔

حضرت موسیٰؑ سے یہ زیادتی برداشت نہیں ہوئی بھیڑ کو چیرتے ہوئے کنویں پر پہنچ گئے اور کنویں کا بڑا ڈول تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلا دیا، لڑکیوں نے گھر جا کر اپنے والد حضرت شعیبؑ کو سارا واقعہ سنایا، حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے پاس بلایا خاطر تواضع کی اور حالات پوچھے۔ پیدائش سے لے کر مدین پہنچنے تک کے تمام واقعات سننے کے بعد حضرت شعیبؑ نے فرمایا:
"خدا کا شکر کرو کہ تمہیں ان ظالموں سے نجات مل گئی، اب کوئی خوف نہ کرو یہاں میرے پاس رہو۔"

شرافت

لڑکیوں میں سے ایک نے حضرت موسیٰؑ کی بہادری اور شرافت کی تعریف کی اور اپنے والد کو مشورہ دیا کہ اس مہمان کو مویشی چرانے اور پانی پلانے کیلئے رکھ لیجئے۔ حضرت شعیبؑ نے بیٹی کے مشورہ کو قبول کر لیا اور حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

"اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہ کر میری بکریاں چراؤ تو میں اپنی اس بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا اور اگر دو سال اور رہو تو یہی لڑکی کا مہر ہوگا۔" حضرت موسیٰؑ وہاں ٹھہر گئے اور بکریوں کی دیکھ بھال شروع کر دی دس سال کی مدت پوری ہونے پر حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت موسیٰؑ سے کر دی۔ ایک روز حضرت موسیٰؑ بکریاں چراتے چراتے مدین سے بہت دور نکل گئے۔ رات ٹھنڈی تھی اہل خانہ ساتھ تھے لہٰذا آگ کی ضرورت پیش آئی سامنے کوہ سینا کی وادی میں آگ نظر آئی۔

"موسیٰؑ نے اپنی بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے، شاید اس میں سے کوئی چنگاری لا سکوں یا وہاں الاؤ پر کسی رہبر کو پا سکوں۔" (سورۃ طٰہٰ۔ آیت 10)

حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ عجیب آگ ہے درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے نہ بجھتی ہے یہ سوچتے ہوئے حضرت موسیٰؑ جوں جوں آگے بڑھتے آگ اور دور ہو جاتی، حضرت موسیٰؑ کو خوف پیدا ہوا اور واپسی کا ارادہ کیا، مڑے ہی تھے کہ آواز آئی:
"اے موسیٰؑ! میں ہوں، اللہ۔ پروردگار جہانوں کا پس اپنے جوتے اتار طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھے اپنی رسالت کیلئے چن لیا ہے، پس جو وحی کی جاتی ہے اسکو کان لگا کر سن۔" (سورۃ طٰہٰ۔ آیت 11 تا 13)

لاٹھی

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں بکریاں چرانے کی لاٹھی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اسے زمین پر ڈال دے!" (سورۃ طٰہٰ۔ آیت 19)

حضرت موسیٰؑ نے ارشاد کی تعمیل کی، لاٹھی اژدھا بن کر دوڑنے لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا،

"اسے پکڑ لو اور ڈر نامت ہم اس کو اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔"

(سورۃ طٰہٰ۔ آیت 21)

تعمیل حکم میں حضرت موسیٰؑ نے بلاخوف و خطر اژدھے کو پکڑ لیا، اژدھا پھر لاٹھی بن گیا پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ،
"اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر نکال۔" (سورۃ طٰہٰ۔ آیت 22)

حضرت موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا ہاتھ بے حد روشن اور چمکتا ہوا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلاؤ۔ اور اس میں ان لوگوں کیلئے جو صابر و شاکر ہیں نشانیاں ہیں۔" (سورۃ ابراہیم۔ آیت 5)

حضرت موسیٰؑ مصر پہنچے اور اپنے بھائی ہارونؑ کو لے کر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے، آپؑ نے فرعون سے کہا:

"ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا ہے ہم تم سے دو باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں ایک یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آ، اور کسی کو اس کے کاموں میں شریک نہ ٹھہرا۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا چھوڑ دے اور انہیں آزاد کر دے۔"

مغرور فرعون

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا مذاق اڑایا۔ اور حضرت موسیٰؑ پر اپنا احسان جتایا کہ اس نے ان کی پرورش کی ہے، مصری کو قتل کرنے کا طعنہ دیا اور آپؑ کے پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

"اے موسیٰؑ! کیا میرے سوا بھی کوئی رب ہے؟"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

"میرا رب وہ ہے جو آسمانوں، زمین اور اس کے درمیان قائم مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے، تجھے اور تیرے آباؤ اجداد کو بھی اس نے پیدا کیا ہے۔"

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نہایت نرمی سے فرعون کو قائل کرتے رہے لیکن فرعون اپنی ضد پر اڑا رہا اس نے حضرت موسیٰؑ کو پاگل اور مجنون کہا اور رعایا سے بولا:

"میرے سوا کوئی خدا نہیں، میں تم سب کا پروردگار ہوں۔"

ایک دن بھرے دربار میں فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا:

"اگر تو سچا ہے تو اپنی نبوت کا کوئی معجزہ دکھا"!

بہت بڑا جادو

حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دی وہ اژدھا بن گئی پھر آپؑ نے ستارے کی طرح چمکتا ہوا ید بیضا دکھایا یہ معجزہ دیکھ کر درباری کہنے لگے "یہ تو بہت بڑا جادو گر ہے، پوری سلطنت کے جادو گروں کو جمع کر کے اس سے مقابلہ کرایا جائے، پھر ضرور یہ شکست کھا جائے گا۔" فرعون نے اسی وقت احکام جاری کر دیئے، مقابلہ کیلئے دربار کو خاص طور پر سجایا گیا ہزاروں قندیلیں روشن کی گئیں، مقابلہ کے وقت حضرت موسیٰؑ نے جادو گروں سے کہا: "تم پہل کرو۔" جادو گروں نے اپنی رسیاں میدان میں ڈالیں تو وہ سانپ بن گئیں، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی

(اللہ نے) فرمایا کہ ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ (سورہ طٰہٰ۔ آیت 46)

حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر رکھ دی اس لاٹھی نے اژدھا بن کر سارے سانپوں کو نگل لیا، جادو گر حقیقتِ حال جان کر ایمان لے آئے۔ فرعون نے غیض و غضب میں کہا:

تم سب نے موسیٰؑ مل کر سازش کی ہے، تم لوگوں نے میری اجازت کے بغیر موسیٰؑ کو خدا تسلیم کر لیا ہے۔ فرعون نے ان جادو گروں کے ہاتھ، پیر کٹوا کر پھانسی کی سزا دے دی، فرعون کی سرکشی اور ظلم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ اللہ نے ان پر جوئیں مسلط کر دیں، کھانے پینے کی چیزوں میں مکھیاں پیدا ہو گئیں، زمین میں جانوروں کو ہلاک کرنے والے کیڑے پیدا ہو گئے، غلہ اور اناج میں گھن لگ گیا، پانی میں مینڈکوں کی افزائش نسل ہو گئی اتنے زیادہ مینڈک ہو گئے کہ پانی کو ڈھانپ لیا۔

ہجرت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ ہجرت کر جاؤ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ فرعون نے بھی ایک بڑی فوج کے ساتھ تعاقب کیا اور بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰؑ کے آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر قلزم تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ وحی نازل ہوئی:

"اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ ہے۔" (سورۃ الشعراء۔ � آیت 63)

حضرت موسیٰؑ نے پانی پر لاٹھی ماری، پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے، فرعون اور اس کا لشکر بھی پیچھے پیچھے اسی راستے پر چل پڑا جب سمندر کے بیچ میں پہنچے تو سمندر کا پانی آپس میں مل گیا۔ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا۔ غرق ہوتے وقت فرعون چیخنے لگا:

"میں موسیٰؑ اور اس کے اللہ پر ایمان لایا۔"

لیکن اس کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو آئندہ نسلوں کیلئے عبرت کا نشان بنادیا تاکہ لوگ دیکھیں کہ متکبر، سرکش اور اللہ تعالیٰ کے منکر لوگوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ وادی سینا میں شدید گرمی تھی بنی اسرائیل گھبرا گئے حضرت موسیٰؑ نے پانی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، وحی نازل ہوئی

"اپنا عصا زمین پر مارو!" (سورۃ الشعراء۔ آیت 63)

بارہ چشمے

حضرت موسیٰؑ نے زمین پر اپنا عصا مارا بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کیلئے بارہ الگ الگ چشمے جاری ہوگئے۔ قوم نے کھانے کا مطالبہ کیا حضرت موسیٰؑ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے نہایت شیریں حلوہ "من" اتارا، دن کے وقت تیز ہوا کے ساتھ بٹیروں کے غول کے غول زمین پر اترے۔ بنی اسرائیل نے انہیں پکڑ کر بھونا اور کھایا یہ "سلویٰ" تھا۔ اسی طرح روزانہ من و سلویٰ اُترتا رہا۔ قوم نے تیسرا مطالبہ کیا کہ سایہ دار درخت اور مکان نہ ہونے کی وجہ سے ہم شدید گرمی سے پریشان ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو بادل سائبان بن کر آگئے اور ہر وقت سایہ رہنے لگا۔

ناشکری قوم نے نیا مطالبہ کیا:

"ہم روز ایک ہی غذا کھاتے کھاتے تنگ آگئے یا موسیٰؑ! دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے باقلا، کھیرا، مسور، لہسن اور پیاز جیسی چیزیں اگائے تاکہ ہم خوب کھائیں۔"

حضرت موسیٰؑ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

"تم کس قدر ناشکرے اور نادان ہو کہ ایک عمدہ غذا چھوڑ کر معمولی چیزیں مانگ رہے ہو، ناشکری نہ کرو اور اگر تمہیں انہی چیزوں کیلئے اصرار ہے تو جاؤ کسی بستی اور شہر میں چلے جاؤ وہاں یہ چیزیں تمہیں وافر مقدار میں مل جائیں گی۔" بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہوجائیں گے تو تمہیں شریعت دے دی جائے گی وعدہ پورا ہونے کا وقت آگیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے قوم سے فرمایا: "میرے پیچھے گمراہی میں نہ پڑ جانا میرے اعتکاف کی مدت ایک ماہ ہے ہارون تمہارے پاس موجود ہیں یہ تمہاری اصلاح کرتے رہیں گے۔" "اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر (کوہ طور) آئے اور انکے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرادیجئے کہ میں آپکو ایک نظر دیکھ سکوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب انکے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اُڑادیئے اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب (موسیٰ) ہوش میں آئے تو عرض کیا۔ بے شک آپکی ذات پاک ہے میں آپکی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت 143)

*""اے موسیٰ! بے شک میں نے لوگوں میں تجھے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے برتری دی ہے اور چن لیا ہے پس جو میں نے تجھ کو دیا ہے اس کو لے اور شکر گزار بن اور ہم نے اس لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل لکھ دی ہے، پس اس کو قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم کر کہ وہ اس میں سے اچھے احکام پر عمل کریں عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔" (سورۃ الاعراف۔ آیت 144 تا 145)

سامری

جب حضرت موسیٰؑ کو گئے ہوئے تیس دن سے زیادہ ہوگئے تو بنی اسرائیل پریشان ہونے لگے۔ ایک شخص سامری نے ان سے کہا کہ اپنے سونے کے زیورات میرے پاس لے آؤ تاکہ میں تمہارے فائدے کی ایک بات کروں۔ سامری نے تمام زیورات کو ایک بھٹی میں پگھلا کر ایک بچھڑا تیار کیا اس کے اندر ایک مٹھی خاک ڈال دی اور بچھڑا بھائیں بھائیں بولنے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا:

"موسیٰؑ سے غلطی اور بھول ہوگئی کہ وہ خدا کی تلاش میں کوہ طور پر گیا ہے تمہارا معبود تو یہ ہے۔"

بنی اسرائیل پھر گمراہ ہوگئے اور بت پرستی شروع کر دی انہوں نے حضرت ہارونؑ کی کوئی بات نہیں سنی۔ حضرت موسیٰؑ جب کوہ طور سے تورات لے کر واپس آئے تو قوم کو بت پرستی میں دیکھ کر سخت ناراض ہوئے۔ قوم نے کہا: "ہم بے قصور ہیں، سامری نے زیورات لے کر یہ سوانگ بنادیا اور ہم کو گمراہ کر دیا۔" حضرت موسیٰؑ نے بچھڑے کو دوبارہ آگ میں ڈال دیا اور سامری سے کہا: "تیرے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے اور جب کوئی انسان تیرے قریب آئے تو اسے بھاگتے ہوئے یہ کہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا یہ دنیاوی عذاب ہے اور قیامت میں ایسے نافرمانوں اور گمراہوں کیلئے جو عذاب مقرر ہے وہ تیرے لیے وعدہ الٰہی کی صورت میں پورا ہوگا۔"

صاحب باطن

حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے اور ایک صاحب باطن کے درمیان ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ:

"ایک روز حضرت موسیٰؑ تبلیغ کر رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے زیادہ علم عطا کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جبکہ موسیٰؑ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں خواہ مجھے سالہاسال چلنا پڑے۔" (سورۃ الکہف۔ آیت 60)

"انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت خاص عطا فرمار کھی تھی اور اپنے پاس سے علم خاص (علم لدنی) سکھایا تھا۔"

(سورۃ الکہف۔ آیت 65)

حضرت موسیٰؑ نے مچھلی کو توشہ دان میں رکھا اور حضرت یوشعؑ کو ساتھ لیکر مرد صالح کی تلاش میں روانہ ہوگئے، چلتے چلتے تھک گئے تو ایک مقام پر سر کے نیچے پتھر رکھ کر سوگئے، مچھلی زندہ ہوئی اور توشہ دان میں سے نکل کر سمندر میں چلی گئی مچھلی تیرتی ہوئی جہاں تک گئی وہاں پانی برف کی طرح جم کر ایک لکیر بن گیا یہ واقعہ حضرت یوشعؑ نے دیکھ لیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ جب بیدار ہوئے تو ان سے ذکر کرنا بھول گئے دونوں نے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ چلتے چلتے بہت آگے نکل آئے دونوں کو تھکن محسوس ہونے لگی تو ایک مقام پر رک گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے یوشعؑ سے کہا "کچھ کھانے کو لاؤ" حضرت یوشعؑ نے بتایا کہ ہم جب چٹان پر سو رہے تھے تو میری آنکھ کھل گئی ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں نے دیکھا کہ مچھلی توشہ دان میں سے نکل کر سمندر میں چلی گئی میں آپ کو یہ بات بتانا بھول گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا جس مقام کو ہم تلاش کررہے تھے یہ وہی مقام تھا۔ دونوں واپس چٹان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا السلام علیکم اور بتایا کہ میرا نام موسیٰؑ ہے۔ اس شخص نے پوچھا، موسیٰؑ بن اسرائیل؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: "ہاں" پھر بولے میں آپ سے علم حاصل کرنے آیا ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔

"ان سے موسیٰؑ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں گا کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھادیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔"

(سورۃ الکہف۔ آیت 66)

اس بندے نے جن کو خضرؑ کہا جاتا ہے، کہا:

"موسیٰ! تم میرے ساتھ رہ کر ان معاملات پر صبر نہیں کر سکو گے۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا:

"انشاء اللہ مجھ کو آپ صابرین میں سے پائیں گے۔"

اس بندے نے کہا:

"تو پھر شرط یہ ہے کہ جب تک آپؑ میرے ساتھ رہیں کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔"

حضرت موسیٰؑ نے منظور کر لیا۔ دونوں سمندر کے کنارے پہنچے اور اس بندے (خضرؑ) نے ملاحوں سے کرایہ پوچھا، وہ حضرت خضرؑ کو پہچانتے تھے اس لیے کرایہ نہیں لیا اور اصرار کر کے دونوں کو کشتی میں بٹھالیا، ابھی کشتی کو چلتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی حضرت خضرؑ نے ایک تختہ اکھاڑ کر کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا:

"کشتی والوں نے یہ احسان کیا کہ ہم سے کرایہ نہیں لیا اور آپ نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ کشتی میں سوراخ کر دیا؟"

حضرت خضرؑ نے کہا:

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا: "میں بھول گیا آپ درگزر فرمادیں۔"

کشتی کنارے لگی دونوں اتر آئے، میدان میں بچے کھیل رہے تھے حضرت خضرؑ آگے بڑھے اور ایک بچہ کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ سے برداشت نہیں ہوا اور کہا:

"آپ نے ناحق ایک معصوم کی جان لے لی۔ یہ تو بہت برا ہوا۔"

حضرت خضرؑ نے کہا:

"میں نے آپؑ سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ آپؑ میرے ساتھ صبر سے کام نہیں لیں گے۔"

حضرت موسیٰؑ نے کہا:

"اس مرتبہ اور نظر انداز کر دیجئے اس کے بعد کوئی عذر نہیں رہے گا اور آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔"

دونوں چلتے رہے۔ چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچ گئے یہاں کے لوگ بہت مالدار تھے مگر ان کو مہمان رکھنے سے انکار کر دیا، بستی میں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک مکان کی دیوار جھکی ہوئی ہے جس کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت خضرؑ آگے بڑھے اور دیوار کو درست کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: "بستی والوں نے نہ ہماری مہمانداری کی اور نہ ہمیں ٹھہرنے کی جگہ دی آپ نے بغیر اجرت دیوار بنادی۔"

حضرت خضرؑ نے کہا:

"اس سفر میں میرا اور آپکا ساتھ ختم ہوا۔ جو کچھ آپ نے دیکھا وہ منجانب اللہ تھا۔" پھر انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو ان تینوں واقعات کے حقائق بتائے۔

۱۔ سب سے پہلے کشتی کا معاملہ پیش آیا وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے تھے، وہ جہاں جارہے تھے وہاں کا بادشاہ ظالم ہے۔ کسی اچھی کشتی کو دیکھتا ہے تو چھین لیتا ہے، میں نے کشتی میں عیب کر دیا تاکہ وہ کشتی پر قبضہ نہ کرے۔
"کشتی ان لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت کرتے تھے اور ان کے سامنے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں۔"

(سورۃ الکہف۔ آیت 79)

۲۔ لڑکے کے ماں باپ مومن تھے۔ میں نے دیکھا کہ جوان ہو کر انکا بیٹا سرکشی اور کفر کر کے اپنے ماں باپ کو اذیت پہنچائے گا اسلئے میں نے اسکو قتل کر دیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسکے والدین کو دین دار، پرہیز گار اور محبت کرنے والا بیٹا عنایت فرمائے۔
"اور جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ ایمان والے تھے ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کردے۔ تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اسکے بدلے ان کو ایسی اولاد عطا فرمائے جو پاکیزگی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو۔"

(سورۃ الکہف۔ آیت 80 تا 81)

۳۔ اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ گھر یتیم لڑکوں کا تھا، دیوار کے نیچے ان کیلئے خزانہ دفن تھا، تمہارے رب نے چاہا کہ دونوں لڑکے جوان ہو کر اپنا محفوظ خزانہ نکال لیں۔ یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح عمل میں آئی۔ یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

"اور وہ جو دیوار تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو آپ کے پروردگار نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔ یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہیں کرسکے۔" (سورۃ الکہف۔ آیت 82)

تکوین

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں علوم و عرفان کے دو شعبوں کا تذکرہ ہے۔

۱۔ شریعت ۲۔ تکوین (طریقت)

"شریعت" انسانی معاشرے کی تدوین، اخلاق، آداب، حقوق العباد، عدالت و انصاف کا شعبہ ہے۔ جبکہ تکوین میں نظام کائنات کو چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات عطا کر کے انہیں حکمرانی کیلئے منتخب فرمالیتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کا علم عطا فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ سے ملاقات کرا کے انہیں یہ بتایا کہ اس علم کے علاوہ بھی ایک اور علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی آخری الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں شعبوں کے سربراہ ہیں، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، مخلوق کیلئے

وسائل پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تکوینی نظام کے تحت رحمت کے ساتھ وسائل تقسیم فرماتے ہیں۔

لہروں کا تانا بانا

کائنات کی ہر مخلوق اور زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نور میں ملفوف ہے، نور کا یہ غلاف نور کی لہروں کے تانے بانے سے بُنا ہوا ہے جو کہ طولاً و عرضاً ہیں۔ ایک دوسرے میں پیوست ہیں الگ الگ ہونے کے باجود ایک دوسرے سے الگ نظر نہیں آتیں زندگی ان ہی لہروں پر قائم ہے۔

مادّہ روشنی ہے

مادہ روشنی ہے، آسمانوں اور زمین کی ہر شے روشنی کی مختلف صورتیں ہیں، انسان یا دنیا کی ہر تخلیق روشنیوں کی ظاہری صورت ہے جس ظاہری صورت کو جسم کہا گیا ہے اس جسم کی حرکت روشنی کے تابع ہے ان روشنیوں کو عُرف عام میں روح یا (SOUL) کہتے ہیں روح جس جس عالم میں جاتی ہے اس عالم میں اپنی صلاحیتوں اور علوم کے مظاہرے کیلئے ایک جسم یا خول اپنے اوپر پہن لیتی ہے۔

مادی جسم مٹی کے ذرات سے بنا ہوا ہے اور مٹی کے ذرات کی نیچر خلا ہے ان خلاؤں میں روح کی روشنیاں جذب ہو کر جسم کو برقرار رکھتی ہیں، جیسے ہی روشنیاں خلاؤں سے باہر نکل جاتی ہیں مٹی کے ذرات بکھر جاتے ہیں۔ روح کی روشنیاں حواس بناتی ہیں، روح اپنی روشنیوں کا مظاہرہ کرنے کیلئے مٹی کے ذرات کو بطور اسکرین یا لباس استعمال کرتی ہے، جب روح کا کام پورا ہو جاتا ہے تو وہ زمین پر اپنا مظاہرہ نہیں کرتی یہی مرحلہ موت ہے۔

اللہ رب العالمین نے 'کن' فرمایا اور کائنات تخلیق ہو گئی یعنی کائنات تخلیق کا مظاہرہ ہے، کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں ہر مخلوق میں ان گنت افراد ہیں، ہر فرد کے اندر دو شعور کام کر رہے ہیں ایک شعور انفرادیت ہے اور دوسرا اجتماعیت ہے، اجتماعی شعور سے انفرادی شعور فیڈ ہو رہا ہے۔ دماغ ایک ایسی مشین ہے جو انفرادی سطح پر کل ذات کی انفارمیشن کو وصول کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی یا نوعی سطح پر یک ذات کی انفارمیشن کو کل ذات تک پہنچاتی ہے۔

ارتقا

اس زمانہ کو ارتقا کے عروج کا زمانہ کہا جاتا ہے مادّے پر ریسرچ اور انسانی ایجادات کا سلسلہ شعوری ارتقا کا باعث بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسانی ایجادات موجود ہونے سے پہلے کہاں تھیں؟ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ایجاد سے پہلے ان کا وجود نہیں تھا تو ریسرچ کا خیال کیسے آیا؟ اصل بات یہ ہے کہ خیال ہی ریسرچ اور ایجادات کا فارمولا ہے، جس طرح بغیر بیج کے پودا نہیں اُگتا اسی طرح بغیر خیال کے کوئی عمل صادر نہیں ہوتا جس طرح بیج میں پورا درخت بند ہے اسی طرح خیال کے اندر پوری ریسرچ محفوظ (Record) ہے۔ ہم بیج کو درخت کا نطفہ کہہ سکتے ہیں۔ اسی مناسبت سے خیال کو ہم شئے کے علم کی روشنی کہتے ہیں، کائنات کی ہر شئے اور ہر فرد کا دماغ علم کی روشنی کو

جذب کر رہاہے اور دماغ میں یہ روشنیاں خیال بن کر وارد ہوتی ہیں، خیال جب عملی حدود میں پہنچتاہے تو خیال کے اندر کا خاکہ ظاہری آنکھ اور حواس کے دائرہ میں آجاتا ہے، ظاہری حواس کے دائرے سے علم کی روشنی دوبارہ پھر شعور کی گہرائی میں ریکارڈ بن کر محفوظ ہو جاتی ہے، اس محفوظ شدہ ریکارڈ کو آدمی جب چاہے اپنے ارادے کے ساتھ شعور کی گہرائی یا حافظہ سے شعور کی سطح پر لاسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے افراد کے دماغ سے لہریں نکل بھی رہی ہیں اور جذب بھی ہو رہی ہیں اور یہی مخلوق کی زندگی ہے۔

ایجادات کا ذہن

انسان اس صفت سے آراستہ ہے کہ وہ ماورائی مخلوق کے ذہن کی لہریں وصول کرلیتا ہے یہی لہریں ریسرچ کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہیں۔ تمام سائنسی علوم اور ریسرچ کہیں محفوظ ضرور ہیں جہاں یہ علم موجود ہے وہ روشنی کا عالم ہے اگر اس روشنی میں فکر انسانی داخل ہو جائے تو آدمی علوم کی حقیقت جان لیتا ہے اور نئی نئی ایجادات کرلیتا ہے ان علوم کو سیکھنے کیلئے اور جاننے کیلئے ایک مدت درکار ہے کیونکہ عقل و شعور کی تربیت فکشن حواس میں ہوئی ہے اگر کوئی نکتہ دماغ میں نہ آئے تو آدمی اسے ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف روحانی آدمی اپنے مشاہدہ کی بنا پر فہم رکھتا ہے کہ کائنات ڈسپلے ہو رہی ہے، روحانی علوم جب عالم ناسوت میں اپنا مظاہرہ کرتے ہیں تو مادی حواس ان سے واقف ہو جاتے ہیں حواس کی تھیوری ہے کہ مظاہرات میں ارادہ کام کر رہاہے فطری تخلیقات اور انسان کی ایجادات میں یہ فرق ہے کہ فطرت اسباب و وسائل کے بغیر تخلیق کرتی ہے اور انسان فطرت کے اسباب و وسائل استعمال کر کے کوئی ایجاد کرتا ہے۔

ماورائی علوم کی روشنیاں، روز اول سے فطرت میں موجود ہیں کوئی موجد ان ہی روشنیوں میں تفکر کر کے ایجاد کرتا ہے۔ علم حقیقی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ کائنات اور کائنات میں لاشمار دنیائیں روشنیوں اور نور کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دو معجزات عطا فرمائے تھے۔ ایک عصا اور دوسرا ید بیضا۔ عصا میں یہ وصف تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے حکم سے ماہیت قلب کرلیتا تھا۔ فرعون کے دربار میں جب پھنکارتے ہوئے سانپ ہر طرف پھیل گئے اور زمین پر رینگنے لگے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرش پر اپنا عصا رکھ دیا دیکھتے ہی دیکھتے "عصا" ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا اور دربار میں بڑی بڑی سرخ زبان نکالتے ہوئے شوں شوں کرتے سانپوں کو نگل گیا۔

چار عناصر

ہماری دنیا عناصر کی دنیا ہے۔ عناصر میں چار عناصر بڑی اہمیت رکھتے ہیں یہ بات خوش آئند ہے کہ دنیا میں ڈیڑھ سو سے زیادہ عناصر دریافت ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ سارے عناصر چار عناصر کی مزید تحقیق ہیں۔ ا۔ پانی ۲۔ ہوا ۳۔ آگ ۴۔ خاکیہ عناصر سانپ اور عصا میں موجود ہیں یعنی لکڑی اور سانپ دونوں میں عناصر مشترک ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جب زمین پر عصا رکھا تو ان کے ارادے کے تحت سانپ میں کام کرنے والے عناصر عصا میں متحرک ہو گئے اور عصا اژدھا بن گیا۔ یہی قانون دریا میں عصا مارنے کے بعد راستہ بن جانے کا ہے، پانی، آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ایک مرکب ہے، پانی کے بغیر درخت نہیں اگتے، لکڑی کتنی ہی خشک ہو جائے اس میں پانی کا عنصر کتنا ہی قلیل ہو پانی موجود ضرور رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے دریا کی سطح پر عصا مارا تو مطلوبہ مقام میں سے آکسیجن اور

ہائیڈروجن ہوا میں اڑ گئی اور جب بنی اسرائیل نے دریا پار کر لیا تو آکسیجن اور ہائیڈروجن دوبارہ خالی جگہ پر آ گئی اور پانی پانی ہو گیا، آکسیجن اور ہائیڈروجن فضاء میں کیسے اڑ گئی؟ ایسے اڑ گئی کہ لکڑی کے اندر آگ کا عنصر غالب آ گیا۔ لوہا آگ بنا کر پانی کے تسلے میں ڈبو دیا جائے تو پانی اڑ جاتا ہے۔

دانشور یہ سوال کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے ارادے میں اتنی قوت کیسے آ گئی کہ لاٹھی مارنے سے بنی اسرائیل کیلئے بارہ راستے بن گئے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک نوع انسانی کی رہنمائی کرتا ہے:

"ہم نے انسان کو بجنی مٹی یعنی خلا سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔"

(سورۃ الحجر۔ آیت 26)

روح کے بارے میں قرآن پاک وضاحت کرتا ہے،

"اے پیغمبرؐ! لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپؐ بتا دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور ہم نے اس کا قلیل علم سکھایا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 85)

قرآن کریم اس فارمولے کی مزید تشریح کرتا ہے:

"جب اس کا امر چاہتا ہے کہ کسی چیز کو تخلیق کرے تو کہتا ہے "ہو جا!" اور تخلیق ہو جاتی ہے۔" (سورۃ یٰسین۔ آیت 82)

انرجی کا بہاؤ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

انسان خلا ہے، خلا میں روح ہے، روح امر رب ہے اور امر رب یہ ہے کہ وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ جلیل القدر پیغمبر، صاحب کتاب اور اللہ تعالیٰ کے قُرب سے آشنا تھے، کلیم اللہ ہیں وہ تخلیق کا فارمولا جانتے ہیں جیسے ہی حضرت موسیٰؑ نے تخلیقی فارمولے کے تحت حکم دیا اس پر عمل درآمد ہو گیا۔ پیغمبرؑ کی روح اعظم تک رسائی ہوتی ہے اور وہ روح اعظم میں انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان مشاہدات کی بنا پر پیغمبر کے مادی اجسام نور علیٰ نور ہو جاتے ہیں حضرت موسیٰؑ جب اللہ کے حکم سے ارادہ فرماتے تھے اس کا مظاہرہ ہو جاتا تھا۔

مثال

کمرے میں ساٹھ واٹ کا بلب ہے اس کو اتار کر چھ سو واٹ کا بلب لگا دیں اور چھ سو واٹ کا بلب اتار کر ہزار واٹ کا بلب لگا دیا جائے تو کمرہ روشنی سے چکا چوند ہو جاتا ہے اور بلب پر نظر نہیں ٹھہرتی، جب کہ زیادہ واٹ کا بلب روشن کرنے کیلئے تار، سوئچ ہولڈر کوئی چیز تبدیل نہیں

کرنا پڑتی۔ حضرت موسیٰؑ جب بغل میں ہاتھ رکھ کر باہر نکال لیتے تھے تو الیکٹرک سٹی کے اصول کے مطابق انکے ہاتھ میں دوڑنے والا کرنٹ ہزاروں گنا زیادہ ہو جاتا تھا جس طرح سوئچ آن کرنے سے ہزاروں واٹ کا بلب روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ تخلیقی فارمولے کے مطابق جب بغل میں ہاتھ رکھتے تھے تو انرجی کا بہاؤ ہتھیلی میں منتقل ہو جاتا تھا جس سے ہاتھ سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤدؑ یروشلم کے ایک گاؤں "بیت اللحم" میں رہتے تھے۔ آٹھ بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ رنگ انار کی طرح سرخ تھا۔ آنکھیں گول تھیں، چہرے پر ہلکی خشخشی داڑھی تھی۔ قد چھوٹا تھا لیکن نہایت وجیہہ تھے۔ بہادر اور طاقت ور تھے۔ جواں مردی کا یہ عالم تھا کہ شیر یا بھیڑیا اگر بکریوں اور بھیڑوں پر حملہ آور ہوتا تو آپؑ اسے مار ڈالتے تھے۔

فلاخن

حضرت داؤدؑ فلاخن (رسی کا وہ پھندا جس میں پتھر رکھ کر شکار کرتے ہیں۔ اس کو گوپھن بھی کہتے ہیں) چلانے میں ماہر تھے۔ فلاخن اور عصا ہر وقت ہاتھ میں رہتا تھا۔ فلاخن چلانے میں حضرت داؤدؑ کی مہارت کا چرچہ عام تھا۔ فلاخن اتنی طاقت سے پھینکتے کہ جس پر بھی گرتا تھا، وہ بے ہوش یا ہلاک ہو جاتا تھا۔ گفتگو نہایت شیریں تھی۔ مہذب اور باادب تھے۔ پورے علاقے میں آپؑ کی قدر و منزلت تھی۔ بانسری اور بربط بجانے میں آپؑ کو کمال حاصل تھا۔ حضرت طالوتؑ کے دربار تک آپؑ کی رسائی تھی۔ آپؑ نے عبرانی موسیقی، مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دیکر نئے نئے آلات ایجاد کئے۔ حضرت سموئیلؑ کو عمر کے آخری حصے میں وحی کے ذریعے حضرت داؤدؑ کی نبوت اور بادشاہت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ حضرت سموئیلؑ بیت لحم تشریف لائے اور حضرت داؤدؑ سے ملاقات کر کے انہیں خیر و برکت کی دعا دی۔

سپہ سالار جالوت

حضرت طالوتؑ اور جالوت کی کثیر التعداد فوج کا جب آمنا سامنا ہوا تو فوج کا سپہ سالار جالوت زرہ اور خود پہن کر میدان میں اترا اور رعب دار آواز میں للکارا۔ آواز سے میدان جنگ میں گونجار پیدا ہو گئی۔ جب مد مقابل کوئی نہیں آیا تو حضرت داؤدؑ نے حضرت طالوتؑ سے اجازت طلب کی اور میدان میں آ گئے۔ آپؑ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی نہ برچھی۔ ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں فلاخن اور کندھے پر سنگریزوں سے بھرا ہوا تھیلا تھا۔ نو عمر اور کم قد و قامت کے نوجوان کو دیکھ کر جالوت نے قہقہہ لگایا اور تمسخر سے بولا!

"کیا تو مجھے کتا سمجھ کر ڈنڈے سے بھگانے آیا ہے۔"

حضرت داؤدؑ نے تھیلے میں سے پتھر نکالا اور فلاخن میں رکھ کر جالوت کی طرف پھینکا۔ جیسے ہی پتھر لگا کبر و نخوت کا پتلا، دیو ہیکل جالوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ حضرت داؤدؑ آگے بڑھے اور اس کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ فلسطینی فوج اپنے سردار کا کٹا ہوا سر دیکھ کر سراسیمہ ہو گئی۔ حضرت طالوتؑ کی فوج نے حواس باختہ دشمن پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر انکو فتح عطا فرما دی۔

شجاعت، بہادری اور جوانمردی کی وجہ سے حضرت داؤدؑ کو بنی اسرائیل میں انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت طالوتؑ نے اپنی بیٹی عینیاہ کی شادی حضرت داؤدؑ سے کر دی۔ اور ایک ہزار فوجی جوانوں کا دستہ آپؑ کی کمان میں دے دیا۔

"اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں، سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھ کو بھٹکا دے اللہ کی راہ سے، جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں انکو سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔" (سورۃ ص۔ آیت 26)

جس وقت حضرت داؤدؑ سردار مقرر ہوئے اس وقت آپؑ جزیرہ نما سینا کے جنوبی حصے میں مقیم تھے۔ حضرت داؤدؑ نے وہاں کے امیر نابال کو پیغام بھیجا کہ:

"جس اللہ نے تجھے وسائل اور مال و زر سے نوازا ہے اس کی راہ میں، اس کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کر۔" نابال نے پیغام لانے والوں کیساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ بری طرح پیش آیا۔ حضرت داؤدؑ کو یہ بات ناگوار گزری اور آپؑ چار سو جوانوں کے ساتھ نابال کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوگئے۔ نابال کی بیوی دانشمند عورت تھی۔ اس نے تحائف اور دعوت کا اہتمام کیا اور حضرت داؤدؑ سے ملاقات کر کے اپنے شوہر کی غلطی کی معافی مانگی۔ حضرت طالوتؑ کی وفات کے بعد حضرت داؤدؑ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت داؤدؑ ان نبیوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی۔

علم و حکمت

حضرت داؤدؑ کی شجاعت، علم و حکمت اور فکر و تدبر سے بنی اسرائیل کا شمار جلد ہی دنیا کی مہذب اقوام میں ہونے لگا۔ بہت سے علاقے بنی اسرائیل کے زیر تسلط آگئے اور ایک عالیشان سلطنت وجود میں آگئی۔ حضرت داؤدؑ نے شرعی حدود جاری کیں۔ کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا۔ بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں باہمی تعلق کو استوار کیا اور بندگان خدا کو نیکی کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کمال درجے کا فہم و ادراک اور عقل و دانش عطا فرمائی تھی۔

"اور ہم نے ان کی سلطنت کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور بات کا فیصلہ کرنا سکھایا۔" (سورۃ ص۔ آیت 20)

حضرت داؤدؑ کا معمول تھا کہ آپؑ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کو زبور عطا ہوئی۔ زبور کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں۔ یہ کتاب تورات کے اصول و قوانین پر مبنی ہے۔ زبور پانچ کتابوں پر مشتمل ہے ہر کتاب میں متعدد "مرموز" ہیں۔ ہر مرموز اللہ کریم کی حمد و ثنا، عاجزی اور دنیا و آخرت میں بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔

تکوین

حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور چرند پرند حمد پڑھتے تھے۔ حضرت داؤدؑ بہت خوش الحان تھے۔ جب آپؑ لحن کے ساتھ زبور کی تلاوت

کرتے تھے تو چلتا پانی ٹھہر جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے آپؑ کے قریب آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ پہاڑ اور چرند پرند آپؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح کرتے تھے۔

"ہم نے تابع کئے پہاڑ، اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو اور اڑتے جاندار جمع ہو کر، سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے۔" (سورۃ ص۔ آیت 18 تا 19)

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں

حضرت داؤدؑ کے ہمراہ پرندوں اور پہاڑوں کے تسبیح کرنے کی توجیہہ ہے کہ قوی ہمت والا نفس جب کسی کیفیت سے بھر جاتا ہے تو اس کے قریب رہنے والے نفوس میں بھی اس کی کیفیت سرائیت کرتی ہے اور جب وہ کسی پتھر یا درخت سے کچھ سنتا ہے تو اس کی قوت دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کرتی ہے اور پھر وہ بھی اسی طرح سنتے ہیں جس طرح اس نے سنا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے)۔ اور ہم نے اس کیلئے لوہا نرم کر دیا۔ کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ تو تم سب نیک کام کیا کرو۔ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔"

(سورۃ سبا۔ آیت 10 تا 11)

درخت گفتگو کرتے ہیں

علم لُدّنی کے عالم قلندر بابا اولیاءؒ کتاب تذکرہ تاج الدین باباؒ میں لکھتے ہیں:

ا۔ یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ انا کی لہروں کے بارے میں چند باتیں فکر طلب ہیں سائنسدان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی و مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔

۲۔ انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج رہا ہے آوازوں کی لہریں سننے والوں کو مطلع کرتی رہتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا بہرا آدمی اپنے ہونٹوں کی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنا حال بتا دیتے ہیں۔ درخت بھی آپس میں گفتگو کرتے ہیں یہ گفتگو صرف آمنے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں رائج ہے، کنکروں، پتھروں، چرند پرند میں رائج ہے۔ مٹی کے

ذرات میں بھی مِن وعَن اس ہی طرح تبادلۂ خیال ہوتا ہے۔ حضرت داؤد کے ساتھ چرند پرند اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اُس میں بھی یہ ہی قانون کارفرما ہے۔

۳۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کارفرما ہے اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دونوں کناروں پر واقع ہوں۔ تفکر اور مسلسل توجہ کے ساتھ ہم پیغمبروں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز فکر حاصل کرکے اپنے سیارے اور دوسرے سیاروں کے احوال سے باخبر ہوسکتے ہیں۔ انا کی لہروں کا علم حاصل کرکے چرند، پرند، اشجار، پہاڑ اور کائنات میں بسنے والی ایک مخلوق یا بے شمار مخلوقات کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کے لئے جدوجہد کرنے اور مستقل مزاجی کے ساتھ مسلسل توجہ دینے سے "ذہن" کائناتی لاشعور میں تحلیل ہوجاتا ہے۔

ایجادات

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا فرمائی تھی۔ حضرت داؤدؑ لوہے کو ہاتھوں کے ذریعے ڈھالنے پر ملکہ رکھتے تھے۔ آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوہے کا باقاعدہ استعمال پہلے پہل ۱۰۰۰ق م سے ۱۲۰۰ق م میں ہوا اور یہ حضرت داؤدؑ کا زمانہ ہے۔ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں لوہے کو پگھلانے اور اس سے چیزیں تیار کرنے کے طریقے دریافت ہوچکے تھے لیکن وہ اتنے پیچیدہ تھے کہ ان سے تیار کی جانے والی اشیاء بہت قیمتی تصور کی جاتی تھیں۔ حضرت داؤدؑ نے آہن سازی کے نئے طریقوں کو فروغ دیا جس کی بدولت لوہے کا استعمال عام ہوگیا اور اس تحقیق کی بدولت حضرت داؤدؑ کی قوم کو جنگوں میں بھی برتری حاصل ہونے لگی۔ کیونکہ اس زمانے میں جنگ کے دوران حفاظت کا سب سے مؤثر ذریعہ زِرہیں اور خَود (لوہے کی ٹوپی) تھے۔ حضرت داؤدؑ نے آہن سازی کی صنعت کو عروج پر پہنچادیا۔ حضرت داؤدؑ خوش الحان تھے اور آوازوں کے علم کے ماہر تھے۔

حضرت داؤدؑ ذاتی اخراجات کے لئے رقم بیت المال سے نہیں لیتے تھے۔ بلکہ لوہے کی زرہیں بنا کر انہیں فروخت کرتے تھے۔

"پھر تمہیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی جو دیوار چڑھ کر اس کے بالاخانے میں گھس آئے تھے۔ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر خائف ہوگیا۔ انہوں نے کہا، "ڈریئے نہیں، ہم مقدمہ کے دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپؑ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کردیجئے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اس نے کہا کہ ایک دنبی میرے حوالے کردے اور اس نے مجھے گفتگو میں دبالیا۔" داؤد نے جواب دیا، "اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملالینے کا مطالبہ کرکے یقیناً تجھ پر ظلم کیا اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔ (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کرلیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لئے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔"

(سورۃ ص۔ آیت 21 تا25)

حضرت داؤدؑ ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ دیکھا کہ بیت المقدس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔ بیت المقدس جالوت نے منہدم کرادیا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے رب کریم کے حضور دعا کی کہ بیت المقدس کی تعمیر کو ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی بنادے۔ حضرت داؤدؑ کے دور میں لوگوں نے سنیچر (ہفتہ) کے دن کا احترام ترک کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے مطابق بنی اسرائیل کو سنیچر (ہفتہ) کے احترام کی تاکید کی گئی تھی۔ انہیں حکم تھا کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص ہے اس روز شکار نہ کریں اور دنیاوی مشاغل ترک کر دیں۔

ایلہ شہر میں آباد اسرائیلیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جمعہ کے دن دریا کے کنارے بہت سے گڑھے کھود دیتے تھے اور نالیاں بنا کر دریا کا پانی گڑھوں میں جمع کر دیتے تھے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی گڑھوں میں جمع ہو جاتی تھیں اور بنی اسرائیل اتوار کی صبح مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ حضرت داؤدؑ نے انہیں اس عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی لیکن بنی اسرائیل نے ان کا کہنا نہیں مانا۔ نافرمانی کی وجہ سے ان کی شکلیں مسخ ہو گئیں اور وہ بندر بن گئے۔ عقل و حواس تو قائم رہے لیکن قوت گویائی ختم ہو گئی۔ ان کے جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھنے لگے اور تین روز تک روتے روتے مر گئے۔

”اور جان چکے ہو کہ جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دن میں، تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔“ (سورۃ البقرہ۔ آیت 65)

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شکلیں مسخ ہونے کی تشریح اس طرح کی ہے کہ

مچھلی فاسد المزاج اور بدبودار ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کے خلاف، نافرمانی کر کے جب بنی اسرائیل اس کو کھاتے رہے تو ان میں فسادِ مزاج سرائیت کر گیا اور ان کے جسم میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ (اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد غذا حرام ہو گئی)۔ حلال خوراک سے جو انرجی بنتی تھی اس میں تبدیلی آگئی۔ یہ تبدیلی بڑھتے بڑھتے جب تکمیل کو پہنچ گئی تو ان کے جسموں پر بندروں کی طرح بال نکل آئے وہ بندر بن گئے اور ان پر ذلت و رسوائی مسلط ہو گئی۔

مفرد اور مرکب لہریں

حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں میں ایسی توانائی تھی کہ ”لوہا“ ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ بڑی آسانی سے لوہے کو ہاتھوں سے موڑ کر زرہ اور کڑیاں بنا لیتے تھے اور کڑیاں جوڑ کر زنجیر بن جاتی تھی۔

موجودہ دور سائنسی دور ہے اور اس دور میں شعور نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ بڑے بڑے پیچیدہ معاملات کی تشریح آسان ہو گئی ہے۔ لیزر شعاع اور عام روشنی میں یہ فرق ہے کہ عام روشنی سات مختلف رنگوں سے مل کر بنی ہے لیکن لیزر مفرد لہر (یک رنگ)

شعاع ہے۔عام روشنی کو منشور (Prism) میں سے گزارا جائے تو وہ سات مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔لیکن لیزر شعاع منشور میں سے گزرنے کے بعد بھی اپنے ایک رنگ میں بر قرار رہتی ہے۔لیزر شعاع کا پھیلاؤ کم ہوتا ہے مثلاً عام روشنی کی بیم ۱۰۰۰ فٹ دور کسی دیوار پر ڈالی جائے تو روشنی تقریباً ۲۰۰ فٹ علاقہ میں پھیل جائے گی اور اس کی طاقت کم ہو جائے گی۔ جبکہ لیزر شعاع کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ آدھا یا ایک فٹ ہو گا اور اس کی طاقت بر قرار رہے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عام روشنی میں شامل ہر رنگ کی لہر کا طول موج (Wave length) مختلف ہوتا ہے۔

جب ایک لہر کا فراز دوسری لہر کے نشیب سے ٹکراتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو رد کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ روشنی اپنے منبع سے اخراج کے بعد مختلف سمتوں میں سفر شروع کر دیتی ہے۔ جبکہ لیزر شعاع میں لہروں کے نشیب و فراز یکساں ہوتے ہیں اس لئے یہ ایک دوسرے میں پیوست اور متحد رہتی ہیں اور ایک سیدھ میں طویل فاصلہ طے کر لیتی ہیں۔ کسی ایٹم کو جب عام حالت میں توانائی فراہم کی جاتی ہے تو وہ بلند سطح پر چلا جاتا ہے۔اس حالت کو برانگیختہ حالت کہتے ہیں۔ایٹم دوبارہ اپنی عام حالت میں آنا چاہتا ہے چنانچہ وہ توانائی جو اس نے جذب کی تھی روشنی کے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں کی شکل میں خارج کرتا ہے۔یہی پیکٹ فوٹون کہلاتے ہیں۔اب اگر کوئی ایسا طریقہ استعمال کیا جائے جس کے ذریعہ یہ فوٹون ایک ہی سمت میں اور ایک ہی فیز میں حرکت کریں تو ہمیں طاقتور مفرد شعاع حاصل ہو جائے گی۔ تخلیق روشنی کے تانے بانے پر قائم ہے۔ تخلیقی پروسس (Process) کے مطابق ہر فرد روشنی کے جال پر نقش ہے۔یہ جال مفرد اور مرکب لہروں سے بنا ہوا ہے۔ہر انسان میں مرکب لہروں کے ساتھ مفرد لہریں بھی موجود ہیں۔

حضرت داؤدؑ جب لوہے کی زرہیں، خود اور دوسری اشیاء بناتے تھے تو مفرد لہروں کو ہاتھوں میں سے گزار دیتے تھے اور ان کے ہاتھوں میں لوہا نرم ہو جاتا تھا اور وہ لوہے کو حسب منشا موڑ لیتے تھے اور انگلیوں میں مفرد لہروں کو جمع کر کے سامان حرب تیار کر لیتے تھے۔

ترکی کے توپ کاپی میوزیم میں حضرت داؤدؑ کے زمانے کی لوہے کی ہانڈی رکھی ہوئی ہے۔جو اس طرح بنائی گئی ہے جیسے کمہار ہاتھ سے مٹی کی ہنڈیا بناتا ہے۔

کائنات کی ساخت دور خوں پر کی گئی ہے۔کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں۔ان مخلوقات میں ہمارے پیش نظر دو مخلوق جنات اور انسان ہیں۔یہ مخلوقات ہماری زمین کی طرح ہر عالم اور ہر زمین پر آباد ہیں۔ہماری زمین پر بیشمار گیسس بھی ہیں۔ان گیسس کو روشنیاں فیڈ کرتی ہیں۔روشنی لہروں کی صورت میں سفر کرتی ہے۔جنات کی تخلیق میں مفرد لہریں اور انسان کی تخلیق میں مفرد اور مرکب

لہریں کام

کرتی ہیں۔کپڑے کی مثال سے بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

مثال

کپڑا تانے بانے سے بُنا جاتا ہے۔ تانے اور بانے کو شعاع یا لہر قرار دے دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ متحرک لکیریں (دھاگے کے تار) اگرچہ ایک دوسرے سے الگ ہیں مگر ایک دوسرے میں پیوست بھی ہیں۔ اسی طرح مرکب لہروں کے بجائے ایک سیدھی لہر (ایک دھاگہ) سے کپڑا بنا جائے اور اس کپڑے کے اوپر اعضاء کے نقوش سے تصویر نقش ہو تو یہ جن کی تصویر ہو گی۔ اور اگر اس کپڑے پر بانے کی طرح ایک دوسری حرکت جو پہلی حرکت کے خلاف سمت میں آکر پیوست ہو جائے تو اس کپڑے کے اندر بہت سے نقش ونگار بن جائیں گے۔ یعنی تانے بانے یا مرکب لہروں پر نقش و نگار کا نام آدمی ہے اور یہی انسان کی دنیا ہے۔

ایک لہر یا مفرد حرکت سے جنات کی دنیا تخلیق ہوئی ہے اور دوہری لہر یا مرکب حرکت سے انسان کی دنیا تخلیق ہوئی ہے۔ مفرد لہر سے بنا ہوا جسم، مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا البتہ مرکب لہر سے بنا ہوا مادی جسم نظر آتا ہے۔ مفرد لہر ہر شے میں سے گزر جاتی ہے۔ اگر انسان کے اوپر مفرد لہر کا غلبہ ہو جائے تو وہ ٹھوس دیوار میں سے گزر جاتا ہے۔ آسمانوں میں پرواز کرتا ہے۔ کسی شے کی ماہیت قلب کر سکتا ہے۔

1539ڈگری سینٹی گریڈ

جب لوہے کو بھٹی میں ڈال دیتے ہیں تو بھٹی میں آگ کی تپش 1539 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتی ہے اس لئے لوہا نرم ہو جاتا ہے۔

حضرت داؤدؑ جب اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علوم اور تفویض کردہ اختیارات سے ارادہ کرتے تھے تو لوہا انکے ہاتھوں میں موم ہو جاتا تھا۔ یعنی ان کے ہاتھ میں دور کرنے والی لہریں 1539 ڈگری سینٹی گریڈ ہو جاتی تھیں اور جب ارادے کی تکمیل ہو جاتی تھی تو انکے ہاتھ معمول کے مطابق کام کرتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت داؤدؑ نے اپنا پایہ تخت جبرون سے منتقل کر کے یروشلم کو دارالخلافہ بنایا۔ حضرت سلیمانؑ یروشلم میں پیدا ہوئے۔
"اور داؤد کو ہم نے سلیمان عطا کیا۔ بہترین بندہ، کثرت سے اپنے رب کی طرف رُجوع کرنے والا۔" (سورۃ ص۔ آیت 30)
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حضرت سلیمانؑ کی والدہ نے حضرت سلیمانؑ کو نصیحت فرمائی،

"بیٹا رات بھر سوتے نہ رہا کرو اس لئے کہ رات کے اکثر حصے کو نیند میں گزارنا انسان کو قیامت کے دن اعمال خیر سے محتاج بنا دیتا ہے۔" (سنن ابن ماجہ، جلد اول۔ حدیث 1332)

حضرت سلیمانؑ حضرت یعقوبؑ کے واسطہ سے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہیں۔

"اور ہم نے اس کو بخشے اسحق اور یعقوب، ہم نے ہر ایک کو ہدایت دی اس سے پہلے اور اس ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی۔" (سورۃ الانعام۔ آیت 84)

پرندوں کی بولیاں

حضرت داؤدؑ کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو بھی خصوصیات سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ چرند پرند کی بولیاں جانتے تھے۔

"اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور ان دونوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت دی اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہوا اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں والا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز بخشی گئی ہے، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔" (سورۃ النمل۔ آیت 15 تا 16)

وراثت

علم و حکمت، ہدایت و نبوت اور سلطنت و بادشاہت حضرت سلیمانؑ کو وراثت میں ملی، حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست، علم و حکمت اور قوت فیصلہ کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کا ایک واقعہ مذکور ہے۔
"اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد و سلیمان کو سرفراز کیا، یاد کرو وہ وقت جب دونوں ایک کھیت کے مقدمے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ جس میں رات کو دوسرے لوگوں کی بکریاں کسی کے کھیت میں چلی گئی تھیں اور ہم انکی عدالت خود دیکھ رہے تھے، اس وقت ہم نے سلیمانؑ کو صحیح فیصلہ Inspire کیا، حالانکہ حکمت اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔" (سورۃ الانبیاء۔ آیت 78 تا 79)

عدالت

ایک شخص کی بکریوں نے کھیت میں کھڑی فصل کو چر لیا اور حضرت داؤدؑ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ کھیت کے مالک نے بکریوں کے مالک پر تاوان کی ادائیگی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ سنایا کہ فصل کی مالیت چونکہ بکریوں کی قیمت کے برابر ہے اس لئے بکریاں بطور تاوان کھیت کے مالک کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے والد محترم سے عرض کیا:

"اباجی اس فیصلے پر عمل درآمد سے ایک فریق کا فائدہ ہو گا اور دوسرا فریق اپنی عمر بھر کی پونجی سے محروم ہو جائے گا، مناسب یہ ہے کہ بکریوں کا مالک کھیت میں ہل چلائے، گوڈی کرے، پانی دے، دیکھ بھال کرے اور جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو پوری فصل کھیت کے مالک کو دے دی جائے۔ اس دوران بکریاں کھیت کے مالک کے پاس رہیں وہی بکریوں کا دودھ استعمال کرے اور ان کو اپنے کام میں لائے یعنی بکریوں پر اسے ہر قسم کا تصرف حاصل ہو اور جب بکریوں کا مالک فصل دے دے تو اسے بکریاں واپس کر دی جائیں۔"

مصر سے فرات تک

حضرت سلیمانؑ کی حکومت مصر سے فرات تک تھی یہ دور، درخشاں دور تھا اس دور میں ان کی قوم کو جو عروج واستحکام، جاہ و جلال حاصل ہوا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت سلیمانؑ کی نبوت کے خصوصی امتیازات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے کیلئے مسخر کر دیا تھا۔

''اور تُند و تیز ہوا کو حضرت سلیمانؑ کیلئے مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس کو ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر شئے کے جاننے والے ہیں۔''

(سورۃ الانبیاء۔ آیت 81)

''اور سلیمانؑ کیلئے مسخر کر دیا ہوا کو صبح کو ایک مہینے کی مسافت (طے کراتی) اور شام کو ایک مہینے کی مسافت۔''(سورۃ السباء۔ آیت 12)

''اور مسخر کر دیا ہم نے سلیمانؑ کیلئے ہوا کہ چلتی ہے وہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ جہاں وہ پہنچنا چاہے۔''(سورۃ ص۔ آیت 36)

حضرت سلیمانؑ جب چاہتے، صبح کو ایک مہینہ کی مسافت اور شام کو ایک مہینے کی مسافت کے برابر سفر کرتے تھے۔

سمندری بیڑہ

روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ سمندر میں بحری بیڑے کے لئے راستے مقرر کرنے والے پہلے انسان ہیں۔ تجارتی ذرائع نقل وحمل کیلئے بحری بیڑہ اس زمانے میں سب سے مضبوط اور طاقتور نظام تھا، جہازوں کو بہترین انجینئرز چلاتے تھے، ایک Fleet کا نام ''ترسیسی بیڑہ'' تھا، ترسیسی بیڑہ، بحر روم کی بندرگاہ سے مغربی ممالک کی طرف جاتا تھا اور اس کا ایک سفر تین سال میں پورا ہوتا تھا۔ اس میں سونا چاندی، ہاتھی دانت، مویشی، بھیڑ، بکریاں اور دوسرے قسم کا سامان ہوتا تھا۔

ہوا کی تسخیر

قرآن حکیم نے حضرت سلیمانؑ کے متعلق تین باتیں بیان کی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے لیے ''ہوا'' کو مسخر کر دیا تھا۔

۲۔ ''ہوا'' ان کے تابع فرمان تھی۔ شدید اور تیز طوفان بھی ان کے حکم سے رک جاتے تھے۔

۳۔ سبک خرام ہوا کو جب حکم دیا جاتا تھا تو وہ تیز رفتار ہو جاتی تھی۔

تانبہ کی کانیں

کم و بیش پچاس میل کے رقبے پر تانبے کی کانیں تھیں۔ تانبہ پگھلانے کیلئے ہزاروں بھٹیاں تھیں۔ لاکھوں مزدور کام کرتے تھے، تانبے کو پگھلانے کے بعد مزید صاف کرنے کیلئے فیکٹریاں بنائی گئی تھیں، ان کارخانوں میں خام تانبا اور خام لوہا آتا تھا جہاں Raw Material بنتا تھا، بیس میٹر گہرائی کے ڈیڑھ سو سے زیادہ پانی کے تالاب اور کنویں تھے، ملک کا سب سے بڑا ایکسپورٹ آئٹم تانبہ اور لوہا تھا، زرمبادلہ میں ملک خود کفیل تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا۔“ (سورۃ السبا۔ آیت 12)

حضرت سلیمانؑ کا لشکر جنات، انسان، چرند و پرند پر مشتمل تھا۔ ہر جاندار شے شجر و حجر اور ہوا حضرت سلیمانؑ کے تابع تھی، سمندروں کی تہہ سے موتی اور مونگا جنات نکالتے تھے، عظیم الشان عمارتیں بنانے پر جنات کی ڈیوٹی تھی، جنات اور انسان تانبے کے بے مثل ظروف بناتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو یہ اختیار تھا کہ وہ جس طرح چاہتے ان سے کام لیتے تھے۔

مسجد اقصیٰ

حضرت داؤدؑ کی وصیت کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے ارادہ فرمایا کہ مسجد کے چاروں طرف ایک عظیم الشان شہر آباد کیا جائے اور مسجد کی تعمیر بھی از سر نو کی جائے، حضرت سلیمانؑ کی خواہش تھی کہ مسجد اور شہر کو بیش قیمت پتھروں سے بنوائیں۔ انہوں نے دور دراز کے علاقوں سے حسین اور بڑے بڑے پتھر منگوائے اور یہ خدمت انہوں نے جنات سے لی چنانچہ جنات دور دور سے خوبصورت اور بڑے بڑے پتھر لاتے تھے اور بیت المقدس کی تعمیر کرتے تھے۔ بیس بیس ہاتھ لمبا چوڑا اور اونچا چبوترہ بنا کر اس پر عہد کا صندوق رکھا گیا تھا۔ پوری عمارت ساڑھے سات سال میں مکمل ہوئی۔ جنات نے حضرت سلیمانؑ کیلئے بیت المقدس کے علاوہ اور بھی تعمیرات کیں اور بعض ایسی چیزیں بھی بنائیں جو اس زمانے کے لحاظ سے عجیب و غریب سمجھی جاتی تھیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”اور جنات میں سے وہ تھے جو اس کے سامنے خدمت انجام دیتے تھے اس کے پروردگار کے حکم سے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم کے خلاف کجروی کرے ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھائیں گے، وہ اس کیلئے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتا تھا، قلعوں کی تعمیر، ہتھیار اور تصاویر اور بڑے بڑے لگن جو حوضوں کی مانند تھے اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی بڑائی کی وجہ سے ایک جگہ جمی رہیں۔ اے آل داؤدؑ! شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔“

(سورۃ سبا۔ آیت 11 تا 13)

”اور تابع کیے شیطان کتنے جو اس کیلئے سمندر میں غوطہ لگاتے تھے (یعنی سمندر سے بیش قیمت چیزیں نکالتے تھے) اور اس کے علاوہ بہت سے کام انجام دیتے تھے اور ہم ان کیلئے نگراں اور مہربان تھے۔“(سورۃ الانبیاء۔ آیت 82)

”اور اکٹھے کئے گئے سلیمان کیلئے اس کے لشکر جنات میں سے ، انسانوں میں سے، جانوروں میں سے، اور وہ درجہ بدرجہ کھڑے کئے جاتے ہیں۔“(سورۃ النمل۔ آیت 17)

ہُدہُد پرندہ

ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کا دربار پورے جاہ و حشم کے ساتھ منعقد تھا حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد کو غیر حاضر دیکھ کر فرمایا:
”میں ہُدہُد کو موجود نہیں پاتا کیا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ اگر اس کی غیر حاضری بے وجہ ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بتائے۔“

ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہُدہُد حاضر ہو گیا اور حضرت سلیمانؑ کی باز پرس پر اس نے کہا:

”میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کی اطلاع آپؑ کو نہیں ہے وہ یہ ہے کہ یمن کے علاقہ میں سبا کی ملکہ رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے اس کی سلطنت اپنی فوجوں کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ ملکہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہیں، شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور وہ اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش نہیں کرتے۔“

”کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔“(سورۃ النمل۔ آیت 25)

سبا کا دارالخلافہ قارب تھا اس علاقہ کے لوگ چشموں پر بند باندھ کر پانی استعمال کرتے تھے۔ دارلحکومت میں سب سے بڑا بند ”سد قارب“ کے نام سے مشہور تھا، جس کے دونوں طرف پھلوں اور پھولوں کے سرسبز و شاداب باغات تھے۔ سبا کی قوم تجارت پیشہ اور مالدار قوم تھی، سبا والے مشرک اور بت پرست تھے، سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔

ہُدہُد نے اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کی تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا،

”تیرے سچ اور جھوٹ کا امتحان ابھی ہو جائیگا، اگر تو سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور اس کو سبا والوں تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اسکے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔“

ہدہد جب خط لے کر پہنچا تو ملکہ سبا آفتاب پرستی کیلئے جارہی تھی ہدہد نے راستہ ہی میں یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا، ملکہ نے اٹھا کر خط پڑھا اور درباریوں سے کہا ابھی میرے پاس ایک مکتوب آیا ہے جس میں لکھا ہے:

"یہ خط سلیمان کی جانب سے ہے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے، تم کو ہم سے سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے اور تم میرے پاس اللہ کی فرمانبردار بن کر آؤ۔"

ملکہ سبا نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا۔

"اے میرے اراکین سلطنت! تم جانتے ہو کہ میں سلطنت کے اہم امور میں تمہارے مشورہ کے بغیر اقدام نہیں کرتی اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

اراکین حکومت نے عرض کیا

"جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے اس کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں رہا مشورہ کا معاملہ تو آپ جو چاہیں فیصلہ کریں ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔"

ملکہ سبا نے کہا:

"جس عجیب طریقہ سے سلیمان کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ سلیمان کے معاملے میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے، میرا ارادہ ہے کہ چند قاصد روانہ کردوں اور وہ سلیمان کیلئے عمدہ اور بیش قیمت تحائف لے جائیں۔"
"ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی اسی طرح کریں گے اور میں ان کی طرف کچھ تحفے روانہ کرتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔"
(سورۃ النمل۔ آیت 34 تا 35)

ملکہ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمان نے فرمایا "تم اپنے تحائف واپس لے جاؤ اور اپنی ملکہ سے کہو کہ اگر اس نے میرا پیغام قبول نہیں کیا تو میں عظیم الشان لشکر کے ساتھ سبا والوں تک پہنچوں گا اور تم اس کی مدافعت اور مقابلے میں عاجز رہو گے۔"

قاصد نے واپس آکر سبا کے سامنے صورت حال بیان کر دی اور حضرت سلیمانؑ کی عظمت و شوکت کا جو منظر دیکھا تھا، وہ انہوں نے بیان کر دیا اور بتایا کہ انکی حکومت صرف انسانوں ہی پر نہیں ہے بلکہ جنات اور حیوانات بھی انکے تابع فرمان ہیں۔ ملکہ نے جب یہ احوال سنا تو اس نے طے کر لیا کہ حضرت سلیمانؑ کی آواز پر لبیک کہنا ہی مناسب ہے چنانچہ وہ ان کی خدمت میں روانہ ہو گئی۔ حضرت سلیمانؑ کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ انہوں نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا:
"میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت اس شاہی دربار میں موجود ہو۔"

ایک دیو پیکر جن نے کہا۔

"دربار برخاست کرنے سے پہلے میں تخت لا سکتا ہوں۔"

جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان نے جسکے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا، اس نے کہا: "اس سے پہلے کہ آپؑ کی پلک جھپکے تخت میں آپؑ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

حضرت سلیمانؑ نے رخ پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سبا کا تخت موجود تھا۔ دربار میں تخت آنے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ،

"اس تخت کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا یہ دیکھ کر حقیقت کو پاتی ہے یا نہیں۔"

"(سلیمان نے) کہا ملکہ کے (امتحان کے) لیے اس کے تخت میں کچھ ردوبدل کر دو تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صحیح بات پر پہنچی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ راست نہیں پاتے۔" (سورۃ النمل۔ آیت 41)

کچھ عرصے بعد ملکہ سبا حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں باریاب ہوگئی اور جب دربار میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ عقلمند ملکہ نے جواب دیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔"

ملکہ سبا نے اس کے ساتھ ہی کہا۔

"مجھ کو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت کا پہلے ہی سے علم ہو چکا ہے۔ اس لئے میں مطیع اور فرماں بردار بن کر حاضر خدمت ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ عقل سے ماورا معاملہ اور آپ کی لاثانی طاقت کا مظاہرہ ہے اور ہماری اطاعت کیلئے مزید تازیانہ۔ اسلئے ہم آپ سے فرماں برداری کا اظہار کرتے ہیں۔"

حضرت سلیمانؑ نے جنات اور انسان انجینیئرز سے ایک عالی شان محل تعمیر کروایا تھا جو آبگینوں کی چمک اور عجیب و غریب دستکاری کی وجہ سے بے مثال تھا۔ اس میں داخل ہونے کے لئے سامنے جو صحن پڑتا تھا اس میں ایک بڑا حوض کھدوا کر پانی سے لبریز کر دیا تھا اور پھر شفاف آبگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنایا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکا کھا کر یہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں شفاف پانی بہہ رہا ہے۔

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ وہ قصر ساشہ میں قیام کرے۔ ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو شفاف پانی بہتا ہوا دیکھ کر پانی میں اترنے کیلئے کپڑوں کو پنڈلیوں سے اوپر اٹھایا تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پانی نہیں۔ سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آبگینوں سے بنایا گیا ہے۔"
ملکہ کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں اور اس نے کہا:

"اے پروردگار! آج تک ماسوا اللہ کی پرستش کر کے میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مگر اب میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر صرف ایک اللہ پر ایمان لاتی ہوں جو کہ تمام کائنات کا پروردگار ہے۔"

”پھر ملکہ سے کہا گیا کہ محل میں چلئے۔ جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھی اور اترنے کیلئے اس نے اپنے پائینچے اٹھا لیے۔ (پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کیا) (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس کے نیچے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کر رہی تھی اور اب میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ “(سورۃ النمل۔ آیت44)

حضرت عزیر علیہ السلام

بنی اسرائیل نے جب حضرت یرمیاہؑ کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت یرمیاہؑ نے بنی اسرائیل کی غلامی کی پیشین گوئی کی۔ بخت نصر نے ارض مقدس پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بیت المقدس کو شدید نقصان پہنچا اور بنی اسرائیل کا مالی اور جانی بہت زیادہ نقصان ہوا۔ توراۃ کے تمام نسخے جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ اسرائیلیوں کو قید کر کے بابل لے جایا گیا۔ ان قیدیوں میں کم سن حضرت عزیرؑ بھی شامل تھے حضرت عزیرؑ کی ابتدائی تربیت بابل میں ہوئی۔ حالت اسیری میں حضرت دانیالؑ نے تربیت کی۔

بابل شہر

بخت نصر نے اسرائیلی اسیروں میں سے صاحب علم و دانش افراد کو شاہی دربار سے منسلک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی نظر انتخاب چار افراد پر پڑی۔ حضرت دانیالؑ، خنیاہ، میسا ایل اور حضرت عزیرؑ۔ ان چاروں افراد کو کلدانی زبان سکھائی گئی۔ شاہی خلعت دی گئی اور شاہی دستر خوان پر کھانے کا انتظام ہوا۔ لیکن شاہی غذا میں غیر شرعی اشیاء بھی شامل تھیں۔ لہٰذا ان لوگوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ بخت نصر کو جب اس کا علم ہوا تو ان چاروں افراد کو دربار میں طلب کر کے ان سے گفتگو کی۔ حضرت عزیرؑ نے اخلاق و آداب پر تقریر کی۔ بخت نصر حضرت عزیرؑ کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوا اور آپؑ کو بابل کا گورنر بنا دیا۔ حضرت عزیرؑ نے گورنر بنتے ہی بت پرستی کی باطل رسم ختم کرنے کا اعلان کیا۔ بخت نصر کو جب علم ہوا تو آپؑ کو دربار میں بلا کر بازپرس کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں۔ جواب سن کر بخت نصر غضبناک ہو گیا اور حکم دیا کہ آپؑ کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت حضرت عزیرؑ کیساتھ تھی لہٰذا آپؑ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور آپؑ آگ میں سے زندہ سلامت نکل آئے۔ یہ دیکھ کر بخت نصر پکار اٹھا، ”عزیرؑ کا خدا مبارک ہو، جس نے اپنا فرشتہ بھیج کر رہائی بخشی۔ واقعی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

(دو شہاب کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ۔ دانی ایل باب ۳۔ آیت ۲۰ سے ۲۸)

حضرت عزیرؑ کو ایک بار پھر بابل کا گورنر بنا دیا گیا۔

چونکہ تورات کے تمام نسخے تلف کر دیئے گئے تھے۔ اسرائیلی ۷۰ سال کی غلامی سے نجات پانے کے بعد توراۃ کو دوبارہ مدوّن کرنے کے لئے حضرت عزیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دوشہاب

روایت ہے کہ آسمان سے دو ”شہاب“ (وہ ستارہ جو آسمان سے گرتے ہوئے نظر آئے) اترے اور حضرت عزیرؑ کے سینے میں سماگئے اور آپؑ نے توراۃ لکھوادی۔ بنی اسرائیل کے دلوں میں حضرت عزیرؑ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہوگئی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی اس قدر و منزلت نے گمراہی کی شکل اختیار کرلی اور انہوں نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

”اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ اللہ کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھاتے ہیں۔“

(سورۃ توبہ۔ آیت30)

حیات وممات

ایک دفعہ کسی بستی میں سے حضرت عزیرؑ کا گزر ہوا۔ بستی ویران پڑی تھی۔ اس کی تباہ حالی اور بربادی دیکھ کر ان کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اس تباہ حال بستی کو کس طرح دوبارہ آباد کریں گے؟

حضرت عزیرؑ نے گدھے کو ایک درخت سے باندھا۔ کھانا سرہانے رکھا اور درخت کے سائے میں لیٹ گئے۔ نیند آگئی اور سوگئے۔ اس ہی لمحے اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ عزیرؑ کی روح قبض کرلے۔ حضرت عزیرؑ سو سال تک سوتے رہے۔ حکم ربی سے آپؑ کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے پوچھا:

”اے عزیرؑ! کتنی دیر تک سوتے رہے؟“

آپؑ نے جواب دیا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

”نہیں تم سو سال تک مردہ پڑے رہے ہو اور اپنے گدھے اور کھانے کو دیکھو۔“

کھانا ویسا ہی تازہ تھا جیسا رکھا تھا لیکن گدھا مر چکا تھا اور اس کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت عزیرؑ بہت حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سامنے آپؑ کے گدھے کو دوبارہ زندہ کیا۔ آپؑ کی نظر جب بستی پر پڑی تو اور زیادہ حیران ہوئے کہ بستی پوری طرح آباد اور پررونق شہر بن گئی تھی۔

آپؑ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھ کر سجدے میں گر گئے اور کہا،

”یا اللہ! تو قادر مطلق ہے۔“

”اور کیا تم نے اس شخص کا حال نہ دیکھا، جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی پڑی تھی۔ اس نے کہا یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اسے اللہ دوبارہ کس طرح زندگی بخشے گا؟ اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مردہ پڑا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا، 'بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟“ اس نے کہا، ”ایک دن یا کچھ کم۔“ فرمایا، بلکہ تم سو برس اسی حالت میں رہے۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اس میں ذرا تغیر نہیں آیا ہے۔ اور پھر اپنے گدھے کو دیکھ (کہ وہ گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔) اور یہ ہم نے اسلئے کیا ہے کہ تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست کس طرح اس پر چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس کو ہماری قدرت کا مشاہدہ ہو گیا تو اس نے کہا میں یقین کرتا ہوں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“(سورۃ البقرہ۔ آیت 259)

تشریح

تقریباً ہر گھر میں ڈیپ فریزر اور فرج موجود ہے۔ ہمیں اس بات کا مسلسل مشاہدہ ہے کہ چیزیں جب ٹھنڈی ہو کر منجمد ہو جاتی ہیں تو سڑتی گلتی نہیں ہیں۔ مخصوص گیسیں انہیں محفوظ رکھتی ہیں۔ جس طرح ہر تخلیق کا ہر فرد روشنی کے مفرد اور مرکب جال کے غلاف میں بند ہے۔ اسی طرح گیسس پر بھی روشنی کے جال کا غلاف ہے۔ اور ہر گیس کی ماہیت اور مقدار کا تعین اسی روشنی کے غلاف سے ہوتا ہے۔ فرد کی حیات و ممات معین مقداروں پر قائم ہے۔ اس سارے نظام پر ایک اللہ حاکم ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کی حاکمیت کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے برگزیدہ بندے حضرت عزیرؑ پر حیات و ممات کی حقیقت کو ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ان کو یکجا کر دیا جس کے ذریعہ اشیاء ٹھنڈی ہو کر خراب نہیں ہوتیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ پہلے ایجاد کرنے کا خیال آتا ہے پھر مسلسل ریسرچ کے بعد ایجاد کا مظاہرہ ہوتا ہے ایسا ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایجاد خیال آئے بغیر اپنا مظاہرہ کرے۔ سائنس کی کوئی ایجاد ہو، کچھ بھی ہو پہلے سے عالم غیب میں موجود ہے۔

قانون

جب کسی ایک نقطے پر ذہن مرکوز ہو جاتا ہے تو اس نقطے میں مخفی خدوخال وجود کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں کھانے کو دو طریقوں سے محفوظ کیا جاتا ہے۔

۱۔ کھانے کو فریز کیا جاتا ہے۔

۲۔ اس کو ویکیوم یعنی ہوا کے بغیر پیک کیا جاتا ہے۔ جس سے کھانا گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کھانوں کے سالموں کی حرکت تیز ہوتی ہے جبکہ فریزر میں درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے سالموں کی حرکت کم ہو جاتی ہے۔ مالیکیولز کی حرکت تیز ہونے سے ہوا سے Contact بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کم درجہ حرارت پر کیمیکل ایکشن کم ہوتا ہے اگر کسی بھی طریقے سے سالموں کی حرکت کم یا بہت کم کر دی جائے جیسا کہ فریزر میں فری اون گیس (Free On Gas) کے ایکشن

کی وجہ سے ہوتا ہے تو شئے کے مالیکیولز ایک دوسرے میں جذب ہو کر منجمد ہو جائیں گے اور شے میں Foreign Bodies داخل نہیں ہوں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونسؑ نینوا کی طرف مبعوث کئے گئے۔

حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل ایک مرتبہ پھر کفر و شرک، بت پرستی اور نافرمانی میں مبتلا ہو گئے، جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین نہیں رہا اور قوم اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی میں مبتلا ہو گئی تو قانون قدرت حرکت میں آ گیا بنی اسرائیل پر بخت نصر کا غلبہ ہو گیا۔ بخت نصر کے لشکر نے بیت المُقدس میں خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، اسرائیلی تہہ تیغ کر دیئے گئے اور بہت بڑی تعداد میں قیدی بن گئے۔ رومیوں نے ارض مقدس پر حملہ کر دیا اور ایک مرتبہ پھر یہ ناشکری قوم عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ اشوریوں کے دور حکومت میں جب شہر ''اشور'' دارالحکومت تھا اس زمانے میں دجلہ کے کنارے نینوا ایک چھوٹی سی بستی تھی اشور کے کسی بادشاہ نے اپنے دیوتا کے نام پر نینوا میں ایک مندر بنوایا، رفتہ رفتہ دوسرے بادشاہوں نے بھی مندر اور عمارتیں بنانا شروع کر دیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں اشوریہ کا دار الخلافہ بن گیا۔ نینوا کے وسط میں مندر اور شاہی محل تھے جہاں سے بادشاہ نینوا کے پر رونق بازاروں، گلیوں اور تفریح گاہوں کا نظارہ کرتا تھا۔ شمال کی طرف بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ مغرب میں ہرے بھرے لہلہاتے کھیت تھے پورا شہر درختوں، بل کھاتی بیلوں، پھلوں اور خوبصورت باغات سے سر سبز و شاداب تھا، جگہ جگہ چوراہوں پر فوارے عوام کو دعوت نظارہ دیتے تھے۔ پتھر تراش اشوری مختلف جانوروں اور دیوتاؤں کی تصاویر بنانے میں یکتائے فن تھے، اہل نینوا کی زبان سامی تھی، تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یہ انتہائی ترقی یافتہ قوم تھی۔ ظلم و ستم اور سنگدلی میں بھی یہ قوم اپنی مثال آپ تھی، جب انہیں کسی ملک پر غلبہ حاصل ہوتا تو اس کا نام و نشان مٹا دیتے تھے، سپاہی رعایا کو قتل کر دیتے تھے اور ہر سر کے بدلے سپاہی کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔

''اشوریہ دیوتا'' ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا، سیاسی اور انتظامی امور دیوتا کا نام لے کر انجام دیئے جاتے تھے، یہ لوگ بادشاہ کو خدا کا درجہ دیتے تھے۔

آگ کی بارش

حضرت یونسؑ نینوا تشریف لے گئے اور بادشاہ ''پول'' کو پیغام حق سنایا اور بادشاہ کو حکم دیا کہ اسرائیلی قیدیوں کو آزاد کر دے، شاہ نینوا غضبناک ہو کر آپؑ کی جان کا دشمن بن گیا۔ حضرت یونسؑ اس کوشش میں مصروف رہے کہ بادشاہ آپؑ کی بات اور آپؑ کے پیغام کو قبول کر لے لیکن جب کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو حضرت یونسؑ عوام کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں توحید کی دعوت دی، شرک و بت پرستی اور دیگر اخلاقی برائیوں سے منع فرمایا لیکن اہل نینوا نے حضرت یونسؑ کی تبلیغ اور تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ حضرت یونسؑ نے جب دیکھا کہ لوگ کسی طرح راہ راست پر آنے کے لئے تیار نہیں تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اس پر بھی لوگ نہ مانے تو آپؑ نے بادشاہ وقت اور اہل نینوا کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر تم نے چالیس دنوں کے اندر بت پرستی اور شرک سے توبہ نہیں کی اور ایک اللہ تعالیٰ کی پرستش نہیں کی اور اسرائیلیوں کو قید سے آزاد نہیں کیا تو تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا، پورا شہر تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

لوگوں نے آپؑ کا مذاق اڑایا اور کہا:

''تمہارے رب کی طرف سے عذاب کے منتظر رہیں گے۔''

ایک مہینہ کے بعد حضرت یونسؑ شہر سے دس بارہ کوس دور چلے گئے۔ پینتیسویں دن نینوا دھویں کی لپیٹ میں آ گیا اور آگ کی بارش شروع ہو گئی یہ صورتحال دیکھ کر اہل نینوا پریشان اور خوف زدہ ہو گئے، عورتوں بچوں اور بوڑھوں امراء و غرباء نے بوسیدہ لباس پہنا اور ایک وسیع میدان میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ استغفار کی اور صدق دل سے حضرت یونسؑ کی پیروی کا اقرار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب ٹل گیا۔

ٹاٹ کا لباس

توریت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

اور یوناہ شہر میں داخل ہوا اور ایک دن کی راہ چلا اس نے منادی کی اور کہا چالیس روز بعد نینوا تباہ ہو جائے گا۔ تب نینوا کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر روزے کی منادی کی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب نے ٹاٹ اوڑھا اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ تک پہنچی اور وہ اپنے تخت سے اٹھا اور شاہی لباس اتار کر ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا اور بادشاہ نے نینوا میں یہ منادی کروادی کہ کوئی انسان یا حیوان کھانا نہ کھائے پوری رعایا ٹاٹ پہنے گی، اپنے جانوروں پر بھی ٹاٹ کے جھول ڈال دیئے جائیں، سب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کریں، ہر شخص بری روش اور ظلم سے باز رہنے کا عہد کرے، شاید اللہ تعالیٰ رحم کریں اور اپنا ارادہ بدل دیں اور اس کے شدید عذاب سے ہمیں نجات مل جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکی یہ حالت دیکھی کہ وہ بری روش سے باز آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔

(یوناہ: باب ۳ آیت ۴۔۱۰)

''کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اسکا ایمان اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو، یونسؑ کی قوم کے سوا وہ قوم جو ایمان لے آئی تھی تو البتہ ہم نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا تھا اور اسکو ایک مدت تک زندگی سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیا تھا۔'' (سورۃ یونس۔ آیت 98)

حضرت یونسؑ شہر سے باہر نینوا کی تباہی کے منتظر تھے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل نینوا کی توبہ استغفار پر انہیں معاف کر دیا تھا اس لئے چالیس روز گزرنے کے بعد عذاب نازل نہیں ہوا تو حضرت یونسؑ یہ سوچ کر شہر میں نہیں گئے کہ اہل شہر انہیں جھوٹا سمجھیں گے۔ حضرت یونسؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ روایت کے مطابق آپؑ نے روم کی طرف سفر کیا۔ آپؑ کے ساتھ آپؑ کی زوجہ محترمہ اور دو بچے بھی تھے۔ دوران سفر ایک مقام پر حضرت یونسؑ اپنی بیگم اور بچوں کو چھوڑ کر کسی کام سے گئے تو اسی دوران وہاں

سے کسی بادشاہ کا گزر ہوا اس نے جب بیابان میں ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھا تو اُنہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔ حضرت یونسؑ جب واپس تشریف لائے تو اس واقعہ کو مشیت الٰہی سمجھ کر خاموش ہوگئے اور بچوں کے ساتھ دوبارہ سفر شروع کر دیا راستے میں ایک ندی پار کرنی تھی حضرت یونسؑ ایک بیٹے کو ندی کے کنارے چھوڑ کر دوسرے بیٹے کو کندھے پر سوار کر کے ندی پار کرنے لگے۔

حضرت یونسؑ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ ایک بیٹے کو دوسرے کنارے اتار کر واپس آکر دوسرے بیٹے کو لے جائیں گے، جب آپؑ ندی کے درمیان میں پہنچے تو ایک تیز لہر آئی اور بچہ پانی میں گر گیا، پانی کی تیز و تند لہریں بچے کو بہا کر لے گئیں، حضرت یونسؑ نے اس کو بھی مشیت الٰہی سمجھا اور کنارے پر آگئے لیکن ندی کے کنارے پہنچنے سے پہلے بچہ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ حضرت یونسؑ سفر کرتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پہنچے، ساحل پر مسافروں سے بھری ہوئی ایک کشتی تیار کھڑی تھی آپؑ اس میں بیٹھ گئے راستے میں کشتی طوفان کی زد میں آگئی اس وقت لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جب کوئی مفرور غلام کشتی میں سوار ہوتا ہے تو کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے، کشتی کے ناخدا (Captain) نے مسافروں سے کہا کہ اس وقت کشتی میں جو شخص مفرور غلام کی حیثیت سے سفر کر رہا ہے وہ دریا میں کود جائے ورنہ سارے مسافر ڈوب جائیں گے۔

مچھلی

حضرت یونسؑ نے جب یہ سنا تو یاد آیا کہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نینوا سے چلے آئے ہیں۔ حضرت یونسؑ نے (Captain) سے کہا: ”میں اپنے آقا کی مرضی کے بغیر اور اس کے حکم کا انتظار کئے بغیر چلا آیا ہوں لہٰذا میں ہی وہ غلام ہوں جس کی وجہ سے کشتی طوفان میں آگئی ہے۔ Captian“ نے ان کی پروقار شخصیت کو دیکھ کر پانی میں کودنے کی اجازت نہیں دی، جب طوفان کی شدت میں مسلسل اضافہ ہونے لگا تو فیصلہ کیا گیا کہ قرعہ اندازی کی جائے قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے اس کو پانی میں پھینک دیا جائے، قرعہ اندازی میں حضرت یونسؑ کا نام نکلا، تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر بار حضرت یونسؑ کا ہی نام نکلا، لوگوں نے مجبوراً آپؑ کو دریا میں پھینک دیا، دریا میں گرتے ہی ایک بڑی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔

”اور یقیناً یونس بھی رسولوں میں سے تھا یاد کرو جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور نکلا خطاوار پھر مچھلی نے اسے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔“ (سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 139 تا 142)

حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں اپنی بھول کا احساس ہوا اور آپؑ اپنی بھول پر نادم اور شرمسار ہوئے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے معافی طلب کی رحیم و کریم ہستی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کی اور آپؑ کو اس تکلیف سے نجات عطا کی۔
”اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ اسے پکڑ نہیں سکیں گے۔ آخر وہ اندھیروں کے اندر سے اللہ کو پکارنے لگا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے ان کو نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔“ (سورۃ انبیاء۔ آیت 87 تا 88)

سایہ دار درخت

کتاب یوناہ باب ۲ حضرت یونسؑ کی دعاؤں پر مشتمل ہے جو آپؑ نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کے حضور احساس ندامت کے تحت مانگی تھیں، توریت کے مطابق آپؑ مچھلی کے پیٹ میں تین دن اور تین رات رہے بالآخر مچھلی نے آپ کو اللہ کے حکم سے خشکی پر اگل دیا، گرمی کی شدت اور دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک سایہ دار درخت اگا دیا۔

"اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روز قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتا آخر ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیا اور اس پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔"(سورۃ الصٰفٰت۔143 تا146)

دیمک

بتایا جاتا ہے کہ یہ بیل دار درخت کدو کا درخت تھا، مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونسؑ کا جسم کسی نومولود پرندے کے جسم کی طرح نرم و نازک اور ملائم ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آپؑ کی صحت بحال ہو گئی اور آپؑ اس مقام پر جھونپڑی بنا کر رہنے لگے، چند ہی روز گزرے تھے اس بیل کے درخت کی جڑ کو دیمک نے کھالیا، حضرت یونسؑ درخت سوکھ جانے پر پریشان ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تم اس درخت کے اجڑنے پر رنجیدہ ہو لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ نینوا جو ایک لاکھ سے زائد افراد پر مشتمل شہر ہے، کیا مجھے اس کے برباد ہونے پر ناگواری نہیں ہو گی؟"

("پرانا عہد نامہ" ۔یوناہ۔ باب ۴۔ آیت ۱۱،۱۰۔ کتاب مقدس)

استغفار

حضرت یونسؑ نے بارگاہ الٰہی میں توبہ استغفار کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ دوبارہ اپنی قوم کی ہدایت و رہبری کے لئے نینوا جاؤ۔ حضرت یونسؑ اپنی قوم میں پہنچے تو اہل نینوا نے آپؑ کا پرجوش استقبال کیا اور پوری قوم آپؑ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئی۔

"اسکے بعد ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا اور وہ ایمان لائے اور ہم نے ایک وقت خاص تک انہیں باقی رکھا۔"(سورۃ الصٰفٰت۔ آیت 147 تا148)

آپؑ کی زوجہ اور بچے جو دوران سفر آپؑ سے جدا ہو گئے تھے آپؑ کو دوبارہ مل گئے حضرت یونسؑ نے باقی عمر نینوا میں گزاری اور موصل کے قریب دفن ہوئے۔

بھاگے ہوئے غلام

آج کے دور میں پوری امت مسلمہ کے لئے یہ واقعہ نشان عبرت ہے، چشم بینا دیکھتی ہے کہ زمین اس وقت فساد سے بھر گئی ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی عنوان سے اللہ تعالیٰ کے راستے سے انحراف کر رہا ہے یعنی ہم سب آزاد ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سب بھاگے ہوئے غلام ہیں حضرت یونسؑ کا واقعہ درس عبرت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے پیغمبروں کے حالات پر تفکر کر کے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔

حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمانؑ پیغمبرانہ صفات کے حامل ایک صاحب حکمت اور برگزیدہ بندے ہیں۔ آپؑ کے نام سے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں "سورۃ لقمان" نازل کی ہے۔ تاریخ میں آپؑ کی شخصیت اور زمانے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض مورخین کے مطابق حضرت لقمانؑ کا تعلق قوم عاد سے تھا اور آپؑ یمن کے بادشاہ تھے۔ لیکن اکثریت کی رائے میں آپؑ حبشی النسل تھے اور سوڈان کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپؑ حضرت داؤدؑ کے ہم عصر تھے اور قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ شواہد ملتے ہیں کہ "صحیفہ لقمان" کے نام سے آپؑ کے اقوال کا ایک مجموعہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں موجود تھا۔ قرآن حکیم نے حضرت لقمانؑ کو مواحد اور حکیم بیان کیا ہے۔

"اور ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ وہ اللہ کا شکر گزار ہو۔" (سورۃ لقمان۔ آیت 12)

حضرت لقمانؑ کی تعلیمات

حضرت لقمانؑ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ،

"اے بیٹا! جب کسی صحبت میں جاؤ تو لوگوں کو سلام کر کے بیٹھ جاؤ۔ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں تو ٹھہر جاؤ اور اگر کسی اور کے ذکر میں مصروف ہوں تو ان کی صحبت چھوڑ دو اور دامن جھاڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"اے بیٹا برے لوگوں سے پناہ مانگتے رہو اور جو اچھے ہیں ان کی صحبت اختیار کرو۔ دنیا میں نہ پھنسو اور اپنے دل کو اس میں نہ لگاؤ۔ کیونکہ تم دنیا کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔"

"اے بیٹا جو کوئی دوسروں پر رحم کرتا ہے، خود اس پر بھی رحم کیا جاتا ہے۔ جو خاموش رہتا ہے، امن میں رہتا ہے۔ جو اچھی بات کہتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو شخص جھوٹ بولتا ہے، گنہگار ہے۔ جو زبان اپنے قابو میں نہیں رکھتا، وہ نادم ہوتا ہے۔ اے بیٹا! برگزیدہ علماء کی صحبت میں گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور ان کی خدمت میں خاموش بیٹھ کر ان کی باتیں سنو۔ اس لئے کہ علماء کے نور سے دل اس طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح مردہ زمین آسمان کی بارش سے (زندہ) ہو جاتی ہے۔"

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اور ہم نے لقمان کو عقلمندی دی کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ تو بے نیاز اور حمید ہے۔ اور لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بلاشبہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! چاہے کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور اپنے سامنے حاضر کریں گے۔ بے شک اللہ ہر چھپی سے چھپی چیز کو دیکھنے والا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کر اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روک دے اور جو کچھ مصیبت تجھ پر پڑے سب کو جھیل بے شک ہمت کے کام یہی ہیں اور دیکھ لوگوں کے سامنے اپنا منہ مت پھلانا اور زمین پر اترا کر مت چلنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو اترانے والے اور خود اپنی بڑائی جتانے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔ اور اعتدال کی چال چلنا اور اونچی آواز سے بات نہیں کرنا۔ بلاشبہ سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔" (سورۃ لقمان۔ آیت 12 تا 19)

شکر کا مفہوم "استعمال" ہے

حضرت لقمانؑ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو علم نبوت سے سرفراز کیا تھا۔ حضرت لقمانؑ نے ایک ہزار برس کی عمر پائی۔ حضرت لقمانؑ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑی بوٹیوں میں خاصیت کا علم عطا کیا تھا اور جڑی بوٹیاں انہیں اپنی اپنی خاصیت سے آگاہ کرتی تھیں۔ حضرت لقمانؑ نے علم طب کی تدوین کی۔ دواؤں کی خاصیت اور ان کے استعمال کے طریقے بتائے۔ حضرت لقمانؑ کے قصے سے اس بات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ شکر کا مفہوم استعمال ہے اگر حضرت لقمانؑ حکمت و دانائی کو استعمال نہیں کرتے اور لوگوں تک علم منتقل نہیں کرتے اور صرف زبان سے یا اللہ تیرا شکر یا اللہ تیرا شکر کرتے رہتے تو شکر کا تقاضہ پورا نہ ہوتا۔

مثال

اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین لباس عطا فرماتے ہیں اور آپ اسے الماری میں سجا کر رکھ دیں، زیب تن نہ کریں تو شکر کا مفہوم پورا نہیں ہوگا۔ لباس کو پہنیں، آرام پائیں، خوش ہوں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ یہی شکر ہے۔ حضرت لقمانؑ کا بیٹا اور حضرت خضرؑ حضرت لقمانؑ سے کسی نے قرض لیا۔ بہت دنوں کے بعد اس شخص نے حضرت لقمانؑ کو پیغام بھجوایا کہ مجھے کاروبار زندگی سے فرصت نہیں ہے اور کوئی معتبر آدمی ملتا نہیں ہے۔ گزارش ہے کہ صاحب زادے کو بھیج دیجئے تاکہ میں قرض واپس کر دوں۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جاتے وقت بیٹے کو تین نصیحتیں کیں۔ فرمایا!

۱۔ پہلی منزل پر راستے میں ایک برگد کا درخت ہے اس کے نیچے نہیں سونا۔

۲۔ دوسری منزل میں ایک بہت بڑا شہر آئے گا اس میں قیام نہیں کرنا۔ شہر میں کھانے پینے کے بعد جنگل میں چلے جانا۔

۳۔ تیسری بات یہ یاد رکھنا کہ جس شخص سے قرض وصول کرنا ہے اسکے گھر نہیں ٹھہرنا۔ البتہ راستے میں کوئی واقف اور تجربہ کار بندہ ملے اور ہمارے نصیحت کے خلاف تمہیں کوئی ہدایت دے تو تم اس پر عمل کرنا۔

حضرت لقمانؑ کے بیٹے نے ابھی تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا کہ راستے میں ایک بوڑھے مسافر ملے۔ پوچھا،

"میاں صاحبزادے کہاں جا رہے ہو؟"

حضرت لقمانؑ کے بیٹے نے کہا،

"میں اپنے والد کا قرض وصول کرنے جا رہا ہوں۔"

بزرگ بولے!

"مجھے بھی اسی شہر جانا ہے۔ اچھا ہوا کہ ہمارا ساتھ ہو گیا۔"

جب پہلی منزل آئی تو بزرگ نے فرمایا،

"اس درخت کے نیچے رہیں گے تاکہ شبنم سے محفوظ رہیں۔"

لڑکا بولا،

"محترم بزرگ! مجھے اس درخت کے نیچے ٹھہرنے کو والد صاحب نے منع کیا تھا۔"

بزرگ نے پوچھا،

"کچھ اور بھی کہا تھا؟"

لڑکے نے کہا،

"جی ہاں! والد صاحب نے کہا تھا کہ اگر کوئی اس راہ کا واقف ملے تو اس کی بات پر عمل کرنا۔"

بزرگ بولے،

"ہم اس راستے سے خوب واقف ہیں تم ہمارا کہنا مانو۔"

غرض دونوں نے درخت کے نیچے بسیرا کیا۔ آدھی رات گئے ایک سانپ درخت پر سے اترا۔ بزرگ نے سانپ کو مار کر ڈھال سے ڈھانپ دیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کے دل میں وسوسہ آیا کہ، "اباجی نے خواہ مخواہ منع کیا تھا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں تو خوب آرام سے سویا ہوں۔"

یہ خیال روشن ضمیر بزرگ نے محسوس کر لیا اور صاحبزادے سے کہا،

”ڈھال اٹھاؤ“!

ڈھال کے نیچے مرا ہوا سانپ پڑا تھا۔ لڑکے کے دماغ میں والد کی طرف سے جو وسوسہ آیا تھا اس کی اصلاح ہو گئی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

بزرگ نے لڑکے سے کہا،

”صاحبزادے! سانپ کا سر کاٹ کر اپنے پاس رکھ لو۔“

اس نے سانپ کا سر کاٹ کر اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ دوسرے دن یہ دونوں ایک بڑے شہر میں پہنچے۔ بزرگ نے فرمایا،
”رات کو اسی شہر میں قیام کریں گے۔“

دھونی

اور دونوں ایک مسافر خانہ میں جا ٹھہرے۔ اس شہر کا یہ عجیب دستور تھا کہ جب کوئی جوان مسافر شہر میں آجاتا تو بادشاہ اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دیتا تھا اور صبح کے وقت اس کی لاش ملتی تھی۔ الغرض بادشاہ کو جب خبر پہنچی تو اس نے نوجوان مسافر کو طلب کیا۔ دلہن کے کمرے میں جانے سے پہلے پیر دانا نے فرمایا کہ،

”پہلے اس سانپ کے سر کو جو تمہارے پاس ہے آگ میں رکھ کر اپنی بیوی کو دھونی دینا۔“

لڑکے نے ایسا ہی کیا اور وہ زندہ رہا۔ بات دراصل یہ تھی کہ عورت کے رحم میں ایک زہریلا پھوڑا تھا۔ یہ ایسا مرض تھا کہ جب اس کے پاس کوئی مرد جاتا تھا زہر چڑھ جاتا تھا اور دولہا مر جاتا تھا۔ اس دھونی کی تاثیر سے مرض ختم ہو گیا اور صبح کو لڑکا زندہ سلامت محل سے باہر آیا۔ کچھ دنوں بعد وہ دونوں اس شہر سے روانہ ہوئے اور اس بستی میں پہنچ گئے جہاں مقروض کا گھر تھا۔ دانا بزرگ نے فرمایا،

”بھائی! اس کے گھر میں ہی ٹھہریں گے۔“

چنانچہ رات کو وہیں قیام کیا۔ میزبان کی نیت میں پہلے ہی فتور تھا۔ اس نے سوچا، دونوں کو قتل کر دیا جائے تاکہ قرض کا روپیہ واپس نہ کرنا پڑے۔

میزبان نے مہمانوں سے پوچھا،

”صاحبو! اندر سوؤ گے یا باہر صحن میں؟“

بزرگ بولے،

"گرمی ہے ہم باہر سوئیں گے۔"

چنانچہ دونوں صحن میں لیٹ گئے۔ گھر کے اندر کمرے میں صاحب خانہ کے دو لڑکے سوئے ہوئے تھے۔ جب آدھی رات ہوئی تو بزرگ نے حضرت لقمانؑ کے بیٹے کو جگایا اور کہا،

"سردی ہو گئی ہے اندر چلو۔"

دونوں اندر کمرے میں گئے اور میزبان کے لڑکوں کو جگا کر کہا: "بھائی! ہمیں باہر سردی لگتی ہے۔ تم ہماری جگہ سو جاؤ۔ ہم کمرے میں سوئیں گے۔"

جب تین پہر رات گزر گئی اور ہر طرف نیند کا پہرہ ہو گیا۔ تو مالک مکان آیا اور باہر سوئے ہوئے اپنے دونوں لڑکوں کو قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیٹے مردہ پڑے ہیں۔ اسے نہایت صدمہ ہوا مگر چپ ہو گیا اور دل پر پتھر کی سل رکھ لی۔ چار و ناچار مہمانوں کو روپیہ دے کر رخصت کر دیا۔ واپسی میں جب اس مقام پر پہنچے جہاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی تو بزرگوار نے کہا،

"بیٹا خدا حافظ! اب ہم جاتے ہیں۔ اپنے والد سے ہمارا سلام کہنا۔"

لڑکے نے پوچھا،

"میرے اچھے بزرگ! آپ کا نام کیا ہے؟"

بزرگ نے فرمایا،

"تمہارے ابا ہمارا نام جانتے ہیں۔"

بیٹا جب باپ کی خدمت میں پہنچا اور سفر کی روئداد سنا کر اپنے والد سے سوال کیا،

"وہ بزرگ کون صاحب تھے؟"

حضرت لقمانؑ نے فرمایا،

"وہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔"

حضرت ذوالقرنین

یاجوج ماجوج

"اور اے محمدؐ! یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں ان سے کہو کہ اس کا کچھ حال تم کو سناتا ہوں۔ ہم نے اسے زمین میں اقتدار عطا کر رکھا تھا اور اسے ہر قسم کے اسباب و وسائل بخشے تھے، اس نے پہلے (مغرب کی طرف ایک مہم کا) سر و سامان کیا، حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گیا تو اس نے سورج کو ایک کالے پانی میں ڈوبتے دیکھا اور وہاں اسے ایک قوم ملی ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تجھے یہ قدرت حاصل ہے کہ تو ان کو تکلیف پہنچائے اور یہ بھی کہ ان کے ساتھ نیک رویہ اختیار کرے۔ اس نے کہا جو ان میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے اور زیادہ سخت عذاب دے گا اور جو ان میں سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کے لئے اچھی جزا ہے اور ہم اس کو نرم احکام دیں گے۔ پھر اس نے (ایک دوسری مہم کی) تیاری کی یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی حد تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لئے دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان ہم نے نہیں کیا ہے۔ یہ حال تھا ان کا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اسے ہم جانتے تھے پھر اس نے (ایک اور مہم کا) سامان کیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان کے پاس ایک قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم تجھے کوئی خرچ اس کام کے لئے دیں کہ تو ان کے اور ہمارے درمیان ایک بند تعمیر کر دے۔ اس نے کہا جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے وہ بہت ہے تم بس محنت سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنا دیتا ہوں مجھے لوہے کی چادریں لا دو آخر جب وحشی اور صحرا نشین قبائل آباد تھے، یہ قوم اخلاقی اقدار سے بے بہرہ اور متمدن زندگی سے غیر مانوس تھی، طلوع آفتاب کے ساتھ جوں جوں دھوپ پھیلتی وحشی قوم میں توانائی آجاتی تھی اور آفتاب ڈھلنے کے ساتھ وہ کمزور اور لاغر ہو جاتے تھے، سورج غروب ہو جانے کے بعد ایسا لگتا تھا کہ ان کے جسم کی جان نکل گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"پھر اس نے (ایک دوسری مہم کی) تیاری کی یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی حد تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لئے دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان ہم نے نہیں کیا ہے یہ حال تھا ان کا۔" (سورۃ کہف۔ آیت 90)
یاجوج، ماجوج کے بارے میں طرح طرح کی قیاسی کہانیاں مشہور ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ جہاں زمین کی حد ختم ہوتی ہے وہاں پہاڑوں کی ایک جانب یاجوج، ماجوج کی قوم آباد ہے اور دوسری جانب ایک عابد و زاہد قوم آباد ہے اس قوم میں بڑے دانا اور حکیم بھی موجود ہیں، یہ پہاڑ اتنے بلند تھے کہ ان کو عبور کرنا مشکل تھا۔ پہاڑیوں کے درمیان کچھ حصہ میدانی تھا اس راستے سے یاجوج ماجوج آکر نیک لوگوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ ذوالقرنین نے بستی کے نیک لوگوں کو نصیحت کی اور انہیں اللہ کے احکامات سنائے ان لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یاجوج، ماجوج کے ظلم و ستم کی شکایت کی اور بادشاہ سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ بادشاہ نے یاجوج، ماجوج کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا ایک پہاڑ پر یاجوج اور اس کی اولاد، دوسرے پہاڑ پر ماجوج اور اس کی اولاد رہتے ہیں۔

یاجوج، ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں یہ دونوں اور ان کے اہل خانہ طوفان نوح کے بعد بچ گئے تھے۔ یاجوج، ماجوج کے بارے میں من گھڑت باتوں میں ایک ناقابل قبول بات یہ ہے کہ اس قوم کے بعض افراد کوتاہ قد ہیں، بعض افراد کے قد تین فٹ اور بعض افراد کے قد ایک بالشت (بالشتیے) کے برابر ہیں۔ بعض افراد کے کان اتنے بڑے ہیں کہ زمین پر لٹکے رہتے ہیں جب سوتے ہیں تو یہ اپنا ایک کان زمین پر بچھا لیتے ہیں اور دوسرا کان اوڑھ لیتے ہیں۔

یہ قوم تہذیب و تمدن اور اخلاقی اقدار سے ناآشنا ہے رہن سہن جانوروں کی طرح ہے۔ ان کے کھیتوں میں تل کی کاشت ہوتی ہے دوسری کوئی چیز نہیں اُگتی تل ہی ان کی غذا ہے وہ لوگ Uncivilized ہیں، خدا کو نہ جانتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ یاجوج، ماجوج کے بارے میں ظلم و ستم کی داستان سن کر سکندر ذوالقرنین نے ان دو پہاڑوں کے درمیان دیوار بنانے کے احکامات جاری کردیئے چنانچہ لوہے کی بڑی بڑی شیٹیں جوڑ کر ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر انہیں دونوں پہاڑوں کی Valley میں رکھ دیا گیا اور لوہے کی چادروں کو آگ سے سرخ کرکے ان پر سیسہ پگھلا کر ڈال دیا یوں ایک عظیم الشان دیوار جسے " سد سکندری "کا نام دیا گیا تیار ہوگئی۔ "پھر اس نے (ایک اور مہم کا) سامان کیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان کے پاس ایک قوم ملی جو مشکل سے کوئی بات سمجھتی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم تجھے کوئی خرچ اس کام کے لئے دیں کہ تو ان کے اور ہمارے درمیان ایک بند تعمیر کردے۔ اس نے کہا جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا وہ بہت ہے تم بس محنت سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنا دیتا ہوں مجھے لوہے کی چادریں لادو آخر جب دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی کو اس نے پاٹ دیا تو لوگوں سے کہا کہ اب آگ دہکاؤ حتیٰ کہ جب (یہ آہنی دیوار) بالکل آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو اس نے کہا لاؤ اب میں اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلوں گا۔" (سورۃ کہف۔ 92 تا 96)

فیاض حکمران

ذوالقرنین ایک عظیم فاتح تھا۔ توحید اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا۔ عدل و انصاف کرنے والا فیاض حکمران تھا۔ ذوالقرنین ایرانی فرماں روا تھا اس کا عروج ۵۳۵ قبل مسیح کے قریب شروع ہوا۔ اس نے چند سالوں میں "میڈیا" اور "لیڈیا" کی سلطنتوں کو فتح کرنے کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کرلیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستے میں مزاحم نہیں رہی اسکی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور" صغد" سے لیکر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف گریس (Greece) اور مقدونیہ تک وسیع ہوگیا اور شمال میں اسکی سلطنت "قفقاز" اور "خوارزم" تک پھیل گئی۔ اس وقت کی پوری مہذب دنیا پر اسکی حکمرانی تھی۔

ذوالقرنین کی فتوحات مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے تمام ساحل اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں۔ یاجوج، ماجوج کاکیشیا کے پہاڑی علاقوں کے قبائل ہیں، کاکیشیا بحر خزر اور بحر اسود کے درمیان واقع ہے۔ سکندر ذوالقرنین مختلف ممالک فتح کرتا ہوا مشرق کی جانب ایسے علاقے میں پہنچ گیا جہاں مہذب دنیا کی سرحد ختم ہوگئی تھی اور آگے ایسی وحشی قوموں کا علاقہ تھا جو عمارت بنانا تو درکنار خیمے بنانا بھی نہیں جانتی تھی، سخت وحشی ہونے کے سبب نہ کوئی ان کی زبان سمجھتا تھا اور نہ وہ کسی اور کی زبان سے واقف تھے۔ ذوالقرنین کے عدل کی تعریف اس کے دشمنوں نے بھی کی ہے۔ بائبل اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا

جس نے بنی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کروایا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے بیت المقدس میں دوبارہ ہیکل سلیمان کی تعمیر کا حکم دیا یاجوج، ماجوج کے شر سے بچنے کے لئے دیوار تعمیر ہونے کے بعد ذو القرنین نے کہا!

"اگرچہ میں نے اپنی بساط کے مطابق دیوار کو نہایت مضبوط بنادیا ہے مگر یہ لازوال نہیں ہے جب تک اللہ چاہے گا یہ قائم رہے گی اور جب اس کی عمر ختم ہوجائے گی تو اس کو پارہ پارہ ہونے سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ اللہ کے علاوہ ہر چیز کیلئے فنا ہے۔"

اس واقعہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین جس کی عظمت کا حال سنایا گیا ہے محض ایک فاتح نہیں تھا بلکہ توحید اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ عدل وانصاف اور فیاضی کے اصولوں کا حامل تھا۔ ذوالقرنین اپنی رعایا کا ہمدرد اور ان کی دیکھ بھال کرنیوالا بادشاہ تھا۔ اس میں دوسرے بادشاہوں کی طرح کبر ونخوت اور غرور نہیں تھا۔

اہل تکوین قوموں کو عروج بخشنے کے لئے ذلت اور رسوائی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ترغیبی پروگرام بناتے ہیں۔ یہ پروگرام ملائکہ ارضی انسپائر کرتے رہتے ہیں۔

جنوری ۱۹۶۰ء میں ایک مجلس میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔

"چینی قوم کے لئے فرشتے ایک لاکھ ترغیبی پروگرام انسپائر کرتے ہیں یہ ایک ایسی محب الوطن قوم ہے کہ ایک پروگرام بھی رد نہیں کرتی سب کا سب انسپائریشن قبول کرلیتی ہے۔"

حضرت مریم علیہا السلام

فلسطین کی سرزمین پر عمران نامی ایک عابد اور زاہد شخص تھے۔ ان کی بیوی حنّہ بہت نیک اور عابدہ خاتون تھیں۔ دونوں میاں بیوی بنی اسرائیل میں محبوب ومقبول تھے۔ عمران حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں سے ہیں اور حنّہ فاقو بن قبیل بھی حضرت داؤدؑ کی نسل میں سے ہیں۔ عمران کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک مرتبہ حنّہ اپنے گھر کے صحن میں چہل قدمی کررہی تھیں انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو چونگا (منہ میں کھانا اُگل) رہا ہے یہ دیکھ کر ممتا کے جذبات سے دل بھر آیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی،

"اے میرے پیارے اللہ! مجھے اولاد عطا کرتا، کہ وہ ہم دونوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے۔"

دل سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی حنہ نے چند روز کے بعد محسوس کیا کہ وہ ماں بننے والی ہیں، انہیں دلی مسرت ہوئی اور جذبہ تشکر سے انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی۔

حنّہ کے شوہر عمران

ماں بننے سے پہلے حنہ کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا، بعد میں لڑکی پیدا ہوئی حنہ کیلئے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی مگر یہ احساس دامن گیر ہوا کہ میں نے جو نذر مانی ہے وہ پوری نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتا کر خوش کر دیا کہ، ''ہم نے تیری لڑکی کو قبول کیا اور لڑکی کی وجہ سے تمہارا خاندان معزز اور مبارک ہو گا۔''

حنہ نے لڑکی کا نام ''مریم'' رکھا۔ سُریانی زبان میں مریم کے معنی خادمہ کے ہیں۔

''بیشک اللہ نے تمام جہاں کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) کو، ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا۔ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے، (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں، میں نے اسکا نام مریم رکھا، میں اسے اور اسکی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اسے اسکے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کی بہترین پرورش کی۔ ''

(سورۃ آل عمران۔ آیت 33 تا 37)

حضرت مریمؑ جب شعور کو پہنچیں تو یہ معاملہ درپیش ہوا کہ مقدس ہیکل کی یہ امانت کس کے سپرد کی جائے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقدس امانت کا کفیل مجھے بنایا جائے۔ حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے خالو تھے اور مقدس ہیکل کے معزز کاہن اور نبی تھے، اس لئے یہ سعید امانت ان کے سپرد کر دی گئی۔ حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے ہیکل کے قریب ایک حجرہ مخصوص کر دیا تا کہ وہ دن میں عبادت الٰہی میں مصروف رہیں اور جب رات ہوتی تو وہ اپنے گھر لے جاتے تھے۔ حضرت مریمؑ عبادت میں مصروف رہتیں ان کے سپرد ہیکل کی جو خدمت کی گئی تھی اسے بھی نہایت احسن طریقہ سے پورا کرتی تھیں۔

بے گمان رزق

حضرت زکریاؑ، حضرت مریمؑ کی ضروری نگہداشت کے سلسلہ میں کبھی کبھی حجرے میں تشریف لے جاتے تھے ان کو یہ بات عجیب لگتی تھی کہ مریمؑ کے پاس اکثر بے موسم کے تازہ پھل موجود ہوتے تھے۔ ایک روز انہوں نے دریافت کیا،

''مریم! تیرے پاس یہ بے موسم پھل کہاں سے آتے ہیں؟''

بی بی مریم نے کہا،

''اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق عطا کرتا ہے۔''

حضرت زکریاؑ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مریمؑ کا خاص مرتبہ ہے، ساتھ ہی بے موسم تازہ پھلوں کے واقعہ نے دل میں یہ تمنا پیدا کر دی کہ جس اللہ نے اپنی قدرت سے بے موسم پھل پیدا کر دیئے ہیں وہ میرے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود مجھے بیٹا ضرور عطا کرے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی،

"اور اس کی کفالت زکریاؑ نے کی۔ جب اس کے پاس زکریاؑ داخل ہوتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں رکھی دیکھتے تھے۔ زکریاؑ نے کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا یہ اللہ کے پاس سے آئے ہیں بلاشبہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 37)

برگزیدہ عورت

حضرت بی بی مریمؑ اپنے مقدس مشاغل کے ساتھ پاک زندگی بسر کرتی رہیں، حضرت زکریاؑ ان کے زہد و تقویٰ سے بے حد متاثر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کا درجہ اور زیادہ بلند کیا اور فرشتوں کے ذریعے ان کو بارگاہِ الٰہی میں برگزیدہ ہونے کی بشارت سنائی گئی۔

"جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا۔ اے مریم! اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 42 تا 43)

حضرت عیسیٰؑ ان چند اولوالعزم، جلیل القدر اور مقدس رسولوں میں سے ہیں جن کی آمد کی بشارت متعدد انبیاء کرام نے دی ہے۔

"اور موسیٰ نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر (ساعیر) سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔" (باب 33۔ آیت 20)

حضرت یسعیاہ نبیؑ کے صحیفہ میں ہے۔

دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا، بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ۔

فرشتہ

عابدہ و زاہدہ عفت مآب مریمؑ اپنے حجرے میں عبادت میں مشغول رہتی تھیں، ضرورت کے بغیر باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب لوگوں سے دور ایک گوشے میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اچانک انسانی شکل میں فرشتہ ظاہر ہوا اور حضرت مریمؑ نے ایک اجنبی شخص کو اپنے سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور فرمایا،

"اگر تجھ کو کچھ بھی اللہ کا خوف ہے تو میں اللہ کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔"

فرشتہ نے کہا،

"مریم! خوف نہ کر میں انسان نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔"

مریمؑ نے یہ سنا تو تعجب سے کہا،

"لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ مجھے آج تک کسی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔"

فرشتہ نے کہا،

"میں تو تیرے پروردگار کا قاصد ہوں، اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ کام میں اس لئے کروں گا کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کا "نشان" بنادوں اور لڑکا میری جانب سے "رحمت" ثابت ہو گا۔ اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا کلمہ ہو گا اس کا لقب مسیح اور نام عیسیٰ ہو گا اور وہ دنیا و آخرت میں باوجاہت اور صاحب عظمت رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے نشان کے طور پر شیر خوار بچہ باتیں کرے گا اور یہ سب اس لئے ضرور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطا کریں گے، اس کو حکم سکھائے گا، اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے نبی اور پیغمبر بنائیں گے۔"

قرآن حکیم نے ان واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے،

"(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب فرشتوں نے مریم سے کہا، اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا پورا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا وہ دنیا اور آخرت میں صاحبِ وجاہت اور ہمارے مقربین میں سے ہو گا اور وہ (ماں کی) گود میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہو گا۔ مریم نے کہا، میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ فرشتہ نے کہا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے، وہ جب کسی شے کے لئے حکم کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے اور اللہ اس کو کتاب و حکمت اور تورات اور انجیل کا علم عطا کرے گا اور وہ اللہ کا رسول ہو گا۔"

(سورۃ آل عمران۔ آیت 45 تا 49)

"اور اے پیغمبر! کتاب میں مریم کا واقعہ ذکر کر و اس وقت کا ذکر جب وہ ایک جگہ پورب کی طرف تھی اپنے آدمیوں سے الگ ہوئی پھر اس نے لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا۔ پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہو گیا۔ مریم اسے دیکھ کر گھبرا گئی اور بولی اگر تو نیک آدمی ہے تو میں خدائے رحمن کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتے نے کہا میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں اور اس لئے ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دوں۔ مریم بولی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بد چلن ہوں فرشتہ نے کہا، ہو گا ایسا ہی تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے مشکل نہیں وہ کہتا ہے کہ یہ اس لئے ہو گا کہ اس کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنادوں اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے ہو چکا ہے۔" (سورۃ مریم۔ آیت 16 تا 21)

بشری تقاضے کے تحت مریمؑ پر اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اس کیفیت نے اس وقت شدت اختیار کرلی جب ولادت کا وقت قریب آگیا۔ انہوں نے سوچا کہ لوگوں کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے، ولادت کا مرحلہ یہاں پیش آیا تو بہت بدنامی ہوگی اس لئے مناسب یہ ہے کہ کہیں دور چلی جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ یروشلم سے تقریباً نو میل دور کوہ سراہ (ساعیر) کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں۔ جو اب ''بیت اللحم'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پہنچ کر چند روز بعد دردِزہ شروع ہوا تو تکلیف اور اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور بعد میں پیش آنے والے حالات کا اندازہ کر کے انتہائی دکھ سے کہنے لگیں، ''کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور لوگ میری ہستی فراموش کر چکے ہوتے۔''

اے مریم! تو غمگین نہ ہو

تب نخلستان کے نشیب سے فرشتے نے پھر پکارا،

مریم! غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تازہ کھجوریں گریں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں بچے کے نظارے سے ٹھنڈی کر پھر اگر آدمی نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمن کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے اس لئے آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔

(سورۃ مریم۔ آیت 24 تا 26)

تنہائی اور تکلیف میں پیش آنے والے حالات سے حضرت مریمؑ پر جو خوف طاری ہو گیا تھا فرشتے کی تسلی آمیز باتوں سے راحت میں بدل گیا، تاہم یہ خیال بے چین کئے ہوئے تھا کہ اگرچہ خاندان والے اور قوم میری عصمت و پاکدامنی پر یقین رکھتے ہیں پھر بھی اس حیرت کو کس طرح مٹایا جاسکے گا کہ باپ کے بغیر بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے مریمؑ کے پاس پھر یہ پیغام بھیجا کہ،

جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ تجھ سے اس معاملے کے متعلق سوالات کریں تو جواب نہ دینا بلکہ اشارے سے بتا دینا کہ میں روزے سے ہوں، اس لئے آج کسی سے بات نہیں کر سکتی، جو کچھ دریافت کرنا ہے اس بچے سے پوچھ لو۔ تیرا پروردگار قدرت کاملہ کا نشان ظاہر کر کے ان کی حیرت کو دور کر دیگا۔

حضرت مریمؑ وحی الٰہی سے مطمئن ہو گئیں اور بچہ کو گود میں لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب شہر پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہا،

''اے ہارون کی بہن! یہ کیا تو نے بھاری تہمت کا کام کر لیا۔ نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی۔''

مریم نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا،

"جو کچھ پوچھنا ہے اس سے معلوم کر و میں آج روزہ سے ہوں۔"

لوگوں نے نہایت تعجب کے ساتھ کہا،

"ہم کس طرح اس شیر خوار بچے سے پوچھ سکتے ہیں جو ابھی ماں کی گود میں ہے؟"

مگر بچہ فوراً بول اٹھا،

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے مبارک بنایا ہے خواہ میں کسی حال میں ہوں یا کسی جگہ پر ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک زندہ ہوں میرا یہی شعار ہو گا اور میرے پروردگار نے مجھ کو میری ماں کا خدمت گزار بنایا ہے، خود سر اور نافرمان نہیں بنایا اور پھر اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔"(سورۃ مریم۔ آیت 30 تا 33)

"اور اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی پاک دامنی کو قائم رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا اور اس کو اور اس کے لڑکے کو جہاں والوں کے لئے نشان ٹھہرایا۔"

(سورۃ انبیاء۔ آیت 91)

"اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی عصمت کو برقرار رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا۔"(سورۃ تحریم۔ آیت 12)

بنی اسرائیل نے جب ایک شیر خوار بچے سے یہ حکیمانہ کلام سنا تو وہ حیرت زدہ ہو گئے۔ انہیں یقین آ گیا کہ مریم ہر قسم کی برائی سے پاک ہیں اور بچے کی پیدائش یقیناً اللہ کی طرف سے ایک "نشان" ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے جو لوگ راست باز تھے انہوں نے اس کے وجود کو بابرکت سمجھا شری اور فسادی لوگوں نے اس کی ہستی کو فعل بد سمجھا اور بغض و حسد کے شعلوں نے اندر ہی اندر ان کو جلانا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی میں اس مقدس بچے کی تربیت اور حفاظت فرماتے رہے۔

"اور ہم نے عیسیٰؑ بن مریم اور اس کی ماں کو نشان بنا دیا اور ان دونوں کا ایک بلند مقام پر ٹھکانہ بنایا جو سکونت کے قابل اور چشمے والا ہے۔"(سورۃ مومنون۔ آیت 50)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

"جب بغاوت و سرکشی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی آغوش بھر دی۔

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد ہم پیغمبر بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے اس کی روح پاک کو (جبرائیل) کے ذریعے قوت و تائید عطا کی۔ کیا جب تمہارے پاس پیغمبر ایسے احکام لے کر آیا جن پر عمل کرنے کو تمہارا دل نہیں چاہتا تو تم نے غرور کو شیوہ (نہیں) بنالیا؟ پس (پیغمبر کی) ایک جماعت کو جھٹلاتے ہو تو ایک جماعت کو قتل کر دیتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارے دل (قبول حق کے لئے) غلاف میں ہیں (یہ نہیں) بلکہ ان کے کفر کرنے پر اللہ نے ان کو ملعون کر دیا ہے، پس بہت تھوڑے سے ہیں جو ایمان لائے ہیں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 87 تا 88)

"اور میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو میرے سامنے ہے اور (اسی لئے آیا ہوں) تاکہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا ہوں، پس اللہ تعالیٰ کا خوف کرو اور میری پیروی کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا پروردگار ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے، پس جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہے؟ تو شاگردوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔"

(سورۃ آل عمران۔ آیت 50 تا 52)

مخلص اور وفادار حواریوں کی جماعت صادق الایمان اور راسخ الاعتقاد تھی۔ مگر سادہ لوح غربا پر مشتمل تھی انہوں نے سادگی اور سادہ دلی کے ساتھ عرض کیا،

"اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے، جس کا ثبوت آپؑ کی ذات اقدس ہے، اللہ تعالیٰ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ ہمارے لئے غیب سے ایک دستر خوان نازل کر دے تاکہ ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہو جائیں اور اطمینان قلب کے ساتھ دین حق کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہیں۔"

حضرت عیسیٰؑ نے انہیں نصیحت کی،

"بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اپنے آرام کے لئے اللہ تعالیٰ کو آزمانا صحیح نہیں ہے، یہ خیال دل سے نکال دو۔"
حواریوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کو آزمانا ہمارا مقصد نہیں ہے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ خوان کو اللہ تعالیٰ کا تحفہ سمجھ کر زندگی کا سہارا بنالیں اس طرح ہمارا اللہ پر یقین راسخ ہو جائے گا اور ہم تمہارے پیغام کی تصدیق کرنے والے ہو جائیں گے۔"

حضرت عیسیٰؑ نے ان کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی،

دعا

"یا اللہ! تو ان کے سوال کو پورا کر آسمان سے ایسا مائدہ (دستر خوان نعمت) نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے تیرے غیض و غضب کا مظہر ثابت نہ ہو بلکہ ہمارے اول و آخر سب کے لئے خوشی کی یادگار بن جائے اور تیرا "نشان" کہلائے اور اسکے ذریعے ہمیں غیبی رزق سے شادکام کر دے، بے شک تو ہی رزق رساں ہے۔"

خوان نعمت

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

''تمہاری دعا قبول ہے میں ''خوان نعمت'' ضرور اتارونگا لیکن یہ واضح نشانی دیکھنے کے بعد اگر کسی نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر انکو ایسا ہولناک عذاب دونگا جو کسی اور انسان کو نہیں دیا جائے گا۔ اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰؑ بن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے تم پر ایک خوان اتارے، عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو تو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل آرام پائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہمیں سچ بتایا تھا اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔ اس پر عیسیٰ بن مریم نے دعا کی، اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے کہ اس کا آنا ہمارے لئے اور ہمارے اگلے اور پچھلوں سب کے لئے عید قرار پائے تو تیری طرف سے ایک نشانی ہو، ہمیں روزی دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا میں تمہارے لئے خوان بھیجوں گا لیکن جو شخص اس کے بعد بھی انکار کرے گا تو میں اسے عذاب دوں گا، ایسا عذاب کہ دنیا میں کسی آدمی کو ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔''(سورۃ المائدہ۔ آیت 112 تا 115)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی، لوگوں نے دیکھا کہ فرشتے آسمان سے خوان لے کر زمین پر اترے، حضرت عیسیٰؑ نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی، پھر خوان کھولا تو اس میں تلی ہوئی مچھلیاں، تازہ پھل اور روٹیاں تھیں، خوان کھلتے ہی ایسی نفیس خوشبو مہکی کہ جس نے سب کو مست کر دیا۔ حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، لوگوں نے کہا آپؑ ابتدا کریں آپؑ نے فرمایا یہ میرے لئے نہیں ہے تمہاری طلب پر نازل ہوا ہے یہ سن کر سب پریشان ہو گئے کہ کھانا کھانے کا نہ جانے کیا نتیجہ نکلے۔ آپؑ نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ، ''اچھا فقرا، مساکین، معذوروں اور مریضوں کو بلاؤ یہ ان کا حق ہے۔''

ہزاروں لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر خوان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بتایا جاتا ہے کہ غریب نے کھانا کھایا تو وہ غنی ہو گیا، نابینا نے کھایا تو وہ بینا ہو گیا، مریض نے کھایا تو صحت مند ہو گیا۔ رات کے وقت کھانا واپس آسمان پر چلا گیا، جو لوگ خوان نعمت سے محروم ہو گئے تھے انہوں نے افسوس کے ساتھ کہا ہم بہشت کی نعمتوں سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسرے دن پھر ''خوان نعمت'' لوگوں کے لئے آیا، کثیر تعداد میں لوگوں نے کھایا، جس کو جو ذائقہ پسند تھا وہ اسے محسوس ہوا، چالیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ براہ راست آسمان سے آنے والے کھانے کے لئے شرط تھی کہ اس کو صرف فقیر، مسکین اور مریض کھائیں دولت مند اور صحت مند افراد کے لئے ممانعت تھی، چند روز کے بعد اس حکم کی خلاف ورزی شروع ہو گئی تو یہ حکم آیا کہ سب لوگ اس کو کھائیں لیکن دوسرے دن کے لئے بچا کر نہ رکھیں کچھ عرصہ بعد لوگوں نے اس حکم کو فراموش کر دیا اور خلاف ورزی شروع کر دی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آسمان سے خوان آنا بند ہو گیا، سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے خلاف ورزی کرنے والوں کی شکلیں سوَر اور بندروں کی کر دی۔

حضرت عیسیٰؑ لوگوں کو اللہ کی آیات کے ذریعہ دین حق کی تعلیم دیتے رہے، اللہ اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان، انبیاء و رُسُل کی تصدیق، آخرت پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، قضاء و قدر پر ایمان، اللہ کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان، اخلاق حسنہ کو اپنانے اور برائیوں سے پرہیز، عبادت کرنے کی ترغیب، دنیا میں انہماک سے اجتناب اور اللہ کی مخلوق سے محبت کی تلقین کرتے رہے۔ مگر صدیوں سے بغاوت

ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنالیا۔ دنیاوی جاہ و جلال کے لحاظ سے کمزور اور ناتواں لوگوں کا طبقہ اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ حق کی آواز پر لبیک کہتا تو بنی اسرائیل کا سرکش اور مغرور حلقہ اللہ کے پیغمبر کی شان میں گستاخی کرتا، توہین، تذلیل و تکذیب کا مظاہرہ کرتا۔

حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی اور گھر بھی نہیں بنایا اور شہر شہر، گاؤں گاؤں، اللہ کا پیغام لوگوں کو سناتے اور دین حق کی دعوت دیتے رہے، رات ہوتی تو زمین پر سوجاتے۔ آپؑ کی ذات اور پاکیزہ طبیعت سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق روحانی تسکین اور جسمانی شفا پاتی تھی۔ آپؑ جس جگہ سے گزرتے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور لوگ آپؑ سے والہانہ عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو مخالفین نے حسد کی نگاہ سے دیکھا، سرداروں فقیہوں، دانشوروں نے اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں شروع کردیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح ان کو راستے سے ہٹادیں، بالآخر یہ طے پایا کہ بادشاہ وقت سے ان کی شکایات کی جائے۔

ان لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا:

"عالی جاہ! عیسیٰؑ حکومت کے لئے خطرہ بن گیا ہے اگر فوری طور پر اس کے خلاف کاروائی نہ کی گئی تو ہمارے آباؤاجداد کا دین باقی نہ رہے گا۔ اندیشہ ہے کہ آپ کا اقتدار بھی باقی نہیں رہے گا، اس شخص نے عجیب و غریب شعبدے دکھا کر عوام کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے وہ عوام کو اپنے ساتھ ملا کر بنی اسرائیل کا بادشاہ بننا چاہتا ہے، اس نے لوگوں کے شعور پر غلبہ حاصل کرلیا ہے ان کی عقل ختم کردی ہے اور دین میں تحریف کررہا ہے، اس فتنہ کا فوری تدارک نہ کیا گیا تو ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

کافی بحث و مباحثہ کے بعد پلاطیس نے اجازت دے دی کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرکے شاہی دربار میں پیش کریں۔ سردار، فقیہہ اور کاہن یہ فرمان حاصل کرکے بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ طے ہوا کہ کسی خاص وقت کا انتظار کیا جائے اور حضرت عیسیٰؑ کو ایسے وقت گرفتار کیا جائے جب وہ تنہا ہوں تاکہ ہم عوام کے غیظ و غضب سے محفوظ رہیں۔

قتل کیا اور نہ سولی چڑھائی

"اور اپنے اس قول پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰؑ بن مریم پیغمبر خدا کو قتل کردیا حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا۔ اور جو لوگ اس کے قتل کے بارے میں جھگڑرہے ہیں بلاشبہ وہ اس کی جانب شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس حقیقت حال کے بارے میں گمان کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی جانب اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔" (سورۃ النساء۔ آیت 157 تا 158)

نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد رشد و ہدایت، خیر اور فلاح ہے۔ نبی اور رسول یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اصلاح احوال میں ان کا ذاتی عمل دخل ہے وہ برملا اس بات کا اعلان فرماتے ہیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ من جانب اللہ ہے۔ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کردہ فرائض کو دلیل و برہان کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ نبی اور رسول اس فرض کو پورا کرتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ

نے اُنہیں منتخب اور مامور کیا ہے۔ معجزہ اس لئے صادر ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی "حکمت" سند بن جائے، ہر معجزہ کے پس پردہ نوع انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، حاکمیت اور قدرت کاملہ کا ظہور ہوتا ہے۔

"اے پیغمبر! جو تم پر نازل کیا گیا ہے تم اس کو پورا پورا پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو منصب رسالت کو ادا نہ کیا۔" (سورۃ المائدہ۔ آیت 67)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کی تائید و تقویت کے لئے معجزات عطا کئے ہیں۔ پیغمبروں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم اللہ کی جانب سے فقط نذیر، مبین بشیر اور "رسول و نبی" ہیں کسی پیغمبر نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ کائنات میں تغیرات پر مامور ہیں۔ ہر پیغمبر نے یہی کہا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اختیارات سے وہ ایسا کرسکتے ہیں مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ چاہیں۔

سونے کا مکان

"اور انہوں نے کہا، ہم اس وقت تک ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ ابال دے یا تیرے واسطے کھجوروں کا اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے درمیان زمین پھاڑ کر نہریں بہادے یا تو جیسا گمان کرتا ہے ہمارے اوپر آسمان گرادے۔ یا تو اللہ اور اس کے فرشتوں کو (ہمارے) مقابل لائے۔ یا تیرے واسطے ایک سونے کا مکان ہو اور یا تو چڑھ جائے آسمان پر اور ہم تیرے چڑھ جانے کو بھی ہرگز اس وقت تک نہیں تسلیم کریں گے جب تک تو ہمارے پاس کتاب لے کر نہ آئے کہ اس کو ہم پڑھیں۔ (اے محمدؐ) کہہ دیجئے پاکی ہے میرے پروردگار کے لئے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہوں، خدا کا پیغمبر ہوں۔" (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 90 تا 93)

"اور اگر کھول دیں ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ اور یہ اس پر چڑھنے لگیں تب بھی ضرور یہی کہیں گے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔" (سورۃ الحجر۔ آیت 14 تا 15)

"اور اگر یہ ہر قسم کے نشان بھی دیکھ لیں تب بھی (ضد اور تعصب کی بنا پر) ایمان لانے والے نہیں ہیں۔" (سورۃ الانعام۔ آیت 25)

مٹی کا پرندہ

"اور اللہ تعالیٰ سکھاتے ہیں اس (عیسیٰؑ) کو کتاب حکمت، تورات اور انجیل اور وہ رسول ہے بنی اسرائیل کی جانب (وہ کہتا ہے) بے شک میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی جانب سے "نشان" لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں تمھارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک دیتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا ہے اور پیدائشی اندھے کو بینا کر دیتا ہوں اور سپید داغ کے جزام کو اچھا کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم کو بتا دیتا ہوں جو تم کھا کر آتے ہوں اور جو تم گھر میں ذخیرہ رکھ آئے ہو سو اگر تم حقیقی ایمان رکھتے ہو تو بلاشبہ ان امور میں پوری نشانی ہے اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ بعض

ان چیزوں کو جو تم پر حرام ہو گئی ہیں تمہارے لئے حلال کر دوں تمہارے لئے پروردگار ہی کے پاس سے "نشان" لایا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو، میری اطاعت کرو بلاشبہ اللہ میرا اور تمہارا مددگار ہے سو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔(سورۃ آل عمران۔ آیت 48 تا 51)

پیدائشی اندھے

اور (اے عیسیٰؑ بن مریم! تو میری اس نعمت کو یاد کر) جبکہ تو میرے حکم سے گارے سے پرند کی شکل بنا دیتا اور پھر اس میں پھونک دیتا اور وہ میرے حکم سے زندہ پرند بن جاتا تھا اور جبکہ تم میرے حکم سے پیدائشی اندھے کو بینا اور سپید داغ کے کوڑھ کو اچھا کر دیتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا۔(سورۃ المائدہ۔ آیت 110)

اور اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔(سورۃ القمر۔ آیت 2)

قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ کے چار معجزات کا تذکرہ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

۲۔ پیدائشی اندھے کو بینا اور جذامی کو تندرست کرتے تھے۔

۳۔ مٹی سے پرندے بنا کر اس میں پھونک دیتے تھے اور خدا کے حکم سے اس میں زندگی دوڑ جاتی تھی۔

۴۔ حضرت عیسیٰؑ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور گھر میں کیا ذخیرہ محفوظ رکھا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے منجانب اللہ نبی ہونے کے ثبوت کے لئے معجزات دکھائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپؑ ایک چمگادڑ پیدا کریں آپؑ نے مٹی سے چمگادڑ بنائی اور اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی۔ چمگادڑ اُڑنے والے پرندوں میں بہت عجیب پرندہ ہے اور دوسرے پرندوں سے ممتاز ہے کیونکہ وہ بغیر پروں کے اُڑتی ہے، چمگادڑ کے دانت ہوتے ہیں، چمگادڑ ہنستی ہے بچے دیتی ہے اور اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب اپنے عروج پر تھی بڑے بڑے حکماء وطبیب ہر قسم کے علاج پر دسترس رکھتے تھے مگر وہ برص کا علاج نہیں کر سکتے تھے، چلنے پھرنے سے معذور ہزاروں مریض حضرت عیسیٰؑ کے پاس آتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ ان کے پاس چلے جاتے تو مریض صحت مند ہو جاتے تھے۔

مردہ زندہ ہو گیا

۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایات ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے چار افراد کو زندہ کیا ایک عارز نام کا شخص جو آپؑ کا وفادار تھا جب وہ بیمار ہوا اور اس کی حالات نازک ہو گئی تو اس کی بہن نے آپؑ کو اطلاع دی بھجوائی اس کا گھر تین روز کی مسافت پر تھا جب آپؑ اس کے گھر پہنچے تو عارز کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ آپؑ نے اس کی بہن سے کہا مجھے اس کی قبر پر لے چل، قبر پر جا کر آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عارز زندہ ہو کر قبر سے باہر آ گیا ایک مدت تک زندہ رہا اس نے شادی کی اور اولاد کی خوشیاں دیکھیں۔

۲۔ ایک بیوہ بڑھیا کے بیٹے کا جنازہ جارہا تھا۔ بڑھیا نے آپؑ سے رو رو کر فریاد کی کہ، ”میرا ایک ہی بیٹا ہے آپؑ اللہ کے نبی ہیں میرے بیٹے کو زندہ کر دیں۔“ آپؑ نے لڑکے کے لئے دعا کی لڑکا زندہ ہو گیا۔

۳۔ ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا حضرت عیسیٰؑ نے اس کے لئے دعا کی اور وہ زندہ ہو گئی۔

۴۔ سام بن نوحؑ کی وفات کو ہزاروں سال گزر گئے تھے لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کیا کہ سام کو زندہ کریں ۔حضرت عیسیٰؑ سام کی قبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ سام خوف زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گمان ہوا کہ قیامت آ گئی ہے اس خوف سے ان کے سر کے آدھے بال سفید ہو گئے اور وہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئے انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کی کہ دوبارہ انہیں سکرات موت کی تکلیف نہ ہو تھوڑی دیر بعد سام بن نوح کا انتقال ہو گیا۔

تکوین

حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات (Administration) میں شامل ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

مگر جو کوئی اس پانی میں سے پئے گا جو میں اسے دوں گا وہ ابد تک پیاسا نہ ہو گا بلکہ جو پانی میں اسے دوں گا وہ اس میں ایک چشمہ بن جائے گا جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ (انجیل مقدس: یوحنا۔ باب ۴۔ آیت ۱۵)

اس فرمان پر تفکر کیا جائے تو عقدہ کشائی ہوتی ہے خدا کی بادشاہی میں پانی اصل جُز ہے کائنات کے اجزائے ترکیبی، عناصر اور تخلیق کے تمام مراحل پانی کے اوپر قائم ہیں۔ پانی کائنات کے ذرّے ذرّے کو حیات نو عطا کرتا ہے، آسمانی کتابوں اور قرآن حکیم میں تخلیق کائنات کے مراحل میں بار بار پانی اور مٹی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

”اور زمین میں پاس پاس کئی خطّے ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت جن میں دو شاخے ہیں اور دو شاخے نہیں۔ حالانکہ سب کو ایک پانی دیا جاتا ہے۔ اور ہم بعض پھلوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں بیشک جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں نشانیاں موجود ہیں۔“ (سورۃ الرعد۔ آیت 4)

”وہی ہے جو ڈرانے اور امید دلانے کیلئے (بجلی کی) چمک تم کو دکھاتا ہے اور بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے اور گرج اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتی ہے اور سب فرشتے اس سے خوف زدہ ہیں۔ اور وہی آسمان سے بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان پر گرا دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت عذاب والا ہے۔“ (سورۃ الرعد۔ آیت 12 تا 13)

اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتے ہیں

”اس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اپنی اپنی وسعت کے مطابق نالے بہہ نکلے۔ پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اُٹھا لیا اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ اب جھاگ تو ناکارہ

ہوکر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتے ہیں۔"(سورۃ الرعد۔ آیت 17)

"اور ہم ہی ہواؤں کو چلاتے ہیں۔ جو بادلوں کو پانی سے باردار کر دیتی ہیں پھر ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم وہ پانی تم کو پلاتے ہیں اور تم لوگوں نے اسکو جمع کر کے نہیں رکھا تھا۔"(سورۃ الحجر۔ آیت 22)

"اور وہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ جس میں تمہارے پینے کا بھی ہے اور اس ہی سے درخت ہیں، جن میں مویشی چراتے ہو۔" (سورۃ النحل۔ آیت 10)

قدرت کی نشانیاں

"اور اسی طرح کھجور اور انگور کے پھلوں سے کہ تم اسکی شراب بناتے ہو اور عمدہ روزی (سمجھتے) ہو جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔" (سورۃ النحل۔ آیت 67)

"اور ہم نے اندازے کے مطابق آسمان سے پانی اتارا اور پھر اسکو زمین میں ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کے (اڑا) لے جانے پر بھی قادر ہیں اور اسکے ذریعے سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیئے۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے (پیدا کئے) ان میں سے بہت سے تم کھاتے ہو۔"(سورۃ مومنون۔ آیت 18 تا 19)

"اور ایک درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے اور کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لے کر اگتا ہے۔ "(سورۃ مومنون۔ آیت 20)
"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل کو ہانکتا ہے۔ پھر اس کو آپس میں جوڑتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ رکھتا ہے پھر تو بادل کے بیچ میں سے مینہ (بارش) کو نکلتا ہوا دیکھتا ہے اور آسمانوں میں جو پہاڑ ہیں اولے برساتا ہے۔ تو پھر (وہ اولے) جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے روک لیتا ہے، بادل کی بجلی کی چمک گویا آنکھوں کو اچک کر لے جاتی ہے۔"(سورۃ النور۔ آیت 43)

"بھلا آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور آسمانوں سے تم لوگوں کے لئے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ اگائے، تمہارے بس کی بات تو نہ تھی کہ تم اس کے درختوں کو اگا سکو کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یہ لوگ یونہی کج روی کر رہے ہیں۔"(سورۃ النمل۔ آیت 60)

رنگ رنگ پہاڑ

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر پانی کے ذریعے سے کھیتی کو نکالتے ہیں جس میں ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور یہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا دیکھتے نہیں ہیں؟"(سورۃ سجدہ۔ آیت 27)

”کیا تو نے نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے سے ہم نے قسم قسم کے پھل نکالے اور اسی طرح پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے کچھ طبقے ہیں، سفید، سرخ اور کالے سیاہ۔“(سورۃ فاطر۔ آیت 27)

”کیا تو نے نظر نہیں کی اللہ نے آسمانوں سے پانی اتارا پھر زمین میں اسکے چشمے بہائے پھر وہ اس کے ذریعے سے رنگ رنگ کھیتی نکالتا ہے پھر یہ زوروں پر آتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ گئی پھر اللہ اس کو چورا چورا کر ڈالتا ہے، بے شک اس میں عقل مندوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔“(سورۃ الزمر۔ آیت 21)

سمندر میں پردہ

”اس نے دو سمندر بنائے جو آپس میں ملتے ہیں دونوں کے درمیان ایک پردہ رہتا ہے کہ اس سے (ایک دوسرے کی طرف) بڑھ نہیں سکتے۔“(سورۃ الرحمن۔ آیت 19 تا 20)

”وہ تم پر آسمان کو خوب برساتا ہوا چھوڑے گا۔ اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دیتا ہے۔“(سورۃ نوح۔ آیت 11 تا 12)

”اور اس میں اونچے اونچے اٹل پہاڑ بنا دئے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ “(سورۃ المُرسلٰت۔ آیت 27)

”اور ہم نے ہی بادلوں سے زور کا پانی برسایا۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے سے غلہ اور ہر طرح کی روئدگی نکالیں۔ اور گھنے گھنے باغ زمین سے نکالے۔“(سورۃ النّبا۔ آیت 14 تا 16)

”اور اسی نے اس سے پانی اور چارا نکالا۔“ (سورۃ النّٰزعٰت۔ آیت 31)

”پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ ہم نے ہی زمین کو پھاڑ کر چیرا۔“(سورۃ عبس۔ آیت 25 تا 26)

”پھر ہم نے اس میں سے غلہ اگایا اور انگور اور ترکاریاں ہم نے اگائیں اور زیتون اور کھجوریں۔“(سورۃ عبس۔ آیت 27 تا 29)

”اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا۔“(سورۃ عبس۔ آیت 30 تا 31)

”یہ سب کچھ تمہارا اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے ہے۔“(سورۃ عبس۔ آیت 32)

”اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائیں۔“(سورۃ لقمان۔ آیت 10)

نور کا چشمہ

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

''میں اللہ تعالیٰ کی قربت اور محبت سے اس قدر مالا مال ہوں کہ میری ذات نور کا چشمہ بن گئی ہے۔''

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ ہر وجود کے اوپر روشنیوں سے بنا ہوا مرکب یا مفرد جال ہوتا ہے۔ موت واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روشنیوں کا غلاف (جسم مثالی) مادی وجود سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتا ہے۔ ہر وجود پر ایک اور وجود غالب رہتا ہے اور اس غالب جسم کو روشنی یا نور (Cosmic Rays) فیڈ کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سائنٹسٹ ابھی تک اس کا ادراک نہیں کر سکے کہ کاسمک ریز کا سورس کیا ہے؟ ہم جب کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کر لیتے ہیں تو ایجاد عمل میں آجاتی ہے۔ روشنیوں کا غلاف (جسم مثالی) کیا ہے؟

اس کا پورا علم حاصل ہونے کے بعد اللہ کے عطا کردہ اختیارات سے جسم مثالی کو دوبارہ مردہ شے پر غالب کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی علم اور اختیار حضرت عیسیٰؑ کو عطا فرمایا تھا کہ جب وہ کسی مردہ شے کے اندر روح پھونک دیتے تھے تو مردہ زندہ ہو جاتا تھا اور جب مٹی اور پانی سے بنائی ہوئی چڑیا میں روح پھونک دیتے تھے تو چڑیا میں زندگی دوڑ جاتی تھی اور چڑیا اُڑ جاتی تھی۔

اصحاب کہف

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

''تعریف اللہ کے لئے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب، تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے خبردار کر دے اور ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دے دے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان لوگوں کو ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اس بات کا نہ انہیں کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا۔ بُری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔ شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ آخرکار ان سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے۔ جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے پروردگار! ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔ تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔ ہم تمہیں ان کا اصل قصہ سناتے ہیں، وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ''ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہیں پکاریں گے، اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے۔ (پھر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا) یہ ہماری قوم تو رب کائنات کو چھوڑ کر دوسرا خدا بنا بیٹھی ہے۔ یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں

لاتے، آخر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ اب جب کہ تم ان سے اور ان کے باطل معبودوں سے بے تعلق ہو چکے ہو تو چلو اب فلاں غار میں چل کر پناہ لیں۔ تمہارا رب تم پر اپنی رحمت کا دامن وسیع کرے گا۔ اور تمہارے کام کے لئے سر و سامان مہیا کر دے گا۔ تم انہیں غار میں دیکھتے تو تمہیں یوں نظر آتا کہ سورج جب نکلتا ہے تو ان کے غار کو چھوڑ کر دائیں جانب چڑھ جاتا ہے۔ اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بچ کر بائیں جانب اتر جاتا ہے۔ اور وہ ہیں کہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں پڑے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور جسے اللہ بھٹکا دے اس کے لئے تم کوئی ولی مرشد نہیں پا سکتے۔ تم انہیں دیکھ کر یہ سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے۔ اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا اگر تم کہیں جھانک کر انہیں دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کے نظارے سے دہشت بیٹھ جاتی اور اسی عجیب کرشمے سے ہم نے انہیں اٹھا بٹھایا تا کہ ذرا آپس میں پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ کہو، کتنی دیر اس حال میں رہے؟ دوسرے نے کہا۔ شاید دن بھر یا اس سے کچھ کم رہے ہوں گے۔ پھر وہ بولے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ہمارا کتنا وقت اس حالت میں گزرا۔ چلو اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا سکہ دے کر شہر بھیجیں اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لئے لائے اور چاہیئے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کو ہمارے یہاں ہونے سے خبردار کر دے۔ اگر کہیں ان لوگوں کا ہاتھ ہم پر پڑ گیا تو بس سنگسار ہی کر ڈالیں گے، یا پھر زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں گے۔ اور ایسا ہوا تو ہم کبھی فلاح نہ پا سکیں گے۔ اس طرح ہم نے اہل شہر کو ان کے حال پر مطلع کیا۔ تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کی گھڑی بے شک آ کر رہے گی۔ اس وقت وہ آپس میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ان (اصحاب کہف) کے ساتھ کیا کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا، ان پر ایک دیوار چن دو ان کا رب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ مگر جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے۔ انہوں نے کہا، ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے۔ کچھ لوگ کہیں گے وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور کچھ دوسرے کہہ دیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہو، میرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے کم ہی لوگ ان کی صحیح تعداد جانتے ہیں۔ پس تم سرسری بات سے بڑھ کر ان کی تعداد کے معاملے میں لوگوں سے بحث نہ کرو اور نہ ان کے متعلق کسی سے کچھ پوچھو، کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کر دوں گا (تم کچھ نہیں کر سکتے) الا یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو اور کہو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سمجھا دے اس سے نزدیک راہ نیکی کی اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور (کچھ لوگ مدت کے شمار میں) نو سال اور بڑھ گئے ہیں تم کہو اللہ تعالیٰ ان کے قیام کی مدت زیادہ جانتے ہیں، آسمانوں اور زمین کے سب پوشیدہ احوال اسی کو معلوم ہیں۔ کیا خوب ہے وہ دیکھنے والا اور سننے والا۔ کوئی خبر گیر اس کے سوا نہیں اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اے نبیؐ! تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنا دو کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے، اس سے بچ کر بھاگنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلبگار بن کر صبح شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو، کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو، کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنے خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے۔" (سورۃ کہف۔ آیت 1 تا 28)

تین سوال

مکہ کے مشرکین (عیسائی اور یہود) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تین سوال کیے۔

۱۔ اصحاب کہف کون تھے؟

۲۔ خضر وقت کی کیا حقیقت ہے؟

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذوالقرنین کا قصہ معلوم ہے؟

ان قصوں کا تعلق عیسائیوں اور یہودیوں کی تاریخ سے تھا۔ یہ سوال کرنے سے اہل کتاب حضرات کا منشا یہ تھا کہ وہ معلوم کریں کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غیبی علوم جانتے ہیں؟روم کا شہر افیسس (Ephesus) جس میں اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا، تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں تعمیر ہوا تھا۔ بعد میں یہ بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا، لوگ ڈائنا نامی دیوی کی پوجا کرتے تھے، جس کی شہرت پوری دنیا میں تھی۔ دور دور سے لوگ اس کی پوجا کے لئے آتے تھے اس شہر کے جادوگر، عامل، فال گر اور تعویز نویس دنیا بھر میں مشہور تھے۔ شام و فلسطین اور مصر تک ان کا جادو چلتا تھا۔ اس کاروبار میں یہودیوں کا بھی بڑا حصہ تھا جو اپنے علم کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ شرک اور اوہام پرستی پورے ماحول میں رچی بسی ہوئی تھی۔ عربی میں کہف ''وسیع غار'' کو کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ملک روم میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام دقیانوس تھا۔ اس کی بہت وسیع سلطنت تھی، فوج و لشکر کی تعداد کثیر تھی۔ ایک مرتبہ دوسرے ملک کے بادشاہ نے اس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ دقیانوس نے دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے فتح حاصل ہوگئی دشمن بادشاہ مارا گیا اس کے بیٹے گرفتار کر لئے گئے۔ بعض مورخین کے مطابق اس بادشاہ کے چھ بیٹے تھے اور بعض کہتے ہیں پانچ بیٹے تھے، بادشاہ روم نے ان سب کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

قیصر روم خدائی کا دعویٰ کرتا تھا سب سے اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا ایک روز رات کو سب بھائی مل کر بیٹھے اور صلاح و مشورہ کرنے لگے بڑا بھائی بولا یہ ملعون ہمیں روز تنگ کرتا ہے اور سجدہ بھی کرواتا ہے، ہم کو واجب ہے کہ اس کی خدمت سے باز رہیں اور یہاں سے نکل جائیں اور اپنے خالق ارض و سما کی عبادت کریں جو آخرت میں ہمارے کام آئے۔ سب بھائیوں نے اس بات کو بسر و چشم قبول کیا۔ ایک بھائی بولا، اب یہاں سے نکل جانا چاہئیے۔ ایک بھائی نے تجویز دی کہ جب بادشاہ چوگان کھیلنے جائے گا تو میں چوگان میدان سے باہر پھینک دوں گا جب میں اس کو لینے میدان سے باہر جاؤں تو تم لوگ بھی میرے پیچھے میدان سے باہر نکل آنا اور پرانے کپڑے پہن لینا۔ سب اس تجویز پر متفق ہوگئے۔ دوسرے دن بادشاہ چوگان کھیلنے گیا اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لے گیا شام ہوئی کھیل ختم ہونے کے بعد تمام بھائیوں نے تجویز پر عمل درآمد کیا اور آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے گئے اور بادشاہ کی حدود سے باہر نکل آئے۔

مسیحی روایات کا خلاصہ

گریگوری آف ٹورس (Gregory of Tours) نے اپنی کتاب Meraculorum liber میں اس قصے کی جو تفصیلات مسیحی روایات کے مطابق جمع کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد جب مسیحی دعوت روم سلطنت میں پہنچنی شروع ہوئی تو اس

شہر کے چند نوجوان بھی شرک سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔ یہ سات نوجوان تھے ان کے مذہب کی تبدیل کرنے کی خبر سن کر قیصر ڈیسس نے ان کو طلب کیا اور پوچھا "تمہارا مذہب کیا ہے؟" انہیں معلوم تھا کہ قیصر مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کا دشمن اور خون کا پیاسا ہے مگر انہوں نے بغیر کسی خوف کے کہا:

"ہمارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے، اس کے سوا ہم کسی معبود کو نہیں پکارتے، اگر ہم ایسا کریں تو بہت بڑا گناہ کریں گے۔"

قیصر یہ سن کر مشتعل ہو گیا اور غصہ سے بولا:

"ابھی تم بچے ہو۔ اپنی زبان بند کرو ورنہ میں تمہیں قتل کروادوں گا۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں اس مدت میں اگر تم نے اپنا رویہ بدل لیا اور اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے تو خیر۔ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔" اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ نوجوان شہر سے بھاگ گئے اور پہاڑوں کی طرف چلے گئے تا کہ کسی غار میں چھپ جائیں، راستے میں ایک کتا ان کے ساتھ ہو گیا۔ ایک بڑے غار کو اچھی جائے پناہ دیکھ کر اس میں چھپ گئے، کتا غار کے منہ پر بیٹھ گیا۔ وہ تھکے ہوئے تھے اس لئے فوراً سو گئے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ غار والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے۔ جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے پروردگار! ہمیں اپنی رحمت خاص سے نواز دے اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔ تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا۔" (سورۃ کہف۔ آیت 9 تا 11)

دقیانوس

دقیانوس کو جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس غار کے اندر چھپے ہوئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ اس غار کو ایک دیوار بنا کر بند کر دیا جائے تا کہ وہ اس میں مر جائیں اور غار ان کی قبر بن جائے یہی ان کی سزا ہے۔ کچھ عرصہ بعد دقیانوس مر گیا۔ سالہا سال گزر گئے اور حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک نیک بادشاہ بیدروس کی سلطنت قائم ہوئی، اس نے اڑسٹھ (۶۸) سال حکومت کی۔ ملک میں جب حیات و ممات پر فرقے بنے تو بعض لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہو گئے۔ بادشاہ بہت فکر مند تھا وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا یقین پیدا ہو جائے اس نے رو رو کر بارگاہِ الٰہی میں دعا کی:

"یا اللہ! کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما دے جس سے تیری مخلوق کو مرنے کے بعد جی اٹھنے اور قیامت کے آنے کا یقین ہو جائے۔"

ایک شخص نے اپنی بکریوں کے لئے آرام کی جگہ حاصل کرنے کے لئے اسی غار کو منتخب کیا اور دیوار گرا دی۔ دیوار گرانے والوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ خوف زدہ ہو گئے اور پھر انہوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔

"اگر تم کہیں جھانک کر انہیں دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کے نظارے سے دہشت بیٹھ جاتی۔" (سورۃ کہف۔ آیت 18)

اصحاب کہف بحکم الٰہی فرحان وشاداں اٹھے، چہرے شگفتہ طبیعت خوش اور اُن میں زندگی کی تروتازگی موجود تھی۔ ایک نے دوسرے کو سلام کیا۔ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، فارغ ہو کر آپس میں پوچھنے لگے، ایک بولا کتنی دیر سوتے رہے؟ کسی نے کہا ہم سوتے رہے ایک دن یا اس سے کم۔

"اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں، تین سو نو سال غار میں رہے۔" (سورۃ کہف۔ آیت 25)

اسکے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کے سکے دے کر کھانا لانے کیلئے شہر بھیجا اور کہا ذرا احتیاط سے کام لینا کہیں لوگ تمہیں پہچان نہ لیں، انہیں ڈر تھا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں گرفتار کرلیں گے۔

"اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کا سکہ دے کر شہر بھیجو، وہ خوب دیکھ بھال کر شہر کا کونسا کھانا پاکیزہ تر ہے۔ پھر اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دیں۔"

(سورۃ کہف۔ آیت 19 تا 20)

جب وہ شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، سب لوگ مسیحی ہوگئے ہیں اور ڈائنا کو پوجنے والا کوئی نہیں۔

کوتوال شہر

ایک دکان پر پہنچ کر اس نے روٹیاں خریدیں اور دکاندار کو چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر دقیانوس کی تصویر بنی ہوئی تھی، دکان دار یہ سکہ دیکھ کر حیران ہوگیا۔ پوچھا، تمہیں یہ سکہ کہاں سے ملا ہے؟ یملیخا نے کہا، یہ میرا اپنا مال ہے دونوں میں تکرار ہونے لگی لوگ جمع ہوگئے معاملہ کوتوال شہر تک جا پہنچا۔ کوتوال نے یملیخا سے کہا، مجھے وہ دفینہ بتاؤ جہاں سے تم یہ سکہ لائے ہو۔ صدیوں پرانا سکہ ہے۔ تم تو ابھی جوان لڑکے ہو، ہمارے بڑے بوڑھوں نے بھی کبھی یہ سکہ نہیں دیکھا، یہ ضرور کوئی راز ہے۔ یملیخا نے جب یہ سنا کہ بادشاہ کو مرے ہوئے زمانہ گزر چکا ہے تو حیرت زدہ ہوگیا اور کچھ دیر تک وہ دم بخود رہا، پھر وہ ہوش میں آیا۔ اس نے کہا کل ہی تو میں اور میرے ساتھی اس شہر سے بھاگ کر گئے تھے اور ایک غار میں ہم نے پناہ لی تھی تاکہ بادشاہ ڈیسیس کے ظلم سے بچے رہیں، میرے ساتھی قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہیں، چلو میں تمہاری ان سے ملاقات کرادوں۔ حاکم شہر کے عمائدین اور ایک خلقت ان کے ہمراہ غار پر پہنچی۔

اصحاب کہف ساتھی کے انتظار میں تھے۔ بہت بڑے ہجوم کو دیکھ کر وہ سمجھے کہ یملیخا پکڑا گیا اور دقیانوس فوج ہماری تلاش میں آرہی ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ امر پوری طرح تحقیق ہوگیا کہ واقعی قیصر ڈیسیس کے زمانے کے لوگ ہیں اور اللہ کے حکم سے طویل مدت تک سوتے رہے اور اب اس لئے اٹھائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لئے موت کے بعد زندگی کی دلیل بن جائیں۔ اصحاب کہف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے اور بعض لوگ کہیں

گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کا شمار خوب جانتا ہے۔ حاکم نے اپنے بادشاہ بیدروس کو واقعہ کی اطلاع دی امر و عمائدین کو لے کر غار پر حاضر ہوا اور سجدہ شکر بجالایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی۔ اصحاب کہف نے بادشاہ سے ملاقات کی۔

باب12

سیرت طیبہ کے مقاصد

اہمیت اور ضرورت

زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب گلشن زندگی پر خزاں کا پہرا تھا۔ ہر طرف سکوت تھا۔ وقت، حرکت اور بے چینی ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ مشیت خداوندی نے چاہا کہ تنہائی ختم ہو اور سکوت حرکت میں تبدیل ہو جائے۔ مخلوقات کا ظہور ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کا مظاہرہ ہو اور مخلوق اللہ تعالیٰ کی عظمت، حکمت اور صناعی کو دیکھے اور اس کو پہچانے۔ مشیت کا ارادہ صدائے کن بن کر گونجا۔

"وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔" (سورۃ یٰسین۔ آیت 82)

زندگی نے انگڑائی لی اور حرکت کا آغاز ہوا۔ مشیت الٰہی کی اسی چاہت اور خواہش کو حدیث قدسی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"میں چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے مخلوق کو محبت کے ساتھ تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔"

مشیت نے اپنے پروگرام کے مطابق ایک ایسا میڈیم تخلیق کیا جو کائنات اور خالق کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہو اور شائستگی اور روشناسی کا منشا پورا کر سکے۔ جب یہ نور پیکر بشریت میں متشکل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے۔ مخلوق کو خالق سے متعارف کرانے کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر انسان کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح مشیت کا منشا پورا کیا،

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو! جو ایمان لائے، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 56)

عرفان و گیان کی دنیا کے ماہ کامل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوع انسانی کو یاد دلایا کہ انسان کا تخلیقی رشتہ اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اس رشتہ کو فراموش کرنے کے بعد کوئی بندہ سکون و اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ انسانوں کے انسانوں پر حقوق ہوں یا انسان کا کائنات سے تعلق یہ سب اس بنیاد پر قائم ہے کہ ہمارا اور سب چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اس کو پہچانیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ" بندہ خالق کو اُس وقت پہچان سکتا ہے جب اس کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرت، معیشت، جنگ، امن، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس ابدی راز کی عملی تفسیر پیش کی ہے کہ

"میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔"

(سورۃ الانعام۔ آیت 162)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام عالمین کے لیے مبعوث فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دین کی تکمیل اور سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو تمام انسانوں کے لیے بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور نذیر (خبر دار کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

(سورۃ السباء۔ آیت 28)

"آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لئے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

(سورۃ المائدہ۔ آیت 3)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کو اہل ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں جب ہم کتب آسمانی اور تاریخ انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر یہ تمام دنیائے انسانیت کے لئے تا قیامت لازمی نمونہ قرار پائی ہے۔ ان خصوصیات کی روشنی میں مطالعہ سیرت کی اہمیت اور ضرورت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

انبیاء کی گواہی

حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بعثت و نبوت کی اطلاع کا اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اہتمام فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے :

اللہ تعالیٰ کا تمام سابقہ انبیا اور ان کے توسط سے ان کی امتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بعثت کی خبر دینا اور پھر ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام پر ایمان لانے کے بارے میں عہد لینا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے :

"یاد کرو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ " آج میں نے تمھیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی" یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے پوچھا "کیا تم اسکا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اُٹھاتے ہو؟" انہوں نے کہا "ہاں ہم اقرار کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔"

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 81)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے لئے خصوصی طور پر دُعا مانگی تھی۔

"اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول بھیجئے جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا دانا اور حکیم ہے۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 129)

زندگیاں سنوارنے میں خیالات، معاشرت، تہذیب و تمدن غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے نیز اس آیت سے بتانا مقصود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا جواب ہے۔

حضرت عیسیٰؑ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ اپنی امت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ خوشخبری دے چکے تھے۔

"اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔" (سورۃ الصف۔ آیت 6)

مذکورہ بالا آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بتایا گیا ہے۔ احمد کے دو معنی ہیں۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو اور وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔

تکمیل دین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ انکشاف کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکمل دین حق پیش کیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے دین حق کی تکمیل ہو چکی ہے۔ دنیائے انسانیت کو اپنے مقصد زندگی کے لئے جس کامل دین کی ضرورت تھی وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے پوری کر دی گئی ہے۔

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"(سورۃ المائدہ۔ آیت 3)

خلق عظیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کا سب سے بڑا ماخذ خود اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم ہے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام پر دورانِ نبوت نازل ہوتا رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کی تعلیمات کے ابلاغ کے ساتھ ساتھ خود حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا خلق عظیم کیا ہے؟ تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خُلق عظیم ہے۔" انسان ہر لمحہ ایک نئے احساس سے متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً کسی بات پر خوش ہوتا ہے۔۔۔ اور کسی بات پر غمگین ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی معاملے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے..... کبھی ناکام ہو جاتا ہے۔۔۔ کبھی مصائب سے دوچار ہوتا ہے۔۔۔ اور کبھی نعمتوں سے مالامال ہوتا ہے۔ ان سب حالتوں میں انسا نی جذبات مختلف ہوتے ہیں۔ سیرت طیبہ زندگی کے ہر پہلو میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

روشن پہلو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کا روشن پہلو یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیغمبر کی حیثیت سے اپنی اِتبّاع کرنے والوں کو جو نصیحت فرمائی ہے خود اس پر عمل کیا۔ قرآن کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبو ت کے لئے اس دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

"آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔"(سورۃ یونس۔ آیت 16)

نبوت کے دعوے سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہارے ساتھ چالیس سال گزارے ہیں اور تم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی را ست گوئی اور امانت و دیانت کو دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صادق وامین جیسے لقب دیئے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے کہ جو شخص صادق وامین ہو جو تمہارے معاملات میں جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ مگر افسوس تم عقل استعمال نہیں کرتے

۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو ذکر الٰہی کی نصیحت کرتے تھے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حال تھا کہ دن رات میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل اور زبان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو۔ اُٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے

اوڑھتے ہر حال میں اور ہر وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ سے ربط قائم تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

لوگوں کو پانچ وقت کی نماز کا حکم تھا مگر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آٹھ وقت کی نماز قائم کرتے تھے۔ یعنی پانچ فرض نمازیں، فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ ان کے علاوہ رات کو تہجد، سورج نکلنے پر اشراق اور دن چڑھے چاشت کی نماز قائم کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی کیفیت یہ ہے کہ رات رات بھر نماز میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ کھڑے کھڑے پیر مبارک پر ورم آجاتا۔ مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ اسی طرح جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو زکوٰۃ کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جو بھی نقد و جنس اور مال و اسباب آتا تھا وہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا ارشاد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعلیٰ طرز عمل یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں لوگ اپنی کمائی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین حق کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دین مبین صرف نظریہ نہیں ہے بلکہ قابل عمل نظام زندگی ہے جس پر ہر فرد عمل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود اپنی زندگی کا نمونہ پیش کرنے کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے :

”کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔“ (سورۃ الانعام۔ آیت 162 تا 163)

روشنی

قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دلیل روشن (برہان اور بیّنہ) کہا گیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمّی ہونے کے باوجود قرآن جیسی کتاب پیش کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور قربت کے اثر سے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں غیر معمولی انقلاب رونما ہو جانا یہ ساری باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں۔

”اے اہل کتاب ہمارا یہ رسول جو دینِ حق کی واضح تعلیم تمہیں دے رہا ہے، ایسے وقت تمہارے پاس آیا جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو اب وہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا۔“ (سورۃ المائدہ۔ آیت 19)

"اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔ "(سورۃ النساء۔ آیت 174)

"اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی۔ باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہے ان منکرین پر۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت 89)

"اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس روشن دلیل نہ آجائے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہیں۔ " (سورۃ البینہ۔ آیت 1 تا 3)

اطاعت رسول

اہل ایمان پر لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ صرف اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب جانیں بلکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ایک طرف تو وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو خود اپنی جانوں پر ترجیح دیں اور دوسری طرف ہر معاملہ میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ پر پورے خلوص سے زندگی کے تمام شعبوں پر عمل پیرا ہوں۔

"بلاشبہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی جانوں پر مقدم ہے اور نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"(سورۃ الاحزاب۔ آیت 6)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"(سورۃ الحجرات۔ آیت 1)

"(اے نبی!) لوگوں سے کہہ دو اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت 31)

"کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت 32)

"جو شخص رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپکو ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔" (سورۃ النساء۔ آیت 80)

آداب معاشرت اور تعمیر شخصیت

ہم جب تفکر کرتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سیرت طیبہ کے مطالعے کے بغیر زندگی کے نقشے کو صحیح ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ ہر مسلمان صحیح خطوط پر اپنی زندگی کو اسوقت ترتیب دے سکتا ہے جب قرآن حکیم کے بیان کردہ مطالب اور مفہوم کو سمجھ کر اس کے ساتھ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اپنی عملی زندگی میں سمو لے۔ اطاعت سے مراد یہ نہیں کہ صرف ظاہری اعمال کی پیروی کر کے ہم اس بات کا اطمینان کر لیں کہ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری خوبیوں کا خلاصہ یہی چند سنتیں ہیں بلکہ ظاہری اعمال اور سنتوں کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی حقیقت کو بھی تلاش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے۔" (سورۃ القمر۔ آیت 53)

قرآن کریم نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کی وضاحت فرمائی ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق ہے۔ انسان کو ایسی صفات پر پیدا کیا گیا ہے کہ جہاں وہ حیوانی تقاضے پورے کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں کہ وہ "احسن تقویم" ہے۔

قرآن کریم میں تخلیقی علوم وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"(اے پیغمبر) بے شک حضور اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔" (سورۃ القلم۔ آیت 4)

"(اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔" (سورۃ آل عمران۔ آیت 159)

"(مسلمانو) تمہارے پاس اللہ کا رسول آگیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی چاہتا ہے۔ مومنوں کے لئے نہایت شفیق و رحیم ہے۔" (سورۃ توبہ۔ آیت 128)

انسان کی گھریلو زندگی اور معاشرتی زندگی اس کے اخلاق و کردار کو پرکھنے کیلئے سب سے بڑی کسوٹی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کیسا تھا اس کا اندازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک سے ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تم سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اہلِ خانہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں۔"

قرآنِ کریم معراج انسانیت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

"اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔ اور عاجزی اور محبت کیساتھ ان کے سامنے توازن رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان (میرے ماں باپ) پر رحم فرما جیسے انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ بچپن میں میری پرورش کی ہے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 23 تا 24)

حسن اخلاق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت نرم مزاج اور خوش اخلاق تھے۔ چہرہ مبارک روشن اور پُر کیف تھا۔ ایک ایک جملہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے، سواری پر ہوتے اور کوئی بزرگ سامنے آتے تو اُنہیں سوار کر لیتے اور خود سواری سے اُتر جاتے تھے۔ ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا تھا وہاں پتھر مار کر کھجوریں گراتا تھا۔ لوگ مجھے پکڑ کر خدمت اقدس میں لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"زمین پر گری ہوئی کھجوریں کھالیا کرو، پتھر نہ مارا کرو۔"

پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعا دی۔

ایک مرتبہ حالتِ قحط میں ایک صاحب نے باغ سے کھجور کے خوشے توڑ کر کھائے اور کچھ دامن میں رکھ لئے۔ باغ کے مالک نے اسے مارا اور کپڑے اتروالئے، پھر شکایت لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پہنچا۔ کھجوریں توڑنے والا بھی ساتھ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باغ کے مالک سے فرمایا "یہ جاہل تھا، اسے تعلیم دینی چاہیئے تھی۔ بھوکا تھا کھانا کھلانا چاہیئے تھا۔"

یہ فرما کر کپڑے واپس دلائے اور اسے ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے دیا، جو ہمارے حساب میں تین من، تیرہ سیر اور دو چھٹانک ہوتا ہے۔

مجلس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھنے کی جگہ نہ ہوتی تو آنے والے کیلئے چادر مبارک بچھا دیتے تھے۔ سلام میں پہل فرماتے۔ راستے میں جو سامنے آتا اسے سلام کرتے۔

حسن اخلاق کی اہمیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۱۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

۲۔ ایمان کامل اس مومن کا ہے، جو اخلاق میں اچھا ہو۔

۳۔ قیامت کے روز اعمال کی ترازو میں حسن اخلاق سے بھاری کوئی چیز نہیں ہو گی۔

۴۔ انسانوں کو قدرت کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان میں سب سے بہتر چیز اچھا اخلاق ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

۶۔ آخرت کی زندگی میں میرے لئے سب سے پسندیدہ شخص وہ ہو گا جس کے اخلاق اچھے ہیں اور وہی مجھ سے قریب تر ہو گا۔

۷۔ کسی نے سوال کیا: ''یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! مومنوں میں افضل کون ہے؟''

فرمایا: ''جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو۔''

اہلِ ایمان کے اوصاف و خصائل قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں اجتماعی زندگی کا تذکرہ ہے:

''مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور باہمی معاملات درست رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو ان کے دل گداز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سنایا جائے تو ان کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔''

(سورۃ الانفال۔ آیت 2 تا 4)

''بلاشبہ ایمان والے کامیاب ہوئے نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔ لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ عفت و عصمت کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔'' (سورۃ المومنون۔ آیت 1 تا 5)

''امانتوں اور وعدوں کا انہیں پاس رہتا ہے۔ نمازوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔'' (سورۃ المومنون۔ آیت 8 تا 9)

''اللہ تعالیٰ کے بندے زمین پر دبے پاؤں یعنی عجز و انکساری سے چلتے ہیں۔ جب جاہل یعنی کم عقل اور بے ادب لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو نرم بات کر کے اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ رات کا وقت اپنے پروردگار کے لئے قیام اور سجود میں گزارتے ہیں اور کہتے ہیں: یا اللہ ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ وہ کسی بے گناہ کا خون نہیں بہاتے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کر رکھا ہے اور بدکاری سے بھی دور رہتے ہیں جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔ کسی کی لغو بات سنتے ہیں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں۔'' (سورۃ الفرقان۔ آیت 63 تا 68)

''(اہل ایمان) پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں۔ جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اپنے رب کا حکم مانتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اپنے معاملات باہمی مشورے سے پورا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو

کچھ دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جب ان پر کوئی زیادتی ہو تو بدلہ لیتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے، جو کوئی مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔ ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور صبر سے کام لے اور معاف کر دے تو یہ بڑی اعلیٰ ہمت کا کام ہے۔" (سورۃ الشوریٰ۔ آیت 37 تا 43)

تین باتیں

حضرت امام حسینؓ نے حضرت علیؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نرم خو اور مہربان تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی کشادہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت مزاج نہیں تھے۔ کوئی بات ناپسند ہوتی تو اس کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاج گرامی میں تین باتیں بالکل نہیں تھیں:

۱۔ بحث و مباحثہ سے پرہیز فرماتے تھے۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ بات نہیں فرماتے تھے۔

۳۔ جو بات مطلب کی نہ ہو، اس سے اجتناب فرماتے تھے۔

دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز فرماتے تھے:

۱۔ کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔

۲۔ کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔

۳۔ کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی بات کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہو۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک بات ختم نہ کر لیتا خاموشی سے سنتے تھے۔ لوگ جب باتوں پر ہنستے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محض مسکرا دیتے تھے۔ کوئی بہت بے باکی سے گفتگو کرتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تحمل فرماتے تھے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی۔ جلد اول۔ حدیث 329)

حضرت عائشہؓ کا بیان

حضرت عائشہؓ نے ہجرت سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے بعض اہم واقعات بھی دیکھے تھے اور مدنی زندگی میں حضرت عائشہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفیقۂ حیات بن گئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا آخری ہفتہ حضرت عائشہؓ

کے حجرے میں گزرا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری آرام گاہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارک میں سے چند روشن پہلو بیان فرماتی ہیں:

۱۔ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان میں سے وہ اختیار فرماتے جو آسان ہوں۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذات کیلئے کبھی کسی کو سزا نہیں دی اور کبھی بدلہ نہیں لیا۔

۳۔ عادت شریف یہ تھی کہ برائی کے بدلے میں کبھی برائی سے کام نہیں لیا۔ ہمیشہ درگزر فرماتے تھے۔

۴۔ کوئی ہنسنے کی بات ہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف مسکراتے تھے۔

۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اپنے کسی خادم، کسی کنیز، کسی غلام، کسی عورت اور کسی جانور پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کسی کی جائز درخواست کو رد نہیں فرمایا۔

۷۔ گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے، باتیں ٹھہر ٹھہر کے کرتے تھے۔

۸۔ ایک بدو آیا اور کہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں کو پیار کرتے ہیں، میں نے بچوں کو کبھی پیار نہیں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا تو میرا کیا اختیار ہے؟"

(صحیح مسلم۔ جلد سوئم۔ حدیث 1530)

۹۔ حضرت اسودؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھر میں مصروفیت کیا تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: "گھر والوں کے کام آتے تھے، نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔"

۱۰۔ اگر کسی کی کوئی حرکت پسند نہ ہوتی تو اس کا نام لیے بغیر اس کام سے منع فرمادیتے تھے۔

نبوت سے پیشتر کی زندگی

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے بیانات کا تعلق زیادہ تر عہد نبوت سے ہے جس کی کل مدت تیئس سال ہے۔ اس سے پیشتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چالیس سال کی طویل مدت گزار چکے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

حضور کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا تو نہ میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا، کیونکہ میں اس سے پہلے ایک عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (سورہ یونس۔ آیت 16)

والدین کے حقوق

والدین کے حقوق کے سلسلے میں حضرت ابو عمامہؓ سے روایت ہے:

ایک شخص نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! والدین کے اولاد پر کیا حقوق ہیں؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"وہ تیری جنت اور دوزخ ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم۔ حدیث 867)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے:

ایک شخص نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرے پاس دولت ہے اور میں صاحب اولاد ہوں اور میرے والد مجھ سے دولت طلب کرتے ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تم بھی اپنے باپ کا مال ہو اور تمہارا مال بھی۔" (سنن ابن ماجہ۔ جلد دوئم۔ حدیث 449)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تمہاری ماں۔"

پھر اس نے عرض کیا: "اور کون؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تمہاری ماں۔"

پھر پوچھا: "اور کون؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تمہاری ماں۔"

اس شخص نے پھر سوال کیا: "حسن سلوک کا اور کون مستحق ہے؟"

چوتھی بار فرمایا: "تمہارا باپ"۔

(صحیح مسلم۔ جلد سوئم۔ حدیث 2004,2003)

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم پر ماں کی نافرمانی اور بیٹیوں کا زندہ دفن کرنا حرام قرار دیا ہے۔"

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم۔ حدیث 841)

گھریلو زندگی

کامیاب گھریلو زندگی کا دارومدار میاں بیوی کے تعلقات پر قائم ہے۔ قرآن کریم نے میاں بیوی کے تعلق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر میاں بیوی کے تعلقات اچھے ہوں تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے، اگر میاں بیوی کے تعلقات اچھے نہ ہوں تو گھر جہنم بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے ہیں تا کہ تمہیں ان سے آرام و سکون ملے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میں محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا فرمائے۔" (سورۃ الروم۔ آیت 21)

اچھا گھر وہ ہے جس میں میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی ہو۔ گھر میں آرام و سکون ہو۔ شوہر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بیوی کو سکون، اعتماد اور تحفظ فراہم کرے اور ضروری ہے کہ شوہر وفادار ہو۔ بیوی کے حقوق کا خیال رکھے، گھر کے چھوٹے بڑے معاملات میں شوہر دلچسپی لے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں ہمیں یہ تمام خوبیاں نظر آتی ہیں۔

میاں بیوی کے حقوق

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔" (سورۃ النساء۔ آیت 19)

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہے۔" (سنن ابن ماجہ، جلد دوئم، حدیث 135)

میاں بیوی کے تعلقات میں بنیادی عمل "وفا" ہے۔ وفا ایک ایسا رشتہ ہے جو فریقین کو ایک دوسرے کے قریب رکھتا ہے۔ وفا کی بہترین مثال حضرت خدیجہؓ ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی اور ۲۵ سال تک حضرت خدیجہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریک حیات رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں فرمایا ہے:

"میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت 187)

حضرت خدیجہؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہنی تعلق اس حد تک تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی وحی کا تذکرہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ ذہنی ہم آہنگی اتنی تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے فوراً تصدیق کی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لاتی ہوں۔ حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اپنا سارا مال و متاع وقف کر دیا جو دینِ اسلام کے لئے خرچ ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول رہا کہ اگر گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تھا تو حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے گھر گوشت بھجواتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون آئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے ادب سے خیریت پوچھی اور ان کے حالات دریافت فرمائے۔ جب وہ خاتون چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! یہ خاتون کون تھیں؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یہ خاتون حضرت خدیجہؓ کے گھر آتی تھیں۔"

(جامع ترمذی۔ جلد اول۔ حدیث 2083)

اُمہاتُ المومنینؓ

(* حضرت خدیجۃ الکبریٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی حضرت خدیجہؓ سے 25 سال عمر میں ہوئی۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک 25 برس اور حضرت خدیجہ کی عمر 40 برس تھی۔ 10 نبوت میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک 50 برس اور حضرت خدیجہؓ کی عمر مبارک 65 برس تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کی۔ (* حضرت سودہؓ بنت زمعہ:۔ نبوت کے دسویں سال ماہ، شوال میں آپؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں۔ آپ اس سے پہلے حضرت سکرانؓ بن عمرو کے عقد میں تھیں۔ آپؓ کا قد لمبا تھا۔ آپؓ کا انتقال 54ھ میں ہوا۔ (* حضرت عائشہ صدیقہؓ: نبوت کے گیارہویں سال ماہِ شوال میں آپؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ نکاح کے وقت آپؓ کی عمر چھ برس تھی۔

ٹھیک تین سال بعد شوال 1ھ میں مدینہ میں آپؓ نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئیں۔ حضرت عائشہ وہ واحد اُم المومنین ہیں جن کے پہلے شوہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، آپؓ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہیں۔ جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا آپؓ کی عمر 18 برس تھی۔ آپ ﷺ کا وصال حضرت عائشہؓ کے حجرے ہی میں ہوا اور وہیں قبر انور بنی۔ حضرت عائشہؓ کا انتقال 57ھ میں ہوا اس وقت آپؓ کی عمر 66 برس تھی۔

(* حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ:۔ حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر خنیسؓ بن حذافہ تھے جو بدر اور اُحد کے درمیان کے وقت میں انتقال کر گئے تھے۔حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی انہوں نے حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت ابو بکرؓ کو کہا کہ نکاح رلیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت حفصہؓ کو ام المومنین کا درجہ دینا تھا۔اسلئے 3ھ میں آپؓ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔آپؓ کا انتقال 45ھ میں ہوا۔

(* حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین:۔ حضرت زینبؓ کے پہلے شوہر حضرت عبداللہؓ بن جحش تھے۔وہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔آپؓ 4ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں اور فقط آٹھ ماہ بعد ہی آپؓ کا انتقال ہو گیا آپ مسکینوں کا بڑا خیال کرتی تھیں اس لئے آپؓ کا لقب اُم المساکین پڑ گیا تھا۔

(* اُم سلمہ ہندؓ بنت ابی امیہ:۔ آپؓ کا نام ہند تھا اور کنیت اُم سلمہ تھی۔ آپؓ عبداللہؓ بن عبدالاسد المعروف ابو سلمہؓ کے عقد میں تھیں۔ابو سلمہؓ جنگ اُحد میں زخمی ہوئے اور جانبر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی 4ھ کو انتقال کر گئے۔شوال 4ھ میں آپؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں۔آپؓ کا انتقال مختلف روایتوں کے مطابق 58ھ،59ھ،61ھ یا 63ھ ہے۔ (* حضرت زینب بن جحش:حضرت زینبؓ کے پہلے شوہر حضرت زید بن حارث تھے حضرت نے آپؓ کو طلاق دے دی۔اس کے بعد آپؓ حضور اکرم ﷺ کے عقد میں آئیں۔

حضرت زیدؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ بولے بیٹے تھے۔عرب میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کے ذریعے شریعت کو مکمل نافذ کرنا چاہتا تھا۔چناچہ اس غلط روایت وسوچ کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کی شادی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی اور قرآن کریم میں اس نکاح کیلئے کئی آیات اُتریں۔یہ شادی ذیالقعد 5ھ میں ہوئی۔ آپؓ کا انتقال 20ھ میں 53 برس کی عمر میں ہوا۔

(* حضرت زینب بنت حارث:۔ حضرت جویریہؓ بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔آپؓ پہلے مسافع بن صفوان نکاح میں تھیں۔جو غزوۂ مریسیع میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔بنو المصطلق کے قیدیوں میں آپؓ بھی لائیں گئیں۔آپؓ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔انہوں نے آپؓ سے مکاتبت کر لی یعنی مقررہ رقم عوض آزاد کر دینے کا معاملہ طے پا گیا۔حضور اکرم ﷺ نے انہیں مقررہ رقم ادا کر کے حاصل کر لیا اور نکاح کر لیا۔

حضرت جویریہ بنو المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔آپؓ کا انتقال 65 برس کی عمر میں 50ھ میں ہوا۔ (* اُم حبیبہؓ رملہ بنت ابو سفیان: آپؓ مکہ کے ایک بڑے سردار ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔آپؓ عبیداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔عبیداللہ پہلے مسلمان ہوا پھر مرتد ہو گیا جس کی بناپر = دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ محرم 7ھ میں آپؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں اس کے بعد ہی ابو سفیان کی دشمنی ٹھنڈی پڑ گئی۔آپؓ کا انتقال 44ھ میں ہوا۔

(* حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب: آپ بن نضیر (یہودیوں کا قبیلہ جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت تنگ کیا۔) کے شیطان اکبر حیی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔آپؓ حضور اکرم ﷺ سے نکاح سے پہلے یکے بعد دیگرے دو لوگوں کے نکاح میں

رہیں۔ سلام بن مشکم کہ جس نے آپؓ کو طلاق دے دی اور کنانہ بن ابوالحقیق جو کہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ آپؓ غزوہ خیبر میں قید کر کے لائی گئیں۔ بعد میں آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح 7ھ میں میں فتح مکہ کے بعد ہوا آپؓ بنی اسرائیل سے تھیں۔ آپؓ کا انتقال 5ھ میں ہوا۔

(* حضرت میمونہؓ بنت حارث:۔ آپؓ مسعود بنت عمرو کے عقد میں تھیں۔ مسعود نے آپ کو طلاق دیدی۔ اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آئیں۔ یہ شادی ذی القعد 7ھ میں ہوئی۔ آپؓ کا انتقال 51ھ میں ہوا۔ (* حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں دو امہات المومنینؓ نے وفات پائی۔ باقی تمام نے بعد کا زمانہ دیکھا۔ ایک تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں اور دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین تھیں۔

(* حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا۔ ایک حضرت ماریہ قبطیہؓ اور دوسری حضرت ریحانہؓ بنت زید تھیں۔ (* حضرت ماریہ قطبیہ کو مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ ان کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے جو 28 یا 29 شوال 10ھ میں انتقال کر گئے۔

(* حضرت ریحانہؓ بنت زید، یہود کے قبیلے بنو نضیر یا بنو قریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ انہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحیثیت لونڈی نہیں رکھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی۔

ازواجِ مطہرات

قانون ایک وقت میں ایک بیوی کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم کچھ ایسے ہنگامی حالات پیش آ سکتے ہیں جن کے پیش نظر اس اصولی قانون میں استثنا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ کی زندگی میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ۔۔۔

۱۔ مسلمانوں کی جماعت محدود تھی۔

۲۔ مسلسل غزوات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پوری مدنی زندگی میں جاری رہا۔ ان غزوات کی وجہ سے نوجوان افراد کی کمی ہوتی چلی گئی اور بیوائیں اور یتیم بچے دن بدن زیادہ ہوتے گئے۔

۳۔ ان کے علاوہ مسلمان عورتیں اپنے غیر مسلم خاوندوں کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف آنا شروع ہو گئیں۔

۴۔ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں سے شادی کر سکتی تھیں، کسی غیر مسلم سے نہیں کر سکتی تھیں۔

۵۔ ایسے حالات میں بیواؤں کی اور شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد، مردوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو گئی۔ بیواؤں کے ساتھ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم اور لاوارث ہو گئے۔

ان ہنگامی حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں تم دیکھو کہ یتیم بچے اور بیوہ عورتیں معاشرہ میں زیادہ ہو گئیں ہیں اور ان کے مسئلہ کا منصفانہ حل نہیں مل سکتا تو ان عورتوں میں سے اپنی پسند کے مطابق نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار تک (یعنی حالات کے پیش نظر)۔ تاہم اس کے لئے بھی ایک شرط ہے کہ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ”ایک بیوی کا اصول“ بر قرار رہے گا۔

”اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار، سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔(سورۃ النساء۔ آیت 03)

جیسا کہ ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مکی زندگی میں ”ایک وقت میں ایک بیوی“ کے اصول کی پابندی کی۔ لیکن مدینہ میں آکر جب اس قسم کے ہنگامی حالات پیدا ہو گئے تو اس اہم اجتماعی مسئلہ کے حل کے لئے ایک سے زیادہ نکاح کی ضرورت پیش آئی۔ سیر و تاریخ کی کتابوں میں جن ازواج مطہراتؓ کا ذکر آیا ہے، اس سے واضح ہے کہ وہ (سوائے حضرت عائشہؓ کے) ایسی خواتین تھیں جو لاوارث رہ گئی تھیں اور ان کے لئے حفاظت اور باعزت چھت مہیا کرنا نہایت ضروری تھا۔ ان میں سے بعض نہایت بلند خاندانوں کی خواتین تھیں، انہیں ان کی عزت و احترام کے پیش نظر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے دامن عاطفت میں پناہ دی۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معزز خواتین اور ان کے یتیم بچوں کو اس قسم کی باعزت پناہ اسی صورت میں مل سکتی تھی کہ انہیں خاندان کا فرد بنالیا جائے۔

ازواج مطہراتؓ کے حقوق کا لحاظ اور ان کے درمیان عدل و توازن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا کارنامہ ہے جو مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ بیوی کے تعلق میں معاشرتی حیثیت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ خاوند اگر بیوی کو اپنے گھر میں عزت نہیں دیتا تو گھر کا نظام مستحکم نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف یہ کہ ازواج مطہراتؓ کے وقار کا خیال رکھا بلکہ عورت کو بیوی کی حیثیت میں بلند مقام عطا فرمایا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔۔۔

”اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر ان کی کوئی بات تمہیں ناگوار بھی گزرے، ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک بات ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں تمہارے لئے بڑے فائدہ کی بات مخفی رکھی ہو۔“(سورۃ النساء۔ آیت 19)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

”مومنین میں کامل وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہے۔“ (سنن ابن ماجہ۔ جلد دوئم۔ حدیث 135)

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشری زندگی کا جو پہلو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں مرتبے کی تمام عظمتوں کے باوجود انسانی زندگی کے شائستہ مظاہر نظر آتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے حکم اور خود اپنے فرمان کو عملی طور پر سب سے پہلے اپنے گھر میں نافذ فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر میں ازواج مطہراتؓ کی باتیں سنتے، ان کے اختلافات ختم فرماتے تھے اور کوئی ایسی بات فرماتے تھے کہ بیگمات خوش ہو جاتی تھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کا شاندار معیار قائم کیا۔ اپنی بیگمات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تعلق خاطر تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح ان سے اچھا برتاؤ فرماتے تھے اس کا اندازہ ان واقعات سے ہوتا ہے جو حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام ازواج مطہراتؓ سے یکساں سلوک روا رکھتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی دل جوئی کرتے، ان کے جذبات واحساسات کی قدر کرتے، ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتے، چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا فرماتے۔ ان کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح ازواج مطہراتؓ کی خاطر داری فرماتے تھے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے ہوتا ہے۔

*۔ایک مرتبہ حبشہ کے لوگ اپنا کرتب دکھا رہے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام فرمایا اور حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے کھڑے ہو کر کرتب دیکھے۔

(بخاری شریف۔ جلد دوئم۔ حدیث 745)

*۔ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازواج مطہراتؓ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں تو زار و قطار رونے لگیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور تسلی دی اور اُنہیں چپ کرایا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قدر تسلی دیتے وہ اس سے زیادہ روتیں تھیں، دیر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چادر کے پلو سے ان کے آنسو پونچھتے رہے۔(مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم۔ حدیث 973)

*۔اسی طرح ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا: ”کیوں رو رہی ہو؟“

حضرت صفیہؓ نے جواب دیا حفصہؓ نے مجھے طعنہ دیا ہے کہ، ”تم یہودن ہو جب کہ ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے ہیں۔“ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"واہ! یہ رونے کی کون سی بات ہے۔ تم نے کیوں نہ کہا کہ میرا باپ ہارونؑ ہے اور میرا چچا موسیٰؑ ہے جب کہ میرا شوہر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے پھر بھلا مجھ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟" اس بات سے حضرت صفیہؓ کا دل خوش ہو گیا اور وہ ہنسنے لگیں۔ (جامع ترمذی۔ جلد دوئم۔ حدیث 1823)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازواج مطہراتؓ پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے اور حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ان کو اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے۔ کسی معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سرزنش بھی فرماتے تھے لیکن سرزنش کرتے ہوئے بھی اس طرح مخاطب ہوتے تھے کہ بات بھی سمجھ میں آجائے اور طبیعت پر گراں بھی نہ گزرے۔ ازواج مطہراتؓ کبھی کبھی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عمل کو پسند فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی بات پر رنجیدہ خاطر ہو گئیں اور قدر بلند آواز سے بولنے لگیں۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لے آئے وہ یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھے کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلند آواز سے بات کر رہی ہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور انہیں بچا لیا۔
حضرت عائشہؓ سہمی ہوئی بیٹھیں تھیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے پاس جا کر فرمایا:
عائشہؓ دیکھو کس طرح تمہیں بچایا؟ یہ سن کر حضرت عائشہؓ مسکرانے لگیں۔

شفیق باپ

اولاد کی پرورش والدین کا اوّلین فریضہ ہے۔ ان کی غذائی ضروریات کو پورا نہ کرنا، ان کی صحت کا خیال نہ رکھنا، ان کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتنا، قرآن کریم کی رُو سے جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔

"جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا ان کے لئے سخت تباہی ہے۔"

(سورۃ الانعام۔ آیت 140)

اچھا باپ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کی پرورش اچھی طرح کرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں ایک شفیق باپ اور ایک اچھے والد کی تمام خوبیاں تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اولاد سے نہایت محبت تھی اور ایک شفیق باپ کی حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کامل و مکمل شخصیت تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی پیدائش پر جس طرح خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور پھر ان کی وفات پر جو طرز عمل اختیار کیا وہ قابل تقلید ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ خاندان میں کسی کو عیال و اطفال پر مہربان نہیں دیکھا۔ حضرت ابراہیم کے دودھ پینے کا انتظام مدینہ کے بالائی حصہ میں ابو سیف کے گھر پہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں اکثر تشریف لے جاتے۔ حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور پیار کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ابو سیف کے گھر پہنچے (وہ حضرت ابراہیم کے رضاعی باپ تھے)۔ حضرت ابراہیم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھایا اور ان کے منہ پر بوسہ دیا۔ حضرت ابراہیم اس وقت جان کنی کے عالم میں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ رو رہے ہیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"اے ابن عوفؓ یہ شفقت اور رحمت ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر رونے لگے اور فرمایا:

"آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے۔" (صحیح بخاری۔ جلد اول۔ حدیث 1223)

بیٹیوں سے محبت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بیٹیوں سے بے حد محبت تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابو العاص ایک جنگ میں مسلمانوں کے اسیر ہوئے تو فدیہ کے لئے صاحبزادی نے ہار بھیجا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پریشان ہو گئے اور صحابہؓ کے مشورہ سے ہار واپس کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو العاص کے متعلق ہمیشہ اچھی رائے کا اظہار فرماتے رہے کیونکہ انہوں نے حضرت زینبؓ کو کبھی دکھ نہیں دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا۔ حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ کیلئے روانہ ہوئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، واللہ! ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بی بی کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضرت سعید بن المسیّبؓ سے روایت ہے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کی وجہ سے حضرت عثمانؓ اکیلے ہو گئے اور حضرت حفصہؓ اپنے شوہر کی وفات کے باعث بیوہ ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان فرمائی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تمہیں اس سے بہتر رشتہ بتاؤں۔ میں حفصہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیتا ہوں ام کلثومؓ کا ہاتھ عثمانؓ کے ہاتھوں میں دے دیتا ہوں۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے حد غمگین تھے اور بعد میں بھی اکثر اپنی صاحبزادی کو یاد کر کے اشک بار ہو جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حد درجہ پیار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر

ان سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تشریف لاتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو جاتے ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ملاقات فرماتے۔

بچوں پر شفقت

بچوں پر شفقت کرنا ہر معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرتی اصول بتاتے ہوئے فرمایا ہے

”جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔“

(سنن ابن داؤد۔ جلد سوئم۔ حدیث 1506)

اس اصول کو سب سے پہلے اپنانے والی ہستی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچوں پر شفقت کے حوالے سے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نواسوں، نواسیوں سے بہت پیار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ کو گود میں لے کر پیار کرتے تھے، ان کے لئے دعا کرتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسنؓ کو پیار کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میرے دس بچے ہیں میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“ (بخاری شریف۔ جلد سوم۔ حدیث 935)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دوڑتے ہوئے آئے اور نانا کی گود میں بیٹھ گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر سے حضرت حسنؓ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر گزر رہے تھے کہ کسی نے عرض کیا۔ ”کیا اچھی سواری ہے۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”سوار بھی تو اچھا ہے۔“

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد پنجم۔ حدیث782)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جارہے تھے راستے میں حضرت حسینؓ کو کھیلتے دیکھا تو رک گئے اور آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور نواسے کو سینے سے لگالیا۔ حضرت حسینؓ دوڑتے ہوئے پاس آتے اور دوڑ کر نکل جاتے اور بہت خوش ہوتے اور جب دوبارہ دوڑتے ہوئے آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھا کر محبت سے اپنے سینے سے لگالیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کچھ تحائف آئے، ان تحفوں میں سونے کا ایک خوبصورت چھلّہ بھی تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یہ چھلّہ میں اسے دوں گا جو مجھے بہت پیاری ہے۔'' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ چھلّہ اپنی نواسی امامہ کو دے دیا۔ (سنن ابن ماجہ۔ جلد سوئم۔ حدیث525)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز ادا کررہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نواسی امامہ آئیں اور نانا کے کندھوں پر سوار ہوگئیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رکوع میں گئے تو امامہ کو گود میں لے کر نیچے اتار دیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رکوع اور سجدے کے بعد کھڑے ہوئے تو نواسی کو اپنے کندھوں پر بٹھالیا۔

(ابوداؤد۔ جلد اول۔ حدیث913)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے تشریف لاتے اور لوگ استقبال کے لئے نکلتے تو بچے بھی ساتھ ہوتے اور وہ معمول کے مطابق دوڑ کر ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے، جو بچے پہلے پہنچتے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری پر بٹھا لیتے تھے۔

یہ شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی۔ ایک مرتبہ کسی غزوے میں چند بچے بھی بے ارادہ مارے گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تو بڑا رنج ہوا۔ کسی کی زبان سے نکلا ''یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! وہ مشرکین کے بچے تھے۔''

فرمایا:
''مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان اللہ تعالیٰ کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔''

حضرت جابرؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز قائم کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ چلنے لگا۔ سامنے سے چند اور بچے آگئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

اہل بیت کی تعلیم اور تربیت

بچوں کی تربیت گھر سے شروع ہوتی ہے۔ گھر ایک سوسائٹی ہے۔ سوسائٹی کے افراد نمونہ ہوتے ہیں۔ گھر کے بزرگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو بُری عادتوں اور بُری باتوں سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ۔"

(سورۃ التحریم۔ آیت 6)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اہل خانہ کے ساتھ انتہائی درجے محبت اور شفقت فرمائی اور ان کی بہتر تعلیم وتربیت پر بہت زیادہ توجہ فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق کی۔ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل بیت سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ نبیؐ کی بیویوں تم میں سے جو صریح فحش کا ارتکاب کرے گی، اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے رزق مہیا کر رکھا ہے۔ نبیؐ کی بیویوں، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے سنگھار کا اظہار نہ کرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبیؐ سے گندگی کو دُور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔" (سورۃ الاحزاب۔ آیت 28 تا 34)

عزیز واقارب سے حسن سلوک

قرآن کریم نے جس طرح والدین اور اہل خانہ سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے اس طرح قرابت داروں سے بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

"اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور رشتے داروں کے ساتھ بھی۔"

(سورۃ البقرہ۔ آیت 83)

حسن سلوک کے معنی ہیں کہ ضرورت کے وقت والدین اور عزیز واقارب کی مدد کی جائے۔

"ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں، بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں

اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگدستی، دُکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔"(سورۃ البقرہ۔ آیت 177)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ابو طالب کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھتیجے حضرت علیؓ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ مکی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقارب نے ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض انتہائی قریبی رشتہ دار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ختم کرنے کی سازش میں شریک تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں ہمیشہ کلمہ خیر کہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جن قریبی رشتہ داروں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے ساتھ تو حسن سلوک تھا مگر جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ان سے بھی ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آئے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباس بھی شامل تھے۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباس کی رسیاں اتنی سخت بندھی ہوئی تھیں کہ وہ درد سے کراہ رہے تھے۔ جب چچا کے کراہنے کی آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سماعت تک پہنچی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے قرار ہوگئے اور بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگے۔ جب صحابہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے چین دیکھا تو وہ بھی بے قرار ہوگئے اور غور کرنے پر سمجھ گئے کہ عباس کی تکلیف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے چین کر رکھا ہے۔ صحابہؓ نے فوراً جا کر رسیوں کے بند ڈھیلے کر دیئے، کراہنے کی آوازیں بند ہوئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آرام ملا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھوپھیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا عمدہ معیار قائم رکھا اور ان کی مالی معاونت بھی کی۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے چچازاد بہن بھائیوں کا بہت لحاظ تھا۔ نوفل بن حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے محبت و شفقت کا بے پناہ اظہار فرمایا۔ حضرت زبیرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ انکا خیال رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بچپن میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ ان سے محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔

پڑوسیوں سے حسن سلوک

اسلام نے قرابت داروں کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں سے بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ اسلام نے اس بات کی تخصیص نہیں کی کہ پڑوسی جان پہچان والا ہو یا اجنبی۔

"اور پڑوسیوں کے ساتھ بھی (حسن سلوک سے پیش آؤ) خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی۔"

(سورۃ النساء۔ آیت 36)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حسن معاشرت میں سب سے مقدم حق ہمسایہ کا ہے۔ہمسایہ کے حق کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے یہاں تک تاکید فرمائی کہ وہ شخص صاحب ایمان نہیں جس کی برائیوں سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔(مسلم۔ جلد اول۔ حدیث174)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑوسیوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں جو کچھ پکتا اُنہیں ضرور بھجواتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ گوشت پک رہا ہو اور زیادہ نہ ہو تو اہل خانہ کو ہدایت فرماتے کہ شوربہ زیادہ بنانا تاکہ اس میں پڑوسی بھی شریک ہوسکیں۔ بیماروں سے شفقت کا یہ عالم تھا کہ دور دور تک ان کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

عفوودرگزر

صبر و حلم اور عفوودرگزر کے باب میں صرف یہ عرض کردینا کافی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے عمر بھر کسی سے ذاتی بدلہ نہیں لیا سب کو معاف کردیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام ایک یہودی کے مقروض تھے۔ اگرچہ ادائے قرض کے وعدے میں تین روز باقی تھے مگر یہودی نے تین روز پہلے ہی قرض ادا کرنے کا تقاضہ کردیا اور اس نے یہ بھی کہا کہ عبدالمطلب کے خاندان کے لوگ بڑے نادہند ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی اس وقت موجود تھے، انہوں نے یہودی کو سختی سے جھڑک دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا:

”عمر تمہیں لازم تھا کہ تم طریقے سے بات کرتے اور فرمایا:

”اے عمر! اس کا قرض بھی ادا کردو اور بیس صاع زیادہ دے دو کیونکہ تم نے اسے ڈانٹا ہے۔“

غزوہ احد میں دندان مبارک شہید ہوگئے اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام زخمی ہوگئے۔ مگر یہی دعا فرمائی کہ

”اے اللہ تعالیٰ! میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا، وہ حقیقت حال سے ناآشنا ہیں۔“

خطبہ حج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایام جہالت کے خون اور قرضے معاف کردیے تو سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون اور اپنے خاندان میں سے حضرت عباسؓ کا قرضہ معاف فرمادیا۔

”اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ تمہارے خدمت گزار تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اختیار میں دیا ہے۔ اس لئے جس کا بھائی اس کے اختیار میں ہو اسے چاہیئے کہ جو خود کھاتا ہے وہ اسے بھی کھلائے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ “



باب 13

سیرت نگار

سیرۃ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع "سیر" ہے۔ یہ لفظ سار، یسیر، سیر اً و میسراً سے نکلا ہے اور اس کے معنی طریقہ ،راستہ ، جانا، چلنا، سنت ، حالت ، کردار ہیں۔ عام اصطلاح میں اس سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی اور حیات مبارکؐ کا بیان ہے ۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے لکھا ہے۔ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ کی سیرت طیبہ کے بارے میں جو کچھ لکھا جائے اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل مضامین ہوں اُسے "سیرت" کہتے ہیں۔ "محدثین کے نزدیک سیرت سے مراد" مغازی اور جہاد سے متعلق تفصیلات ہیں۔" اسی لئے سیرت کے موضوع پر ابتدا میں جو کتابیں لکھی گئیں ،"مغازی" کہلائیں چناچہ امام مسلم کی جامع میں "کتاب السیر و الجہاد" اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں "کتاب المغازی والیسر" کے عنوانات موجود ہیں اور فقہی کتب میں بھی یہ استعمال ہے۔

ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی اور سیرۃ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اولین دور کے سیرت نگاروں نے سیرت پر جو کتابیں لکھیں ان میں غزوات کے واقعات کا کثرت سے تذکرہ کیا گیا ہے مگر بعد میں " سیرت" کا مفہوم غزوات تک محدود نہیں رہابلکہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھی تفصیلات بیان ہوئیں۔

سیرت النبیؐ کے ماخذ

مدینہ منورہ میں جب تابعین نے سیرت نگاری شروع کی تو ان کے پاس دو اہم ماخذ تھے۔ ایک قرآن کریم، دوسرا حدیث ،سیرت نگاری کے دوسرے ماخذ بھی سیرت نگاری کا حصہ بنتے رہے۔ سیرت نگاری کے اہم ماخذ درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم ۲۔ احادیث ۳۔ اسماء الرّجال ۴۔ تاریخ عرب

۵۔ کتب مغازی و سیر ۶۔ عرب شاعری ۷۔ کتب تفاسیر ۸۔ کتب شمائل

۹۔ کتب دلائل ۱۰۔ آثار و اخبار

۱۔ قرآن حکیم

قرآن حکیم ہمیں یہ ادراک عطا کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کا نزول انسانوں کے لئے ایسا نظریۂ حیات ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ قرآن کریم میں وحی کے ذریعے جو احکامات نازل ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی عملی تفسیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیقی نظام کی تکمیل کے لئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے کی بار بار ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو علوم عطا کئے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا مظہر اور عملی نمونہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔"

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 32)

"بستی والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے۔ اور رسول کا۔ اور قرابت والوں کا اور یتیموں کا، مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے۔ تاکہ تمہارے (دولت مندوں کے) ہاتھ میں ہی یہ مال گردش نہ کرتا رہے اور تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے، رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔"

(سورۃ الحشر۔ آیت 7)

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعزاز ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے جو منسلک ہو گیا اس کی ذہنی اور فکری تربیت اس طرح ہو جاتی تھی کہ وہ توحید پر عمل پیرا ہو جاتا تھا۔

قرآن حکیم، سیرتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماخذ ہے۔ اس الہامی کتاب کی ۱۱۴ سورتوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکؐ مذکور ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے اہم پہلو واضح کیے گئے ہیں۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد کے بعض واقعات پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار کی خصوصیات بتائی گئیں ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و کردار کو مومنوں کیلئے ایک اعلیٰ مثال قرار دیا ہے۔

۲۔ احادیث

قرآن حکیم کے بعد سیرت نبوی کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جن کے راویوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ محدثین نے بے حد تلاش، محنت اور کاوش کے بعد احادیث کی کتابیں مرتب کیں ہیں اور سیرت کیلئے ایسا بے مثال ریکارڈ محفوظ کر دیا ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

الف۔ صحیفہ صادقہ

عہد نبوی میں صحابہ کرامؓ کے نوشتوں میں سب سے زیادہ شہرت صحیفہ "صادقہ" کو حاصل ہوئی۔ جسے حضرت عبداللہ بن مروالعاص(م۶۵ھ) نے مرتب کیا تھا۔ صحیفہ "صادقہ" میں بقول الاثیر، ایک ہزار احادیث جمع تھیں۔

ب۔ صحیفہ ہمام بن منبہ

مشہور صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ جو اصحاب صفہ میں شمار ہوتے تھے ۷ھ میں مدینہ تشریف لائے۔ مدینہ آنے کے بعد اکثر و بیشتر وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربت میں رہتے تھے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔ آپؓ نے بھی احادیث کے کئی مجموعے مرتب کیے تھے۔ لیکن سوائے ایک کے سب ضائع ہوگئے، جو صحیفہ بچ گیا، وہ حضرت ابوہریرہؓ کے ایک شاگرد ہمام بن منبہ (م۱۰۱ھ) نے روایت کیا اور اب انہی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ تالیف مکمل طور پر محفوظ رہنے کی وجہ سے اب تک دریافت شدہ مجموعوں میں اولیت کا شرف رکھتی ہیں۔

ج۔ کتب الآثار

امام ابو حنیفہؒ نے پہلی مرتبہ احادیث کو باقاعدہ کتاب و ابواب پر مرتب کیں اور اس کا نام "کتاب الآثار" رکھا۔

د۔ مؤطا

احادیث کا دوسرا اہم مجموعہ "مؤطا" جو اہل مدینہ کی روایات اور فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ جسے امام مالک نے ۱۴۳ھ میں ترتیب دیا۔ اس کتاب کی تدوین کے وقت اس کے پیش نظر ہزاروں احادیث کا ذخیرہ تھا، جس میں سے آپؒ نے صرف ایک ہزار سات سو بیس احادیث منتخب فرمائیں۔

ہ۔ مسند احمد بن حنبل

احادیث نبوی کا ایک بڑا مجموعہ "مسند امام احمد بن حنبل" ہے۔ امام احمد بن حنبل نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے چالیس ہزار کے قریب احادیث اپنے مجموعے میں شامل کیں۔

و۔ صحاح ستہ

صحاح ستہ ان چھ کتابوں کو کہا جاتا ہے جو احادیث نبوی کے بہترین انتخاب پر مشتمل ہیں۔ یہ کتابیں اپنے مؤلفین کے نام سے مشہور ہیں۔ یعنی :

۱۔ بخاری ۲۔ مسلم ۳۔ ابوداؤد

۴۔نسائی ۵۔ترمذی ۶۔ابن ماجہ

۳۔اسماء الرجال

سیرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ماخذ کتب اسماء الرجال ہیں، جو سینکڑوں کی تعداد میں قدیم محدثین اور مصنفین نے بڑی محنت و کاوش کے بعد مرتب کیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی چونکہ صحابہؓ نے روایت کیے اور ان سے تابعین نے سنے اور نوٹ کیے اور ان کے بعد تبع تابعین نے سن کر محفوظ کیے، اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ "یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے، کون تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ ان کی کنیت لقب کیا تھا؟ کہاں کے رہنے والے تھے ان کے آباؤ اجداد کون تھے؟ کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟ غرض

ان ہزاروں راویوں کے بارے میں تحقیق کا اتنا بڑا ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم و جدید کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔ ان کا نام "اسماء الرجال" ہے۔ یہ حالات جن کتابوں میں جمع کیے گئے ہیں انہیں "کتب اسماء الرجال" کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں اس لحاظ سے بڑی مفید ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و کوائف تحریر کرتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بھی ان میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کچھ سنا، سیکھا یا جو بھی واقعہ ان کی نظر سے گزرا وہ سب کچھ صحابہؓ نے اپنے راویوں کے سامنے پیش کیا۔ یوں صحابہ کرامؓ کے حالات سے بالواسطہ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے واقعات سے آگہی ہوئی۔ ان میں سے بیشتر کتابیں اب ناپید ہیں لیکن بعد کی تصانیف چونکہ انہی سے ماخوذ ہیں اس لیے ان کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد از ابن سعد ۲۔ تواریخ امام بخاری ۳۔ کتاب الجرح والتعدیل ۴۔ اسد الغابہ از ابن کثیر ۵۔ میزان الاعتدال از امام ذہبی

۴۔تاریخ عرب

قبل از اسلام عربوں میں تاریخ نگاری کا باقاعدہ کوئی رواج نہیں تھا۔ تاہم یمنی عربوں کے پاس تاریخ نگاری کی روایت ضرور تھی اور ان کے پاس کچھ تاریخی تحریری سرمایہ بھی تھا۔ پھر عربوں کی شاعری، ایام العرب کے تذکرے اور علم انساب کی وجہ سے ان کے پاس ایک تاریخی سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔ جس نے آگے چل کر تاریخ نگاری کی روایت قائم کرنے میں عربوں کی مدد کی۔ قصص اور اشعار کے ذریعے وہ اپنی آنے والی نسلوں کو آبائی اور قبائلی روایات سے آگاہ کرتے تھے۔ اس کیلئے وہ خاص اہتمام کرتے تھے۔ چاندنی راتوں میں کھلی جگہ پر جمع ہو کر اپنے قبائل کے بہادرانہ کارنامے سنائے جاتے تھے۔

جب نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا جس میں متعدد مقامات پر سابقہ امتوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تو مسلمانوں میں فطری طور پر تاریخ سے دلچسپی پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ قرآن نے ایک زبردست تاریخی سرمایہ بھی فراہم کر دیا تھا لہٰذا عربوں نے تاریخ نویسی شروع کر دی تھی۔ اس طرح عربوں کی تاریخ نویسی سیرت نگاری میں معاون رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکؐ سے

قبل کے واقعات حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے آباؤ اجداد کے حالات کی تفصیلات اور دیگر اہم معلومات ہمیں عرب کی تاریخ فراہم کرتی ہے۔

۵۔کتب مغازی وسیر

سیرت حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا ایک اور اہم ماخذ ”مغازی“ اور سیرت کی وہ کتابیں ہیں جو ابتدائی دور کے بزرگوں نے مرتب کیں۔ مغازی سے مراد وہ جنگیں ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے خود شرکت فرمائی۔ اصولاً تو مغازی کو صرف ”غزوات نبوی“ اور ان کے شریک صحابہ کرامؓ کے تذکرے تک محدود رہنا چاہیئے تھا، لیکن اپنے توسیعی مفہوم میں اس اصطلاح کا اطلاق حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی پوری حیات مبارکہ پر کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی زندگی (بالخصوص مدنی زندگی) کے تذکرے پر مشتمل کتابوں کو مغازی کہا جاتا ہے اور سیرت بھی۔“

۶۔عرب شاعری

سیرت رسول علیہ الصلوٰۃوالسلام کا ایک اور ماخذ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے زمانے کی وہ شاعری ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی ذات مبارک کے حوالہ سے کی گئی ہے۔اس زمانے کے شعرا میں حضرت ابوطالب، اعشیٰ، حضرت کعبؓ بن زہیر، حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت عبدؓاللہ بن زبعری، حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت فضالہ لیثیؓ اور حضرت عباسؓ بن مرداس کے نام اہم ہیں۔ان شعرا کے اشعار سیرت نگاری میں بڑی افادیت کے حامل رہے۔

۷۔کتب تفاسیر

سیرت حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا ایک اور اہم ماخذ کتب تفاسیر ہیں جو قرآن کریم کے معانی و مطالب کی وضاحت کے لئے سیرت نگاروں نے تحریر کیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے حالات دریافت کرنے کا سب سے مستند ذریعہ قرآن کریم ہے، چنانچہ جب قرآن حکیم کی آیات کی تشریح کی جاتی ہے تو سیرت کی نسبت سے وہ مقامات زیادہ اہم ہوجاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کو مخاطب کیا ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی زندگی کے مختلف واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ تفاسیر اسوقت بھی معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ثابت ہوتی ہیں جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیات قرآنی کے نزول کے اوقات، اسباب اور مقامات کون کون سے تھے؟ اور ان کا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی ذات مبارکہ سے کیا تعلق تھا؟ اسی لیے تفسیر کی کتابیں، سیرت النبی علیہ الصلوٰۃوالسلام کا ایک اہم سرچشمہ قرار دی گئی ہیں۔

قرآن حکیم کے اولین مفسر حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کو اس کتاب کا مفسر اور ترجمان قرار دیا ہے۔

"یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ ان کے لئے اُتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ غور و فکر کریں۔" (سورۃ النحل۔ آیت 44)

تفسیر قرآن کا سلسلہ صحابہ کرام کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا۔ مفسرین صحابہ کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن ان کی تفسیری روایات کی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالواسطہ سنا یا وہ جس آیت کے نزول کے سبب سے واقف تھے۔

۸۔ کتب شمائل

سیرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ماخذ کتب شمائل ہیں۔ جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیہ مبارک، عادات و خصائل اور فضائل و معمولاتِ زندگی کا تذکرہ ہے۔ یوں تو کتب احادیث میں بھی شمائل نبوی کا ذکر ہوتا ہے، مثلاً صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں شمائل کا جداگانہ باب موجود ہے لیکن بعض کتابوں میں صرف شمائل کو ہی موضوع بنایا گیا ہے، چنانچہ امام ترمذی (م۲۷۹ھ) کی "کتاب الشمائل" اس فن کی سب سے پہلی اور مشہور تالیف ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے علماء، نے اس کی درجنوں شرحیں لکھیں ہیں۔ شمائل نبوی پر سب سے بڑی کتاب قاضی عیاض اندلسی (م۵۴۴ھ) کی "کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" ہے۔ جسکی شرح شہاب الدین خفاجی نے "نسیم الریاض" کے نام سے لکھی۔ اس فن کی دوسری کتابیں ابو العباس مستغفری (م ۴۳۲ھ) کی "شمائل النبیؐ" ابن المقری غرناطی (م۵۵۲ھ) کی "شمائل النور" اور مجد الدین فیروز آبادی (م۸۲۷ھ) کی "سفر السعادۃ" ہیں۔

۹۔ کتب دلائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہؐ کا ایک اور ماخذ کتب دلائلِ نبوت ہیں، جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور روحانی تعلیمات کا ذکر ہے۔ سید سلیمان ندویؒ نے "خُطباتِ مدارس" میں ایسی کئی کتابوں کے نام بتائے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات کے اس خاص پہلو کے بیان کے لئے وقف ہیں۔ مثلاً

۱۔ ابن قتیبہ (م۲۷۶ھ) کی "دلائل النبوۃ"

۲۔ ابو اسحٰق حربی (م۲۵۵ھ) کی "دلائل النبوۃ"

۳۔ امام ابو بکر بیہقی (م۴۳۰ھ) کی "دلائل النبوۃ"

۴۔ ابو نعیم اصفہانی (م۴۳۰ھ) کی "دلائل النبوۃ"

۵۔ امام سیوطی (متوفی 911ء) کی "خصائص الکبریٰ"

۱۰۔ کتب آثار واخبار

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کا ایک اور ماخذ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ کے حالات کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالاتِ زندگی اوران مقامات مقدسہ کے نام و نشان ہیں جن کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی تعلق رہا ہے۔

ان کتابوں کے مؤلفین نے ہزاروں سالوں پر محیط یہاں آباد ہونے والے قبائل اور تہذیبی و تمدنی زندگی کی تفصیلات ہمارے لیے فراہم کی ہیں۔ اس موضوع پر سب سے قدیم کتاب علامہ ازرقی (م ۲۲۳ھ) کی "اخبار مکہ" ہے جسے انتہائی مستند ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔علامہ قطب الدین (م ۹۸۶ھ) کی شہرہ آفاق تالیف "اعلام الاعلام" میں مکہ کے معاشی، معاشرتی اورانتظامی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا مصری کی نادرہ روزگار تصنیف "مراۃ الحرمین" چھ جلدوں پر محیط ہے۔ جس میں مصنف نے مکہ معظمہ کے بہت سے مقامات کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کو اجاگر کیا ہے اور اہل مکہ کی تعلیمی، تمدنی اور اخلاقی قدروں کو بڑی وضاحت وصراحت سے بیان کیا ہے۔

سیرت نگاری کا آغاز وارتقا

سیرت نگاری اُسی روز سے شروع ہوگئی تھی جب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنا شروع کردیا تھا۔اسی سلسلہ روایات کو تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے ذوق وشوق کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی پرورش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب صحابہ کرامؓ کی آغوش میں ہوئی اوراُس ماحول میں اُن کی تعلیم وتربیت ہوئی جس میں رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرزِ فکر رچی بسی ہوئی تھی۔ یہ وہی دور تھا جب معاشرے کا ہر فرد اپنی زندگی کے ہر عمل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کا خواہشمند تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرزِ فکر لاشعوری اور شعوری طور پر اپنانے کیلئے کوشاں رہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسی دور میں اسلام کی فتح وسربلندی، عظمت ورفعت کے ساتھ ساتھ تعلیماتِ نبویؐ کے منافی امور بھی فکر وعمل پر اثرانداز ہونا شروع ہوگئے تھے۔ یہ ہر دو پہلو عوام وخواص کی اُس دلچسپی کا محرک بنے جو حیاتِ مبارکؐ کے حقیقی نقوش کی تلاش وجستجو پر منتج ہوئی۔

سیرت طیبہ سے متعلق روایات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصدقہ اقوال کی تحقیق وتلاش نے وقت کے ساتھ ساتھ فنِ حدیث اور فنِ مغازی کے عنوان سے باقاعدہ علم کی صورت اختیار کرلی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال اور احکامات پر مشتمل راویات کو فنِ حدیث کے تحت جمع کیا جانے لگا اور اُن کی تصدیق وتحقیق کا معیار مقرر ہوا اور اس معیار تک پہنچنے کے اصول اور قاعدے مرتب ہوئے۔ اسی طرح سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ کے واقعات، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معمولات سے متعلق روایات اورروزمرہ زندگی کی جزئیات کی تحقیق وتدوین فنِ مغازی کے عنوان سے ہوئی اور یہی مجموعہ روایات سیرت نگاری کی اساس قرار پایا۔ گو کہ تحقیق وتصدیق اور طریقہ تشکیل ہر دو فنون میں یکساں اختیار کیا گیا لیکن معیار کا اطلاق جداگانہ رہا۔ یعنی احادیثِ نبوی کی تحقیق وتصدیق کے لئے جو معیار مقرر کئے گئے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات وواقعات کی تحقیق میں شامل نہیں ہوئے

اس طرح وہ روایات جو فنِ حدیث کے مقرر کردہ معیار میں غریب کہلائیں وہ کتبِ سیر میں شامل ہو گئیں۔ اس طرح محدثین اور سیرت نگاروں میں وقت کے ساتھ ساتھ فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ محدثین نے سیرت نگاروں کو اپنے سے کم تر سمجھا، واقدی کو اسی بنا پر اخباری کہا گیا۔

اسی داخلی مخاصمت کو دشمنانِ اسلام نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا اور جب اٹھارویں صدی عیسوی میں اہلِ یورپ علمی طور پر بیدار ہوئے اور امت مسلمہ کے علوم سے استفادہ کی جانب توجہ دی گئی تو اسلام کے مخالف یہود و نصاریٰ ان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ وہ جان چکے تھے کہ امتِ محمدیؐ جب تک اپنے محبوب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے گی یہود و نصاریٰ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اسی لئے انہوں نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدسہ کو اپنا ہدف بنایا اور حیاتِ مبارکہؐ سے متعلق روایات، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کی تدوین کو مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی مرتب کردہ تحریروں سے دلائل اور حوالہ جات پیش کئے۔ جس سے یہ ثابت کیا کہ روایات اور احادیث کی ترتیب و تدوین کا کام پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے نوے سال بعد یعنی دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس طرح احادیثِ نبوی اور سیرتِ طیبہ کے ضمن میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ و آئمہ کی تحقیقی اور علمی کاوشوں کو یکسر غیر معتبر اور مفروضہ قرار دینے میں اس حد تک کامیاب ہو گئے کہ مسلمانوں کے اندر بھی احادیث نبوی کے منکر اور سیرت مبارکہؐ میں غلو بیانی کا گمان کرنے والے گروہ پیدا ہو گئے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے دورِ اولین سے ہی عروہ بن زبیرؓ، ابان بن عثمانؓ، شرجیل بن سعدؓ، وہب بن منبہؓ، عاصم بن قتادیٰ انصاریؒ، عبداللہ بن ابی بکرؓ بن حزم، مسلم بن شہاب الزہریؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، معمر بن راشدؒ، محمد بن اسحٰقؒ، ابو معشر السندیؒ، زیاد بن عبداللہ البکائیؒ، ابن ہشامؒ، واقدیؒ اور ابنِ سعدؒ جیسے گرامی قدر حضرات نے سیرت نگاری کا عَلم بلند رکھا۔ انہی میں سے بعض حضرات جماعتِ محدثین میں بھی شامل رہے اور دیگر مستند محدثین کی طرح علومِ محمدیؐ کی ترویج میں شبانہ روز مشغول رہے۔ جماعتِ محدثین میں صحابہ کرامؓ کے علاوہ جو اسمائے گرامی نمایاں ہیں وہ یہ ہیں، عبداللہ ابنِ عباس، عبداللہ ابنِ عمر، بشیر بن نہیک، کریب، قتادہ بن دعامتہ، سردسی، ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ابی بکر، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام بخاری، ابوالولید، سفیان ثوری، ابی سلمہ، ابی سفیان اور سفیان بن عینیہ۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری و باطنی زندگی کے حقیقی خدوخال دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ان صاحبانِ علم و دانش کی کوششوں، محنت و لگن اور تحقیق و تصدیق کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ علمِ حدیث کی آغوش سے علم الرجال کی بنیاد پڑی جس کی بدولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مطہرہ اور دیگر بندگانِ خدا کی سوانحِ حیات کے درمیاں خطِ امتیاز قائم ہوا۔

آج مسلم دنیا جس طرح باہم دست و گریباں ہے اور دشمنانِ اسلام کی ظاہری اور باطنی یلغار کا نشانہ بنی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا طرزِ عمل سرچشمہ ہدایت سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ فکر و عمل میں باعثِ تخلیقِ کائنات، محسنِ انسانیت، صاحب خلق عظیم، پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوری اُمتِ مسلمہ کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔

ابتدائی سیرت نگار

تابعین کا تعلق مسلمانوں کی دوسری نسل سے ہے، ان میں بیشتر صحابہ کرامؓ کے خاندان اور قریبی تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت اور عقیدت ورثے میں ملی تھی۔ تابعین میں یہ ذوق پیدا ہوا کہ حیات مبارکؐ سے متعلق واقعات کو جمع کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی زندگی کا کوئی عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے خلاف نہ ہو۔ تابعین کی اس نوجوان نسل میں حضرت ابان بن عثمانؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت شرجیل بن سعدؓ اور حضرت وہب بن منبہؓ کے نام نمایاں ہیں۔ اس دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت کا شرف حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ اور اُمہات المومنینؓ میں سے چند خواتین و حضرات ایسے موجود تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھریلو زندگی سے واقف تھے۔ حیاتِ طیبہؐ کے حالات اور واقعات جمع کرنے والے تابعین کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے مستفید ہوئے جن حضرات و خواتین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکؐ کو قریب سے دیکھا اور انہیں صحابہؓ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہوا۔ ان اولین سیرت نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابان بن عثمانؓ

آپ حضرت عثمان غنیؓ کے صاحبزادے ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے دس سال بعد ۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔ حضرت ابان بن عثمانؓ نے مدینہ منورہ میں اس وقت کے معروف علماء اور مشائخ سے حدیث، فقِہ، قرآن اور اس کی تفسیر کے علوم کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت ابان محدثین میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں عبدالرحمن ابو زناد اور الزہری کے نام نمایاں ہیں۔

عبدالملک نے ۷۵ھ میں انہیں مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ ابان ۸۳ھ تک سات سال مدینہ کے گورنر رہے۔ گورنری کے زمانے میں خلیفہ ہر سال انہیں امیر حج نامزد کرتے تھے۔ ابان بن عثمانؓ نے جعلی سکے بنانے والوں کو سزا دی اور اہل مدینہ کے صاع (ناپ کے پیمانے) میں اضافہ کیا۔ انہیں اپنے والد کے فتاویٰ حفظ تھے۔ ابان پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک خاص مجموعہ مغازی فراہم کیا۔ ابان شعر و شاعری کے شوقین تھے۔

آپ نے حیات مبارکؐ سے ان روایات کو جمع کرنے کیلئے کوشش فرمائی جو محدثین نے اپنی کتابوں میں شامل نہیں کی تھیں۔ ان کی جمع کردہ روایات میں بیشتر روایات غزوات سے متعلق ہیں۔ آپ نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

۲۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ

حضرت عروہ بن زبیرؓ سنہ ۲۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ عروہ بن زبیرؓ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ کے بیٹے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی خالہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت حضرت عروہ بن زبیر کی عمر ۱۲، ۱۱ سال تھی۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت ابان بن عثمانؓ کے ہم عصر تھے۔ حضرت عروہ نے مدینہ منورہ میں حدیث، فقِہ، قرآن اور تفسیر کے علوم میں مقام حاصل کیا۔ اگرچہ حضرت عروہؓ کا شمار ممتاز فقہا اور محدثین میں ہوتا ہے لیکن آپ کا منفرد مقام ان روایات کو جمع

کرنا ہے جنہیں "تاریخی آثار" کہا گیا ہے۔ حضرت عروہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت، نزول وحی، خفیہ اور اعلانیہ دعوت حق، مشرکین کی ایذا رسانی اور ظلم و ستم، ہجرت، غزوہ بدر، غزوہ احد اور دیگر غزوات سے متعلق تفصیلات لکھی ہیں۔

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا تفصیلی ذکر اور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری وقت کے حالات اور واقعات سے متعلق آثار میں روایات شامل ہیں۔ ان روایات کے بیشتر راوی آپ کے خاندانی بزرگ ہیں۔ جبکہ حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن زید، حضرت عمروؓ بن نفیل، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبدؓاللہ بن جعفر، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ کے اسمائے گرامی بھی "آثار" کے راویوں میں شامل ہیں۔ حضرت عروۃ بن زبیرؓ علم و عمل کے جامع تھے۔ سخت موسم میں بھی روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے تھے۔ حضرت عروۃ بن زبیرؓ نماز کو خوب احسن طریقہ اور کامل یقین سے ادا کرتے تھے اور قیام کو بھی خوب طویل کرتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز ادا کرتے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت نہیں ہے؟

حضرت عروہ بن زبیرؓ حد درجہ سخی اور کھلے دل کے مالک تھے۔ ان کی سخاوت اور کشادہ دلی کا مظاہرہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ مدینہ میں ان کا باغ ایک عظیم حیثیت رکھتا تھا جو کہ میٹھے پانی، گھنے درختوں اور کثیر تعداد میں کھجور کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ حضرت عروہؒ درختوں کو محفوظ رکھنے کیلئے باغ کے دروازے نہیں کھولتے تھے۔ لیکن جیسے ہی پھل پکنے کا موسم آتا تو حضرت عروۃؒ لوگوں کے داخلہ کی سہولت کی خاطر ہر خاص و عام کیلئے دروازے کھول دیتے۔ لوگ آتے جی بھر کر پھل کھاتے اور بقدر ضرورت لے بھی جاتے تھے۔

اولاد کی تربیت

حضرت عروۃؒ نے اولاد کی تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ انہوں نے اپنے بچوں کو طلب علم کی تربیت دیتے ہوئے فرمایا: علم حاصل کرو اور اسکا حق ادا کرو۔ کیونکہ اگر تم قوم کے معمولی لوگ ہو تو اللہ اس علم کے ذریعہ تمہیں بڑا مقام دے گا۔ حضرت عروۃؒ اپنے بیٹوں کو رضائے الٰہی کے لئے ہدیہ کرنے کی بھی ترغیب دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے شرم و حیا کی وجہ سے اپنے عزیز و اقارب کو ہدیہ نہ دے کر اپنے رب سے ہدیہ نہ روکو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے معزز، مکرم اور پسندیدہ ہیں۔ حضرت عروۃؒ نے زندگی کے 71 سال نیکی، تقویٰ اور اچھائی سے بھرپور گزارے۔ جب موت کا وقت قریب ہوا تو آپ روزہ سے تھے۔ ۹۴ھ میں نواحِ مدینہ میں اپنے علاقہ مجاج میں انتقال کیا۔
(ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۳)

عروہ کا طرز تحریر

اسناد

عروہ کچھ روایات میں تو سند کا ذکر کرتے ہیں مگر بعض روایات میں ان کو نظر انداز کیا ہے۔ عروہ نے ثقہ روایوں سے جو اخبار حاصل کیے تھے وہ اپنے شاگردوں کو زبانی منتقل نہیں کئے بلکہ صدر اسلام کے حوادث پر انہوں نے اپنی معلومات کو ترتیب بھی کیا تھا۔ اس طرح کے کئی مدون رسائل ہمیں ابن اسحٰق الواقدی اور الطبری کی کتابوں میں مل جاتے ہیں۔

قرآنی آیات اور اشعار

حضرت عروہ کی تحریر میں قرآنی حوالے زیادہ ہیں۔ جہاں تک اشعار کا تعلق ہے تو ان کی روایات میں یہ اشعار کبھی تو خود ان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں اور کبھی واقعات میں شریک افراد سے منسوب ہوتے ہیں۔

۳۔ حضرت شرجیلؒ بن سعد

آپ حضرت عروہ بن زبیرؓ اور حضرت ابان بن عثمانؓ کے ہم عصر تھے۔ حضرت علیؓ کو آپ نے دیکھا تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد مدینے کے انصار یا مکہ سے آنیوالے مہاجرین میں سے نہیں تھے بلکہ آپ کا تعلق جنوبی عرب سے تھا اور بنی خطمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مدینے میں پلے بڑھے اور علوم شرعیہ کی تعلیم حاصل کی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ سے متعلق روایات جمع کیں۔ آپ نے مہاجرین مکہ اور غزوہ بدر اور احد میں شرکت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی فہرست مرتب کی۔ حضرت شرجیل بن سعد نے ۱۲۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

۴۔ حضرت وہبؒ بن منبہ

وہب بن منبہ تابعین میں سے تھے جنوبی عرب کے باشندے تھے اور ان کے اجداد ایران کے تھے۔ ان کی ولادت ایران کے ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو اسلام سے پہلے نوشیروان کسریٰ کے عہد میں ایران سے آکر جنوبی عرب میں بس گیا تھا۔ یہ لوگ انبا کہلاتے تھے۔ وہب ۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہب بن منبہ صنعا شہر کے قاضی تھے۔

تعلیم

وہب نے مندرجہ ذیل اکابر صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن و عمرو بن عاص، حضرت جابرؓ۔

تلامذہ

آپ کے شاگردوں کے نام یہ ہیں عبداللہ بن وہب، عبدالرحمان بن وھب، ان کے بھتیجے عبدالصمد علاوہ ازیں عمرو بن دینار، سماک بن فضل، عوف العرابی وغیرہ، امام بخاری و مسلم ابوداؤد و نسائی و ترمذی نے ان کی روایات کو تحریر کیا ہے۔

علمی مرتبہ

محدث عقیلی فرماتے ہیں!

"وہب ثقہ تابعی تھے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں!

"جمہور علماء کے نزدیک وہب ثقہ معتبر ہیں۔"(تاریخ حدیث و محدثین:234 تا236)

وہب بن منبہ 100ھ میں مکہ میں موجود تھے یہاں انہوں نے متعدد ممتاز فقیہوں سے ملاقات کی۔ وہب اہل کتاب کی روایات پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ اہل کتاب کی روایات سے وہب کی خصوصی دلچسپی کا حال اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے 70 یا 72 صحائف سماوی کا مطالعہ کیا تھا۔ قصص الانبیاء کی روایات میں خاص طور سے وہب ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کئی دیگر کتابیں بھی آپ سے منسوب ہیں۔ جن میں انبیاء کرامؑ کے قصے اور بنی اسرائیل کی روایات بیان کی گئی ہیں۔ انسانی تاریخ کے آغاز اور انبیاء کے واقعات پر مبنی آپ کا تعارف "المبتدا" کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب الاسرائیلیات آپ کی تالیف ہے اور اپنے وطن یمن کی قدیم تاریخ پر لکھی ہوئی کتاب "الملوک" بھی آپ کی تصانیف میں شامل ہے۔ حضرت وہب بن منبہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۱۰ھ میں ہوا۔

تابعین کا دوسرا طبقہ

صحابہ کرامؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے سرشار تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر عمل پیرا تھے۔ ان کے زیر سایہ تربیت پانے والے تابعین بھی اپنے آباؤاجداد کے عمل پر قائم رہے۔ سیرت کی تدوین کی جو کاوش طبقہ اولیٰ کے تابعین نے شروع کی تھی وہ ان کی نسل کو بھی منتقل ہوئیں۔ تابعین کے طبقہ ثانی میں سیرت اور حیات مبارکؐ پر روایات جمع کرنے والوں کے نمایاں نام اور تفصیلات یہ ہیں۔

۵۔ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ انصاریؒ

حضرت عاصم کا تعلق مدینہ کے قبیلہ بنو ظفر سے ہے جو اسلام لانے والے اولین قبیلے میں شامل ہیں۔ آپ کے دادا قتادہ انصاریؓ غزوہ حنین میں اپنے قبیلے کے علم بردار تھے۔ حضرت عاصم مدینے کے علمی ماحول میں جوان ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت ابان بن عثمانؓ اور عروہ بن زبیرؒ روایات نبوی کی تدوین کر چکے تھے اور آپ نے مغازی کی روایات کے علاوہ حیات مبارکؐ کے مکی دور کے حالات و واقعات اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد شباب کے روز و شب کی تفصیلات جمع کی ہیں۔ آپ کا شمار سیرت المغازی کے عالم کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

ابن اسحاق نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عاصم نے صرف تاریخی احوال ہی جمع نہیں کئے بلکہ حالت و واقعات کے محرکات پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عاصم دمشق چلے گئے جہاں خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو جامع مسجد میں المغازی اور مناقب (اہل بیت و صحابہ کرام اور آئمہ کی تعریف و توصیف) کے لئے مقرر کر دیا۔ اس

طرح اسلامی تاریخ میں سیرت طیبہؐ کی ترویج و اشاعت کا آغاز ہوگیا۔ اور عوام الناس جو نو مسلم تھے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی حیات مبارکؐ سے واقف ہوئے۔عاصم بن عمر کا درس سن کر لوگوں نے اپنی بیاضوں میں سیرت و مغازی کے واقعات جمع کرنے شروع کردیئے ۔کہا جاتا ہے کہ یہ بیاضیں، سیرت نبویؐ کے خام مواد کے طور پر آئندہ مولفین کے بہت کام آئیں اور ان کی حیثیت ابتدائی ماخذ کی ہوگئی۔ حضرت عاصم نے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

۶۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم

حضرت عبداللہؒ مدینے کے ایک علمی خاندان کے فرد تھے۔ آپ کا تعلق بنو نجار سے تھا حضرت عبداللہؒ کے جد اعلیٰ حضرت عمرو بن حزم کو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے نجران کا عامل مقرر کرکے یمن بھیجا تھا۔ آپ کے والد ابی بکر مدینے میں قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ بچپن سے گھر میں تعلیمی ماحول اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی عظمت اور محبت دیکھی، اس ہی عالم میں جوان ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی حیات مبارکؐ اور حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے دور کے واقعات جمع کئے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے غزوات النبی کی ترتیب وار فہرست مرتب کی اور غزوات سے متعلق دیگر تفصیلات جمع کیں۔ آپ نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے عہد شباب اور نبوت کے ابتدائی ایام سے متعلق روایات کی تدوین بھی کی۔ خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے وہ خطوط مبارک جمع کئے جو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے مختلف بادشاہوں کو تحریر فرمائے تھے۔ انھوں نے ''وفود'' کے متعلق خاص طور پر مواد فراہم کیا ہے۔

ابی بکر نے جب علم حدیث میں اپنے بیٹے کی دلچسپی کا حال دیکھا تو انہیں نصیحت کی کہ ہر حدیث کے مواد کا پورے سیاق و سباق کے ساتھ مطالعہ کیا کریں۔ انہیں اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے حکم ملا تھا کہ '' حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی احادیث جمع کریں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کا سن وفات ۱۳۵ھ بتایا جاتا ہے۔

۷۔ حضرت محمد بن مسلم ابن شہاب الزہریؒ

حضرت محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری ۵۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق مکے کے قبیلے بنی زہرہ سے تھا، اسی نسبت سے آپ الزہری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے دادا عبداللہؒ بن شہاب غزوہ بدر اور غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار رہے ہیں پھر بعد میں ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہونے کے بعد مدینہ میں آباد ہوگئے۔ محمد بن مسلم الزہری مدینے گئے۔ جید علماء اور مشائخ سے مستفید ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابو سلمہ بن عبدالرحمن اور عبید اللہ بن عبداللہؒ شامل ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیرؒ سے آپ نے علم المغازی کا درس لیا تھا۔ ہر علمی محفل میں شریک ہوتے تھے۔ روایات کی تلاش اور تحقیق میں عمر رسیدہ افراد اور خواتین سے رجوع کرنا پڑتا تو ان کے گھر پہنچ جاتے تھے۔ حافظے کیلئے شہد استعمال کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ علمی مجالس میں شہد کا اہتمام کرتے تھے اور شہد سے مہمانوں کی تواضع کرتے تھے۔ احادیث اور روایات بار بار لکھتے تھے، تاکہ یاد

رہیں۔ سیرت نبوی کی ترتیب و تدوین میں الزہری کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ الزہری کے شاگردوں میں موسیٰ بن عقبہ، معمر بن راشد اور محمد بن اسحق کے نام نمایاں ہیں۔

معمر بن راشد اپنے استاد محترم کے علمی کارناموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب اموی خلیفہ ولید بن عبد المالک قتل ہوئے تو ان کے کتب خانے میں لاتعداد کتابیں موجود تھیں جو الزہری کی عملی کاوشوں پر لکھی گئی تھیں۔"

الزہری سخاوت میں مشہور تھے۔ فائد بن اشرم نے ایک قصیدے میں ان کی تعریف کی ہے اور قرۃ بن عبد الرحمن، الزہری کی تعریف میں کہتا ہے کہ "میں نے کوئی اور شخص ایسا نہیں دیکھا جس کی نظر میں دینار و درہم بے وقعت ہوں۔ الزہری ہشام کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مدد دیتے تھے۔ الزہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

تصانیف

زہری کی معرکۃ الآرا۔ تالیف سیرت نبوی کے جملہ ادوار (ماقبل اسلام اور مابعد اسلام) کی عکاس ہے۔ (بعثت سے قبل) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان کے ذکر کے علاوہ یہ کتاب مکی و مدنی زندگی کے مختلف پہلو بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغمبرانہ مشن اور کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے۔ زہری کی مکمل کتاب دستیاب نہیں۔ صرف اس کے متفرق اجزاء، واقدی، طبری اور بلاذری کی تالیف میں ملتے ہیں۔ ان اجزا کو ترتیب دے کر تاریخی واقعات کا ایک مربوط مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

زہری کا طرز تحریر

زہری کا انداز بیان بنیادی طور پر محدثانہ ہے۔ ان کی علمی سرگرمیوں اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کا خاص مقصد علم حدیث کو فروغ دینا تھا۔ زہری کا طریقہ تحقیق تفتیش واسناد یا سلسلہ روایت پر مبنی ہے۔ ان کی بیان کردہ حدیثوں میں تاریخی واقعات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ زہری کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اجتماعی روایت کے طریقہ کو ایجاد کرکے علم حدیث میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اس نئے طریقے کے تحت زہری متعدد احادیث کو ایک مربوط روایت میں مجتمع کردیتے ہیں اور اس طرح ترتیب زمانی کی رعایت کے ساتھ تاریخی روایات کو بیان کرکے فن تاریخ نگاری کو وسعت دیتے ہیں۔ زہری اپنی روایات میں متعلقہ آیات قرآنی کا بھی بار بار حوالہ دیتے ہیں۔

زہری کے یہاں شعر و شاعری کی لطافت بھی ملتی ہے۔ زہری کا تاریخی مطالعہ مغازی تک محدود نہیں بلکہ انساب کی تفصیل اور اسلام کے ابتدائی حالات ان کی تاریخی روایات کے اہم اجزا ہیں۔ زہری کو علم الانساب میں مہارت حاصل تھی۔

۸۔ موسیٰ بن عقبہؒ

موسیٰ بن عقبہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موسیٰ بن عقبہ ۵۵ھ میں مدینے میں پیدا ہوئے۔ اپنے دو بھائیوں ابراہیم بن عقبہ اور محمد بن عقبہ کے ساتھ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ آپ کی تالیف ''المغازی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ مالک بن انسؒ، الواقدی اور الطبری آپ کی تالیفات کو قابل اعتماد سمجھتے تھے۔ اگرچہ یہ تالیف امتدادِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہی لیکن الواقدی ، ابن سعد، البلاذری اور طبری نے اپنی تصانیف میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب کے حوالے دیئے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

۹۔ معمر بن راشدؒ

معمر بن راشد ۹۴ھ میں بصریٰ میں پیدا ہوئے۔ معمر بن راشد آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حضرت قتادۃ بن دعامۃ سے احادیث کا علم حاصل کیا اور پھر علمی ذوق کی تسکین کیلئے مدینہ منورہ میں آگئے۔ اس زمانے میں امام الزہری کی بہت شہرت تھی۔ معمر بن راشد ان کے شاگردوں میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد سیرت طیبہ کی تحقیق میں مصروف ہوگئے اور روایات جمع کرکے المغازی کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے ساتھ انبیاء کرام اور اہل کتاب کے تاریخی واقعات بیان کئے۔ آپ کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔

کتاب المغازی زمانے کے دست برد سے محفوظ نہیں رہی۔ لیکن سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیئے ہیں۔ ان میں طبری، الواقدی اور ابن سعد کے نام سرفہرست ہیں۔ معمر راشد نے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔

۱۰۔ محمد بن اسحٰقؒ

محمد بن اسحٰق ۸۵ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا یسار عراق کے رہنے والے تھے۔ ۱۲ھ میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شکست کے بعد یساریوں کو قیدی بناکر مدینے لایا گیا اور بعد میں وہ قیس بن مخزمہ بن عبدالمطلب کی غلامی میں رہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یسار کو قیس بن مخزمہ نے آزاد کردیا۔ یسار کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام اسحٰق تھا اور محمد بن اسحٰق ان کے بیٹے تھے۔ محمد بن اسحٰق نے سیرت نگاری میں وہ مقام حاصل کیا کہ امام الزہری کے جانشین بن گئے۔ محمد بن اسحٰق نے امام الزہری سے مغازی کا درس لیا اور مدینے کے دیگر صاحبانِ علم سے مستفیض ہوئے۔ ابن اسحٰق نے عبداللہ بن بکر اور عاصم بن عمر کو بھی اپنی معلومات کا ماخذ بنایا ہے۔ فنِ مغازی کے علاوہ علوم حدیث اور فقہ میں بھی مہارت حاصل کی اور اسی غرض سے اسکندریہ کا سفر کیا جہاں مصر کے معروف محدث یزید بن ابی حبیب سے علم حدیث کی تدریس مکمل کی۔ مدینہ واپس آئے تو آپ کی شہرت علمی مجلسوں میں عام ہوچکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں شائع ہونے والی کتاب المغازی واحد کتاب ہے جو ہر دور میں مستند مانی گئی۔ ہر سیرت نگار نے اس کتاب سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب آج بھی دستیاب ہے۔ شاید اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ سیرت نگاری کا آغاز دوسری سن ہجری سے ہوا۔

خلاصہ یہ ہے:۔

المبتدا (تاریخ قبل از اسلام)

اسے چار حصوں میں تقسیم کیاجاتا ہے ۔ پہلا حصہ ابتدائے آفرینش سے حضرت عیسیٰؑ تک وحی و رسالت کی تاریخ ہے۔دوسرا حصہ زمانہ جاہلیت میں یمن کی تاریخ سے متعلق ہے۔تیسرا حصہ عرب قبائل اور اُن کی اصنام پرستی سے بحث کرتا ہے جبکہ چوتھے حصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے قریبی اجداد اور اہلِ مکہ کے رسوم وعقائد سے بحث کی گئی ہے۔

المبعث

اس حصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی مکی زندگی، حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی ہجرت اور مدنی زندگی کے پہلے سال کی مہمات کا تذکرہ ہے۔ابنِ اسحٰق زیادہ تر اپنے مدنی اساتذہ کے حوالے سے روایات درج کرتے ہیں۔ ایک ایسی دستاویز بھی ملتی ہے جسے صرف ابنِ اسحٰق نے شامل کیاہے اور زمانہ مابعد کے کسی مغازی نے نہیں کیا۔حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کا وہ معاہدہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے مدنی قبائل سے کیا تھا اور جسے مدینہ کا سماجی ضابطہ کہا گیا ہے۔اس کے علاوہ مختلف فہرستوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں پہلے ایمان لانے والوں کی فہرست، حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے نام، انصار میں سے پہلے مسلمان ہونے والوں کی فہرست، عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شرکت کرنے والوں کے اسماء، ان مہاجرین اور انصار کی فہرست جنہوں نے مہاجرینِ مکہ کا مدینہ میں استقبال کیا تھا اور اُن لوگوں کے نام جن سے حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا تھا، یہ سب شامل ہیں۔

المغازی

مغازی حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی مدنی زندگی کی تاریخ ہے، جس میں مشرکینِ عرب سے پہلی جنگ سے لیکر حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے وصال تک کے حالات ہیں۔اس حصے میں شروع سے آخر تک غزوات کا بیان ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کے آخری دنوں کا ذکر اور مرض الموت اور وفات کا حال قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا۔غزوات کا احوال لکھنے میں ابنِ اسحٰق ایک مقررہ ضابطے کی پابندی کرتے ہیں۔پھر اپنے ثقہ استادوں کے بیانات سے مرتب کی ہوئی ایک مجموعی رپورٹ درج کرتے ہیں۔پھر اس بنیادی واقعہ سے متعلق وہ انفرادی روایات بیان کر کے اُس خبر کی تکمیل کر دیتے ہیں جو اُس نے دوسرے ذرائع سے فراہم کی ہیں۔چنانچہ انہوں نے بدر میں لڑنے والوں، اُحد میں شہید ہونے والوں اور حبشہ سے واپس آنے والے مہاجرین کی فہرستیں مرتّب کی ہیں۔

ابنِ اسحٰق کو سیرت نگاری میں جو شہرت ملی اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام شافعی نے اُن کے متعلق کہا ہے کہ "جو شخص مغازی کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اُسے ابنِ اسحٰق سے رجوع کرنا چاہیئے۔" ابنِ اسحٰق نے سیرتِ مطہرہ کی تدوین میں بہت سے اشعار بھی شامل کئے ہیں جیسا کہ زیبِ داستان کے لئے عرب کی قدیم روایت میں ہوتا تھا۔اربابِ علم و دانش نے ابنِ اسحٰق کی زندگی میں ہی ان بے سند اشعار و قصائد پر تنقید کی ہے۔ سیرتِ مطہرہ کو عام الناس میں روشناس کرانے اور فنِ سیرت نگاری کو فروغ دینے میں ابنِ اسحٰق کا بڑا نام ہے۔ابن اسحاق نے بغداد میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

۱۱۔ ابو معشر السندیؒ

عبد الرحمن بن الولید بن بلال المعروف ابو معشر السندیؒ کا نام ابنِ اسحٰق کے ہمعصر سیرت نگاروں میں نمایاں ہے۔ آپ یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب سندھ (پاکستان) میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی نسبت سے السندی کہلائے۔ آپ یمن واپس چلے گئے تھے جہاں یمامہ اور بحرین کے درمیان جنگ میں قیدی بن کر گرفتار ہوئے اور خلیفہ المہدی کی والدہ اُم موسیٰ بنت منصور الحمیریہ کی غلامی میں رہے۔ غلامی سے آزادی ملی تو مدینہ چلے گئے اور وہاں علومِ فقہ و حدیث اور المغازی کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ ابو معشر السندیؒ نے بغداد میں رہتے ہوئے ۱۷۰ھ میں انتقال کیا۔

سیرت نگاری کا دوسرا دور

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے بعد آنے والے آئمہ کرام کا زمانہ سیرت نگاری کے دوسرے دور سے موسوم ہے۔ یہ دور دوسری صدی ہجری کے آخری نصف سے شروع ہوا اور اس دور کے نامی گرامی سیرت نگاروں میں واقدی، ابنِ سعد، ابنِ ہشام یعقوبی اور ابن کثیر کے نام شامل ہیں۔

۱۲۔ زیاد بن عبد اللہ بکائی

سیرتِ نگاری میں ابنِ اسحٰق کے جن پندرہ شاگردوں کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سب سے نمایاں نام زیاد بن عبد اللہ بکائی کا ہے۔ زیاد بن عبد اللہ البکائی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ سیرتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لگاؤ اور علوم حدیث و مغازی کے حصول کے جذبہ کے تحت مدینہ چلے آئے۔ مدینہ کی علمی مجالس میں ابنِ اسحٰق کا چرچا تھا اُن کی شاگردی اختیار کر لی اور اس وقت تک ان کے ساتھ رہے جب تک مغازی کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔

نوٹ: سیرت کے حوالہ سے زیاد کی کوئی تصنیف یا تالیف دستیاب نہیں ہے لیکن اُن کی مخلصانہ کوششوں کو مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ ابنِ ہشام، امام احمد بن حنبل، ابو غسان مہدی، سہل بن عثمان، یوسف بن حماد اور عبد اللہ بن سعد بن ابان اُموی نے سیرت مطہرہ کی زیادہ روایت بکائی کے حوالہ سے بیان کی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب الجہاد اور مسلم نے متعدد مقامات پر بکائی کی روایت نقل کی ہیں۔ زیاد بن عبد اللہ بکائی نے ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

۱۳۔ ابن ہشامؒ

ابنِ ہشام کا نام عبد الملک ہے۔ ۱۱۲ھ میں بصرہ میں آپ کی ولادت ہوئی والد کا نام ہشام اور دادا کا نام ایوب ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ اور کوفہ کی طرح بصرہ بھی علوم و فنون کا گہوارہ تھا۔ محدثین اور مفسرین کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ابن ہشام کو حصولِ علم کا ذوق و شوق اپنے والد اور دادا سے ورثہ میں ملا تھا۔ علمی ذوق کی تسکین کے لئے ایسے حالات میسر تھے جس سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ محققین کے مطابق ابنِ ہشام تفسیر و حدیث کے علاوہ

تاریخ و قصص، نحو و لغت، انساب و روایت اور مغازی کے علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ کوفہ کے سفر میں آپ نے بکائی سے بطورِ خاص ملاقات کی اور اُن سے سیرت النبیؐ کی روایات کی سماعت مکمل کی۔ یہ ابنِ اسحٰق کی وفات کے بعد کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد آپ مصر چلے گئے اور وہاں کے علماء کی صحبت اختیار کی۔ امام شافعی سے بھی وہیں ملاقات ہوئی۔ امام شافعی آپ کی علمیت اور لغت میں مہارت کے بہت معترف تھے۔ مصر میں رہائش کے دوران ابنِ ہشام کی زیادہ تر توجہ سیرت النبیؐکے درس و تدریس پر مرکوز رہی۔ یہ درس وہ ابنِ اسحٰق کی سیرتِ النبیؐ سے دیا کرتے تھے جس کا نسخہ بکائی سے لیکر آئے تھے۔ ابن ہشام کے تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ محمد بن عبد اللہ ۲۔ احمد بن عبد اللہ ۳۔ عبد الرحیم بن عبد اللہابن ہشام کے حوالہ سے صرف دو تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱۔ التیجان فی ملوک حمیر ۲۔ تہذیب سیرت النبیؐ ابنِ اسحٰق۔ دوسری کتاب ہی دراصل ابنِ ہشام کی شہرت وناموری کا سبب ہے۔ ابنِ اسحٰق کی مرتب کردہ سیرت کی کتاب کو قبولیتِ عام حاصل تھی۔ محافل ومجالس میں پڑھی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ ابنِ ہشام نے یہ مناسب سمجھا ہو کہ اس کے بجائے کہ نئی کتاب تصنیف کی جائے، ابنِ اسحٰق کی کتاب میں سے معترضہ اور غیر متعلقہ باتیں نکال دی جائیں ۔اسی لئے انہوں نے تلخیص کی راہ اختیار کی اور ایک ایسی جامع کتابِ سیرت مرتب کر دی جس نے ابنِ اسحٰق کی اصل کتاب کی جگہ لے لی۔ عرب میں تلخیص کا سلسلہ قدیم دور سے چلا آرہا ہے۔ ابن ہشام نے کسی نئی طرز کی بنیاد نہیں رکھی تھی۔ قدیم عرب میں جس کتاب سے تلخیص کی جاتی تھی اُس اصل کتاب کو ''اُمہات'' کے نام سے جانا جاتا تھا اور اُسے اولیت حاصل ہوتی تھی جبکہ تلخیص کی شناخت ''اُمہات'' کی نسبت سے ہوتی تھی۔ سیوطی نے ابوذر کے حوالہ سے چار تلخیص کا تذکرہ کیا ہے۔ ابنِ ہشام کی مذکورہ بالا کتاب اُن میں سے ایک ہے۔ ابن ہشام کی وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی۔

۱۴۔ محمد بن عمر الواقدیؒ

محمد بن عمر بن واقدیؒ ۱۳۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا تعلق بھی اسی طبقہ سے بیان کیا جاتا ہے جو ''مولیٰ(آزاد کردہ غلام)'' کہلاتا ہے۔ آپ کے دادا واقد کو قبیلہ بنی اسلم کے ایک فرد عبد اللہ بن ابی بُریدہ سے نسبتِ ولایت رہی ہے۔ اسی نسبت سے ان کا خاندان الاسلمی کہلایا اور اُن کی اولاد واقدی کے نام سے معروف ہوئی۔ مدینہ میں پیدائش اور وہاں تعلیم وتربیت نے واقدی کے علمی ذوق کو جِلا بخشی۔ معروف محدثین، اکابر مفسرین اور جلیل القدر فقہا کی مجلسوں میں شرکت اور اُن سے اکتسابِ علم نے انہیں اُس پائے کا سیرت نگار بنا دیا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے مدنی دور سے متعلق واقدی کی جمع کردہ روایات ابنِ اسحٰق سے زیادہ جامع قرار دی گئیں۔ واقدی کے علمی ذوق و دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جہاں سے بھی کوئی نئی کتاب مل جاتی اُسے نقل کرواکے اپنے کتب خانہ میں شامل کر لیتے تھے۔ واقدی نے سیرتِ مطہرہؐ کے علاوہ فقہی اور عقائدی اختلافات پر بھی کتابیں لکھی ہیں اور اُن موضوعات پر بھی قلم اُٹھایا ہے جو امت مسلمہ میں وجہ اختلاف رہے ہیں۔ الواقدی نے کئی کتابیں لکھیں ان کتابوں میں اگر کوئی کتاب مکمل حالت میں موجود ہے تو ان کی کتاب ''المغازی'' ہے۔ الواقدی نے ''المغازی'' میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات اور معاہدے درج کئے ہیں۔

سن ۲۰۷ ہجری میں جب واقدی کا انتقال ہوا تو آپ کے ترکہ میں کتابوں سے بھری ہوئی چھ سو پیٹیاں شامل تھیں۔ آپ بغداد کے خیزراں قبرستان میں مدفون ہوئے۔

۱۵۔ محمد ابن سعدؒ

ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت بصرہ میں حاصل کرنے کے بعد حصولِ فضیلت اور کمالِ فن کے لئے سفر اختیار کیا۔ مختلف مقامات پر معروف علماء کی صحبت میں رہ کر اکتسابِ علم کیا۔ آپ دوسری ہجری کے اختتام سے قبل مدینہ پہنچ کر وہاں کے جید علما و فضلاء سے مستفیض ہو چکے تھے۔ آپ کے اکابر شیوخ میں ۱۔ سفیان بن عینیہ ۲۔ وکیع بن الجراح ۳۔ سلیمان بن الحرب ۴۔ ہشیم اور ۵۔ الفضل بن دُکین کے اسمائے گرامی بتائے جاتے ہیں۔ علمائے رجال نے آپ کے شیوخ کو عادل (وہ شخص جس کی شرع میں گواہی معتبر ہو) قرار دیا ہے، اسی نسبت سے صاحبانِ علم و دانش محمد ابنِ سعد کو بھی عادل مانتے ہیں۔ سیرت نگاری کے ضمن میں ابنِ سعد کی تحقیق اور فہم کی بدولت محققین نے آپکا شمار ثِقَہ راویوں میں کیا ہے الواقدی کے مقابل آپ کو زیادہ فضیلت دی ہے۔ سیرت کے علاوہ ابنِ سعد نے غریب الحدیث اور فقہ کے موضوعات پر بھی لکھا ہے لیکن آپ کی شناخت کی وجہ وہ کتاب ہے جو "طبقاتِ سعد" کے نام سے معروف ہے۔ جس کی ابتدائی دو جلدیں سیرتِ مطہرہ پر مشتمل ہیں۔

کتاب الطبقات الکبیر (یا الطبقات الکبریٰ) جو طبقاتِ ابن سعد کے نام سے معروف ہے، پندرہ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب بتائی جاتی ہے۔ اس میں ابتدائی غزوۃ میں شرکت کرنے والے اور تاریخِ اسلام کے اُن اکابر رجال کے بارے میں مستند روایات جمع کی گئی ہیں جو اسلام کی ترویج و اشاعت میں سرگرمِ عمل رہے تھے۔ ابن سعد کی وفات ۲۳۵ھ میں بغداد میں ہوئی۔ آپکا مقبرہ باب الشام میں ہے۔

۱۶۔ ابن کثیر

اسماعیل نام، ابو الفدا کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن ذرع البصری ثم الدمشقی ہے۔ آپ ایک ممتاز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنے شہر کے ایک ممتاز خطیب اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔ امام ابن کثیر کی ولادت 700ھ یا 701ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک گاؤں ہے، اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے، ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد کی 703ھ میں وفات ہو گئی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی 706ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی پرورش ہوئی، ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد میں شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمان فرازی اور شیخ کمال الدین ابن قاضی سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالبعلم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا۔ چناچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ، مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی کو حفظ کر کے سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمان اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب سے پڑھیں تھیں۔ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عیسیٰ بن المطعم ۲۔ بہاؤالدین قاسم بن عساکر ۳۔ محمد بن زراد ۴۔ عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی ۵۔ بن الرضی ۶۔ بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن سویدی ۷۔ حافظ مزی ۸۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ۹۔ حافظ ذہبی ۱۰۔ عماد الدین محمد بن

شیر ازلیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ ہوا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمان مزی شافعی مصنف "تہذیب الکمال" ہیں۔حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بناپر اپنی اکلوتی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا۔اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔شاگرد اپنے استاد کی خدمت میں حاضر رہے انکی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی شامل ہیں خود ان سے سماع کیااور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھااور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر،اور عربیت میں کمال حاصل تھا مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ابن کثیر کی تمام عمر درس اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی۔حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکزیہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔ابن کثیر کو اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا۔امام ابن کثیر کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی، جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ774ھ میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاد شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔پسماند گان میں دو صاحبزادے بڑے نامور چھوڑے تھے،ایک زین الدین عبد الرحمان اور دوسرے بدر الدین ابو البقاء محمد۔یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں۔

تصانیف

۱۔تفسیر القرآن العظیم ۲۔طبقات الشافعیہ مناقب الشافعی ۳۔البدایہ والنہایہ ۴۔تخریج احادیث ادلتہ التنبیہ ۵۔شرح صحیح بخاری ۶۔الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول ۷۔الاحکام الکبیر ۸۔التکمیل فی معرفتہ الثقات ۹۔اختصار علوم الحدیث ۱۰۔رسالتہ فی فضائل القرآن ۱۱۔مسند الشیخین ۱۲۔مختصر کتاب المدخل للبیہقی ۱۳۔کتاب المقدمات ۱۴۔الاجتہاد فی طلب الجہاد ۱۵۔مسند امام احمد بن حنبل

سیرت نگار خواتین اسلام

سنت الٰہی ہمیشہ جاری رہی کہ ہر دور میں جب بھی علوم وفنون اور علما فضلا کی ضرورت ہوئی اس میں مردوں کے علاوہ خواتین کی ایک بڑی تعداد نے بھی پورے جذبہ و شوق کے ساتھ نمایاں خدمات انجام دیں۔جب پہلی اور دوسری صدی ہجری میں پورے عالم اسلام میں احادیث و آثار کی روایت و تدوین کا سلسلہ شروع ہوا۔تو اس وقت صحابیات و تابعات اور دیگر خواتین اسلام نے بھی احادیث مرتب کیں۔

۱۔چناچہ حضرت عمرہ بنت عبد الرحمانؓ انصاری کے مجموعہ احادیث کے بارے میں حضرت عمرؒبن عبد العزیز نے حضرت ابو بکر بن محمد بن حزم کو خاص طور سے تاکید کی کہ وہ اسے حاصل کرلیں اور جن کے پاس حدیثیں محفوظ تھیں انھوں نے اپنے خاندان کے لوگوں سے ان کی روایت کی۔یہی حضرت عمرہ بنت عبد الرحمانؓ انصاری ہیں،جنھوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ اوراپنی بہن ام ہشام، حبیبہ اور حمنہ بنت جحش سے احادیث کی روایت کی تھی اور ان سے ان کے صاحب زادے ابو الرجال،بھائی محمد بن عبد الرحمان،پوتے حارثہ بن ابو الرجال دونوں بھتیجے یحیٰی بن عبد اللہ بن عبد الرحمان اور ابو بکر بن محمد بن عبد الرحمان اور ان کے بیٹے عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ نے روایت

کی۔(طبقات ابن سعد)

۲۔ امام حسن بصریؒ کی والدہ خیرہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی اور ان سے خیرہ کے دو صاحب زادوں یعنی حسن بصری اور سعید بصری نے روایت کی۔

۳۔ صفیہ بنت علیبہ عنبریہ نے اپنے دادا حرملہ بن عبداللہ عنبری اور دادی قیلہ بنت مخرمہ سے روایت کی اور ان سے ان کے پوتے عبداللہ بن حسان عنبری نے روایت کی۔

۴۔ رائطہ بنت مسلم نے اپنے والد مسلم سے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ بن حارث عنبری مکی نے روایت کی۔

۵۔ ام یحیٰی حمید بن عبید رفاعہ انصاری نے اپنی خالہ کبشہ بنت کعب بن مالک سے اور ان سے ان کے شوہر اسحاق بن عبداللہ بن ابو طلحہ اور بیٹے یحیٰی بن اسحاق نے روایت کی۔

۶۔ حبیبہ بنت میسرہ سے ان کے غلام عطاء بن ابو رباح نے روایت کی۔

۷۔ حکیمہ بنت امیہؓ بن اخنس نے حضرت ام سلمہؓ سے اور ان سے ان کے بیٹے یحیٰی بن ابو سفیان اخنسی نے روایت کی۔

۸۔ کبشہ بنت ابو بکر ثقفیہ نے اپنے چچا سے اور ان سے ان کے بھتیجے بکار بن عبدالعزیز بن ابو بکرہ نے روایت کی۔

۹۔ خدیجہ بنت قاضی شہاب الدین احمد نے اپنی نانی حسنہ بنت محمد بن کامل سے احادیث کا علم سیکھا۔

ان چند مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین اسلام کے ذریعہ احادیث و آثار کی ترویج اشاعت کس طرح ہوئی ہے۔

برصغیر میں سیرت نگار

محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد سے برصغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کے قیام کا ایک نیا باب کھلا۔ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سندھ میں مسلمانوں کی حکومت مستحکم ہوئی اور عرب یہاں آکر بس گئے تو ملتان، دیبل، سندان، خضدار اور قندابیل اسلامی علوم کی اشاعت کے بڑے مراکز بن گئے اور یہاں اشاعتِ حدیث و مغازی کا کام پوری توجہ سے شروع ہو گیا۔ اس سلسلہ میں مؤرخین جو سب سے پہلا نام بتاتے ہیں وہ مشہور تابعی حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری تھے۔ آپؒ کو اس خطہ میں علمِ حدیث کا اولین علمبردار تسلیم کیا جاتا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں اس خطہ کو خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ سے روشناس کرانے والے ایک اور صاحبِ قلم حضرت ابو معشر السندیؒ کا نام بھی سرفہرست ہے۔ ابن ندیم نے "الفہرست" میں اُن کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے جو اگرچہ دستیاب نہیں ہے لیکن اس کے اجزا واقدی کی کتاب المغازی اور ابن سعد کی کتاب "الطبقات" میں محفوظ ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے

وسط میں اس خطہ زمین کے ایک اور شخص ابو جعفر الدیبلی نے "مکاتیب النبیؐ" مرتب کی جو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خطوط کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کا واحد نسخہ مراکش کے شہر فاس میں موجود ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں علم حدیث پر لکھی گئی امام حسن صنعائی لاہوری (۶۵۰ھ) کی کتاب "مشارق الانوارالنبویہ من صحاح الاخبارالمصطفویہ" نے اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل کی کہ ہندوستان میں ایک عرصہ تک فقط یہی کتاب رائج تھی جس کی ڈھائی ہزار سے زیادہ شرح و حواشی لکھے گئے۔ آٹھویں صدی ہجری میں سیرت پاک کے حوالہ سے جس کتاب کا تذکرہ اس دور میں ملتا ہے وہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ (۷۲۱ تا۸۲۵ ہجری) کی کتاب "رسالہ سیرت النبیؐ" ہے۔خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی تصنیفات کی تعداد کم و بیش ۱۰۵ ابتائی جاتی ہے۔

مغل بادشاہ اکبرِ اعظم کے دربار سے منسلک عالم مخدوم الملک عبد اللہ سلطان پوری (م ۹۰۰ھ) نے سیرت پر ایک کتاب "شرح اعلی الشمائل النبیؐ" لکھی جو کہ امام ترمذی کی کتاب "شمائل النبیؐ" کی شرح ہے۔اسی طرح مجدد الف ثانی کے استاد شیخ یعقوب بن حسن صرفی کے سیرت النبیؐ پر ایک منظوم رسالہ " مغازی النبوۃ" کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔گیارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری نے "التحفتہ المرسلہ الی النبیؐ" لکھی جبکہ مجدد الف ثانی (۹۷۱ تا ۱۰۳۴ھ) نے "اثبات النبوۃ اور "تہلیلہ" کے نام سے دو عربی رسائل لکھے۔ جن میں نبوت کے اثبات اور نبوت و معجزہ کے بارے میں بحث ہے اور کلمہ طیبہ کی تشریح تصوف کے رنگ میں کی گئی ہے۔

گیارہویں صدی ہجری کی سب سے اہم کتاب "مدارج النبوۃ" ہے۔جو شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (۹۸۵ تا ۱۰۵۲ھ) کی تصنیف ہے۔یہ فارسی زبان میں ۱۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکؐ کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے بھی سیرتِ طیبہ پر ایک مختصر رسالہ "سرورالمخزون" فارسی زبان میں تحریر کیا ہے جس کے کئی اردو ترجمے "گوہرِ مخزون"، "سیرۃ رسولؐ" اور "سید المرسلینؐ" کے نام سے ہو چکے ہیں۔

۱۔شاہ ولیؒ اللہ

حضرت شاہ ولیؒ اللہ کا شجرہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپؒ کے بزرگ عرب سے نقل وطن کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور یہاں خاندان کے بیشتر افراد کا پیشہ سپہ گری تھا۔شاہ ولیؒ اللہ کے دادا کا نام شاہ وجیہہ الدین تھا۔وہ اورنگزیب عالمگیر کی فوج میں افسری کے عہدے پر مامور تھے۔مگر شاہ ولیؒ اللہ کے والد شاہ عبد الرحیم کی طبیعت سپہ گری کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔شاہ عبد الرحیم کا رحجان تصوف کی طرف زیادہ تھا۔شاہ عبد الرحیم نے ہندوستان میں دینی علم پھیلانے کیلئے مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی جس میں آپ خود بھی درس دیتے تھے۔شاہ ولیؒ اللہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب نے مجھے حکمت عملی ، آداب مجلس اور تہذیب و دانش مندی کی باتیں سکھائیں۔

طالب علمی کا ابتدائی زمانہ

شاہ ولیؒ اللہ نے اپنی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی نگرانی اور تربیت میں گزارا۔ انہوں نے آپؒ کو قرآن حکیم اور حدیث شریف کی تعلیم دینے میں اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کی۔ شاہ ولیؒ اللہ اپنے بچپن کے حالات لکھتے ہیں ”میں پانچ برس کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوا۔ ساتویں برس میں والد نے مجھے نماز پر کھڑا کیا اور روزے رکھنے کا حکم دیا اور اسی سال میں نے قرآن حکیم ختم کر لیا۔“ دس سال کی عمر تک آپؒ نے شرح ملا پڑھ لی تھی۔ جب بڑے ہوئے تو شادی ہو گئی۔ اس وقت تک آپ نے قرآن حکیم حدیث شریف، فلسفہ، فقہ اور طب کی تعلیم مکمل کر لی تھی پھر آپؒ کو مدرسہ رحیمیہ کے اساتذہ میں شامل کر لیا گیا۔ شاہ ولیؒ اللہ فرماتے ہیں کہ ”جب میں سترہ برس کا ہوا تو میرے والد نے مجھے تدریس کے کام پر لگایا اور میں آئندہ بارہ برس تک یہی کام کرتا رہا۔“

سفر حجاز

شاہ ولیؒ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں حج بیت اللہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کی زیارت کروں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے آپؒ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ آپؒ نے وہاں کم و بیش دو سال قیام کیا اس دوران آپؒ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں علما کرام سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔

بشارت نبویؐ

جن دنوں شاہ ولیؒ اللہ نے مکہ معظمہ میں قیام کیا تھا ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم سے ہند کے مسلمانوں کو دینی فائدہ ہو گا۔ ان دنوں ہندوستان میں حالات ابتر تھے اس لئے آپؒ کے بعض رشتہ داروں نے آپؒ کو اس مضمون کے خط لکھے کہ یہاں سیاسی اور معاشرتی خرابیوں کی وجہ سے شرفاء کو عزت کی زندگی بسر کرنا دوبھر ہو گیا ہے آپؒ واپس نہ آئیں۔ مگر بشارت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ملنے کے بعد آپ نے فیصلہ کر لیا کہ آپؒ ہندوستان واپس آ کر یہاں کے مسلمانوں کی تنظیم کریں گے۔ آپؒ کو اس بات کا یقین تھا کہ آپؒ کی زندگی کا مشن ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم ہے اور جس مقام سے آپؒ اپنا پیغام سارے ملک میں پھیلا سکتے ہیں وہ دہلی ہے۔

حجاز سے واپسی

9 جولائی 1733ء کو ہندوستان واپس آ گئے۔ یہاں آتے ہی شاہ ولیؒ اللہ نے اپنے والد کے قائم کئے ہوئے مدرسۂ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مدرسہ رحیمیہ ایک مختصر سے پرانے مکان میں تھا، جب آپؒ نے درس دینا شروع کیا تو چند روز میں سارے ملک میں آپ کے علم و فضل کا چرچا ہونے لگا اور دور دور سے طلبہ دہلی آنا شروع ہو گئے جس کی وجہ سے جگہ کم پڑ گئی۔ شاہ ولیؒ اللہ کے بارے میں آپکے نامور فرزند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ سالہا سال کا پرانا اور موروثی طریقۂ تدریس بالکل ترک کر

دیا تھا، اب آپؒ خود نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ہر فن کیلئے الگ الگ استاد مقرر کر لئے تھے اور خود کو تصوف اور سیرت النبیؐ پڑھانے کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

شاہ ولیؒ اللہ کے خواب میں قلم

شاہ ولیؒ اللہ اپنی مشہور کتابوں ''حجتہ اللہ البالغہ، فیوض الحرمین اور درثمین'' میں ایک خواب کا ذکر کرتے ہیں۔

''میں نے خواب دیکھا کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ میرے گھر تشریف لائے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا کا ہے پہلے حضرت حسینؓ اسے درست کر لیں پھر دونگا۔ حضرت حسینؓ قلم کو جیسا درست کر سکتے ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ حضرت حسینؓ نے قلم لے لیا اور اسے درست کر دیا۔ میں وہ قلم لے کر بہت خوش ہوا۔ پھر ایک چادر پیش کی گئی جس پر دھاریاں تھیں۔ ایک دھاری سبز اس سے اگلی سفید۔ پھر حضرت حسینؓ نے اس چادر کو اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا کی ہے اور یہ چادر مجھے اوڑھا دی۔ میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔''

شاہ ولیؒ اللہ نے ''درثمین'' میں یہ خواب درج کرنے کے بعد لکھا ہے ''کہ اس دن سے میرا سینہ روحانی علوم کی تصنیف کے لئے کھل گیا۔''

نادر شاہ کا حملہ

شاہ ولیؒ اللہ کے حجاز سے ہندوستان واپس آنے کے ٹھیک چار سال بعد نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اس کی فاتح فوج دہلی پہنچ کر کئی دن تک اس شہر کو تاراج کرتی رہی۔ شاہ ولیؒ اللہ نے اس درد انگیز صورتحال کے اسباب تلاش کرنے شروع کر دیئے اور جب یہ اسباب معلوم کر لئے تو ان کے تدارک کے لئے وہ تدبیریں سوچیں جن پر عمل کرنے سے ہندوستانی مسلمانوں کی روحانی اور مادی اصلاح ممکن تھی۔ ان میں سے پہلی تدبیر یہ تھی کہ عام مسلمانوں کی زندگیوں کو قرآن کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

قرآن حکیم کا ترجمہ

شاہ ولیؒ اللہ پہلے ہندوستانی مسلمان ہیں جنہوں نے کوشش کی کہ قرآن کو لوگ اپنی زبان فارسی میں سمجھیں لہٰذا شاہ ولیؒ اللہ نے قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ اس ترجمے کا نام آپؒ نے ''فتح الرحمان'' رکھا اور ترجمے کے ساتھ ساتھ مختصر الفاظ میں تشریح بھی کی۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ شاہ ولیؒ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

شاہ ولیؒ اللہ نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا تو ہندوستان کے مذہبی دانشوران کے خلاف ہو گئے۔ محروم اور زوال پزیر قوم نے ان کے خلاف قتل کی سازش کی۔ ایک روز عصر کا وقت تھا۔ دہلی کی مسجد فتح پوری میں عصر کی جماعت کھڑی ہو گئی تھی۔ جیسے ہی امام نے

نیت باندھی مسجد کے باہر ایک شور بلند ہوا۔لوگ چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔" اس شخص کو مار دو"بہت سے نمازیوں نے نیت توڑ دی اور یہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے کہ کیا ہو رہا ہے اور یہ لوگ کون ہیں۔بہت سے لوگ لاٹھیاں گھمار ہے تھے۔کچھ لوگوں کے پاس خنجر تھے۔کچھ کے پاس تلواریں تھیں،کچھ لوگ نہتے بھی تھے اور سب نعرے لگا رہے تھے۔

"مار دو۔۔۔ قتل کر دو۔۔۔ ٹکڑے اڑا دو۔"

شاہ ولی اللہؒ جو ان لوگوں کا ہدف تھے۔اطمینان سے نماز ادا کر رہے تھے۔آپؒ نے پوری نماز بلا خوف و خطر ادا کرنے کے بعد چاروں طرف دیکھا۔آپؒ کے معتقدین برابر یہ کہہ رہے تھے کہ:" نکل چلئے،یہ لوگ دشمن ہیں۔خدا نہ کرے کیا کر جائیں۔آپؒ چھوٹے دروازے سے نکل جایئے۔"

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر کو مقتل بنانا چاہتے ہیں۔اگر ہمارا وقت نہیں آیا ہے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا اور اگر وقت آگیا ہے تو ہر شخص کو جانا ہے۔"کل نفس ذائقۃ الموت"

شور بلند ہوا!

"پکڑ لو،جانے نہ پائے،بچ کر نہ جائے،اس نے ہمارے دین کو خراب کیا ہے،اس نے دین میں پیوند کاری کی ہے،اس کے ساتھی بھی اس سزا کے مستحق ہیں...یہ کافر ہیں...مرتد ہیں...انہیں قتل کر دو...جہنم واصل کر دو"

نعروں کے اس شور میں کچھ لوگ آگے بڑھے اور مسجد کے صحن میں گھس آئے۔ان کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔شاہ ولی اللہؒ نے ان سے پوچھا:

"کیا تم ہمیں قتل کرنے کے لئے یہاں آئے ہو؟"

ان میں سے ایک شوریدہ سر نے کہا:

"ہاں"!ہم آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کو زندہ چھوڑا جائے۔"

شاہ ولی اللہؒ نے پوچھا:" ہمارا جرم کیا ہے؟"

ایک شخص نے نہایت حقارت اور طنز سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کو اپنا جرم معلوم نہیں ہے۔کیا واقعی آپ اپنے جرم سے لاعلم ہیں،او کافر!اب میں تجھے آپ کی بجائے تو سے مخاطب کروں گا،کیا تونے کلام پاک کا فارسی میں ترجمہ نہیں کیا،کیا یہ کتاب اللہ کی توہین نہیں ہے،تونے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے،تیری سزا پھانسی یا قتل ہے،ہم تیری گردن اڑا دیں گے۔"

اس جواب پر شاہ ولی ؒاللہ کو غصہ آ گیا۔

ان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی انہوں نے چھڑی اٹھائی اور ’’ اللہ ہو‘‘ کا نعرہ مستانہ بلند کیا۔ کیا اثر تھا اس نعرے میں، شاہ ولی ؒاللہ اور ان کے ساتھی یکے بعد دیگرے مسجد سے نکل گئے۔ مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ اب شاہ ولی ؒاللہ کھاری باؤلی تک پہنچ گئے تھے کسی نے زور سے پکارا۔

’’یہ بہروپیا بھاگنے نہ پائے‘‘

لیکن یہ نعرہ بے اثر ثابت ہوا۔ لوگ بت بنے کھڑے تھے جیسے پتھر کے مجسمے ہوں۔ شاہ ولی ؒاللہ گھر پہنچے تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ اپنے لڑکپن کی بنا پر شاہ ولی ؒاللہ سے لپٹ گئے اور رونے لگے کیونکہ اس ’’ہاؤہو‘‘ کی اطلاع پوری دہلی میں پھیل چکی تھی اور گھر والوں کو بھی اس کی خبر مل گئی تھی۔ شاہ ولی ؒاللہ نے کہا ’’ بیٹے! تجھے معلوم نہیں کہ دنیا والے میرے اور تیرے نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا کیا اذیتیں دے چکے ہیں۔ بیٹے! آنسو پونچھ لو۔ ہم عنقریب جانے والے ہیں، ہماری میراث علم ہے، تم اسے سنبھال لو۔‘‘ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے جو اس وقت لڑکپن کے دور سے گزر رہے تھے اپنی گردن جھکالی اور عرض کیا۔

’’جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت، اگر اللہ تعالیٰ ہم سے یہ خدمت لینا چاہتے ہیں تو ہم اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس علمی اور عملی خدمات میں خرچ کر دیں گے۔‘‘

غیب کا پردہ

شاہ ولی ؒاللہ نے غیب کے اوپر سے پردہ اٹھایا۔ کائناتی نظام کی نقاب کشائی کی اور بتایا کہ ہر انسان کے اوپر نور کا بنا ہوا ایک جسم ہے جو انسان کے جسم کے ساتھ چپکا رہتا ہے۔ سائنس کا غلغلہ بلند ہوا اور سائنس نے AURA کا تعارف کرایا تو قوم نے اسے نعوذ باللہ صحیفہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

علم حدیث

شاہ ولی ؒاللہ کا کارنامہ ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج تھی۔ آپ ؒ مدینہ منورہ سے اس علم کی سند لے کر آئے۔ ہندوستان سے باہر کے علماء نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ہندوستانی علماء کو علم حدیث کی طرف متوجہ کرانے کا سہرا شاہ ولی ؒاللہ کے سر ہے۔ شاہ ولی ؒاللہ نے قرآن وحدیث کے درس کے علاوہ متعدد مجموعہ احادیث کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ ؒ نے احادیث کی کئی مختصر کتابیں بھی مرتب فرمائی ہیں۔ ایک کتاب چہل حدیث ہے۔ ایک کا نام النوادر من الحدیث ہے۔ الدار الثمین فی مبشرات النبی کریم نامی مجموعۂ حدیث میں ایسی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں جو خواب میں انہیں سنائی گئیں۔

وصال

ساٹھ سال کی عمر ہو جانے کے بعد آپؒ کی صحت گرنے لگی مگر اس کے باوجود آپؒ زیادہ سے زیادہ محنت اور توجہ سے اپنا کام کرتے رہے ۱۷۶۳ء، 29 محرم کو آپؒ نے وصال فرمایا۔

اولاد

شاہ ولیؒ اللہ نے چار فرزند چھوڑے۔ ۱۔ شاہ رفیع الدین ۲۔ شاہ عبد القادر ۳۔ شاہ عبد العزیز اور ۴۔ شاہ عبد الغنی۔ ان چاروں اصحاب نے اپنے اپنے طریق پر شاہ ولیؒ اللہ کی فرزندی کی شان دکھائی۔ شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو زبان میں پہلا ترجمہ کیا۔ شاہ عبد العزیزؒ اپنے محترم باپ کے انتقال کے وقت نو عمر تھے مگر آپ نے فوراً ان کی مسند سنبھال لی اور تصوف کا درس دینا شروع کر دیا۔ شاہ عبد الغنی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا کہ آپ کے ہاں شاہ اسماعیل شہید کی ولادت ہوئی۔

حجتہ اللہ البالغہ

شاہ ولیؒ اللہ نے اپنی تصنیف "حجتہ اللہ البالغہ" میں عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان و تزکیہ، مقامات و احوال ،کسب معیشت کے طریق، خلافت، قضا، آداب طعم، آداب صحبت اور معاشرت کی احادیث سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں سیرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے۔

۲۔ سر سید احمد خان

حالات زندگی

سر سید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید احمد نے قرآن پاک پڑھنے کے بعد عربی و فارسی کی کتابیں مثلاً شرحِ تہذیب، میبذی، مختصر معانی ار مطول پڑھیں۔ صرف و نحو۔ معانی و بیان و دیع، منطق و فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ہیئت اور فن طب کو پڑھا۔ لیکن اس سلسلے میں وہ تعلیم مکمل نہیں کر سکے شاعری میں صہبائی، غالب، آرزو وغیرہ سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا حامد حسن قادری نے لکھا ہے کہ سر سید کی جوانی رنگین صحبتوں میں گزری تھی۔ باغوں کی سیر، میلوں، تماشوں، راگ رنگ کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ سر سید زندہ دل، بذلہ سنج، حاضر جواب تھے۔ لیکن بھائی کے انتقال کے بعد سر سید کا دل ان سب سے اچاٹ ہو گیا۔ سر پر استرا پھر والیا داڑھی پیٹ تک رکھ لی۔

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کا واقعہ پیش آیا جس میں سر سید نے حقیقت حال کے پیش نظر بجنور میں انگریزوں کی جان و مال کے تحفظ کیلئے کام کیا اور باغیوں کو سمجھانے بجھانے کیلئے بہت کوششیں کیں۔ ان حالات میں لوگ انکے خلاف ہو گئے اور انہیں قتل کرنے کے منصوبے بنائے جانے لگے۔ تاہم سر سید بحفاظت دہلی پہنچ گئے۔ برطانوی حکومت نے سر سید احمد کی خدمات کے صلے میں انہیں انعام واکرام دینا چاہا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ ۱۸۵۸ء میں آپ صدر الصدور ہو کر مراد آباد چلے گئے اور ۱۸۶۲ء میں غازی پور

تبادلہ ہوگیا۔ دوسال بعد علی گڑھ چلے گئے اور ۱۸۶۷ء میں بنارس چلے گئے۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں اپنے بیٹے سید حامد اور سید محمود کے ساتھ انگلستان گئے۔ وہاں پر حکومتی عمائدین سے ملاقاتوں کے علاوہ یونیورسٹیوں، کتب خانوں اور کارخانوں کو بغور دیکھا۔ غالباً ڈیڑھ سال بعد لوٹ آئے۔ ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا۔ جولائی ۱۸۷۶ء میں ریٹائر ہوئے اور قومی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ سرسید ۲۲ برس تک ملک وملت کیلئے جدوجہد کرنے کے بعد ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

تصانیف

حالی نے ان کی تصانیف کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ابتدا سے جنگ آزادی تک امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک کے ۴۳ بادشاہوں کے مختصر حالات پر مشتمل۔ جامِ جم، جلاء القلوب، بذکر المحبوبؐ۔ بو علی نے معیا العقول کے نام سے ابوذر یمنی کے عربی رسالے کا فارسی میں ترجمہ کیا جسے سرسید نے 'تسہیل فی جر القیل' کے نام سے ۱۸۴۴ء میں اردو ترجمہ کیا۔ آثار الصنادید، راہِ سنت و ردِ بدعت، نمیقہ دربیان مسئلہ تصور شیخ، سلسلۃ الملوک، قول متین در ابطال حرکت زمین، سیرت فریدیہ اور تاریخ بجنور مرتب کی۔

۲۔ جنگ آزادی سے یورپ جانے تک سرسید احمد کی زندگی کی بڑی اہم اور اپنے وقت کی جرأت مندانہ کاوش، اسبابِ بغاوتِ ہند، نامی تصنیف مراد آباد میں ۱۸۵۸ء میں لکھی گئی۔ ۱۸۶۰ء میں "لائل محمڈن آف انڈیا" کے نام سے انگریزی اور اردو میں ایک سلسلہ وار رسالہ شائع کیا گیا۔ تاریخ فیروز شاہی، کو شائع کیا۔ احکامِ طعامِ اہل کتاب لکھی۔ توریت وانجیل کی جو تحریف لفظی اسلام کے خلاف استعمال کی جاتی تھی، اس کی نشاندہی کیلئے سرسید احمد خان نے ان مذہبی صحائف کی "تبئین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام" کے نام سے تفسیر لکھی۔

۳۔ سفر یورپ سے رحلت تک "سفر نامہ یورپ" اس دور کی یادگار تصنیف ہے۔ خطبات احمدیہ، سرسید کی وہ تصنیف ہے جو سفر یورپ کا باعث بنی۔ ایک رسالہ 'ابطالِ غلامی' تحریر کیا۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر بھی کی۔ چند اسلامی مسائل سے متعلق النظر فی عبدض المسائل' بھی ان کی یادگار ہے۔ دورۂ پنجاب کے دوران سرسید نے جو لیکچر دیئے اور تقریریں کیں، سید اقبال احمد نے کمال زُودنویسی سے انہیں لکھا جو بعد میں "سفر نامہ پنجاب کے نام" سے شائع ہوئیں۔ ایک غیر مسلم مصنف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعداد ازواج پر اعتراضات کئے تو سرسید احمد خان نے باوجود ضعف ونقاہت کے ان اعتراضات کے جواب میں "امہات المومنینؓ" نامی ایک رسالہ لکھا۔ ان سب کے علاوہ "تہذیب الاخلاق "میں شائع ہونے والے سرسید کے تمام مضامین یک جا کر دیئے گئے۔ سرسید کے خطوط انکے پوتے سرراس مسعود نے "خطوط سرسید" کے نام سے شائع کئے۔

سر سید کا اسلوب

سر سید احمد اپنی تحریروں کو مؤثر بنانے کیلئے مشکل الفاظ، بے جا تراکیب سے اپنا دامن بچاتے ہیں اور قرآنی آیات، احادیثِ نبویؐ، عربی اقوال اور ضرب الامثال بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ان کے فقروں کی قامت کہیں طویل اور کہیں مختصر ہوتی ہے اور ان کے پیراگراف اپنی "رعب انگیز عظمت" سے قاری کو مرعوب کر لیتے ہیں۔ حسب موقع وضرورت وہ اثر آفرینی کے وسائل سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

خطباتِ احمدیہ کا تعارف

سر سید احمد خان (1817-1898) کی کتاب کا پورا نام "خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ" ہے لیکن یہ "خطبات احمدیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ (A Series of Essays on the Life of Muhammad) کے عنوان سے 1870ء میں لندن میں شائع ہوا اور اصل اردو کتاب، ضروری اضافوں کے ساتھ 1887ء میں ہندوستان میں چھپی۔ "خطبات احمدیہ" ولیم میور کی سیرتِ رسولؐ پر مشہور انگریزی کتاب کے جواب میں لکھی گئی۔

خطبات احمدیہ کی تمہید

"خطبات احمدیہ" ایک تمہید (دیباچہ) اور بارہ مقالات پر مشتمل 803 صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔

۱۔ تمہید میں سر سید نے مذہب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور سچے مذہب کو پرکھنے کا واحد اصول قانونِ قدرت کے مطابق ہونا قرار دیا ہے اور اسلام کو قانونِ قدرت کی پاسداری کرنے کی وجہ سے دنیا کا سچا مذہب ثابت کیا۔

۲۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی تحریر کردہ سیرت کی کتابوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

۳۔ سر سید نے عیسائی مؤرخین کا ذکر بھی کیا ہے۔ جنہوں نے اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کتابیں لکھیں
ہیں۔

۴۔ سیر سید سر ولیم میور کی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب " لائف آف محمدؐ" پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اس کتاب پر رائے دیتے وقت انہوں نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، چنانچہ جہاں وہ ولیم میور کی کتاب کو عیسائی مصنفین میں سب سے عمدہ قرار دیتے ہیں، جو ان کے خیال میں نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی گئی ہے اور جس کے مصنف کے بارے میں ان کی یہ رائے ہے کہ وہ مشرق اور مغربی علوم سے پوری طرح واقف ہے اسی لئے یہ کتاب یورپ کے پڑھے لکھے لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، وہیں وہ کتاب کے نقص کی نشان دہی کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

مقالات کا تعارف

تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جو بارہ مقالات پر مشتمل ہے، ہر مقالہ کو خطبہ کا نام دیا گیا ہے۔

پہلا خطبہ

یہ خطبہ کتاب کا سب سے طویل مقالہ ہے، جو 180 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور طوالت و جامعیت کے اعتبار سے بجائے خود ایک کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے اہل عرب کا مفصل تاریخی جغرافیہ درج کیا ہے تا کہ ان مسلمات کو ثابت کیا جا سکے، جن کا سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں انکار کیا تھا۔ پھر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کے مکہ میں آباد ہونے، حضرت اسماعیلؑ کی بیویوں اور بارہ بیٹوں کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کا تذکرہ ہے۔ پھر اقوام عاد و ثمود کا عرب میں ہونا اور حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کا ان میں مبعوث ہونا، بعد ازاں عرب کے بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کی تفصیل ہے۔

دوسرا خطبہ

24 صفحات کے اس مختصر خطبہ میں اسلام سے قبل عربی اقوام کی عادات و خصائل، رسم و رواج اور عقائد و اوہام پر روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ زمانہ جاہلیت کے اخلاق کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آ سکے۔ یہاں تفصیل سے شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن میں امرؤ القیس، لبید طرفہ، نابغہ عمرو، حاتم طائی، باہلی، ہذلی بکری، زبیدی، حسن، عوض اور حارث وغیرہ کے اشعار قابل ذکر ہیں۔

تیسرا خطبہ

یہ خطبہ بھی مختصر ہے اور صرف 28 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان مذاہب کا حال بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھے۔ ۱۔ مذہب صابی ۲۔ مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیائے عرب یعنی حضرت اسماعیلؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کا مذہب ۳۔ مذہب یہود ۴۔ مذہب عیسوی۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے سابقہ الہامی مذاہب کی تصدیق کی ہے اور یہی چیز اس کی صداقت کی دلیل ہے۔

چوتھا خطبہ

یہ خطبہ خاصہ طویل ہے اور 93 صفحات پر محیط ہے۔ اس میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ اسلام دنیا میں رحمت کا باعث ہے۔ مصنف نے اس خطبہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں وہ فائدے بیان کئے گئے ہیں جو مذہب سے عموماً انسانی معاشرت کو پہنچے ہیں۔ اس خطبہ کے دوسرے حصے میں سر سید نے ان عیسائی مصنفین کی رائے کی تردید کی ہے جنہوں نے اسلام کو بنی نوع انسان کی معاشرت کے حق میں نقصان دہ ثابت کیا ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے "لائف آف محمدؐ" میں مذہب اسلام سے پیدا ہونے والی تین خرابیوں کا ذکر کیا ہے۔

اسلام نے تعددِ ازدواج اور طلاق کی اجازت دی ہے اور غلامی کو مستحکم کیا۔

الف۔ اسلام نے مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈالی ہے۔

ب۔ اسلام میں تحمل کا نام ونشان نہیں ملتا۔

ج۔ اسلام نے عیسائیت کے فروغ کی مخالفت کی ہے۔ سر سید نے ان تینوں اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے۔

خطبہ کے تیسرے اور چوتھے حصے میں وہ فائدے بیان کئے گئے ہیں جو یہودیت اور عیسائیت کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئے ہیں۔

پانچواں خطبہ

یہ خطبہ 22 صفحات پر مشتمل ہے اس خطبہ میں مسلمانوں کی دینی کتابوں یعنی کتبِ احادیث، کتب سیر، کتب تفاسیر اور کتبِ فقہ کی تالیف وترتیب کے اغراض ومقاصد بیان کئے ہیں۔ تاکہ ان کتابوں کی طرز تصنیف سے واقف ہو کر غیر مسلم محققین آئندہ گمراہ نہ ہوں اور جب کبھی اسلام پر قلم اٹھائیں تو ان کے لئے سیدھا راستہ موجود ہو۔

چھٹا خطبہ

یہ خطبہ مذہب اسلام کی روایتوں کی حقیقت اور ان کی ترویج واشاعت کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ 83 صفحات پر مشتمل اس طویل مقالہ میں مصنف نے روایات کی حقیقت اور ان کی ترویج واشاعت اختلافِ روایات کے مختلف اسباب اور احادیث موضوعہ سے بحث کر کے ڈاکٹر اسپر نگر اور ولیم میور کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

ساتواں خطبہ

اس خطبہ میں قرآن حکیم کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول، اس کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب، مختلف قرآنی آیتیں ناسخ اور منسوخ کی بحث، بحث جمع قرآن کا زمانہ، اس کی نقول کی اشاعت، اس کا کامل اور الہامی ہونا بیان کر کے سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کی قرآن حکیم کے متعلق پھیلائی ہوئی غلطیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس مقالہ میں جو 84 صفحات پر مشتمل ہے، سر سید نے قرآنی آیات پر احادیث نبویؐ کی مدد سے نزولِ قرآن کی پوری کیفیت بڑی وضاحت سے بیان کی ہے۔

آٹھواں خطبہ

یہ خطبہ، جو 63 صفحات پر مشتمل ہے، خانہ کعبہ کے اسلام سے قبل کے تاریخی حالات سے بحث کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اس سلسلے میں سر سید نے قرآن مجید کی حقیقت اور عرب کی روایت کے ساتھ جغرافیائی تحقیقات اور تاریخی حقائق کی مدد سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔

نواں خطبہ

یہ خطبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب و نسب کی تحقیق پر ہے اور 25 صفحات پر مشتمل ہے۔

دسواں خطبہ

اس خطبہ میں جو 74 صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے وہ بشارتیں درج کی ہیں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بارے میں تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔

گیارہواں خطبہ

اس خطبہ میں جو 55 صفحات کا ہے، سرسید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور واقعہ معراج کو بیان کیا ہے۔ سرسید واقعہ معراج کو صرف قرآن کے حوالے سے مانتے ہیں۔

بارہواں خطبہ

اس آخری خطبہ میں، جو 38 صفحات پر محیط ہے، سرسید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے بارہ برس تک کی عمر کے واقعات روایتوں کی مدد سے بیان کئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ان بے شمار روایات کی تردید بھی کرتے چلے گئے ہیں، جو سیرت کی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔

خطبات احمدیہ کے ماخذات

"خطبات احمدیہ" کا محرک سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمدؐ" ہے۔ اس لئے اس کتاب میں سب سے زیادہ حوالے ولیم میور کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ خطبات احمدیہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ قرآن حکیم ۲۔ صحیح بخاری ۳۔ مشکوٰۃ ۴۔ صحیح مسلم ۵۔ سنن ابن داؤد ۶۔ سنن ابن ماجہ ۷۔ سنن نسائی ۸۔ جامع ترمذی ۹۔ مسند احمد بن حنبل ۱۰۔ سیرت ابن ہشام ۱۱۔ کتاب المغازی (واقدی) ۱۲۔ تاریخ ابو الفداء ۱۳۔ معجم البلدان ۱۴۔ مروج الذہب ۱۵۔ طبقات ابن سعد ۱۶۔ حمزہ اصفہانی ۱۷۔ تاریخ طبری ۱۸۔ کتاب الشفاء ۱۹۔ مواہب اللدنیہ ۲۰۔ مدارج النبوۃ ۲۱۔ تفسیر بیضاوی ۲۲۔ تفسیر کشاف ۲۳۔ نزہتہ المشتاق (شریف الادریسی) ۲۴۔ تفسیر رازی ۲۵۔ حجتہ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) ۲۶۔ اخبار مکہ (ازرقی) وغیرہ۔

اس طرح "خطبات احمدیہ" میں بہت سی انگریزی اور کچھ فرانسیسی، جرمن، عبرانی اور لاطینی کتابوں کے حوالے بھی آئے ہیں جنہیں مصنف نے بعض خیالات کی تائید یا تردید کیلئے استعمال کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بائبل ۲۔ انسائیکلوپیڈیا ۳۔ جغرافیہ عرب (ریورنڈ فاسٹر) ۴۔ سقوط وزوال، روما (ایڈورڈ گبن) ۵۔ لیکچرز آن ہیروز (تھامس کارلائل) ۶۔ عبرانی ڈکشنری ۷۔ ترجمہ قرآن حکیم (جارج سیل) ۸۔ تاریخ دین مسیتری (ولیم میور) ۹۔ اپالوجی فار محمدؐ (گاڈ فرے ہگنز) ۱۰۔ بائیو گرافی آف محمدؐ (اسپر نگر) ۱۱۔ ایکلیز پاسٹکل ہسٹری (موشیم) وغیرہ ۱۲۔ اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن (جان ڈیون پورٹ) ڈائی کراٹیکن ڈراسٹ مکہ

۳۔ سید سلیمان ندوی

علامہ سید سلیمان ندوی کا نام انیس الحسن تھا۔ یہ نام ان کے دادا نے رکھا تھا، کنیت ابو نجیب تھی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو انہوں نے اپنا نام سید سلیمان بتانا اور لکھنا شروع کر دیا۔ سید سلیمان ندویؒ مرحوم نسب کے اعتبار سے ددھیال کی طرف سے "حسینی" اور ننھیال کی طرف سے "زیدی" سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اجداد جزیرۃ العرب سے برصغیر آئے اور بہار میں قیام کیا۔ علامہ سلیمان کا وطن بہار کے ضلع پٹنہ میں دیسنہ کا علاقہ ہے۔ سلیمان صاحب کے والد ماجد مولانا حکیم سید ابو الحسن ایک ممتاز عالم تھے۔ وہ ریاست "اسلام پور" میں شاہی طبیب تھے اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ کامل تھے۔ سلیمان صاحب کی والدہ ماجدہ ایک عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں اور انکے بڑے بھائی مولانا سید ابو الحبیب جو ان سے عمر میں اٹھارہ سال بڑے تھے۔ انہیں بھی سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت لینے کی اجازت تھی

۔

سید سلیمان ندوی 22 نومبر 1884ء کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ سید سلیمان ندوی نے ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں حاصل کی۔ گھر کا ماحول دینی و علمی تھا۔ ان کے برادرِ بزرگ ابو حبیب مجددی نے انہیں ابتدائی کتب پڑھائیں۔ سلیمان صاحب نے اپنے بڑے بھائی کے بارے میں فرمایا ہے:

"میں اپنے بھائی صاحب کے فیضِ صحبت سے اپنے قلب میں پاکی محسوس کرتا تھا۔"

کچھ کتابیں اپنے والد کے پاس اسلام پور میں پڑھیں۔ اس کے بعد پھلواری (پٹنہ) کی خانقاہ مجیبی میں رہ کر کچھ کتابیں پڑھیں۔ پھلواری کے بعد سلیمان صاحب کو مدرسہ امدادیہ (دربھنگہ) بھیج دیا گیا۔ جہاں انہوں نے ایک سال تک رہ کر درس نظامی کی بعض کتابیں ختم فرمائیں۔ سلیمان صاحب بچپن میں متین اور خاموش طبیعت تھے۔ اگر کوئی کبھی سختی سے گفتگو کرتا تو اس کا جواب نرم الفاظ میں دیتے اور خاموش ہو جاتے تھے۔ کبھی لب و لہجہ سخت نہیں ہوتا تھا۔ درسی کتابوں کی تکرار میں لب و لہجہ پرزور ہوتا قہقہے لگا کر ہنستے نہیں تھے۔ گفتگو میں ظرافت ہوتی تھی۔

ندوۃ العلماء

سلیمان صاحب نے 1901ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ جہاں سے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ 1906ء میں سند حاصل کی۔ ندوۃ العلماء میں ان کی ملاقات علامہ شبلی نعمانی سے ہوئی۔ علامہ شبلی کے دل میں سلیمان ندوی کی بہت قدر تھی۔ زندگی کے آخری ایام میں شبلی نعمانی کو اپنی تصنیف سیرت النبیؐ کی تکمیل کی فکر ہوئی تو انہوں نے اس کتاب کے تمام مسودات ایک الماری میں مقفل

کروادیئے اور تیار داری میں مصروف عزیزوں کو یہ وصیت فرمائی کہ یہ مسودے حمید الدین (مولانا شبلی کے ماموں زاد بھائی) اور سید سلیمان کے سپرد کئے جائیں۔ ان کے سوا کسی اور کو ہرگز نہ دیئے جائیں۔ انتقال سے تین روز قبل سلیمان ندوی اپنے استاد شبلی نعمانی کے پاس پہنچے تو استاد شبلی نے فرمایا:۔

''سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ سب کام چھوڑ کر اس کو پورا کرو۔''

سید سلیمان نے عرض کیا:''میں حاضر ہوں ضرور تعمیل کروں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سعادت مند شاگرد کو بعد میں یہ توفیق عطا فرمائی کہ انھوں نے استاد کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور سید سلیمان ندوی نے شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النبیؐ کی باقی جلدیں لکھ کر بڑا فریضہ انجام دے دیا۔ مختلف علوم کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد چالیس برس کی عمر تک سید سلیمان ندوی علمی تحقیق اور تصنیفی مشاغل میں مصروف رہے۔

علمی شہرت

سلیمان صاحب مختلف دینی علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہیں ''الندوۃ'' جیسے بلند پایہ خالص علمی ماہنامے کا نائب صدر بنادیا گیا۔ رسالے کی ادارت تو برائے نام تھی۔ اصل میں یہ ایک شعبہ تصنیف و تالیف تھا۔ اس رسالے کا معیار اس قدر علمی تھا کہ ملک کے اعلیٰ اہل قلم کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

حسن اخلاق

سلیمان صاحب حسن اخلاق میں پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام کی پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ حلم، مروت، حیا، انکسار وغیرہ سب نیک اوصاف رکھتے تھے۔ سلیمان صاحب کے اخلاق و عادات میں جہاں اور متعدد اوصاف موجود ہیں ،وہاں ان کی علمی فراخدلی اور تحمل خصوصاً قابلِ ذکر ہے ان کی سیرت میں اس نوعیت کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ایک شخص نے سلیمان صاحب کے ایک تاریخی مقالے کا لفظ بہ لفظ جرمن زبان میں ترجمہ کر کے برلن یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی۔ کچھ عرصہ بعد افشائے راز کے اندیشے یا ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر سلیمان صاحب کے پاس آئے اور اظہار ندامت کیا۔ سلیمان صاحب نے نہایت فراخ دلی سے معاف کر دیا اور فرمایا!

''کوئی ہرج نہیں۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور آپ کا فائدہ ہو گیا۔''

مرشد کی تلاش

سید سلیمان ندوی کو اگرچہ اب تک قابل احترام اساتذہ کی قربت حاصل رہی لیکن انھیں مرشد کامل کی تلاش تھی اور پھر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سید سلیمان نے شیخ تھانویؒ کی زندگی میں سلوک و معرفت کے مراحل طے کر

لئے۔اشرف تھانویؒ نے ان کی تربیت فرمائی اور ایک روز سلیمان صاحب کے نام ایک خط لکھا، جس میں تحریر تھا کہ ''میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں۔ میں نے اس سلسلے میں استخارہ بھی کر لیا ہے۔ اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟''سلیمان صاحب اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

''آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔''

''سلیمان صاحب نے مؤدبانہ عرض کیا''

''آپ کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہاں میں اور کہاں یہ ذمہ داری!

اشرف تھانویؒ نے فرمایا

''الحمدللہ !وہی جواب آیا جسکی توقع تھی۔''

اس کے بعد مرشد تھانویؒ کے فیض صحبت سے سلیمان صاحب کی زندگی میں اس قدر واضح انقلاب رونما ہوا کہ وہ ایک طرح دنیائے علم کے ساتھ ساتھ دنیائے معرفت میں آ گئے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت حاجی امداداللہ مہاجری مکیؒ کے خلیفہ ہیں۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء کی تعداد 68 ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ۔۔۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ان پانچ خلفاء کے علاوہ 63 خلفاء گرامیؒ اور ہیں۔

تصنیف

سید سلیمان ندوی کی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیرۃ النبی ﷺ ۲۔ خطبات مدارس ۳۔ سیرت عائشہؓ ۴۔ ارض قرآن ۵۔ خیام ۶۔ حیاتِ شبلیؒ ۷۔ عرب وہند کے تعلقات

سیرت النبی ﷺ

سیرت النبی ﷺ اصل میں علامہ شبلی کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ علامہ شبلی نعمانی یہ کتاب اس انداز سے لکھنے کے خواہش مند تھے کہ اس موضوع پر جملہ ضروری معلومات ایک جگہ فراہم کر دی جائیں۔ لیکن وہ اس کتاب کے پہلے دو حصے ہی لکھ سکے تھے کہ وصال فرما گئے۔ پھر سلیمان صاحب نے سالہا سال کی محنت و کاوش کے بعد اس کے چار حصے اور لکھ کر اس کتاب کو مکمل کر دیا۔ بلاشبہ شبلی نعمانی کے بعد اس کتاب کی تکمیل سید صاحب کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ پہلی دو جلدوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارک کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔ تیسری جلد خاص طور پر دلائل و معجزات پر مبنی ہے۔ چوتھی جلد میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ جن میں نبوت

،وحی،ملائکہ، قیامت، سزا اور جنت و دوزخ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔پانچویں جلد عبادات سے متعلق ہے نماز،روزہ،حج،زکوۃ اور جہاد کی تفصیل اور انکی حکمتوں کی تفصیل و تشریح کی گئی ہے ۔پھر قلبی عبادات مثلاً تقویٰ ،اخلاص ،توکل ،صبر ،شکر وغیرہ کا ذکر ہے۔ چھٹی جلد اخلاقیات کے موضوع پر ہے۔جس کا تعلق زیادہ تر حقوق العباد سے ہے۔اس میں اسلامی اخلاق کے امتیازی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اسلام اور اخلاق حسنہ کا تعلق ظاہر کیا گیا ہے۔

1953ء کو آپ رضائے الٰہی سے وصال فرماگئے۔(انااللہ وانا الیہ راجعون)

ہندو پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی سلیمان صاحب کے انتقال پر رنج اور افسوس کا اظہار کیا گیا۔

۴۔سید مناظر احسن گیلانی

سید مناظر احسن گیلانی 1892ء میں پیدا ہوئے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے چچا محترم سید ابو النصر سے کیا۔اردو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے اور انگریزی کی کچھ کتابیں پڑھنے کے بعد ٹونک چلے گئے اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کے قریب تھی۔ٹونک میں برکات احمد بہاری ٹونکی سے استفادہ کیا۔ سید مناظر احسن گیلانی نو سال تک ٹونک میں مقیم رہے اور ان کا شمار ذہین طالب علموں میں ہونے لگا۔سید مناظر احسن گیلانی نے ٹونک میں قیام کے دوران ملتان کے عالم محمد اشرف سے ادب میں مقامات حریری، حماسہ اور سبعہ معلقہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔مولانا محمد اشرف سے ریاضی، ہیت اور ہندسہ کی تعلیم حاصل کی۔سید گیلانی ٹونک سے اجمیر گئے اور یہاں کچھ عرصے معین الدین اجمیری سے مذاکراتی استفادہ کیا اور واپس ٹونک آگئے اس کے بعد وہ 1912ء میں دورہ حدیث کیلئے دار لعلوم دیوبند گئے ۔دارالعلوم دیوبند میں دو سال زیرِ تعلیم رہ کر سند فضیلت حاصل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا درس لیا مولانا انور شاہ کاشمیری سے صحیح مسلم پڑھی۔

سید مناظر احسن گیلانی دارالعلوم دیوبند سے 1914ء میں فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد اسی سال اپنی اولین مادر علمی "مدرسہ خلیلیہ ٹونک" میں بطور استاد مقرر کئے گئے۔ٹونک میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حیدرآباد میں رہائش پذیر ہوئے۔حیدرآباد میں ایک رفیق درس سید مقبول احمد کے ساتھ گجرات کے شہروں بردولی، راندیر اور احمد آباد کا سفر کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند پہنچا اور دارالعلوم میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔اور رسالہ "القاسم" اور الرشید" کی ادارت بھی ان کے ذمہ کی گئی۔1916ء کی روداد میں انہیں "معین مدرسان عربی" کے زمرے میں شمار کیا گیا اور باقاعدہ ملازمت کا آغاز ہوا۔جب 1919ء میں کلیہ جامعہ عثمانیہ قائم ہوا تو مولانا حمید الدین فراہی کے توسط سے کلیہ جامعہ عثمانیہ میں استاد حدیث کا تقرر ہوا۔سید مناظر احسن گیلانی کی زندگی کا کافی بڑا حصہ جامعہ عثمانیہ میں گزرا سید مناظر احسن گیلانی کی تفہیم کا طریقہ انتہائی دلکش تھا وہ دقیق مسائل ایسے عام فہم انداز میں پیش کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے طلبہ میں مذہبی مسائل پر تحقیقات اور تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا ہو گیا۔جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے سبکدوش ہو جانے کے بعد سید مناظر احسن گیلانی اپنے وطن چلے گئے۔

سید مناظر احسن گیلانی آخری دنوں میں بہت کمزور ہوگئے تھے 5 جون کی شب انہیں دل کا دورہ پڑا، افاقہ ہوا تو نماز فجر ادا کی اور لیٹ گئے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

تصنیف و تالیف

سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز رسالہ ''القاسم'' دیوبند سے کیا اور محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات کی چوتھی جلد لکھ رہے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ برصغیر پاکستان و ہند کے اکثر رسائل میں آپ نے دینی موضوعات پر مضامین لکھے۔ آپ نے حدیث و فقہ، تاریخ و سوانح، معاشیات و سیاسیات، فلسفہ و تصوف اور عقائد و کلام سب ہی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ سید مناظر احسن گیلانی کی ہزاروں صفحات اور متعدد کتابیں بھی یادگار ہیں مگر ایک دو کتابوں کے علاوہ کوئی کتاب انہوں نے باضابطہ طور پر نہیں لکھی البتہ سیرت کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ''النبی الخاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام'' بڑی شہرت کی حامل ہے۔

النبی خاتم ﷺ

سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب ''النبی الخاتم ﷺ'' دراصل 140 صفحات پر مشتمل ایک طویل مقالہ ہے جو انہوں نے اپریل 1936ء میں تحریر کیا تھا۔ سید مناظر احسن گیلانی بڑے فاضل، محقق اور وسیع النظر عالم ہیں اور ان کی کتابیں ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی، تذکرہ شاہ ولی اللہ، ابو ذر غفاریؓ، تدوین حدیث، اسلامی معاشیات اور الدین القیم ان کی وسعت النظر، کثرت مطالعہ اور علم و دانش اور ذہانت کی گواہ ہیں۔ سید مناظر احسن گیلانی نے ''النبی الخاتم ﷺ'' میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے واقعات مربوط اور مسلسل درج کرنے کے بجائے صرف مخصوص پہلوؤں کا انتخاب کیا ہے۔ ''النبی الخاتم ﷺ'' کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا مکی اور دوسرا مدنی ہے۔ النبی الخاتم ﷺ کی اصل خوبی اس کا پرجوش، والہانہ اور ولولہ انگیز انداز بیان ہے۔

دورِ جدید کی سیرت نگار خواتین

جس قدر علم ہو سکا اسکے مطابق وہ خواتین جنہیں سیرت النبیؐ پر تصنیف و تالیف کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	کتابیات	مؤلفات
1	روشن مثال	پروفیسر عفت گل اعزاز
2	پیارے نبی ﷺ کے ردیف صحابہ رضوان	ام عبد منیب
3	رحمتہ اللعالمین ﷺ کی شفقت جانوروں پر	ام عبد منیب
4	رسول اکرم ﷺ	ام فاروق
5	حضور ﷺ کا لڑکپن اور بچپن	مسز مسرت کلانچوی

6	محمد ﷺ پیارے نبی کا سراپا مبارک	تزئین انصاری
7	ہمارے حضور ﷺ اہلیہ	ڈاکٹر سہراب انور
8	صاحب القرآن بہ نگاہِ قرآن اہلیہ	ڈاکٹر سہراب انور
9	ذکر النبی ﷺ اہلیہ	ظریف احمد تھانوی
10	تعلیمات نبوی ﷺ اور ہماری زندگی	سیدہ بشریٰ تابش
11	پیارے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ	بشریٰ امام
12	اسوۃ حسنہ ﷺ	بنت الاسلام
13	اسلام اور اصلاح معاشرہ	ڈاکٹر زینت ہارون
14	اسوہ حسنہ	مسز مسرت شوکت علی
15	رحمت عالم ﷺ	بیگم خورشید
16	رسول اکرم ﷺ کا اسلوب انقلاب	تسنیم کوثر
17	اسلام کا عسکری نظام (سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں)	تسنیم کوثر
18	پیغامِ محبت اور انسانیت	ثاقبہ رحیم الدین
19	رسولِ کائنات ﷺ	ثمر عبدالکریم
20	محسن نسواں ﷺ	حبیب النساء
21	پیر کامل ﷺ	حمیدہ اختر
22	اطاعت رسول رحمت ﷺ	خالدہ جمیل
23	حالات حاضر میں سیرت کا پیغام	ڈاکٹر رخسانہ جبیں
24	اسوہ حسنہ ﷺ	رفعت اقبال
25	عہد نبوی ﷺ کے غزوات اور سرایا	رفعت اقبال
26	سرور کائنات	زاہدہ اقبال
27	حضرت محمد ﷺ کی مدنی زندگی اور قیام امن کے لیے اقدامات	زینت ہارون
28	اسوہ حسنہ ﷺ	ساجدہ محمد حسین
29	خاتم النبیین ﷺ	سعیدہ وحید
30	سیرت ﷺ کوئز	سمیرا بٹ
31	عہد رسالت کا خاموش انقلاب	شاہدہ منیر
32	جائے امن اور پیغمبر امن ﷺ	شہناز کوثر
33	حضور اکرم ﷺ کی طرف سے خواتین کو عطا کردہ فرمودہ اعزازات	شہناز کوثر

BIOGRAPHY OF HAZRAT MUHAMMAD (SAWW)

BY

FEMALE SCHOLARS IN THE WORLD

Author	Book Title
01 SrKaren Armstrong	Muhammad:
02 Demi Muhammad	A biography of the Prophet
03 W. Montgomery Watt	Muhammad: Prophet and Statesman
04 Tamam Kahn	Untold: A History of the Wives of Prophet Muhammad
05 Leila Azzam	The Life of the Prophet Muhammad
06 Asma Afsaruddin	The Quest for the Historical Muhammad
07 Uri Rubin	Muhammad: The Prophet and Arabia
08 Mircea Eliade	Mysteries
09 Sahaja Carimokam	Muhammad and the People of the Book
10 Mehru Jaffer	The Book of Muhammad

the Islamic Tradition & Muhammad 1 Emile Dermangham1

اُردو زبان میں سیرت نگاری

اردو میں سیرت النبیؐ کی منظوم ابتدا تو گیارہویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی لیکن اردو نثر کے ارتقائی سفر میں سیرتِ محمدیؐ پر کتب کی تصنیف و تالیف تیرہویں صدی ہجری سے ہوئی جب محمد باقر آگاہ (۱۲۲۰ھ) اور قاضی بدرالدولہ (۱۲۸۰ھ) نے سیرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بالترتیب "ریاض السیر" اور "فوائد بدریہ" تصنیف کیں۔ اس دور کی سیرت کی کتابوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید شاہ علی اپنی کتاب "اردو میں سوانح عمری" میں لکھتے ہیں،

"مذہبی سوانح عمریوں میں سب سے پہلے پیغمبرِ اسلام کی سیرت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں ایک قسم ان قدیم وضع کی تصانیف کی ہے جو عربی و فارسی تصانیف کے انداز پر ہیں یا اُنسے ماخوذ ہیں یا ترجمہ کی گئی ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری میں ہی عربی اور فارسی کی بعض مشہور کتبِ مغازی و سیر کے اردو میں ترجمے کئے گئے، جیسے عربی کتاب مغازی کا ترجمہ "شوکتِ اسلام" کے نام سے ہوا۔ واقدی کی کتاب المغازی کے کئی تراجم کئے گئے جن میں سے ایک مولوی بشارت علی خاں کا "مغازی الصادقہ (ترجمہ مغازی رسولؐ)" کے نام سے اردو ترجمہ ۱۲۸۹ ہجری میں ہوا۔ اسی طرح حافظ ابن قیّم جوزی کی "زادالمعاد" کے چند اجزا کا ترجمہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے کیا۔ اسی دور میں فارسی کی عظیم الشان کتابِ سیرت "مدارج النبوۃ" (شیخ عبد الحق محدث دہلوی) کا اردو ترجمہ منہاج النبوۃ کے نام سے خواجہ عبد الحمید نے کیا جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں ترجمے لکھنؤ سے شائع ہوئے۔

سیرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دنیا بھر کے مسلمان اسکالرز نے کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں غلامان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ سرسید احمد خان کے "خطبات احمدیہ"، مولانا حالی کے "مولود نامے" کے علاوہ "معراج نامے"، "شمائل نامے"، "نور نامے" لکھے گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب علمائے اسلام کو کالے پانی کی سزائیں دی جا رہی تھیں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اظہار کا سلسلہ اسوقت بھی جاری رہا۔ مفتی محمد عنایت کاکوری نے ایام اسیری میں سیرت پر بہترین کتاب "تواریخ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" لکھی۔

بیسوی صدی کے نصف اول میں بعض غیر مسلم مصنفین نے بھی سیرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قلم اُٹھایا۔ لکشمن پرشاد کی کتاب "عرب کا چاند"، پنڈت سندر لال کی کتاب "حضرت محمد اور اسلام"، شردھے پرکاش کی کتاب "حضرت محمد صاحب"، جے ایس دارا کی تصنیف "رسولِ عربی" سیرت نگاری کے تذکرہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی دور میں مسلم مفکرین کی سیرت سے متعلق چند ایسی تصانیف سامنے آئیں جنہیں عوام میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی پانچ جلدوں پر مشتمل مشترکہ کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" عوام و خواص میں مقبول ہوئی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی "نشر الطیب"، مولانا ثناء اللہ امر تسری کی "مقدس رسولؐ"، مولانا ادریس کاندھلوی کی "سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم"، ڈاکٹر حمید اللہ کی "رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیاسی زندگی"، مفتی محمد شفیع کی "آداب النبیؐ"، پیر کرم شاہ الازہری کی "ضیاء النبیؐ"، حکیم سعید کی "دانائے سبل"، صفی الرحمن مبارکپوری کی "الرحیق المختوم" نے سیرت نگاری کی تاریخ وروایت کو برصغیر پاک وہند میں عالمانہ شان کے ساتھ آگے بڑھایا۔

دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں اور نہ اتنا تحقیقی کام ہوا جتنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ پر ہوا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی پر لکھنے والے سیرت نگاروں میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم سیرت نگار بھی بکثرت ہیں۔ مشرق و مغرب کی علمی زبانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکؑ پر تقریباً 56000 کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ رحمتہ اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ پر چودہ سو سال کے عرصے میں سیرت نگاروں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں اور سیرت نگاروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کے ہر گوشے کو اُجاگر کیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے مجھ سے اپنے والدین اور عزیز واقارب سے زیادہ محبت نہ ہو جائے۔" (صحیح بخاری۔ جلد اول۔ حدیث نمبر 14,13)

ایک محتاط اندازے کے مطابق چودہ سو سال سے اب تک سیرت النبیؐ 100 مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے رسائل، مقالات، خطبات، ریسرچ مقالہ جات اور کتابچے اس کے علاوہ ہیں۔ سیرت النبی پر لکھی گئی پہلی کتاب کا نام مغازی، عروہ بن زبیر ہے جبکہ دوسری کتاب سیرت ابن اسحق ہے۔ پھر اسلام کا سورج عجم اور دنیا کے مختلف ممالک میں طلوع ہوا۔ غیر عرب لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ خود رب کریم نے فرمایا ہے:

"اے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔"

(سورۃ النشرح۔ آیت 4)

پاکستان، ہندوستان، انگلستان، انڈونیشیا، ملائشیا، عرب امارات، چین، جاپان، روس اور دیگر ممالک میں سیرت طیبہؐ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی صحیح تعداد معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:
پاکستان میں اب تک سیرت النبیؐ پر لکھی گئی کتب کی تعداد تقریباً دو ہزار پانچ سو ہے جو اُردو، انگریزی، عربی، پنجابی، سرائیکی، گوجری، سندھی، پشتو، بلوچی، ہندکو زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا میں 5000ء تا 8000ء زبانیں بولی جاتی ہیں، اِن میں سے 116 سرکاری زبانیں ہیں۔ جن میں سے 100ء سے زائد زبانوں میں سیرت النبیؐ لکھی گئی ہے۔ سیرت طیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق جو کتابیں تفصیلاً یا اجمالاً مجھ عاجز بندے خواجہ شمس الدین عظیمی نے مطالعہ کی ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

قرآن حکیم زبور انجیل

توریت صحیح بخاری مشکوٰۃ شریف

صحیح مسلم سنن ابن ماجہ ابن داؤد

13 خواتین اسلام کی دینی اور علمی خدمات

